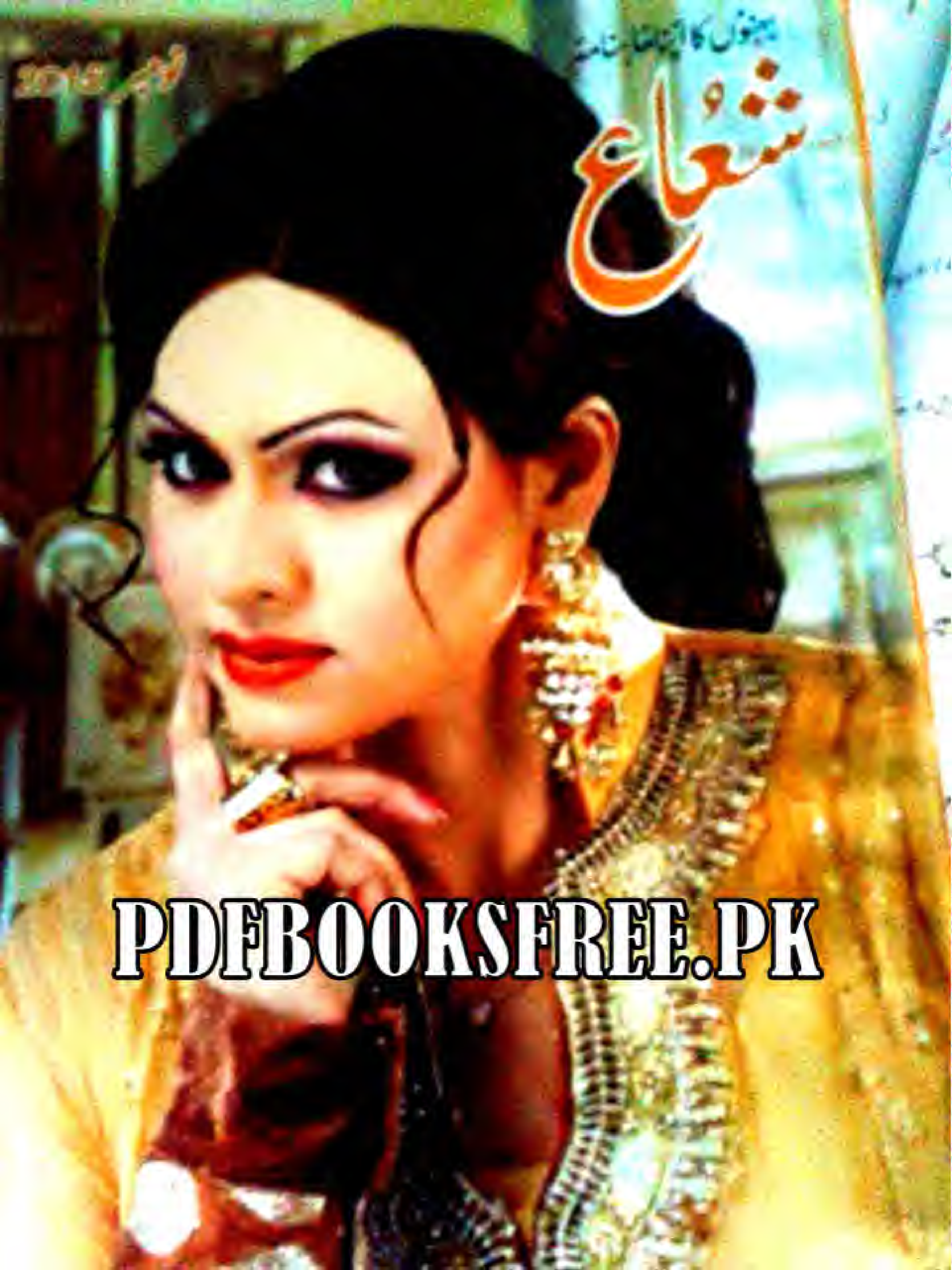
شعاع
PDFBOOKSFREE.PK

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

بانی و مدیرِ اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ —— رضیہ جمیل

مدیرِ منتظم —— آذر ریاض

مدیرِ اعزازی —— امت الصبور

فلم ٹیلی وژن —— شاہین رشید

اشتہارات —— خالدہ جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار، کراچی

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 10
حمد، کوثر خالد 11
نعت، چراغ حسن حسرت 11
نبیﷺ کی باتیں، ادارہ 12

انٹرویو

بندھن، انور مقصود 28
دستک، شاہین رشید 22
جب تجھ سے ناتا، ص.م. ذیرہ غازی خان 44
شعاع کے ساتھ، ادارہ 17

ناول

رقص بسمل، نبیلہ عزیز 48

مکمل ناول

جام آرزو، ہوش افتخار 84
وہی راستہ وہی منزل، مریم عزیز 128

ناولٹ

سیاہ حاشیہ، صائمہ اکرم 214
میں اور تم، عنبرین ولی 192
دل کے بھید، ہما چودھری 146

افسانے

دینار، سمیرا حمید 60
تو میرا سہارا، مہناز یوسف 73
آج کل کی لڑکیاں، شازیہ جمال 118
محبتوں کا آشیانہ، سویرا فلک 123

نظمیں و غزلیں

ایک آرزو، علامہ اقبال 273
غزل، شمیم فاطمہ 274
غزل، سید کامی شاہ 274

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلے کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	35
مسکراہٹیں	ادارہ	275
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	285
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	278
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	281
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	282
چائنیز کھانے	خالدہ جیلانی	288
خوبصورت بنیے	ادارہ	290

نومبر 2015

جلد 30 شمارہ 3

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: 91 بی 6 پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

نفیسہ جمیل

پہلی بات شعاع سے

شعاع کا نومبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
نئے اسلامی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔
اسلامی سال کے پہلے مہینے میں دس محرم الحرام کو کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا تھا۔ واقعہ کربلا اسلامی تاریخ کا ایک دل دوز سانحہ ہے۔ اس سانحہ کی ساری داستان ساری کہانی قربانی کے فلسفے پر ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان دے دی لیکن ظلم کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ وہ اپنے کردار کی طاقت اور قربانی سے جو درس دے گئے' اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ واقعہ کربلا صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں پوری انسانیت کے لیے مثال ہے۔
پچھلے کچھ سالوں سے عاشورہ کے ایام میں دہشت گردی کے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جنہوں نے خوف کی فضا کو جنم دیا ہے۔
ہر سال کی طرح اس سال بھی عوام کے تحفظ کے لیے خصوصی اقدامات کیے گئے ہیں۔ ملک بھر میں سڑکیں' شاہراہیں کئی دن کے لیے بند کر دی گئی ہیں اور لاکھوں سیکیورٹی اہلکار جلسے جلوسوں کی حفاظت پر مامور کیے ہیں۔ کراچی کے باسیوں نے ایک طویل مدت کے بعد سکون کا سانس لیا ہے اور امن و امان کی فضا بحال ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ عاشورہ کے دن خیریت کے ساتھ گزر جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- مریم عزیز کا مکمل ناول۔ وہی راستہ، وہی منزل،
- مہوش افتخار کا مکمل ناول۔ جام آرزو،
- صائمہ اکرم، عنبرین ولی اور رفعت چوہدری کے ناولٹ،
- سمیرا حمید، مہناز یوسف، شازیہ جمال طارق اور سویرا فلک کے افسانے،
- نبیلہ عزیز کا ناول۔ رقص بسمل،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ قارئین سے سروے،
- انور مقصود اور عمرانہ مقصود کا بندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع ہر ماہ ہم پوری محنت اور توجہ سے ترتیب دیتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ شعاع کا ہر شمارہ آپ کی پسند کے معیار پر پورا اترے۔ آپ کے مشورے اور رہنمائی شعاع کو مزید بہتر اور خوبصورت بنا سکتی ہے۔
شعاع پڑھ کر ہمیں خط ضرور لکھیں ہم منتظر ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

مالک ہے ربّ زمین و آسمان کا
محتاجِ کن ہے ذرّہ ذرّہ جہان کا

دشت و چمن کے رنگوں میں ہے جلوہ گر وہی
علیم ہے وہ مکان و لامکان کا

عرش و فرش کی ہر شے تسبیح خواں ہے ہر پل
محافظ ہے وہ زبردست ہر سائبان کا

جنّ و بشر اسی کی جنبش کے ہیں غلام
ہے گواہ پتا پتا اس کی ہی شان کا

نیکی کی آرزو میں کوثر جیے جائے گی
کر بندوبست مولا حشر کے سامان کا

کوثر خالد

نعت رسول مقبول ﷺ

دیتے ہیں سب انبیاء گواہی تیری
دُنیا تیری ہے دین پناہی تیری
روشن تجھ سے ہے محفلِ کون و مکاں
ہے دونوں جہاں میں پادشاہی تیری

بخشی انساں کو ارجمندی تُو نے
مسلم کو عطا کی سربلندی تُو نے
ذرّوں کو فروغِ جلوۂ مہر دیا
پستی کو بنا دیا بلندی تُو نے

اس نورِ مبیں سے این و آں روشن ہیں
روشن ہیں زمین و آسماں روشن ہیں
ہیں جلوہ فروزِ بزمِ کونین حضور
اک شمع سے یہ دونوں مکاں روشن ہیں

اسکندر و دارا کا حشم کیا شے ہے ؟
اور دبدبہ قیصر و جم کیا شے ہے ؟
ہو شاہِ عرب کا جس کی نظروں میں جلال
اُس کے لیے شوکتِ عجم کیا شے ہے ؟

چراغ حسن حسرت کاشمیری

پیارے نبی کی پیاری باتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔" (الاحزاب 56)

فائدہ آیت : صلاۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو معنی ہیں: رحمت و کرم گستری، فرشتوں کی طرف ہو تو استغفار اور انسانوں کی طرف ہو تو دعا کرنا۔ اس میں مسلمانوں کو صلاۃ اور سلام دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔

درود

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔" (مسلم)

فائدہ : درود پڑھنے کا مطلب اللھم صلی علی محمد آخر تک پڑھنا ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمت اور درجات کی بلندی کی دعا ہے جس کی بڑی فضیلت ہے۔ اس حدیث سے بھی اس کی فضیلت واضح ہے۔

سب سے قریب

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت والے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہو گا جو لوگوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہو گا۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

فائدہ : سب سے زیادہ قریب کا مطلب، میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اس میں بھی کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔

افضل دن

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، چنانچہ تم اس میں کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔"

صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا جب کہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہو گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کے (مبارک) جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔" (اسے ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل : 1۔ آرمت اور بلیت دونوں کے معنی بوسیدہ ہونے کے ہیں۔ جسموں کے زمین پر حرام ہونے کا مطلب ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی اور ان کے جسم بوسیدہ نہیں ہوتے۔

2۔ درود پیش کیے جانے کا مطلب ہے کہ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک درود پہنچاتے ہیں جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحت ہے۔ علاوہ ازیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی روح بھی لوٹائی جاتی ہے اور آپ اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

ذلیل خوار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد و مسائل : ناک خاک آلود ہو' کنایہ ہے ذلت و حقارت سے' یعنی ایسا شخص ذلیل و خوار ہو کہ میرا نام سنے اور پھر درود نہ پڑھے۔

جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر صرف انگوٹھا چوم لیتے ہیں' وہ بھی اس کی زد میں آسکتے ہیں کیونکہ وہ درود نہیں پڑھتے جب کہ حکم درود پڑھنے کا ہے اور انگوٹھا چومنے کا حکم کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں ہوا۔ بعض علماء کے نزدیک درود پڑھنے کا یہ حکم وجوب پر محمول ہے اور بعض کے نزدیک استحباب پر۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میری قبر کو عید (میلہ گاہ) مت بناؤ۔ اور مجھ پر درود پڑھو' اس لیے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو' تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔" (اسے ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل : عید مت بناؤ کا مطلب' عید کی طرح میری قبر پر اجتماع نہ کرو' جیسے عموماً قبروں پر سالانہ میلے وغیرہ ہوتے ہیں۔

بعض لوگ اس حدیث میں معنوی تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ تم عید کی طرح میری قبر پر نہ آیا کرو بلکہ جلدی جلدی اور ہروقت آیا کرو۔ لیکن اس کا مفہوم یہی ہے کہ میری قبر پر جمع ہونے کی ضرورت نہیں ہے' جیسے تم عید کے موقع پر جمع ہوتے ہو۔ اگلے جملے سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ جمع ہونے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ تم جہاں کہیں سے بھی درود پڑھو گے' مجھے فرشتوں کے ذریعے سے پہنچ جائے گا۔

زندہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اسے جواب دیتا ہوں۔" (اسے ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فائدہ : جب آپ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے تو ہمیں صرف اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی کیفیت و نوعیت کیا ہے؟ ہمیں اس کا علم نہیں ہے نہ ہو ہی سکتا ہے۔ اس رد روح کو بھی ان متشابہات میں سے سمجھنا چاہیے جن پر ایمان رکھنا تو ضروری ہے لیکن ان کی پوری حقیقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ بہر حال اس حدیث میں کثرت سے درود و سلام پڑھنے کی ترغیب ہے تاکہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہوں۔

یہ یقیناً "ایک بہت بڑی سعادت ہے' جو ہر مسلمان کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بخیل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

فوائد و مسائل :

1۔ بخل کا مطلب ہے کہ مستحق کو اس کا حق نہ دیا جائے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے دین و دنیا کی سعادت کا ذریعہ ہیں تو ضروری ہے کہ ہر مسلمان آپ کی خدمت میں درود و سلام کی سوغات بھیجتا رہے۔ بالخصوص جب کہ ایسا کرنے میں

کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا، نہ زیادہ محنت و مشقت ہی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان آپ کا نام سن کر درود نہیں پڑھتا تو یہ شخص یقیناً "بخیل" ہے۔

2۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا اسم گرامی سن کر درود پڑھنا چاہیے اور اس کے لیے صلی اللہ علیہ و سلم کہہ لینا بھی کافی ہے کیونکہ اس مختصر سے جملے میں درود اور سلام دونوں موجود ہیں۔

دعا

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک آدمی کو نماز میں دعا مانگتے ہوئے سنا جب کہ اس نے اللہ کی حمد بیان کی نہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم پر درود پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

"اس نے جلد بازی کی ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اسے بلایا اور اس سے یا کسی اور شخص سے (راوی کو شک ہے) فرمایا۔

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے (اور دعا مانگے) تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنے رب کی حمد و ثنا کرے، پھر نبی صلی اللہ علیہ و سلم پر درود پڑھے اور پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔" (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

فائدہ : فی صلاتہ (نماز میں دعا مانگتے ہوئے) کا مطلب ہے کہ نماز کے بعد یا نماز کے آخر میں دعا مانگتے ہوئے سنا۔ اسی طرح اذا صلی احدکم کا مطلب ہے: اذا صلی وفرغ وقعد للدعاء "جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جائے اور دعا مانگنے لگے" یا نماز کے آخری تشہد میں بیٹھ جائے کیونکہ سلام پھیرنے سے قبل تشہد و درود کے بعد بھی دعا مانگنی جائز ہے بلکہ بعض دعائیں پڑھنے کا حکم ہے۔ بہر حال دعا مانگنے سے پہلے حمد و ثنا اور درود پڑھنا ضروری ہے۔

سلام

حضرت ابو محمد کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ و سلم ہم نے آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ جان لیا ہے، ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

"یہ پڑھا کرو: ترجمہ ۔

اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما، جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل کی۔ بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! محمد اور آل محمد پر برکت نازل فرما، جیسے تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو تعریف کے قابل اور شرف و مجد کا مالک ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل : اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جس سلام کے پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ سلام ہے جو التحیات میں السلام علیک ایہا النبی پڑھا جاتا ہے۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیم اور حکم ہی سے صحابہ نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ جب اللہ نے قرآن کریم میں اہل ایمان کو حکم فرمایا کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم پر درود اور سلام پڑھو تو ان کے ذہن میں آیا، سلام تو ہم پڑھ لیتے ہیں لیکن درود کون سا پڑھیں۔ آپ نے اس حدیث میں اس کی وضاحت فرما دی۔ گویا حکم قرآنی پر نماز میں مکمل عمل ہو جاتا ہے اور ایک مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم پر درود اور سلام دونوں پڑھ لیتا ہے۔

درود

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تشریف لائے جبکہ ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بشیر بن سعد نے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

"اے اللہ کے رسول! اللہ نے ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہم آپ پر کیسے درود پڑھیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' یہاں تک کہ ہم نے آرزو کی کہ بشیر بن سعد آپ سے سوال ہی نہ کرتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ پڑھا کرو: ترجمہ۔

اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما' جیسے تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی۔ اور محمد اور آل محمد پر برکت نازل فرما' جیسے تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اور سلام (اسی طرح پڑھنا ہے) جیسے تم جانتے ہو۔" (مسلم)

فوائد و مسائل: اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی ہے کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو پہلے جانتے ہو کیونکہ وہ میرا ہی بتلایا اور سکھلایا ہوا ہے اور وہ ہے التحیات میں السلام علیک ایھا النبی۔

2۔ آل سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اور وہ اہل قرابت ہیں جو بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب میں سے مسلمان ہوئے۔ اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام پیروکار شامل ہیں۔

3۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس بات کا علم نہ ہو' وہ اہل علم سے پوچھ لی جائے۔ اپنی طرف سے کوئی بات اور طریقہ نہ گھڑا جائے۔ اور اہل علم سے مراد بھی وہ اہل علم ہیں جو قرآن و حدیث کے علوم سے بہرہ ور ہوں اور وہ دین سے متعلق سوالات کا جواب قرآن و حدیث سے دیں' نہ کہ محض اپنی سمجھ یا دوسروں کے اقوال سے۔

درود

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ پڑھا کرو: اے اللہ! محمد اور آپ کی ازواج اور اولاد پر رحمت نازل فرما' جیسے تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی۔ اور محمد اور آپ کی ازواج اور اولاد پر برکت نازل فرما' جیسے تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو تعریف کے قابل اور بزرگی والا ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ ازواج' زوج کی جمع ہے' بمعنی جوڑا۔ اسی لیے عربی میں مذکر اور مونث دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ مرد' عورت کا زوج ہے اور عورت' مرد کا زوج ہے۔ بہرحال یہاں اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔

2۔ اس حدیث سے پتا چلتا ہے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم بھی آل میں شامل ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں آپ کی اولاد ذکور و اناث اور پھر ان کی اولاد شامل ہے۔ بہرحال آپ کی ازواج اور ذریت بھی آپ کی آل میں شامل ہے۔

✡ ✡ ✡

کتاب الاذکار

ذکر و اذکار کا بیان

ذکر کی فضیلت اور اس کی ترغیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور اللہ کا ذکر ہر چیز سے بڑا (افضل) ہے۔" (العنکبوت 45)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"پس تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا۔"

(البقرہ 152)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"اپنے رب کو اپنے جی میں صبح و شام گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرو' نہ کہ اونچی آواز سے' اور غافلوں میں سے مت ہو۔" (الاعراف 205)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (الجمعتہ 10)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں" اللہ تعالیٰ کے اس قول تک کہ "اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب 35)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔" (الاحزاب 41-42)

فائدہ آیات :

ان تمام مذکورہ آیات میں اللہ کے ذکر کی تاکید اور حکم ہے۔ ذکر سے مراد ایسے اعمال کی پابندی ہے جن کو اللہ نے انسان کے لیے ضروری قرار دیا ہے یا جن سے اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ذکر زبانی بھی ہے جیسے اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس کی جلالت و عظمت کا ذکر۔ یہ ذکر دل سے بھی ہوتا ہے' یعنی انسان کائنات کے ذرے ذرے میں پھیلی ہوئی ان نشانیوں اور دلائل پر غور و فکر کرے جن سے اللہ کی ذات و صفات کی معرفت اور ان کا ادراک حاصل ہوتا ہے اور یہ ذکر اعضاء کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے جیسے انسان اللہ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھے' نماز پڑھے' روزے رکھے' حج کرے' زکوٰۃ دے' صدقہ و خیرات کرے وغیرہ۔

سب سے محبوب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے۔

"سبحان اللہ' والحمدللہ' ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔"

کہنا ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے' جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔" (مسلم)

فائدہ : مطلب یہ ہے کہ یہ کلمات جن میں اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس کی عظمت و توحید کا بیان ہے' دنیا بھر کی چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ یہ باقیات صالحات میں سے ہیں' ان کا اجر و ثواب ملے گا' جب کہ دنیا اپنے تمام ساز و سامان سمیت فنا سے دوچار ہو جائے گی۔ اس لیے باقی رہنے والی چیز ہی اس لائق ہے کہ انسان اس سے محبت کرے اور اس کو فانی چیزوں پر ترجیح دے۔

سو بار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص دن میں سو مرتبہ یہ کلمات کہے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر۔

" ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام تعریفات اسی کے لیے ہیں۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا' اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اور یہ کلمات اس کے لیے اس دن شام تک شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گے۔ اور (قیامت والے دن) کوئی شخص اس سے زیادہ فضیلت والا عمل لے کر حاضر نہیں ہو گا' سوائے اس شخص کے جس نے اس سے زیادہ یہ عمل کیا ہو گا۔"

اور (ایک اور حدیث میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔ سبحان اللہ و بحمدہ تو اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔" (بخاری و مسلم)

☆

شعاع کے ساتھ

ادارہ

حرا قریشی۔۔۔ ملتان

1۔ شعاع سے وابستگی کو کتنا عرصہ گزرا' اس حوالے سے کوئی دلچسپ واقعہ ہو تو لکھیں

ہمارے تعلق اور رابطے کی معیاد شعاع کے ساتھ قرنوں پر محیط نہیں۔ ہمارا تعارف اس سے باقاعدہ طور پر نہیں ہوا۔ ہاں ہم نے ایک ہی جلد میں اس کی ایک ہی رائٹر کی کہانیوں کو پڑھا تو داد دیے بنا نہ رہ سکے۔ وہ رائٹر فرحت اشتیاق تھیں۔ ان کی تحریروں نے "دنیا در دنیا" کی سنگت میں گردونواح سے بیگانہ کر کے بٹھا دیا۔ پھر ایک ہی جلد میں مزید دو نایاب رائٹرز سے ہم متعارف ہوئے۔ وہ محترم شخصیات عمیرہ احمد اور راحت جبیں کی تھیں۔ راحت جبیں کی کہانیوں میں ہم سبزہ زار وادیوں کی سیر سنتے رہے' گھریلو ماہ جبینوں کی سلیقہ شناسیوں میں موجود عمدگی کو سراہتے رہے۔ عمیرہ احمد کے ہر ہر لفظ کو قلم بند کرنے کی خواہش کرتے رہے۔

جی جناب اب آتے ہیں ایک سیکرٹ کی طرف چونکہ سسٹرز پڑھا کرتی تھیں "شعاع ڈائجسٹ" تو ایک تجسس سا تھا کہ آخر ہوتا کیا ہے اس کے اندر' ایک دفعہ جب تمام اہل خانہ شب کی تیرگی میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے اور ہم بیدار تھے تو جھٹ سے شعاع برآمد کیا اور ایک چھوٹی سی کہانی منتخب کی۔ وہ تین دوستوں پر ایک افسانہ تھا جو ہمیں بالکل متاثر نہ کر سکا۔ سو ہم نے چھپ کر کیے گئے اس کام سے ذرہ بھر دلکشی وصول نہ کی اور آئندہ اسے ہاتھ نہ لگایا۔ (سسٹرز پڑھنے بھی نہیں دیتی تھیں نا)

2۔ صبح سے رات تک کتنے کام نمٹاتی ہیں؟ اور ان مصروفیات میں مطالعہ کے لیے وقت کیسے نکالتی ہیں؟

صبح کاذب کا منظر تو دل کو کسی اور جہاں میں لے جاتا ہے۔ چہچہاتی چڑیوں کی سرگوشیاں مجھے ہمیشہ سے ہی اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ نیلگوں بادلوں پر پھیلی شفق کی رعنائیاں مجھے فلسفی بن جانے پر اکساتی ہیں۔ حی علی الفلاح کی صدا ایک سحر انگیز بازگشت کی طرح دل میں اترتی ہے۔ پھر عاجزی سے دست ناتواں دعا کے لیے دراز ہو جاتے ہیں کہ صبح کے آغاز پر اس دو جہاں کے مالک سے ملاقات کا شرف حاصل کیا جاتا ہے۔ کچھ دیر چپکے چپکے بات چیت کی جاتی ہے۔ ایک منٹ۔۔۔! بر وہ سورج کہاں رکتا ہے۔ اس کی اشجار سے جھانکتی کرنیں گردونواح میں اپنا نور پھیلاتی منتشر ہونے لگتی ہیں۔

پھر جناب حرا ناشتا بناتی ہیں۔ زیر لب حمد و نعت کی صدا جاری رہتی ہے۔ اس کے بعد ہلکی پھلکی صفائی کہ اسکول ٹائم سے پہلے جناب نے پہنچنا ہوتا ہے جہاں نصف دن تو گزر ہی جاتا ہے۔ اسکول سے واپسی پر لنچ ریڈی کیا جاتا ہے۔ بابا کے لیے چائے بنائی جاتی ہے کہ نماز کی ادائی تو اسکول میں ہی کر آتے ہیں' اس کے بعد سبزی وغیرہ بناتے ہیں۔ پھر کچن' درمیان میں نمازوں کا وقفہ اور آخر میں تھکے ماندے بستر پر' شب بخیر کا میسج احباب من کو کر دیا تو ٹھیک ورنہ جلد ہی سو جاتے ہیں۔ کبھی درمیان میں' جو ذرا فرصت ملے بھی تو مطالعہ ہی کیا جاتا ہے یا فرینڈز کو رپلائی۔

3۔ شعاع کی وہ کون سی تحریریں ہیں' جو دل پر نقش ہو گئیں' وہ تحریر جسے پڑھ کر دل الجھا' کسی کردار میں اپنی جھلک نظر آئی؟

فرحت اشتیاق کی ہر تحریر سے الوہی لگاؤ ہے وجہ

پڑھائی' ان کی محنتی ہیروئن میں اپنی چیدہ چیدہ برائے نام خوبیاں جو مل جاتی ہیں۔ پسندیدہ اور موسٹ فیورٹ رائٹرز میں **عمیرہ احمد**' فرحت اشتیاق' راحت جبیں' **ماہا ملک**' رخسانہ نگار عدنان' نمرہ احمد' عنیزہ سید' رفعت ناہید سجاد' سعدیہ عزیز' مریم عزیز' نبیلہ عزیز' انیقہ انا اور سمیرا حمید شامل ہیں۔ شعاع کی بہت سی کہانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ ماہا ملک کی "میرے خواب ریزہ ریزہ" کئی دن تک اپنے سحر سے نکلنے نہیں دیا۔ **عمیرہ احمد** اور نمرہ احمد کی ہر ایک تحریر' رفعت سراج کی سبق آموز اور صائمہ اکرام کی کھلکھلاتی شوخ تحریریں اور مزید برآں فائزہ افتخار کی پٹاخہ قسم کی' سنجیدہ' سنسنی خیز تحریریں بھی اچھی لگتی ہیں۔ (سو تراشے ہوئے ان نایاب ہیروں سے مصنفین کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں)

کیا آپ کو اپنی شخصیت کا ادراک ہے؟ اپنی خوبیاں' خامیاں لکھیں' وہ تعریفی جملہ جسے سن کر خوشی ہوئی؟

خوبیاں چونکہ بہت ہیں۔ یادداشت پر بھی زور دینا پڑے گا سو رہنے دیتے ہیں۔ انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔
خامیاں۔۔۔؟

کیا لکھوں' چھوڑ دوں' اک انبار ہیں۔۔۔
"خامیاں" کچھ اس قدر بے شمار ہیں۔۔۔!

خامیاں جاننے کے لیے بہت قریب رہنے والے احباب سے سروے کیا سو پڑھیے اور لطف اٹھائیے پر خدارا! نفرت نہ کیجیے گا ہم سے۔۔۔ بے ضرر سے بندے ہیں اللہ کے!

اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔ (اسپیڈ بریکر)۔

جناب کے لیے ہمارے لیے وقت نہیں ہوتا' بزی ایزبی' کام بہت کرتی ہے (فزی ڈیئر)۔

خود غرض ہیں نخرے بھی کرتی ہیں۔ (سندس کی ماما)۔

دوستوں کی خامیاں دکھائی نہیں دیتیں ہمیں (فرح بشیر)۔

لوگ آپ کے اصل کو نہیں جانتے۔ آپ الگ تھلگ رہنا پسند کرتی ہیں اور ممکن ہے وہ آپ کے ساتھ بور ہوتے ہوں (کومین)۔ سم ٹائمز پیپل مائٹ تھنک دیٹ یو آر پراوڈ ایون ون یو آر نوٹ (کومین)۔

تم بہت اچھی ہوں' تمہارے بات کرنے کا لہجہ بہت اچھا ہے' خامی کوئی نہیں مری نظر میں (فائقہ کی ماما)۔

ریزروڈ بہت ہیں آپ (رفعی)۔

نو مائی فیری میم دیئرز **نتھنگ نکٹو اسٹیننگز** آباؤٹ یو از یو ہاؤ پچ لونگ اور وش فل فوری (کیوٹی)۔

اپنا دھیان نہیں رکھتی۔ صحت سے لاپروائی (مابدولت)۔

کسی سے کچھ شیئر نہیں کرتیں۔ اپنی فیلنگز نہیں بتاتی ہو گندی بچی (دعا کی خالہ)۔

غصہ جلدی کرلیتی ہیں آپ (ہمدان کی خالہ)۔

شعل اور شہبی (میری اسٹوڈنٹ) کہتی ہیں آپ ٹیچر بہت اچھی ہیں' لکھتی بہت اچھا ہیں۔

خامیوں کو چھوڑیں۔۔۔ خامیوں کی تمہاری طویل فہرست ہے مرے پاس (رگ جاں)۔ لونگ ہے بٹ سیلفش اینڈ اسٹریل (گڑیا)۔

دوسروں پر اگر تبصرہ کیجیے۔۔۔
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجیے۔۔۔!

میرا خیال ہے اتنی کافی ہیں۔ خوب بے عزتی کروائی! ہاہاہا۔

5۔ اپنا پسندیدہ شعر' لطیفہ' پسندیدہ اقتباس' پسندیدہ کتاب لکھیے؟

شاعری سے خوب رغبت ہے۔ ویسے شاعر کو اگر الفاظ کے ترنم کی شناخت' سادگی' بے ساختگی اور اثر آفرینی کا فن آتا ہو تو پڑھنے والے خود بخود اس کے سحر میں جکڑے جاتے ہیں۔ (کیوں؟ جناب ٹھیک کہا نا؟) ویسے اشعار بہت جلدی یاد ہو جاتے ہیں۔ ایک شعر

لکھ رہی ہوں۔ ساری لگن' شوق اور دلچسپی کی بات ہے۔ یہ شعر مجھے بے حد پسند ہے اکثر پڑھتی بھی ہوں۔

ایسا کوئی محبوب نہ دیکھا نہ کہیں ہے
بیٹھا ہے چٹائی پہ' اور عرش نشیں ہے!

اقتباس اپنی فیورٹ تحریروں سے لکھ رہی ہوں۔

"مجھ سے وہی لوگ حسد اور دشمنی کرتے ہیں' جو میرے مقابلے میں کمتر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی سے بڑھ کر نہیں ہوں اور میری تعریف یا توہین وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو مجھ سے بڑھ کر ہو' لیکن آج تک نہ کسی نے میری تعریف کی اور نہ توہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی سے کم تر نہیں ہوں۔" (کلیات۔ جبران)

لوگ کہتے ہیں کہ زندگی میں یہ ضروری ہے اور وہ ضروری ہے' زندگی میں کچھ بھی ضروری نہیں ہوتا' نہ مال' نہ اولاد' نہ رتبہ' نہ لوگوں کی محبت۔ بس آپ ہو اور آپ کا اللہ سے ہر ایک پل بڑھتا تعلق ہونا چاہیے۔ باقی یہ مسئلے تو بادل کی طرح ہوتے ہیں۔ جہاز کی کھڑکی سے کبھی نیچے اترتا بادل دیکھا ہے؟ اوپر سے دیکھو تو وہ کتنا بے ضرر لگتا ہے' مگر جو اس بادل تلے کھڑا ہوتا ہے نا' اس کا پورا آسمان بادل ڈھانپ لیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ روشنی ختم ہو گئی اور دنیا تاریک ہو گئی۔ غم بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب زندگی پر چھا جاتے ہیں تو سب تاریک لگتا ہے' لیکن اگر تم اس زمین سے اوپر اٹھ کر آسمانوں سے پورا منظر دیکھو تو تم جانو گی کہ یہ تو ننھا سا ٹکڑا ہے۔ جو ابھی ہٹ جائے گا۔ اگر یہ سیاہ بادل زندگی پہ نہ چھائیں تو ہماری زندگی میں رحمت کی کوئی بارش نہ ہو۔" (نمرہ احمد "جنت کے پتے")

ثنا کنول اللہ دتا لودھراں

1 شعاع کا ساتھ کب سے ہے' مجھے صحیح یاد نہیں۔ آج سے چار سال پہلے بھابھی پڑھا کرتی تھیں تو میں ان سے لے کر کبھی کبھار شعر و شاعری پڑھتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی دو پونیاں بنائے میں بڑے شوق سے ڈائجسٹ پڑھتی تھی تو ایک دن بھابھی نے مجھے کوئی کہانی نکال کر دی اور کہا کہ پڑھو بہت اچھی ہے بس تب سے لے کر میں آج تک ڈائجسٹ پڑھتی ہوں۔ پچھلے سال بھابھی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔

2 صبح اٹھ کر پہلے نماز پڑھتی ہوں' پھر کچھ دیر سو جاتی ہوں۔ سات بجے منہ ہاتھ دھو کر بال بناتی ہوں۔ ناشتا کرتی ہوں' برتن دھوتی ہوں' چھوٹے موٹے کام کر کے ڈائجسٹ لے کر اوپر ٹیرس پر چلی جاتی ہوں۔

پھر بارہ بجے نیچے آ کر کھانا کھاتی ہوں۔ اس کے بعد برتن دھو کر پھر شعاع کرن اور میں۔۔۔ اسی طرح میرا دن گزرتا ہے۔ پھر رات کو کہانیاں لکھتی ہوں۔ ردا میں بھی (آئم رائٹر)

3 کچھ ماہ پہلے خواتین میں ایک کہانی پڑھی تھی۔ رو' رو کر میری آنکھیں سوج گئی تھی۔ اس کا نام ہے "بیلی کلولی" اور نمرہ احمد کا "قراقرم کا تاج محل" یہ کہانیاں میں کبھی نہیں بھول سکتی۔

4 پہلے خوبیاں۔ بقول امی' میری ثنا بہت رحم دل ہے۔ بقول حنا' میری بہن بہت حساس ہے۔ میری آپی پروین سے پوچھا تو انہوں نے کہا تم بہت کم گو ہو۔ بقول ابو کے' کبھی تنگ نہیں کرتی۔ (تھینک ایوری ون)

خامیاں۔ بقول پروین آپی' غصہ جلدی آتا ہے اور جلدی اتر جاتا ہے۔ بقول میرے' تنہائی پسند ہوں۔ کام چور ہوں۔ میک اپ کا شوق نہیں۔ کپڑوں' جیولری کا شوق نہیں ہے۔

5 میں پانچویں جماعت میں تھی' ہم سب دوستیں بیٹھی تھیں' میں حنا کی بات پر زور سے ہنسی تھی۔ تب ہی میری کلاس فیلو عشا نے بے ساختہ کہا تھا۔ ثنا تم کتنا پیارا ہنستی ہو۔

6 نہیں ایسا تو کبھی نہیں ہوا' ہاں اپریل میں' میں شادی میں گئی تھی تو راستے میں بارش ہو گئی تھی تو میں نے بہت انجوائے کیا تھا۔

7 اقتباس۔

"دو جگہیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی انتہا پر پہنچ کر

انسان کو نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔ ایک بلندی' دوسری پستی۔ بلندی پر پہنچ کر پایا تو انسان کو کچھ نظر نہیں آتا یا پھر اسے حقیر لگنے لگتی ہے۔ جبکہ پستی وہ جگہ ہے جہاں پر پہنچ کر انسان نظریں اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔"

سنبل زاہد حسین..... کوئٹہ

1۔ شعاع سے دوستی ہوئے کتنا عرصہ گزرا ٹھیک سے یاد نہیں لیکن بہت پرانی بات بھی نہیں۔ ان دنوں قسط وار ناول ریگ زار تمنا شعاع کی جان ہوا کرتا تھا شاید "زندگی ایک روشنی" بھی چل رہا تھا۔ مگر "شعاع" کو باقاعدہ طور پر نہیں پڑھا' ایک آدھ قسط "اے وقت گواہی دے" کی بھی پڑھی "پیر کامل" کی تو چھ سات قسطیں پڑھیں پھر کتابی شکل میں مکمل پڑھا کوئی خاص واقعہ..... ؟ ہاں جی میری ایک دوست جسے مجھے دیکھ دیکھ کر ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق ہوا تھا وہ کرن لے لیتی اور مجھ سے خواتین لے کر پڑھ لیتی دوست خواتین لے لیتی پھر پڑھ کر واپس کر دیتی۔ ایک مرتبہ اس نے جولائی 2001ء کا خواتین لے کر آگے کسی کو دے دیا۔ اس میں فاخرہ کا "صرف تھوڑا سا انتظار" شائع ہوا تھا "جیسی سسٹرز" کے لیے تو میں کریزی ہوں۔ اب ناول میں نے پڑھا نہیں اور ڈائجسٹ مجھے ملے نہیں' بس میری اس دوست سے خوب لڑائی ہوئی۔

وہ اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ اگلے دن اپنے گھر میں جتنے ڈائجسٹ تھے مجھے لا دیے ان ڈائجسٹوں میں 99ء کا شعاع بھی تھا پھر تو اکثر شعاع اسی طرح سے مل جاتا اور میں پڑھ لیتی۔

2۔ دن کا آغاز صبح چھ بجے ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کی طرح نماز' قرآن سے فارغ ہوتے ہی پھر صبح ہی صبح صحن کی صفائی کر لیتی ہوں وہ اس لیے کہ صحن بڑا ہے اور بعد میں صحن میں دھوپ بھر جاتی ہے اور صفائی کرنا ناممکن ہوتا ہے اس کے بعد کچن کا رخ کرتی ہوں اپنے اور بھائی کے لیے ناشتہ پکاتی ہوں۔ پھر ناشتہ کر کے پہلے تیار ہوں یا پانی بھروں اسی کشمکش میں رہتی ہوں کبھی پانی جلدی آجاتا ہے تو کبھی دیر ہو جاتی ہے۔ پانی بھر کے تیار ہوتی ہوں پھر وین آجاتی ہے تو اسکول چلی جاتی ہوں۔ واپسی تقریباً" ایک ڈیڑھ بجے تک ہوتی ہے پھر کھانا' نماز سے فارغ ہو کر ایک گھنٹے تک شعاع ضرور پڑھتی ہوں اور اکثر پڑھتے پڑھتے ہی سو جاتی ہوں۔ پھر عصر کی نماز' چائے' تھوڑا اسکول کا کام' ٹی وی دیکھنا یہ سب چیزیں شام کی روٹین کا حصہ ہے اور اسی روٹین میں شعاع ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ رات کے کھانے اور سونے کے وقت بھی شعاع کا ایک دور ضرور ہوتا ہے۔ کوئی حدیث' افسانہ یا پھر سلسلے وار ناولز پڑھنے کا یہ وقت پسندیدہ ہوتا ہے اور یوں دن کا اختتام ہوتا ہے۔

3۔ (پہلے معذرت) چند رائٹرز کے افسانے اکثر اوقات حقیقت سے دور ہی لگتے ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ بھی نہیں ہوتا "خوشبو کا کوئی گھر نہیں" رخسانہ نگار "کچھ رنگ نئے ہیں" شازیہ چودھری (مرحومہ) ایک اور ناول بھی ہے کردار یاد ہیں مگر نام یاد نہیں آرہا۔ رخسانہ نگار اور شازیہ چودھری کے افسانے پڑھ کے لگا' ارے یہ تو میرے اردگرد کی کہانیاں ہیں شازیہ چودھری کی کہانی تو اس معاشرے کی بہت عام سی کہانی ہے۔ ہمارے آس پاس کی۔

4۔ خوبیاں خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اپنی خوبیاں جانتے ہوں مگر خامیوں کا پتا نہیں۔ یا پھر خامیاں پتہ ہیں خوبیوں کا معلوم نہیں۔

پہلی خوبی کہ دل میں بات نہیں رکھتی۔ لڑ بھڑ کے دل فوراً" صاف کر لیتی ہوں۔

لوگوں کے چہرے پڑھ لیتی ہوں' ہاں ۔۔۔ ایک عرصے تک یہ خوش فہمی تھی۔ کچھ عرصے پہلے پتہ چلا یہ میری خام خیالی ہے 'لوگ آرام سے دھوکا دے جاتے ہیں۔

بہت کمپرومائزنگ ہوں ہر طرح کے حالات میں گزارا کرنا جانتی ہوں۔

خامیاں۔ غصے کی تیز ہوں' تھوڑی سی موڈی ہوں "جس بندے میں" مجھے کوئی برائی دکھائی نہ دے۔ اس کی سارا زمانہ بُرائی کرے میں یقین نہیں کرتی اور نہ ہی اس 'برائی کرنے میں لوگوں کا ساتھ دیتی ہوں۔

5۔ اساتذہ کے منہ سے نکلا ہر تعریفی کلمہ خواہ وہ کتنا معمولی ہو میرے لیے کسی سند سے کم نہیں۔ یہ چند تعریفیں جو میرے محترم اساتذہ نے کیں۔

سنیہ جھوٹ نہیں بولتی ہے۔ یہ اچھی بات ہے (مس زیب النساء کلاس ٹیچر' میٹرک) سنیہ بہت فرمانبردار اسٹوڈنٹ ہے۔ (مس فرزانہ فورتھ کلاس)

سنیہ بہت اچھے طریقے سے بات سمجھاتی ہے کلیئر کرتی ہے (مس خورشید' میتھ ٹیچر میٹرک)

6۔ پسندیدہ کتاب "زیرو پوائنٹ" جاوید چوہدری اور ناصر کاظمی کی خشک چشمے کے کنارے "طائر لاہوتی" رفعت سراج "پیر کامل" عمیرہ احمد "اے وقت گواہی دے" راحت جبیں۔

7۔ ساون تو اتنا اتنا پسند ہے کہ کیا بتاؤں؟ گرمیوں کی بارش کا تو کیا کہنا میں تو سردیوں کی بارش میں بھی بھیگتی ہوں۔ البتہ کوئی خاص واقعہ اس حوالے سے یاد نہیں۔

7۔ پسندیدہ شعر! ایک تو ذرا مشکل ہے' پھر بھی یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

یاروں ہمارے ساتھ عجب سانحہ ہوا
ہم رہ گئے ہمارا زمانہ گزر گیا

پسندیدہ شاعر۔ امجد اسلام امجد' احمد فراز' سلیم کوثر وغیرہ وغیرہ۔

پسندیدہ اقتباس!

رخسانہ نگار کے ناول "پارس" سے

اللہ تک جانے والا راستہ اللہ کے بندوں سے ہو کر گزرتا ہے۔"

آپ یقین کریں گی؟ اس ایک جملے نے میری پوری زندگی بدل دی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

دستک دستک دستک

شاہین رشید

ونیزہ احمد

"کیا حال ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"کچھ عرصہ قبل آپ کو پروگرام "مذاق رات" میں دیکھا تھا۔ اچھا لگا تھا آپ کو دیکھ کر۔"

"بہت شکریہ۔"

"انڈسٹری میں واپس آنے کا کب ارادہ ہے؟"

"میں اسکرین سے غائب ہوں' لیکن در حقیقت پس پردہ رہ کر میں کافی کام کر رہی ہوں۔ دراصل اب اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا کہ بھرپور طریقے سے اس فیلڈ کو ٹائم دے سکوں۔"

"مگر ہم نے تو دیکھا ہے کہ خواتین بچے بھی پال رہی ہوتی ہیں اور بھرپور طریقے سے کام بھی کر رہی ہوتی ہیں؟"

"ہاں ہوتی ہیں ایسی خواتین اور کافی ہوتی ہیں' مگر میں ان خواتین میں سے نہیں ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ بچوں کو ان کے بچپن میں جتنی ماں کی ضرورت ہوتی ہے' کسی اور کی نہیں۔ ماں ہی سمجھتی ہے کہ بچوں کی کس طرح' کس انداز میں تربیت کرنی ہے۔"

"گڈ۔۔۔ تو آپ اپنی گھریلو لائف میں خوش ہیں؟"

"الحمدللہ۔"

"فلم "جناح" شاید وہ واحد فلم ہے' جس میں آپ نے کام کیا' باقی ہر ایک کے لیے انکار کیا۔ کیوں۔۔۔؟ کوئی خاص وجہ تھی؟"

"میں تو فلم "جناح" کے لیے بھی کام کرنے کو تیار نہیں تھی۔ یہ بھی بس اتفاق سے ہوا۔ میں تو کسی کام سے گئی تھی اسٹوڈیو۔۔۔ جہاں پہلے سے ہی آڈیشن ہو رہے تھے' میں تو چپ کر کے بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھے کہا گیا کہ آڈیشن دے دیں' میں نے کہا کہ میں تو آڈیشن کے لیے نہیں آئی' تب کہا گیا کہ چلیں نہیں بھی آئیں تب بھی دے دیں۔۔۔ تو میں نے دے دیا اور کامیاب ہو گئی۔ آڈیشن میں تو کامیاب ہوئی ہی' مگر اس لیے بھی کامیاب ہو گئی کہ میری "ناک" قائد اعظم سے مشابہہ تھی اور فلم میں مجھے جناح کی بیٹی کا کردار کرنا تھا تو بس پھر میں نے کام کیا اور خاصی کامیاب رہی۔"

"کیا گھر والے منع کرتے تھے' مگر آپ نے ماڈلنگ بھی تو بھرپور طریقے سے کی ہے۔ ریمپ پہ بھی اور کمرشل بھی۔ پھر فلم سے کیوں منع کریں گے؟"

"نہیں' میرے گھر والوں نے' میرے میاں نے کسی نے مجھے منع نہیں کیا' بس فلم میں کام کرنا میرا شوق نہیں تھا' جن چیزوں کا مجھے شوق تھا وہ میں نے

Downloaded From
Paksociety.com

فہد مصطفیٰ

"کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"آج کل تو آپ جیتو پاکستان میں ہی مصروف رہتے ہوں گے؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے کہ صرف جیتو پاکستان ہی کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ اور بھی بہت سے کام ہیں جو کر رہا ہوں۔ فلمیں بھی سائن کی ہیں اور ڈرامے بھی۔"

"گڈ... آپ تو مارننگ شو اتنا اچھا کر رہے تھے تو پھر گیم شو میں کیسے انتخاب ہوا آپ کا؟"

"اب ہم اس پوزیشن میں تو ہیں نہیں کہ آڈیشن دیں تو انتخاب ہو گیا بس میں مارننگ شو سے تھوڑا سا بور ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی اور پروگرام کروں۔ ایسے میں گیم شو کی آفر آ گئی تو بس پھر اس کے ہو لیے۔"

"امید تھی کہ ہٹ ہو جائے گا پروگرام اور لوگ اتنی تعداد میں شرکت کریں گے؟"

"بس اللہ توکل شروع کیا تھا اور دو چار پروگراموں کے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ لوگ پسند کر رہے ہیں تو بس بھرپور طریقے سے انجام دیں۔"

"ماڈلنگ کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟"

"بہت زمانہ ہو گیا ہے مجھے ماڈلنگ کرتے ہوئے۔ اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنا پہلا کمرشل 1996ء میں کیا تھا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ مجھے کتنا عرصہ ہو گیا ہے اس فیلڈ میں۔ اس زمانے میں میں طالب علم تھا۔"

"آج کل پاکستان میں بھی فلمیں بننے لگی ہیں، کیا کہیں گے اس کے بارے میں؟"

"یہ ایک اچھی بات ہے کہ فلموں کا ریوائیول شروع ہو رہا ہے۔ اب اچھی بن رہی ہیں یا بری، اس پر تو بحث بعد میں ہو گی پہلے تو یہ خوش آئند بات ہے کہ لوگوں نے پاکستانی فلمیں دیکھنے کے لیے سینما کا رخ تو کیا۔"

"آج کل ہر کوئی اپنے نام پہ لان نکال رہا ہے۔ آپ بتائیں یہ ٹھیک ہے یا غلط؟"

"کوئی غلط نہیں، لوگ ایک دوسرے سے متاثر ہو کر ہی کوئی کام کرتے ہیں، ہاں مجھے یہ فخر ضرور ہے کہ ڈیزائنر لان کی ابتدا میں نے "دنیزہ لان" کا اجرا کر کے کیا۔"

"سپر ماڈل بننے کے لیے کیا ضروری ہے؟"

"سپر ماڈل بننے کے لیے آپ کی شخصیت کی مضبوطی ضروری ہے تاکہ لوگ آپ کے کام سے پہچانیں، آپ کے نام سے پہچانیں، نہ کہ چہرے سے پہچانیں۔"

"اور ڈراموں کی طرف واپس آنے کا ارادہ ہے؟"

"جی بالکل۔ ان شاء اللہ۔ بچوں نے فراغت دی تو ان شاء اللہ ضرور واپس آؤں گی۔ ویسے ناظرین ابھی انتظار کریں۔"

"چلیں جی ٹھیک ہے جب آپ اسکرین پہ آئیں گی تو ہم بھی ایک تفصیلی انٹرویو کریں گے۔ ان شاء اللہ۔"

☆ ☆ ☆ ☆

اس میں اضافہ ہو گیا یعنی لوگوں کی تعداد میں۔"
"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔ لاہور میں اس پروگرام کا تجربہ کیسا رہا؟"
"بہت اچھا رسپانس ملا' بہت اچھا تجربہ رہا' میں تو لاہوریوں کا فین ہو گیا ہوں۔ واقعی "لاہور' لاہور اے" اور جب سے میں لاہور سے آیا ہوں اپنے اس دوسرے گھر کو بہت مس کرتا ہوں۔"
"کیا بات پسند آگئی لاہور کی؟"
"سب کچھ۔۔۔ خاص طور پر لاہور کے لوگوں میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ پھر کو ریٹو بھی بہت ہیں۔ سب کا خیال رکھنے والے اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔"
"مزید شہروں میں بھی پروگرام کرنے کا ارادہ ہے؟"
"بالکل جی۔۔۔ نہ صرف ملک کے دیگر شہروں میں بلکہ ان شاء اللہ ملک سے باہر بھی کرنے کا ارادہ ہے۔ ابھی پلاننگ ہو رہی ہے دیکھیں کہ فائنل کب ہوتا ہے۔"
"فلموں کی کیا صورت حال ہے۔ سائن کی آپ نے؟"
"جی "نامعلوم افراد" کے بعد ماشاء اللہ سے کافی فلموں کی آفرز ہوئیں' اور نہ صرف پاکستان سے بلکہ انڈیا سے بھی' لیکن میں جلد بازی میں کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ میری فلم "ماہ میر" تقریباً" مکمل ہو چکی ہے اور ریلیز ہونے کو تیار ہے اس میں میرے ساتھ "صنم سعید" ہیں تو مجھے ان کے فن اداکاری نے بہت متاثر کیا ہے۔ وہ بہت اچھی فنکارہ ہیں۔"
"فلموں میں کامیاب ہو گئے تو کیا ڈراموں اور گیم شو کو خیرباد کہہ دیں گے؟"
"ہرگز نہیں۔ کیوں کہ ڈرامہ ہی تو میری اصل پہچان ہے اور مجھے آج جو شہرت ملی ہے وہ ڈراموں میں اداکاری کی وجہ سے ہی ملی ہے۔ اس لیے ڈراموں سے ناطہ نہیں توڑنا۔ فلم تو سال میں ایک کر لوں گا یا دو۔ وہ بڑی اسکرین کا چارم ہے اور ڈرامہ چھوٹی اسکرین کا اور گیم شو بھی جب تک جاری رہا جاری رکھوں گا۔"
"جب آپ اس فیلڈ میں آئے تو ایسا لگا کہ جیسے جونیئر وحید مراد آگئے ہیں۔ آپ کے والد کی بھی شکل بہت ملتی تھی؟"
"جی بالکل آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اس وقت میں دبلا پتلا بھی تھا اور پاکستانی فلمیں دیکھ کر وحید مراد صاحب سے متاثر بھی بہت تھا۔ پھر اتفاق سے شکل بھی ملتی تھی۔ خیر اب تو میری اپنی پہچان ہے اور ویسے مجھے ابھی بھی وحید مراد بہت پسند ہیں اور ساتھ ہی شاہد اور ندیم صاحب بھی بہت پسند ہیں اور آج کل میں مجھے فیصل قریشی اور نعمان اعجاز بہت پسند ہیں۔"
"فیلڈ میں کس نے زیادہ سپورٹ کیا۔ والد صاحب نے یا دیگر سینئرز نے؟"
"والد نے سپورٹ نہیں کیا' کیوں کہ وہ تو سفارش کے سخت خلاف تھے۔ البتہ مجھے بہروز سبزواری اکثر کہا کرتے تھے کہ تمہیں اداکاری کی طرف آنا چاہیے کیوں کہ مجھے تم میں اداکاری کا ٹیلنٹ نظر آتا ہے اور دیگر سینئر فنکار بھی مجھے اس طرف راغب کرتے رہتے تھے۔ تو پھر اقبال انصاری صاحب نے مجھے ڈرامہ "راج ہنس" میں ایک چھوٹا سا کردار دیا۔ میں ہمایوں سعید کا بیٹا بنا تھا بس پھر آہستہ آہستہ اس فیلڈ میں میری جگہ بنتی گئی۔"
"اور "کنکر" سیریل نے آپ کی اداکاری کو چار چاند لگا دیے؟"
"بالکل ٹھیک۔۔۔ "میں عبدالقادر ہوں" بھی بہت پسند کیا گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا یہ ڈرامہ بھی بہت ہٹ گیا اور ہر کردار میں میرے ناظرین نے میری بہت حوصلہ افزائی کی۔"
"کوئی ایکسٹرا اصلاحیت۔ جس کا آپ ذکر کرنا چاہیں گے؟"
"میری یادداشت بہت اچھی ہے۔۔۔ مجھے اپنے ڈائیلاگ بہت جلدی یاد ہو جاتے ہیں اور مجھے سین کروانے میں مشکل پیش نہیں آتی۔"

ثنا جاوید

''ہم ان کے دیگر ڈراموں کی بات تو نہیں کریں گے 'لیکن جب ہم نے ان کا سیریل ''پیارے افضل'' دیکھا تو ان کی پرفارمنس نے بہت متاثر کیا اور اس کے بعد ہم نے ان سے انٹرویو کا ٹائم مانگا' ٹائم مل بھی گیا' مگر اگلے دن انہوں نے منع کر دیا کہ میں بہت تھکی ہوئی ہوں انٹرویو نہیں دے سکتی۔ بس پھر اس کے بعد کافی عرصہ ہمارا رابطہ نہیں ہوا۔ اور جب رابطہ ہوا تو دو چار باتیں ہم نے ان سے پوچھ ہی لیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ ثنا جاوید ہمیں جلد ہی ایک تفصیلی انٹرویو دیں گی۔''

سلجھے ہوئے دھیمے لہجے میں بات کرنے والی اس فنکارہ کو آپ آج کل ڈرامہ سیریل ''اعتراض'' میں دیکھ رہے ہیں۔ دو چار باتیں جو ہوئیں وہ کچھ یہ تھیں کہ۔۔۔

''کتنے سال ہو گئے اس فیلڈ میں اور پہلا ڈرامہ سیریل کون سا تھا آپ کا؟''

''جی تقریباً'' تین سال ہو گئے ہیں اور پہلا ڈرامہ سیریل ''میرا پہلا پیار'' تھا جو کہ کافی ہٹ گیا تھا اور ماشاء اللہ سے اس کے بعد ہی مجھے ڈراموں کی آفرز آنے لگیں۔ تین سالوں میں کافی کام کر چکی ہوں۔

میرے مقبول ڈراموں میں ''میرا پہلا پیار'' ''پیارے افضل'' ''اعتراض'' ''مینو کا سسرال'' ''رنجش ہی سہی'' ''میری دلاری'' وغیرہ ہیں۔''

''ہمارے ڈراموں میں عورت کو اتنا مظلوم کیوں دکھایا جاتا ہے۔ کیا ایسا حقیقت میں بھی ہے؟''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے کی عورت مظلوم ہے' مگر اتنی بھی نہیں کہ جتنی ڈراموں میں دکھائی جا رہی ہے۔ تعلیم نے عورت کو باشعور کر دیا ہے اور وہ اپنے دفاع کے لیے' اپنے حقوق کے لیے جنگ لڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہمیں مظلوم عورت کے ساتھ ساتھ اسٹرونگ عورت کے کردار کو بھی دکھانا چاہیے' تاکہ خواتین کو پتا چلے کہ اگر وہ تعلیم یافتہ ہے تو اسٹرونگ بھی ہے اور اسٹرونگ ہونے کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔''

''بے شمار چینلز کے اس دور میں اور بے شمار ڈراموں کے اس جھرمٹ میں اپنی جگہ بنانا مشکل ہے۔ اس کے لیے کیا حکمت عملی ضروری ہے؟''

''اس کے لیے آپ کے بزرگوں کی دعائیں اور کام کے ساتھ آپ کی سنجیدگی بہت ضروری ہے۔ لوگ یہ سوچ کر اس فیلڈ میں آتے ہیں کہ اداکاری ایک آسان کام ہے تو ایسا نہیں ہے۔ اداکاری کافی مشکل کام ہے۔ میری کامیابی کی وجہ تو میری کام میں سنجیدگی ہے۔ میں جو کردار لیتی ہوں پہلے اس کا بھرپور طریقے سے جائزہ لیتی ہوں' مطالعہ کرتی ہوں اور پھر اس کو کرنے کے لیے راضی ہوتی ہوں۔''

''ساتھی فنکاروں سے سیکھنے کا موقع ملتا ہے یا وہ حوصلہ افزائی نہیں کرتے؟''

''ارے نہیں۔ میں نے تو سیکھا ہی اپنے سینئر فنکاروں سے ہے' ان کی تعریف ہی تو مجھے حوصلہ دیتی ہے ان کو دیکھ کر اور ان سے پوچھ کر ہی تو میں آگے بڑھتی ہوں اور مجھے فخر ہے اس بات پر کہ مجھے کم عرصے میں بہت اچھے سینئر فنکاروں کا ساتھ ملا۔''

ثنا جاوید کا تفصیلی انٹرویو ان شاء اللہ آپ جلد پڑھیں گے۔

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

نومبر 2015ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- ''بن مانگی دُعا'' عفت سحر طاہر کے ناول کی آخری قسط،
- عمیرہ احمد کا ناول ''آبِ حیات''،
- نمرہ احمد کا مکمل ناول ''نمل''،
- ''شہرِ آشوب'' آمنہ العزیز شہزاد کا مکمل ناول،
- صدف ریحان گیلانی اور نازیہ رزاق کے ناولٹ،
- حنا یاسمین، ہاجرہ ریحان، عتیقہ محمد بیگ، عمارہ خان، نور فاطمہ اور فرزانہ عامر کے افسانے،
- ٹی وی فنکار ''گوہر رشید'' سے باتیں،
- افسانہ نگار اور ناول نگار ''اقبال بانو'' سے ملاقات،
- ''حرف سادہ کو دیا اعجاز کا رنگ'' مصنفین سے سروے،
- ''کرن کرن روشنی'' احادیث کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا نومبر 2015 کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔

Downloaded From
Paksociety.com

بندھن

انور مقصود ہمراہ عمرانہ مقصود

شاہین رشید

معروف رائٹر۔ مسز عمرانہ مقصود

انور مقصود صاحب کا گھرانہ ایک ایسا گھرانہ ہے، جہاں جب فون کرو خواہ انور مقصود صاحب ہوں، عمرانہ ہوں یا بجیا اس قدر اپنائیت اور محبت سے بات کرتے ہیں کہ غیریت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

بندھن کے سلسلے میں نئے جوڑوں کے تو آپ انٹرویو پڑھتے ہی رہتے ہیں اس بار سوچا کہ کیوں نہ انور مقصود اور عمرانہ مقصود سے ان کی زندگی کا احوال جانیں۔ انور مقصود صاحب سے تو بات نہ ہو سکی مگر عمرانہ کے ساتھ حاضر ہیں۔

"جی کیسی ہیں عمرانہ؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"بھول تو نہیں گئیں مجھے۔۔۔؟"

"ارے نہیں۔۔۔ تم بھولنے والی شخصیت تو نہیں ہو۔"

"یہ تو محبت ہے آپ کی؟"

"اور تمہاری بھی۔"

"آپ کے مضامین اکثر اخبار میں پڑھتی رہتی ہوں۔ ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہیں؟"

"اچھا۔۔۔! بھئی بہت شکریہ۔ تم ہمیشہ سے ہی میری تحریروں کو پسند کرتی ہو۔"

"لکھائی کے دوران آپ جو ماحول بناتی ہیں۔ اس کو پڑھ کر تو لگتا ہے کہ ہم بھی اسی ماحول اور اسی دنیا میں چلے گئے ہیں۔"

"ہر ایک کے لکھنے کا انداز ہوتا ہے اور میرا یہی انداز ہے اور شکر ہے کہ لوگ پسند کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کی محبت ہے۔"

"اور ماشاء اللہ آپ کے دونوں بچے بھی بہت قابل ہیں؟"

"جی بس اللہ کا شکر ہے۔ اولادیں نیک ہوں اور پڑھ لکھ جائیں تو والدین کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی تحفہ ہی نہیں ہے رب کی طرف سے۔"

"آپ دونوں لکھاری اور بچے میوزک کی طرف۔؟ کچھ حیران کن بات نہیں ہے کیا؟"

"ایسا نہیں ہے کہ بچوں میں لکھنے کے جراثیم نہیں ہیں، مگر میوزک کی طرف ان کا زیادہ رجحان ہے اور بلال نے تو ماشاء اللہ میوزک کے ذریعے پوری دنیا میں نام کمایا ہے۔"

"عمرانہ۔ آپ کے لکھنے کا عمل کب سے جاری ہے؟"

"تب سے عمل جاری ہے جب ایک بچہ لکھنا سیکھتا ہے تو یہ خداداد صلاحیت ہوتی ہے اور کوئی لکھنا سکھائے کہ اس طرح لکھتے ہیں تو ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں لکھنے کے طریقے تو بتائے جاسکتے ہیں، مگر صلاحیت تو خدا ہی دیتا ہے۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینا بہت اچھا لگتا تھا۔ اسکول و کالج کے زمانے میں تو ڈراموں میں بھی اداکاری کیا کرتی تھی اور پھر شادی کے بعد بھی کی اور چند سال قبل بھی کی۔"

"اتنی اچھی لکھاری، مگر کم کم لکھتی ہیں، کیوں؟"

"میری یہ عادت نہیں ہے کہ میں ہر وقت لکھتی ہوں اور زبردستی اپنی تحریریں لگواؤں یا لوگوں کی منت کروں کہ مجھ سے لکھواؤ۔ مجھے تو کوئی کہتا ہے کہ لکھ دیں تو لکھ دیتی ہوں ورنہ نہیں، مجھے یاد ہے کہ جب انور اخبار میں کام کرتے تھے تو میں انہیں کہانیاں اور آرٹیکل لکھ کر دیا کرتی تھی اور وہ تحریریں چھپ جاتی تھیں اور جب میں اسکول میں پڑھایا کرتی تھی تو اپنے طالب علموں سے کہتی تھی کہ جن میں لکھنے کی صلاحیت ہے وہ مجھے ڈرامے اور کہانیاں لکھ کر دیں اور جو اچھا لکھتا تھا اس کی حوصلہ افزائی کرتی تھی اور جو زیادہ اچھا نہیں لکھتا تھا اسے سمجھا دیتی تھی کہ اگر ایسا

لکھتے تو ایسا ہوتا وغیرہ۔"

"اب تک، کس کے لیے کیا کیا لکھ چکی ہیں؟"

"بچوں کے لیے تو 35 کتابیں لکھ چکی ہوں ان کے لیے بچوں کی کہانیاں اور ناولز لکھے ہیں۔ آج کل میں پی ٹی وی کے لیے کام کر رہی ہوں۔ "بدایوں کے پیڑے" کے عنوان سے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔"

"شادی سے پہلے انور صاحب سے کیا رشتہ تھا آپ کا پسند سے ہوئی شادی؟"

"جی انور میرے چچازاد ہیں اور اس وقت کہاں پسند و سند ہوتی تھی۔ ویسے شادی کا فیصلہ تو ان ہی کا تھا بقول ان کے کہ جب تم نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تو میں نے بھی لیا تاکہ تمہیں دیکھ سکوں۔"

"انور صاحب بہت کم گو انسان ہیں مگر جب بولتے ہیں تو ٹھیک ٹھاک بولتے ہیں اور آپ؟"

"یہ آپ نے ٹھیک کہا۔ میں تو بہت بولتی ہوں۔ ان کی ایک بات کا جواب بھی میں کھل کر دیتی ہوں۔"

"برا مانتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ کیوں کہ کوئی غلط بات میں نہیں کرتی ان کی عزت و احترام میرے لیے لازم ہے۔"

"غصہ کس کا تیز ہے۔؟ اور ضبط کس میں ہے؟"

"غصہ میرا تیز ہے اور ضبط کی عادت انور کو ہے لیکن اب مجھ میں بھی تھوڑا چینج آیا ہے کہ میں غصہ کم کرتی ہوں اور جہاں بہت سی باتیں میں نے انور سے سیکھی ہیں وہاں غصہ کم کرنے کی عادت بھی ان ہی سے سیکھی ہے۔"

"غصے کا اظہار کس طرح کرتے ہیں، چیخ چلا کر یا کسی اور انداز میں۔۔۔؟"

"نہ چیخ چلا کر، نہ کچھ توڑ پھوڑ کر۔ بس دوسرے کمرے میں جا کر میوزک سے دل لگاتے ہیں پھر جب موڈ صحیح ہو جاتا ہے تو باہر آجاتے ہیں، ہاں جب اکیلے کمرے میں بیٹھ کر میوزک سنتے ہیں تو سب کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج ان کا موڈ آف ہے، کسی بات پر ناراض ہیں۔"

"کسی بھی کام میں، کسی بھی پریشانی میں آپ سے مشورہ کرتے ہیں؟"

"مجھ سے کیا، کسی سے بھی مشورہ نہیں کرتے بلکہ اپنے مسائل کو خود ہی سلجھاتے ہیں۔ ذکر ضرور کرتے ہیں مگر کرتے اپنی ہی ہیں۔"

"آپ کے سگھڑپن کی، آپ کی تحریروں کی، آپ کے پکوان کی تعریف کرتے ہیں؟"

"نہیں جی۔۔۔ انور کی عادت ہی نہیں ہے تعریف کرنے کی اور میں اِس بات کی قائل بھی نہیں ہوں کہ یہ ہر وقت میری تعریفیں کرتے رہیں۔ میرے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھاتے ہیں۔ میری تحریر کو پڑھتے ہیں تو یہ کیا تعریف سے کم ہے۔"

"لباس کے معاملے میں آپ کی پسند کو ترجیح دیتے ہیں، یا یہ آپ کی پسند کا خاص خیال رکھتے ہیں؟"

"بالکل۔ یہ بھی میری پسند کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں زیادہ تر ساڑھیاں ہی پہنی جاتی ہیں، یہ جب کہیں جاتے ہیں۔ خاص طور پر جب انڈیا جاتے ہیں تو میرے لیے ساڑھیاں لے کر آتے ہیں اور اگر ہم لوگ یہاں سے خریداری کریں تو پھر ساڑھی میں پسند کرتی ہوں اور رنگ۔ انور پسند کرتے ہیں۔"

"فرمائش کرکے کچھ منگواتی ہیں آپ؟"

"نہیں۔۔۔ میں نے کبھی فرمائش کرکے کچھ نہیں منگوایا کیوں کہ انور خود ہی میری ضروریات کا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

اعتذار

تاخیر سے موصول ہونے کے باعث رخسانہ نگار کا ناول "ایک تھی مثال" کی قسط شامل نہ ہو سکی ان شاء اللہ آئندہ ماہ بہنیں یہ قسط پڑھ سکیں گی

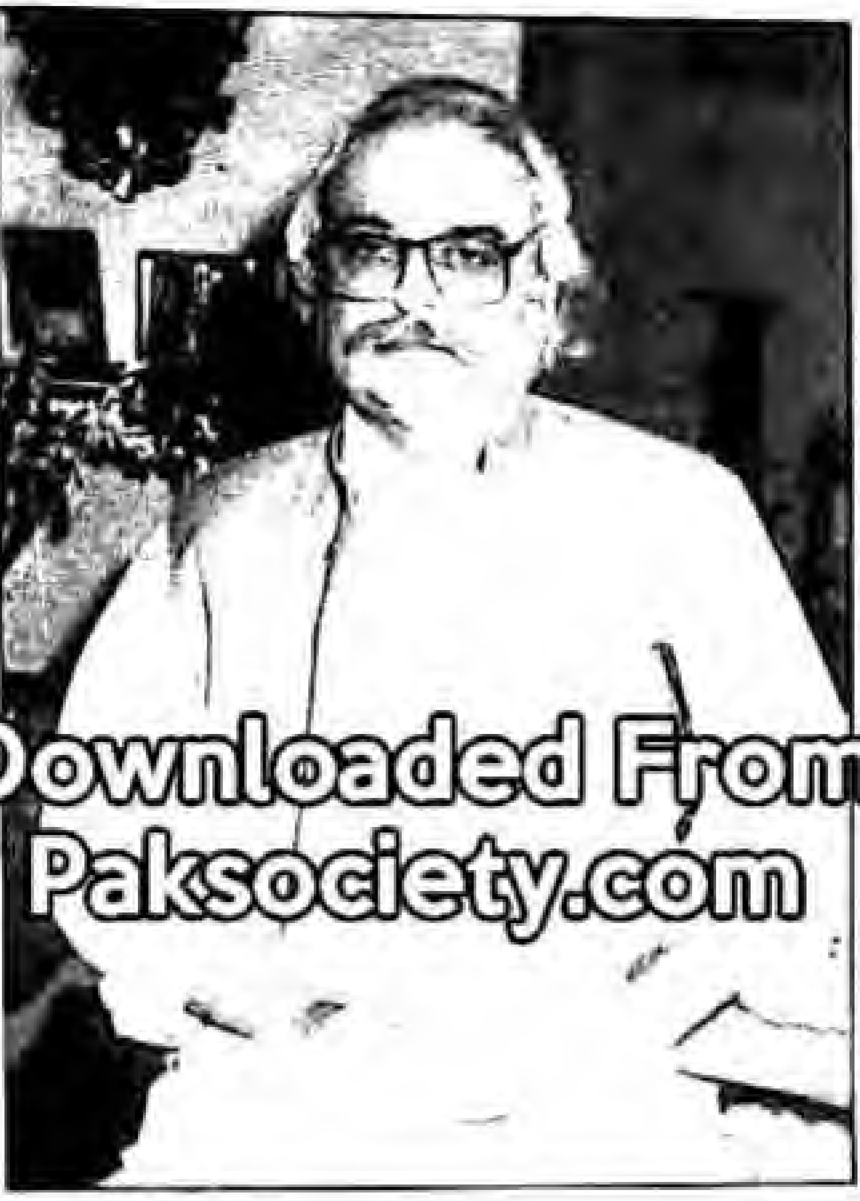
Downloaded From
Paksociety.com

"آپ دونوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں؟"

"بھلا لڑائیاں کس میں نہیں ہوتیں۔ میاں بیوی کا رشتہ ایسا تو نہیں ہے کہ لڑائی ہی نہ ہو۔ بس عموماً" چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ہی لڑائی ہوتی ہے اللہ کا شکر ہے کہ کبھی کسی بڑی بات پر لڑائی نہیں ہوئی۔"

"عموماً" کس بات پر ہوتی ہے لڑائی؟"

ہنستے ہوئے۔ "سچ بتاؤں۔ جس دن کام والیاں نہیں آتیں اور سارا کام مجھے کرنا پڑے تو بس پھر میں ہانپ ہو جاتی ہوں' مگر پھر جلدی ٹھیک بھی ہو جاتی ہوں کیوں کہ میرا غصہ ایسا نہیں ہے کہ سارا دن منہ بنائے بیٹھی رہوں۔"

"آپ ناراض ہوں تو مناتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کہتے ہیں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک کامیاب عورت کا ہاتھ ہوتا ہے آپ سمجھتی ہیں کے انور صاحب کی کامیابی میں آپ کا ہاتھ ہے؟"

"میں ایسا تو نہیں کہتی یہ بات تو انور بہتر بتا سکتے ہیں' لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ کوئی اور عورت ہوتی تو شاید ان کی شخصیت میں بگاڑ آجاتا' مگر میں نے ان کی شخصیت کو جوں کا توں رہنے دیا۔"

"کیوں کہ "ہیرے" کو تراشا نہیں جاتا؟"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔"

"کبھی سجتی بنتی ہیں تب بھی تعریف نہیں کرتے کیا؟"

"نہیں۔۔۔ میں پوچھوں تو کہتے ہیں کہ کیا میں نے برائی کی؟ نہیں تو پھر کیا مطلب ہے۔"

"تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے؟"

"بالکل ہوتا ہے۔۔۔ انور کو بہت قیمتی تحائف دینے کی عادت ہے' میں انہیں منع بھی کرتی ہوں کہ ایسا نہ کریں' مگر نہیں مانتے" کئی بار کہا کہ آپ مجھے کیش دے دیا کریں تو کہتے ہیں کیش کی قدر نہیں ہوتی جو تحفوں کی ہوتی ہے اور بات صحیح بھی ہے۔"

"شادی کی سالگرہ یاد رہتی ہے؟"

"اتنے سالوں میں بس ایک دو بار ہی بھولے تھے

اور اس بھول پہ میرا ری ایکشن بہت برا تھا۔ بس پھر اس کے بعد کبھی نہیں بھولے۔"

"انور صاحب ہر فن مولا ہیں۔ شاعر بھی، نثر نگار بھی، ڈرامہ نگار بھی، مزاح نگار بھی، تھیٹر رائٹر بھی اور پینٹر بھی۔۔۔ آپ کو ان کا کون سا شعبہ بہت پسند ہے؟"

"مجھے ان کی پینٹنگ کا کام اور تھیٹر کا کام بہت پسند ہے۔ باقی ڈرامے تو عام عوام کے لیے ہوتے ہیں جو کہ ظاہر ہے کہ بہت بہترین ہوتے ہیں۔"

"ہنی مون منایا تھا؟"

"ہنی مون۔۔۔ نہیں۔ کیوں کہ اس وقت مالی حالات اتنے اچھے نہیں تھے کہ ہنی مون مناتے۔ خیر۔۔۔ یہ اتنا کوئی ضروری بھی نہیں ہے۔ انڈراسٹینڈنگ بہت ضروری ہے اور وہ الحمدللہ ہم میں شروع دن سے ہے۔"

"عموماً" شادی کے بعد شوہر کے دوست چھوٹ جاتے ہیں اور سارا الزام بیوی پہ آجاتا ہے۔۔۔ ایسا ہے؟"

"نہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہوا بلکہ شادی کے بعد ان کے سارے دوستوں سے میری خود بہت اچھی دوستی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساطِ دل	آمنہ ریاض	500/-
زردموسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	500/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	300/-
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32216361

ہو گئی اور آج تک ہے اور اب تو سب ہماری فیملی کا جیسے حصہ ہوں، معین اختر سے بہت اچھے تعلقات رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت زیادہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اب ان کے دوستوں میں جو حیات ہیں (اللہ سب کو لمبی عمر دے) سب ہمارے دل کے قریب ہیں۔"

"انور صاحب کوکنگ بھی بہت اچھی کرتے ہیں۔ خاص طور پر ہم نے سنا تھا کہ چپاتیاں بہت اچھی اور گول پکاتے ہیں۔ سب کچھ آپ سے سیکھا؟ یا اپنے شوق کو خود ہی پروان چڑھایا؟"

"انور صاحب نے کھانا پکانا اپنی والدہ صاحبہ سے سیکھا۔ وہ بہت اچھا پکاتی تھیں۔ پھر انہیں شوق بھی بہت تھا تو بہت مزے کا کھانا پکاتے ہیں اور گھر میں بچوں بڑوں سب کو ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا پسند ہے اور اکثر فرمائش کر کے بھی پکواتے ہیں۔"

"انور صاحب کی کوئی خاص بات؟"

"ہاں۔ وہ یہ کہ جب یہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتے ہیں تو ان کا چہرہ چغلی کھاتا ہے۔ میں سمجھ جاتی ہوں کہ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"خرچ کے معاملے میں شاہ خرچ کون ہے؟"

"انور شاہ خرچ ہیں، میں تو ہاتھ روک کر خرچ کرتی ہوں۔"

"اور آخری سوال، فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

"جیسا کہ میں نے بتایا کہ مجھے لکھنے کا شوق ہے تو میں فارغ اوقات میں اپنے اس شوق کو پورا کرتی ہوں۔ باقی پوتے پوتیوں اور نواسیوں کے ساتھ مزے کرتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے عمرانہ سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ٹائم دیا۔

☆ ☆

خط آپ کے

رضیہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی -
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں

آپ کی سلامتی' عافیت اور خوشیوں کے لیے دعائیں اللہ تعالیٰ آپ کو' ہم کو' ہمارے پیارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور پاکستان کا برا چاہنے والوں کو ان کے ارادوں میں ناکام' ان کے چہروں کو بے نقاب کرے اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں انہیں بدترین انجام سے دوچار کرے۔ آمین

عابدہ' خالدہ اور سعدیہ سرگودھا سے رقم طراز ہیں

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے' اس سلسلے کے شروع کے اشعار کمال کے ہیں' ایک منفرد اور خوب صورت ترین سلسلہ جو شروع تو میا علی نے کیا لیکن اختتام تک کتنی بنت حوا اس میں اپنا دکھ بانٹ سکیں گی۔ کیا خوش اسلوب انداز تھا میا علی کا" رقص بسمل" نبیلہ عزیز صاحبہ پلیز ذرا نظر کرم۔

"ایک تھی مثال" رخسانہ نگار صاحبہ ہمیں یہ بہت حقیقت کے قریب تر لگا' تعویذ حب کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں اور سیاہ حاشیہ پر تبصرہ محفوظ ان شاء اللہ مکمل ہونے پر کریں گے۔

ج : پیاری عابدہ' خالدہ سعدیہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ کو شعاع کے سلسلے پسند آئے اس کے لیے آپ کے ممنون ہیں۔ رہی نبیلہ عزیز کی بات تو پیاری عابدہ! اللہ تعالیٰ سب کو پریشانیوں سے محفوظ رکھے اور جو آزمائشوں میں مبتلا ہیں ان کی دست گیری فرمائے' آمین۔

شازیہ قیصر گاؤں نروال شریف سے شرکت کر رہی ہیں لکھا ہے

پورے ایک سال بعد اپنی خود ساختہ ناراضی ختم کرتے ہوئے آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ آپ کی بھی مجبوری ہے' ویسے میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ ہم گاؤں میں رہنے والے جتنی منتوں کے بعد رسالہ منگواتے ہیں اور پھر سو سو باتیں سن کر خط پوسٹ کرواتے ہیں۔ اس کا آپ کو شاید اندازہ بھی نہیں ہے۔ آج کل کے ترقی یافتہ دور میں بھی خط کا نام سن کر لوگ عجیب و غریب شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پچھلے مہینے میں نے خط پوسٹ کروانے کے لیے بچوں کی دین کے انکل کو دیا تو اس نے پہلے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر خط کو دیکھا۔

آپ کے رسالے کے توسط سے میں یہ پیغام والدین تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ بیٹیوں کی شادی کرتے وقت گھر کا ماحول ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ لڑکی اس ماحول میں رچ بس بھی سکے گی یا نہیں' کیونکہ تبدیلی ایک دم نہیں آتی۔ لڑکی نے پہلے اس ماحول میں ڈھلنا ہوتا ہے پھر اس میں تبدیلی لانی ہوتی ہے اور جب اس سب میں تقریباً" تیرہ' چودہ سال لگ جاتے ہیں اور لڑکی اپنے سسرال کے ماحول کو تبدیل کرنے کے قابل ہوتی ہے تو اس کے بچے اس ماحول میں رچ بس چکے ہوتے ہیں' ان کی سوچیں اور عادات پختہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ ہمارے میکے میں سب پڑھے لکھے ہیں اور سسرال میں ماحول عجیب سا' اور بچے بھی یہی سب کچھ سیکھ رہے ہیں اور میں اتنا پڑھ لکھ کر (ایم اے - بی ایڈ) کچھ نہیں کر سکتی اور کڑھتی' جلتی رہتی ہوں۔

نبیلہ جی نے تو اس دفعہ کمال کرنے کا ہی سوچا۔ ایک ماہ کے انتظار کے بعد اتنی ننھی منی چند صفحات کی قسط۔

صائمہ اکرم بھی بہت بہت اچھا لکھ رہی ہیں ملان کی کہانیوں میں گاؤں کی زندگی کی جھلک ضرور ہوتی ہے ان کا تعلق گاؤں سے ہے یا انہیں گاؤں کی زندگی بہت پسند ہے۔

"واہ!" یہ لفظ بے اختیار سائرہ رضا کا ناول پڑھتے ہوئے بے اختیار نکلا ویل ڈن بہت اچھا ناول سائرہ جی جب بھی آتی ہیں کمال ہی کرتی ہیں۔

ج: "پیاری شازیہ! ہمیں بخوبی اندازہ ہے کہ ہماری گاؤں میں رہنے والی قارئین کو خط پوسٹ کروانے کے لیے کتنے مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ آپ نے بہت درست اور سچی بات کہی ہے لڑکیوں کی شادی کرتے وقت نہ صرف گھر کا ماحول دیکھنا ضروری ہے بلکہ لڑکے اور گھر کے دیگر لوگوں کا مزاج بھی دیکھنا بہت ضروری ہے۔" ایک لڑکی پورے ماحول کو تبدیل نہیں کرسکتی۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ!

علینہ، منیحہ، نجل، ماہا، نیہا، نعم، مومنہ، سونیا امل، وردہ اسلام آباد سے شرکت کررہی ہیں لکھا ہے

ارادہ تو تھا کہ کوئی چٹ پٹا قسم کا ہنسی مذاق والا خط لکھوں لیکن نگاہوں کے سامنے وہ تین سالہ شامی بچہ ایلان آجاتا ہے اس کی بے گور و کفن ساحل پہ پڑی لاش آجاتی ہے تو دل کرتا ہے مسلم امہ کی بدحالی ان کی بے بسی پہ نوحے لکھوں' دربدر رلتے مظلوم شامی مہاجرین' بیچ سمندر کی منہ زور لہروں میں رلنے پہ مجبور' سولی پہ لٹکتے' ہر ملک سے دھتکار دیے جاتے برمی مسلمان' اسرائیلی وحشت و بربریت کا شکار پھر بھی بلند ہمت ہمارے بہادر فلسطینی بہن بھائی' بھارت کے مودی و موذی کے زیر عتاب آئے مقبوضہ کشمیر کے حریت پسند عوام ور ہما' ظالم امریکہ کے ڈرون حملوں کا بے دردی سے نشانہ بنتے وزیرستان کے صاحب ایمان مسلمان اور باقی پوری مسلم امہ کی بے حسی' سنگ دلی' یہ سب حالات مجھے کچھ اور لکھنے سے روک دیتے ہیں.... کیا کہوں اور کیسے کہوں.... بس اللہ پوری مسلم امت کے آئے اس برے وقت کو ٹال دے اور ہم سب کو آگہی و شعور عطا کرے' دجالی میڈیا کے تسلط سے نجات دے۔

اب کچھ بات ہو جائے شعاع کی' سلسلہ وار ناولز کے بارے میں کیا کہا جائے بس اتنا کہ ناولز کی مین اسٹوری تو بہت اچھی ہے مگر دونوں ہی انتہائی سست' بور اور کم صفحات پہ مشتمل ہوتے ہیں بیچ میں پڑھنے میں بالکل مزہ نہیں آتا' سیاہ حاشیہ بہت بہت زبردست جارہی ہے۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" والا سلسلہ بھی بہت اچھا لگا ہے آپ اس سلسلے کو جاری رکھیے گا....

کہانی بھیج رہی ہوں دل میں ڈر بھی ہے کیونکہ سنا ہے شعاع اور خواتین میں منجھے ہوئے لکھاریوں کو ہی جگہ ملتی ہے۔

ج: پیاری بہنو! آپ نے خط لکھا بہت خوشی ہوئی۔ مسلم امہ کے بارے میں ہم دعا ہی کرسکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عمل کے بغیر صرف دعا کیے جانا کبھی بھی کسی مسئلہ کو حل نہیں کرسکتا۔ آج مسلم امہ جن حالات کا شکار ہے اس میں بہت بڑا دخل ان کے اپنے حکمرانوں اور وہاں کے عوام کا ہے مسلک اور فرقوں میں تقسیم' لسانی اور صوبائی تعصبات میں الجھے مسلمان کیا کسی بھلائی کی امید رکھنے میں حق بجانب ہیں؟ کیا کبھی ان کے حالات بدل سکتے ہیں۔

اپنے ملک میں دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خطہ زمین عطا کیا' جو آپ کا وطن ہے۔ آپ کو ہندوؤں کے تسلط سے نجات دی' لیکن جن لوگوں نے پاکستان سے سب سے زیادہ فیض اٹھایا ہے' جنہیں یہاں سب سے زیادہ سہولتیں حاصل وہ سب سے بڑھ چڑھ کر پاکستان کی جڑیں کھود رہے ہیں۔ یہ ناشکری ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے اور ان جیسے لوگوں سے نجات دے۔ آمین۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکر گزار ہیں۔ نمرہ سے انٹرویو کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔

آپ تمام سلسلوں اور افسانوں کے لیے ایک ہی لفافہ استعمال کرسکتی ہیں۔

اور اپنے افسانے کے لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا ہر ماہ پرچے میں کچھ نئے نام ضرور شامل ہوتے ہیں اور یہ جو آج جو منجھے ہوئے لکھاری ہیں' کبھی وہ بھی نئے تھے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

علینہ شیخ نے بھلوال پور سے لکھا ہے

ارے واہ بھئی... کھلا کھلا زرد سا سرورق اور سرپر آنچل حمد اور نعت دونوں سے فیض یاب ہوئے۔ ہمارے شعاع کی یہی خصوصیت ہے کہ نعت کا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے اور نعت وہی اچھی ہے جس میں تعریفی کلمات ہوں'

شرکیہ الفاظ نہیں۔ رخسانہ آپا! پلیز "مثال" کے ساتھ قطعاً "بشریٰ" جیسامت کرنا ہمیں دکھ ہو گا۔ ہماری لاڈلی مصنفہ نبیلہ عزیز کے مسائل کا سن کر فکر ہوئی۔ ناول ابھی سائرہ رضا کا ہی پڑھا ہے 'کیا یہ وہی نوال صاحبہ ہیں "اگر ہم ملے" والی اچھلتی کودتی لڑاکا سی اچھا لگا' ناولٹ میں صائمہ اکرم کے سیاہ حاشیہ کی کیا بات ہے۔ ہر بار نیا سا موڑ۔۔۔ ان کی تحریریں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔

"میرا راج دلارا" ہاہاہا۔ مصباح علی نے کیا خوب لکھا۔ قسم سے پڑھ کر اتنی ہنسی آئی کہ امی دیکھ کر حیران ہو گئیں، ایسا کیا پڑھ لیا جب حرف بہ حرف سنایا تو امی اور پھپھو پیٹ پکڑ کر ہنسیں اور ابا جو قریب ہی لیٹے بظاہر سو رہے تھے مگر 'ماں ٹمی باپ کلنگ بچے نکلے رنگ برنگ یہ جملہ سنتے ہی ہنسنے لگے۔ یعنی وہ سن رہے تھے۔ پہلے رائٹر کا نام پوچھا' پھر پوچھا کہاں کی رہنے والی ہے 'جو ہمیں بھی معلوم تھیں' پھر کہنے لگے چلو پھر بیٹا ابھی خط لکھو شاباش دو اس گڑیا کو 'بھئی اس نے تو ہمیں ہمارا ماضی یاد کروا دیا۔ لگتا ہے ہمیں۔۔۔ جانتی ہیں۔۔۔ آپ بتائیں 'وہ کہاں کی رہنے والی ہیں۔

پھر آئی عید۔۔۔ بھی اچھا ہی لگا۔ ارے ہاں ام ایمان کا 'واپسی' "ارے کتنی ہی دیر میں الجھی ہی رہی کس قدر ظلم ہو تا رہا ہے۔ فلسطینیوں پر چھ ماہ کے بچے پر ظالم یہودی قابض ہو جائیں۔ اللہ فلسطین کو آزاد کر دے۔ آمین! کتابوں کے تبصرے میں آمنہ مفتی کے میٹھے پان کا تذکرہ بڑا پسند آیا۔

ج: "پیاری علینہ! ہماری طرف سے اپنے والد صاحب کا شکریہ ادا کر دیں۔ مصباح علی کا تعلق سرگودھا سے ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔"

ازکی ابوذر نے اولڈ سول لائن میلہ منڈی روڈ سرگودھا سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

فہرست میں سائرہ رضا کا نام دیکھ کر ہم نے سرعت سے ورق پلٹے اور نوال ضمیر کی دلچسپ اور رنگین دنیا کی سیر کرنے لگے۔ کردار نگاری میں سائرہ رضا کا پلڑا ممتاز مفتی صاحب سے بھی بھاری ہے۔ نوال سیریز نے مجھ جیسی دس سال سے خاموش قاریہ کا قلم اٹھوایا ہے' یقین مانیے یہ جملہ سیدھا ہمارے دل میں جا کھبا۔

"عورت سسکتی بلکتی 'محتاج کیوں اچھی لگتی ہے۔ جب خدا نے اسے مکمل بنا کر بھیجا ہے۔"

اتنے حساس موضوع کو مزاح کے لبادے میں پیش کرنا سائرہ رضا کا ہی خاصہ ہے۔

آپ کے نئے سلسلے "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" کے بارے میں مجھے کچھ تحفظات ہیں۔ قریباً" ساری خواتین نے سسرال کی جو منظر کشی کی ہے 'اس کو پڑھ کر ہم کنواری لڑکیاں تو خوف سے جھرجھری لیتی ہیں۔ خدارا کچھ اچھی داستانیں بھی شامل کریں۔ صائمہ اکرام کا "سیاہ حاشیہ" ان کی خامہ آرائی سے کچھ الگ انداز ہے۔

ج: "پیاری ازکی! جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں 'اس طرح سارے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ضروری نہیں کہ کچھ لوگوں کا تجربہ تلخ ہے تو سب کے ساتھ ایسا ہی ہو۔ ویسے بھی ہم نے اس سلسلے میں جو حالات واقعات شائع کیے ہیں۔ وہ ایسے بھی نہیں کہ لڑکیاں پڑھتے ہوئے خوف سے جھرجھری لیں۔ عام سے واقعات ہیں' جو عموماً" نظر آتے ہیں۔

سائرہ رضا بلاشبہ بے حد حساس اور بہت باصلاحیت تخلیق کار ہیں 'لیکن ان کی کردار نگاری کو ممتاز مفتی سے ملانا درست نہیں۔ ممتاز مفتی کا ادب میں بہت بڑا مقام ہے لیکن ان کے کرداروں میں بڑی حد تک یکسانیت ہے جبکہ سائرہ رضا نے بہت متنوع اور غیر معمولی کردار تخلیق کیے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ انہوں نے کردار پینٹ کیے ہیں 'وہ ایک تصویر سی کھینچ کر رکھ دیتی ہیں۔

مسرت الطاف احمد نے کراچی سے لکھا ہے

"ایک تھی مثال" "واثق کی سچی محبت رنگ لے آئی" رقص بسمل" "گنے چنے صفحات۔ ولید اور عزت کی گیدڑ رنگ بہت مزہ دیتی ہے۔ ماورا کا رویہ ایک آنکھ نہیں بھاتا "پورا چاند" فاخرہ جبیں نے حقیقت پر مبنی اسٹوری لکھ کر دل جیت لیا موضوع بہت جان دار تھا مزہ آگیا۔ "شہر تمنا" طرز تحریر بہت پسند آیا۔ موضوع کچھ خاص نہیں لگا۔ اس تحریر میں اچھا خاصا جھول محسوس ہوا۔ "جام آرزو" مہوش افتخار کے ناول نے مجھے بہت زیادہ انسپائر کیا۔ مائیکل کی باتیں دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئیں خواہشات کی طلب سب سے پہلے عقل کو مارتی ہے اور عقل کا اندھا آنکھ کے اندھے سے زیادہ ٹھوکر کھاتا ہے

"سیاہ حاشیہ" کی یہ قسط ہر بار کی طرح دلچسپ تھی۔ "کچھ وقت گزرنے دو" ہنستی مسکراتی ٹینشن فری اسٹوری نے موڈ بالکل فریش کر دیا۔ یہ لائن حقیقت کے قریب تر محسوس ہوئی "جذباتیت اچھی لگتی ہے مگر دیرپا نہیں ہوتی۔"

افسانوں میں "یہ زہر زہر محبتیں" نے بہت سے زیادہ انسپائر کیا، تحریر بہت متاثر کن اور موضوع جاندار تھا" "آئی ہے اب کہ عید" آوٹ اسٹینڈنگ ہلکی پھلکی سوفٹ سی لو اسٹوری دل کو چھو گئی۔ رجو اور مانی کی معصوم محبت پر جی بھر کر پیار آیا۔ "الٹی ہو گئیں" عاصمہ جی نے معاشرے کی تلخ حقیقت کو عیاں کر دیا موضوع بہت ہی اہم تھا۔ "راج دلارا" شروع شروع میں پڑھتے ہوئے تحریر بہت ہی انٹرسٹنگ لگی ایاز کا سرپرائز شادی کرنا عید والے دن بھی اپنے سسرال میں ہی گزارنا کچھ ہضم نہیں ہوا۔

قارئین سے سروے بہت زیادہ پسند آیا، گوشت کے پکوان قابل تعریف لگا' رس ملائی کی ترکیب ضرور ٹرائی کروں گی "بد دعا" ثناء عبدالقیوم کا انتخاب پسند آیا۔

ج : "پیاری مسرت! ہمیشہ کی طرح آپ کے پیار بھرے خط پر ہمیں بھی جی بھر کے پیار آیا... نومبر کے شمارے کے لیے ہم آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرائیں گے اور پھر اس پر آپ کی رائے کا بے چینی سے ہمیں بھی انتظار رہے گا۔"

پاکیزہ ہاشمی نے بھاول پور سے لکھا ہے

جام آرزو سچ بتاؤں تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ پہلی قسط میں لکھا تھا۔ سنی اور مہر کا نکاح ان کی نانی کرواتی ہیں جبکہ اس قسط میں تھا' سنی زیب کا بیٹا نہیں ہے اور زیب کا نکاح ان کی والدہ کی وفات کے بعد صغیر قاضی سے ہوتا ہے۔ "پورا چاند" بہت خوب صورت تحریر تھی۔ اس اذیت کو ہم بخوبی جانتے ہیں۔

ج : "پیاری پاکیزہ! دراصل مہوش نے ایک کردار کے تین نام رکھے ہیں۔ ہنی' سیم اور سمروز ایک ہی ہیں' اسی طرح حسان اور سنی ایک ہیں' نکاح ہنی اور مہر کا ہوا ہے۔ جبکہ سنی زیب کا اپنا بیٹا نہیں ہے۔ زیب کا دوسرا نکاح والدہ کی وفات کے بعد ہی ہوتا ہے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔"

فائزہ بھٹی کا "دل نامہ" پتوکی سے لکھتی ہیں

"رقص بسمل" ناول اچھا ہے۔ نبیلہ ایک بات بتاؤں آپ اسے تھوڑا لکھیں یا زیادہ۔ آپ ہمارے دل میں بڑی شان سے براجمان رہیں گی۔ بس درخواست اتنی ہے کہ حالات سے گھبرا کر ہم سے ناتا مت توڑنا...

"سیاہ حاشیہ" صائمہ اکرم نے "دیمک زدہ محبت" لکھ کر میرے الفاظ کو گونگا کر دیا ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی تعریف کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں۔

شعاع کی تبصرہ نگار بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔ سفر نامے پر بھی تبصرہ بعد میں کروں گی۔ سائرہ! پوری کوشش کروں گی۔ آپ کی نوال جی کو الفاظ کی صورت خراج تحسین پیش کر سکوں اور اب آخر میں ایک درخواست بھی کروں گی 'پلیز' کسی بھی رائٹر سے کوئی ایسی اسٹوری لکھوائیں جو فوجیوں پر ہو۔ میری اگر اس درخواست کو پورا کر دیں تو یقین جانیے دل خوش ہو جائے گا ورنہ خواہشوں کے انبار میں اک اور خواہش کا اضافہ ہو جائے گا۔

ج : "بھئی فائزہ! ہمارا تو یہ ماننا ہے کہ جو لوگ راہ کے روڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور خوش قسمتی کی دستک بروقت سن لیتے ہیں' وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنے دل کو پاسبان عقل کے سائے میں رکھو۔

جڑانوالہ سے کوثر خالد نے اپنے مخصوص بے ساختہ انداز میں تبصرہ کیا ہے لکھتی ہیں

بھئی انیقہ اتنا کدھر ہو... ذرا سامنے تو آؤ۔ ثمینہ اکرم کا خط غمی و خوشی دونوں عطا کر گیا۔ ان شاء اللہ انہیں شفا ضرور ملے گی یقین رکھیں... ہم نے تو مانگ کے ہیپاٹائٹس لیا... کیونکہ بڑی بیماری والے کی ایک شہادت تو پکی ہے۔ جو صبر کر لے تو الحمدللہ یونیٹو ہونے کے باوجود ہم دوا سے دور ہیں... سب کچھ ہضم کرتے ہیں... ساس صاحبہ کو پیمپر لگا کر بد دعائیں لیتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کرے میری صحت آپ کو لگے اور آپ کی بیماری مجھے (واش روم جانے کی ضد کرتی رہتی ہیں) اب بھی بد دعا دے کر الگ کمرے میں چلی گئی ہیں۔ اگر میں مشرق ہوں تو وہ مغرب۔ میں زمین تو وہ آسمان مگر نبھا رہے ہیں کہ نبھانے کی قسم کھائی ہے۔

نبیلہ جی! ہمیں آپ کا مختصر سا رقص بسمل نہایت پسند ہے... لگتا ہے ابھی مثال کے امتحان باقی ہیں۔ سیاہ حاشیہ واضح ہو رہا ہے۔ اس میں میرا پسندیدہ کردار صرف آغاجی ہی ہیں۔ ابھی تو... مصباح علی نے بہت منفرد کردار دکھائے

۔۔۔ ممکن ہے بھئی یہاں سب ممکن ہے۔ جام آرزو۔۔۔ کی ہیروئن پسند آئی۔۔۔ "تو نبہ وجدان ای ناں" "خوب رہی ام ایمنہ! مایوسی کفر ہے۔۔۔ دعا اور امید قائم رکھو۔۔۔

خالد صاحب کی وفات پر چنداں نہیں روئی۔ ان کی میت پر یونہی تھی جیسے عام حالات میں لوگوں سے ملتی ہوں۔

عید الاضحیٰ سروے حسب عید رہا۔۔۔ بصرہ ذرا الٹا ہو گیا ہے جلدی میں۔۔۔ ڈھیروں رسائل اور بکس کا نرغہ ہے اور ہم۔۔۔ آلو بینگن لا کر رکھے ہیں۔۔۔ شمع کے اسکول سے آنے تک نہ پکے تو پھر خیر نہیں رسالوں کی۔۔۔ کل عید کے بعد کی صفائی کی۔ ساس کو نہلایا۔۔۔ ان کے لیے پلاسٹک شیٹ گدے سے نتھی کی تو ہنڈیا نہ چڑھا سکی۔ تین دن کا شوربہ پڑا تھا میں نے اور ساس نے اس سے نان کھایا۔۔۔ شمع نے آلو کی ٹکیہ سے۔ 10 روپے کے کھٹے چنے اور 5 روپے کا برف کا گولہ سال بعد لے آئی۔ ساتھ بسکٹ چائے دی۔۔۔ بیچاری اسکول پڑھا کر آتی ہے تو ماں نخرے بھی نہیں اٹھاتی۔۔۔ اور جب سالن ہی نہ ہو تو پھر کبھی کبھار تو بسکٹ لا دیتی ہوں۔۔۔ بھئی میری بیٹی تو مجھ سے بھی حیادار ہے۔ مرد تو اس لیے کہا کہ سائنس پڑھا کر آتی ہے تو کھانا کھاتے ہی ٹیوشن کے بچے منتظر۔۔۔ 8 بجے فارغ ہو تو پھر 9 بجے کھانا۔۔۔ اور پھر نیند کی وادی منتظر ہوتی ہے۔۔۔ پھر بھی تمام کام گھر داری کے سکھائے ہیں۔ مہمان آئیں تو بھی ساتھ سنبھالے۔۔۔ عید پر اس بار کلیجی ہانڈی اس نے پکائی۔ سب خاندان نے تعریف کی ہمسائے نے بھی۔ مگر خود گوشت کھاتی نہیں۔۔۔ آلو یا دال زیادہ ڈال کر ٹکیاں کھا لیتی ہے۔۔۔ بس گوشت دھلواتی مجھ سے ہے۔ نماز کی بھی پابند ہے۔۔۔ رمضان میں ہم کو وہ نہ جگائے تو سحری رہ جائے۔۔۔ تو بھئی مرد اس لیے لکھا تھا کہ ہماری کفالت بیٹے سے زیادہ کر رہی ہے۔۔۔ اور پوری عورت تو شادی کے بعد ہی بنا جائے گا ناں۔ بیچاری اتنی حیران کہ ماں نے مجھے مرد لکھ دیا۔۔۔ (ہاہاہا۔۔۔) اچھا جی رب راکھا۔

دیکھتے ہیں آپ کیا کیا کاٹتی ہیں۔

ج: "محترمہ کوثر خالد! اللہ آپ کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آپ کے ہمت و حوصلے کی داد دینی پڑتی ہے۔ جس طرح آپ اپنی ساس کی تلخ و ترش سہہ کر خدمت کر رہی ہیں۔ ایسی بہترین ماں کی شمع جیسی ہی بیٹی ہونی چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے نصیب اچھے کرے۔

اور ہم معصوموں نے کیا کاٹنا ہے ہم تو بقر عید پر قربانی کا جانور بھی قصائی کے حوالے کر دیتے ہیں جو کچھ کاٹتا ہے وہی کاٹتا ہے۔

بیماری اور تندرستی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ شہادت کا مرتبہ بھی اللہ جسے چاہتا ہے۔ اسے دیتا ہے دعا ہمیشہ اچھی مانگنا چاہیے۔ اگر شہادت کی آرزو ہے تو شہادت کے لیے دعا مانگیں۔ ساس کی صحت کے لیے دعا مانگیں ان کی بیماری اپنے لیے نہیں۔

شگفتہ پروین مشہر سرائے سدھو تحصیل کبیروالہ سے رقم طراز ہیں

میں پانچ سال سے شعاع اور خواتین پڑھ رہی ہوں شعاع کے سب ہی سلسلے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ نبیلہ عزیز میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ پلیز نبیلہ آپی رقص بسمل کی رفتار تھوڑی بڑھا دیں۔ پلیز۔

ج: شگفتہ! نبیلہ صفحات بڑھا دیں تو رفتار خود بخود بڑھ جائے گی۔ وہ تو لکھ ہی نہیں پا رہی ہیں۔

نسرین علی نے لکانوالہ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

خط لکھنے کی وجہ "سارہ رضا" کا ناول "کچھ وقت گزرنے دو" معذرت کے ساتھ وجہ تعریف نہیں تنقید ہی کہ آپ نے لکھنے میں عمیرہ احمد کا انداز چرایا ہے انہوں نے جو شاعری عالیان کی تعریف میں لکھی، آپ نے ویسی ہی شاعری نوال کی تعریف میں لکھ دی اور آپ نے ناول کو بے جا طویل کر دیا۔ باقی حمد و نعت لاجواب تھے۔ "رقص بسمل" ایک عمدہ تحریر ہے مگر اس کا تردد آپ نہ ہی کیا کریں "جام آرزو" پہلی قسط نے تجسس پیدا کیا تو دوسری کو پڑھ کے لگا کر مہوش افتخار غنودگی میں تھیں۔ کوئی مزا نہیں آیا۔ "سیاہ حاشیہ" ایک عمدہ تحریر ہے اور صحیح طریقے سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے "پورا چاند" فاخرہ جبیں نے حقیقت لکھا۔ "شہر تمنا" سو سو تھا۔ افسانے سارے اچھے تھے مگر "آئی ہے اب کے عید" افسانے یہ جو لڑکی کے ساتھ دو عدد آنکھیں فضول رکھی تھیں وہ آنکھیں بے چاری لڑکی پہ لگا دی ہوتیں تو وہ بھینگی نظر نہ آتی۔ عید سروے میں فائزہ محمد زبیر خان، تہمینہ رؤف، ڈاکٹر عائشہ جمیل کے جوابات دلچسپ لگے "جب تجھ سے ناتا جوڑا" کی "ام ایمنہ" کے لیے ڈھیروں دعائیں اور ثمینہ اکرم لیاری کے لیے شفا کی دعا

بے مثل فرزانہ شاہین، زہرہ جبیں کے لطائف پسند آئے۔ آمنہ مفتی نے تو نبہ اچھی طرح رلایا۔ "تاریخ کے جھروکے" بے حد دلچسپ۔ آئینہ خانے میں ___ بہترین لگا خوب صورت بننے میں سب اچھا تھا۔

ج: پیاری نسرین! خط اچھا لگا۔ اب خاموشی توڑی ہے تو آئندہ بھی اسی طرح بولتی رہیے گا۔ شکر ہے شمارے میں سے کچھ تو پسند آیا ورنہ خط کے آغاز سے تو ہم ڈر ہی گئے تھے۔ سائرہ رضا پر آپ کی تنقید سے ہم متفق نہیں۔ نمیرا حمید اور سائرہ رضا دونوں اپنی اپنی جگہ انتہائی منفرد اور مختلف اسلوب کی مالک ہیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ آپ کو نوال اور عالیان میں کوئی مماثلت نظر آئی۔

تصویر پر تبصرہ بہت خوب ہے۔ ہم اپنے آرٹسٹ تک پہنچا رہے ہیں۔

کبیر والا سے ساجدہ رمضان لکھتی ہیں

پہلی بار خط لکھ رہی ہوں پہلے پڑھائی کی مصروفیات تھیں اور کچھ گھر کا ماحول۔ لیکن بہرحال ہم نے رسالوں سے ایک بار رشتہ جوڑا تو پھر کبھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ شعاع خواتین کے خاموش قاری ہیں۔ خاموش اتنے کہ گھر والوں کو بھی مشکل سے پتا چلتا ہے کہ ہم کس چیز کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ شعاع کی تعریف کے لیے بس اتنا کہوں گی کہ اندھیرے سے روشنی میں لا کر کھڑا کر دیا۔

ج: "پیاری ساجدہ! اچھے رسالے اچھی تحریریں واقعی روشنی کی طرح راستہ دکھاتی ہیں۔ اس اظہار محبت کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

کراچی سے آسیہ ارم کا تبصرہ لکھا ہے

میں ابھی بھی نہ لکھتی (قسم جو کھائی تھی) مگر قرۃ العین خرم ہاشمی کا "یہ زہر زہر محبتیں" پڑھا اور رہ نہ سکی۔ بھئی قرۃ العین آپ نے جانے کتنی بند آنکھیں کھول دیں۔ اتنی چھوٹی سی تحریر نے کیا کیا راز اگلے ہیں۔ بہت خوب واقعی یہ ایک معاشرے کی سچائی پر مبنی مکمل کہانی تھی۔ میری موسٹ فیورٹ کہانی "سیاہ حاشیہ" کو صائمہ بہت اچھے طریقے سے لے کر چل رہی ہیں۔ بہت مزہ آرہا ہے اسے پڑھ کر۔

رقص بسمل کو نبیلہ جی اب ختم کر دیں۔ کہانی کا سارا چارم ختم ہو گیا ہے بہت اچھا پلاٹ تھا مگر ___ "جام آرزو" مہوش نے بہت خوب صورتی سے قدم بڑھائے ہیں۔ مگر کافی الجھایا ہوا ہے ہمیں اپنی کہانی کے ساتھ۔

ج: "اللہ اللہ! آسیہ ارم اتنا غصہ یقین جانیں تاخیر کی بنا پر محنت سے لکھے جانے والے خطوط شامل نہیں ہوتے مگر وہ دل کی آنکھوں سے پڑھے جاتے ہیں۔ ہمیں تو دو کروڑ کی آبادی والے کراچی سے آپ کا یہ ملین ڈالر کا واحد خط موصول ہوا ہے۔ آپ چاہیں ناراضی سے لکھیں یا محبت سے بروقت مل گیا تو شائع ہو جائے گا نہیں ملا تو نظروں میں تو سمائے گا ہی۔ آپ ہم سے چاہے امید نہ باندھیں مگر ہم آپ کے اگلے خط کے منتظر رہیں گے اور نہیں لکھا تو ہمیں افسوس ہو گا۔

بہت شکریہ اس محبت کا کہ قسم توڑ کر خط لکھا۔

حرا قریشی بلال کالونی ملتان سے لکھتی ہیں

یکم اکتوبر کو شعاع کا مل جانا ہفت اقلیم کی دولت سے کم نہیں۔ "میرا راج دلارا" ٹائٹل پڑھتے ہی مرکزی خیال کی تہہ تک پہنچ گئے۔ بیچارا راج دلارا! جب ایاز اس قدر گھن چکر بنا رہے گا تو الٹی شلوار ہی نہیں اور بھی بہت سے الٹے کام ہو سکتے تھے۔ "آئی ہے اب کے عید" ہلکی پھلکی مسکراہٹ انگیز تحریر رہی۔ "یہ زہر زہر محبتیں" (قرۃ العین حیدر اور قرۃ العین خرم کیا دونوں ایک ہی رائٹر ہیں؟) "الٹی ہو گئی تدبیریں" عاصمہ جی نے کیف آفریں انداز میں تحریر کی بنت کاری کر کے دلچسپی کو آخر تک برقرار رکھا۔ قابل ذکر، قابل توجہ، قابل غور تحریر ام ایمان کی "واپسی" تھی۔ پورے چاند کی طرح روشن و تابناک تحریر فاخرہ لے کر آئیں۔ منفرد انداز میں منفرد حقیقت کو کلک کیا گیا۔ بہت نایاب! "سیاہ حاشیہ" کرداروں کی نفسیات بھی پے در پے کھولے سامنے رکھ رہی ہے۔ سائرہ (رفیق من) عید کے لیے خصوصی نوال کو لے کر آئیں اپنے پیارے قارئین کے لیے ___ خصوصی شکریہ! "ایک سے بڑھ کر ایک" (نظموں اور غزلوں کے لیے کہا ہے بھئی) "شہر تمنا" وکھری وکھری سوہنی سی صدف نے بھی اپنی تحریر سے مزا دیا۔ "جام آرزو" سیم تو نہیں جس پر آگہی کے در کھلیں گے۔ سیم کے ساتھ مائیکل کی کی گئیں باتیں اثر انگیز تھیں۔ واقعی دیکھنے والے بہت کم دیکھتے ہیں۔

ام ربنہ اور بنت سحر کے لیے اسپیشل بیسٹ وشز۔ رب سوہنا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

ج : ''سوہنی حرا قریشی۔ رب سوہنا ہمیشہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔ انتہائی شان دار تبصرے اور تجزیے (سب خط بھیجنے والوں کے لیے کہا ہے بھئی) اور اسپیشل بیسٹ وشز ہماری طرف سے۔ آپ کے لیے۔

٭ ''زہر زہر محبتیں'' قرۃ العین خرم ہاشمی کی تحریر تھی فہرست میں غلطی سے قرۃ العین حیدر لکھا گیا۔

سدرہ نے لکھا ہے

اس ماہ کا شعاع بہت اچھا لگا' پیاری نبی کی پیاری باتیں دل میں اترتی ہیں اور اثر کرتی ہیں بے شک یہ ایک بہترین سلسلہ ہے۔ اس ماہ کی کہانی پورا چاند فاخرہ جبیں کا اچھا لگا۔ افسانے بھی بہت پسند آئے 'خاص کر عاصمہ فرحین کا ''الٹی ہو گئیں سب تدبیریں'' مزے کا افسانہ تھا۔ مہوش افتخار کا ''جام آرزو'' بھی بہت اچھا لگا جا رہا ہے۔

پیاری سدرہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ شعاع کی پسندیدگی اور دعاؤں کے لیے ممنون ہیں۔ اپنے بھائی عامر اور عاشی کا ہماری جانب سے شکریہ ادا کر دیں۔

خضری ظفر رحیم یار خان سے لکھتی ہیں

ٹائٹل تو بہت زیادہ پسند آیا۔ ''سیاہ حاشیہ'' بھی بہت اچھا ہے۔ بختاور ہی صالحہ آپا ہے اور شاہ زیب بختاور کی بیٹی ہے۔ ''رقص بسمل'' تو اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر تھا۔ آفاق کی بیماری کے بارے میں جان کر دکھ ہوا۔

افسانوں میں عاصمہ فرحین کا الٹی ہو گئیں تدبیریں بہت اچھا تھا۔ مزہ آ گیا۔ افسانوں میں سب سے بہترین ''واپسی'' ام ایمان جی نے بہت زبردست لکھا۔ ان کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔

باقی سب افسانے بھی اچھے تھے۔ ''زہر زہر محبتیں'' معاشرے کی تلخ سچائی تھی۔ فاخرہ جبیں اور صدف آصف کے ناولٹ بھی بہت اچھے لگے۔

سائرہ رضا میری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں۔ اس بار بھی بہت بہترین لکھا آپ نے۔

خاص طور پر آپ کے ناول کا یہ جملہ ''ہر انسان میں جانور بستا ہے۔'' بہت اچھا لگا۔ نوال کی نشے والی کیفیت مزہ دے گئی۔ اور بس والا سین تو پڑھتے ہوئے تو میں بے ساختہ بہت ہنسی۔

٭ بہت شکریہ خضری! سائرہ رضا ہماری بھی پسندیدہ مصنفہ ہیں ان تک اور دیگر مصنفین تک آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے۔

خدیجہ اور فاطمہ بنگلہ صدر گوگیرہ سے شریک محفل ہیں

میں اور میری بہن خدیجہ شعاع اور خواتین کی خاموش قاری ہیں میں تو اب بھی خاموش ہی رہتی لیکن میری چھوٹی بہن خدیجہ نے کہا کہ شعاع پر کچھ ہمارا بھی حق ہے تو جی ہم نے بھی قلم اٹھا لیا کہ دیکھیں تو ہماری لگن کتنی سچی ہے اب بات ہو جائے پسندیدہ مصنفہ کی تو نمیرا احمد' سائرہ رضا' ایمل رضا کی تحریریں پڑھ کر تو لگتا ہے کہ ان پر الفاظ اترتے ہیں تنزیلہ ریاض' نمرہ احمد اور عنیزہ سید بھی بہت اچھی رائٹرز ہیں۔ یہ امایہ خان بہت شکن کے بعد کدھر گئی ہیں سب سے پہلے نبیلہ عزیز سے معذرت کے ساتھ ''رقص بسمل یقیناً'' سلو سٹوری کا ایوارڈ حاصل کرے گا میری ان سے گزارش ہے کہ وہ اسے بند کر دیں جب حالات موافق ہو جائیں تو پچھلے خلاصے کے ساتھ بڑی بڑی اقساط میں کہانی ختم کریں۔ صائمہ اکرم کا ناول میرا فیورٹ ناول ہے۔ ''تاریخ کے جھروکے'' بہت اچھا سلسلہ ہے اور مجھے میرے بھتیجے کو بہت پسند ہے۔ جب مجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ بہت اچھا سلسلہ ہے لیکن ستمبر کے شمارے میں ''مان'' پڑھ کر مجھے لگا کہ جو خواتین اس سلسلے میں شرکت کریں گی وہ بھی تو ایک طرفہ بیان ہی دیں گی۔ ہمارا المیہ ہے کہ ہم اپنا قصور اور غلطی چھپاتے ہیں اور دوسروں کی عیاں کرتے ہیں۔ کئی دفعہ دیکھا ہے کہ بس کے سفر اور ڈاکٹر کے پاس بھی عورتیں سسرالیوں کی ''تعریفوں'' کے پل باندھ رہی ہوتی ہیں۔ اب نہ کوئی ان کی گھر جائے نہ ہی سچ اور جھوٹ کا پتا چلے۔ دستک میں عائشہ خان اور آمنہ شیخ کو دیکھ کر دلی خوشی ہوئی محمود بابر فیصل کرن والے ذوالقرنین ہی ہیں یا کوئی اور ہیں۔

خطوط میں کوثر خالد کی کمی محسوس ہوئی۔ سائرہ رضا سے میری گزارش ہے کہ کبھی نہ کبھی خطوط میں بھی حصہ لیا کریں۔ عیدالاضحیٰ کے حوالے سے سروے کے جوابات بہت دلچسپ تھے۔ ہماری عید بھی تقریباً'' ان ہی کے جیسے ہوتی ہے۔

پیاری فاطمہ اور خدیجہ! اللہ آپ دونوں کو خوش رکھے۔ فاطمہ! خدیجہ نے آپ سے بالکل ٹھیک کہا ہے شعاع پر

سارا حق ہی آپ لوگوں کا ہے۔ آپ کو شمارہ پسند آیا بس جناب ہماری محنت وصول ہو گئی۔ محمود بابر فیصل "کرن" والے ذوالقرنین ہی ہیں۔ بھئی اپنے والدین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں باتوں سے خوشبو آئے تاریخ کے جھروکے اور دیگر سلسلوں سے متعارف کرائیں نا۔ باقی وہ خود ہی دیکھ لیں گے کہ شعاع تو ایسی حکایتوں کا مرقع ہے، جو زندگی کو آسان بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اور بھئی ہم جواب کہاں دیتے ہیں 'پیار بھری باتیں کرتے ہیں آپ لوگوں سے اگر کسی دن جواب دے دیا نہ تو پھر۔"

ویسے آپ دونوں نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ آئندہ بھی موقع ملے تو دوبارہ بزم میں آیئے گا۔ ہم منتظر رہیں گے۔

شائستہ کنول چیچہ وطنی سے خوشہ چیں ہیں

ناول میں "ایک تھی مثال" ست روی کا شکار ہے نبیلہ عزیز کا ناول بھی بہت آہستگی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ افسانوں میں "راج دلارا" بازی لے گیا۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ ناولٹ میں سیاہ حاشیہ بھئی کیا کہنے زبردست 'باقی سب افسانے اور ناول بھی اچھے رہے۔ تاریخ کے جھروکے میں ہر بار دلچسپ معلومات ہوتی ہیں۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا" ابھی ہم اس میں شرکت سے قاصر ہیں (ہی ہی ہی) لیکن پڑھ کر مزہ آتا ہے۔

ناراض شائستہ! آپ کے پچھلے دو خطوط ملے ہوتے تو ردی کی ٹوکری میں جاتے نا وہ بیچاری تو منہ ہی دیکھتی رہ گئی اور جب افسانوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے تو۔ تو ہمارا خیال ہے کہ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہو گا۔

اور شعاع کو کیوں آپ کی ضرورت نہیں۔ ایسی دل توڑنے والی باتیں نہ کریں۔ ہم نہ ہوں گے تو بھلا کون منائے گا تمھیں 'یہ بری بات ہے ہر بات پہ روٹھا نہ کرو۔

ایس کنول راناستیانہ سے شرکت کر رہی ہیں لکھا ہے

اس دفعہ سوچا ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی جائے شاید کہ کامیاب ہو جائیں وہ کہتے ہیں نا۔۔۔

ع - پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بس اسی اصول کے تحت ہم نے پھر اپنے آپ کو میدان میں کودنے کے لیے تیار کیا۔ رقص بسمل ویری نائس مگر ابھی تک کردار واضح نہیں ہوئے۔ سیاہ حاشیہ کی تو کیا بات اس میں مجھے ارحم اور اوریدا کا کردار بہت پسند ہے۔ سائرہ رضا جی آپ ہر دفعہ کچھ انوکھا کرتی ہیں اس دفعہ تو فضا میں پروپوز کروا دیا۔ ویلڈن جی کیا کہیں بہت بہت مبارک۔ اتنا اچھا لکھنے پر ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا میرا تو۔ پورا چاند فاخرہ جبیں نے بہت اچھا تخلیق کیا۔

اوہ! ایک بات پوچھنی تھی کیا میں کچھ افسانے بھیج سکتی ہوں۔

جی کنول! آپ کہانی بھجوا سکتی ہیں۔ آفس کے نمبر پر کال کر کے آپ پتا کر سکتی ہیں 32723290 شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

مریم نے لاہور سے لکھا ہے

فرحت اشتیاق سے کہیں کہ وہ کوئی ناول لکھیں

ج: مریم! آپ کی فرمائش ان سطور کے ذریعے فرحت تک پہنچا دی گئی ہے۔

خالدہ پروین گاؤں اولکھ سے لکھتی ہیں

ٹائٹل بہت خوب صورت تھا۔ رقص بسمل اچھا ہے لیکن بہت سلو۔ سائرہ رضا کا ناول ہمیشہ کی طرح بازی لے گیا۔ فاخرہ جی آپ کا بہت شکریہ۔ اب راحت صاحبہ کو بھی کہیں کہ وہ لکھیں' بہت مس کرتی ہوں 'سبز رتوں والی کہانی کو۔۔۔ آپ کے ادارے کی سب سے بڑی خوبی کہ موقع محل کی مناسبت سے کہانیاں دیتے ہیں۔

ج - پیاری خالدہ! بہت شکریہ۔

مسز جبین اجمل نے روہڑی سکھر سے لکھا ہے

سرورق اچھا تھا۔ خاص طور پر ماڈل کی بالیاں۔ رخسانہ جی سے آپ کے توسط سے کہنا ہے کہ جب آپ اپنا کوئی ناول 'ڈراما بننے کے لیے دیں تو پلیز ڈائریکٹر سے کہا کریں کہ کاسٹ تو آپ کی مرضی سے ہو۔ مکمل ناول دونوں ہی بہترین تھے۔ نوال گڈ اور ہاں نوال اچھا کیا جو اخفش کو انتظار کروا رہی ہو۔ اسی صورت میں تو ہمیں سائرہ ایک اور کہانی لکھ کر دیں گی۔ ویسے سائرہ جی اپنے ہیرو اور ہیروئن کے نام کے مطلب تو لکھ بھیجیں۔ "جام آرزو" کا نام ہی اتنا خوب صورت ہے تو کیا کہانی نہ ہو گی۔ ناولٹ میں "سیاہ حاشیہ" کی کیا بات ہے۔ یہ میرا فیورٹ ہے۔ بہت عرصہ بعد فاخرہ جبیں آئیں۔ "پورا چاند" اچھی تحریر تھی۔ اس دفعہ افسانے تقریباً سارے ہی کمال کے تھے۔ "بندھن"

میں عائزہ خان اور دانش تیمور کا انٹرویو لیں پلیز..... اور لائٹ ابھی تک نہیں آئی افسوس.....

ج - پیاری بہن! لکھنے کے لیے خداداد صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مطالعہ اس صلاحیت کو نکھارتا ہے۔ اگر آپ میں صلاحیت ہے تو ضرور لکھیں۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا' ریجیکٹ ہی ہوگا نا کوشش ضرور کرنا چاہیے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ۔

فائزہ زبیر خان کراچی سے لکھتی ہیں

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اس سلسلے کی تو بات ہی سب سے نرالی اور جدا ہے۔ اس ماہ اتنا خوب صورت موضوع چننے پر بے حد شکریہ۔ ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ یہی ذات پات کی تفریق اور حسب و نسب کی برتری و کمتری ہے۔ انتہائی دکھ کا عالم تو یہ ہے کہ جاہل تو جاہل پڑھے لکھے افراد بھی اس سوچ پر کاربند ہیں۔ دوسرا خوب صورت موضوع بھی بہت اہم تھا یہ عورتیں بین کرنے سے کبھی باز نہیں آسکتیں۔ عید کے خصوصی سروے میں تمام قاریوں کے چٹ پٹے جوابات پڑھ کر تو عید کا تو مزہ ہی دوبالا ہو گیا۔ فائزہ کی تو بات ہی الگ تھی۔ (جلنے والے کمزور دل یہ فقرہ نہ پڑھیں۔) "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" کے متعلق۔ کیا میں اپنے خاندان کی ان عورتوں یا لڑکیوں (شادی شدہ) کا احوال لکھ کر بھیج سکتی ہوں جو چاہتی ہیں کہ ان کی شادی شدہ زندگی کا احوال شعاع کے صفحات کی زینت بنے مگر ان پڑھ ہونے کے باعث خود لکھ نہ سکتی ہوں تو کیا میں بھیج سکتی ہوں؟ ہمارے خاندان میں سے بہت زبردست' عجیب و غریب اور منفرد منفرد احوال آپ کے قارئین کو پڑھنے کو ملیں گے۔ سب سے خوب صورت خط بنت سحر کا لگا۔ انہیں ضرور موقع ملنا چاہیے۔ میرا ناقص تجربہ اور حقیر سا مشاہدہ کہہ رہا ہے کہ اس کی تحریر میں کچھ الگ ہے۔ "تو نبہ وجدا ای نا" آمنہ مفتی جی ویلڈن.....

ج - فائزہ! 35 فل اسکیپ صفحات پر مشتمل تمہید اور اس کے بعد دس صفحات کا تبصرہ بہت دلچسپ ہے۔ ہر ماہ اتنا مفصل خط لکھنا واقعی کمال ہے۔ فائزہ آپ افسانہ نگاری کی طرف توجہ دیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ آپ میں صلاحیت ہے۔ آپ اچھا افسانے لکھ سکتی ہیں۔

اپنے خاندان کی خواتین کے تجربات ضرور لکھ کر بھجوائیں۔ آپ تو بہت اچھے انداز میں ان کے خیالات کو زبان دے سکتی ہیں۔

قارئین متوجہ ہوں!

1- ماہنامہ شعاع کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جا سکتے ہیں، تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔

2- افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کر سکتے ہیں۔

3- ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔

4- کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔

5- مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں، ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپسی ممکن نہیں ہوگی۔

6- تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

7- ماہنامہ شعاع کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

ماہنامہ شعاع
37-اردو بازار کراچی

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مڑتی ہوئی گلیاں چھوڑی ہیں
کھلتی ہوئی کلیاں چھوڑی ہیں
جھولے کی وہ سکھیاں چھوڑی ہیں
ہر طاق میں گڑیاں چھوڑی ہیں
جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے
مت پوچھ کہ کیا کیا چھوڑا ہے

ایک لڑکی کا بابل کا گھر چھوڑ کر پیا دیس جانا ایسا ہی ہے جیسے پودا ایک زمین سے اکھاڑ کر دوسری زمین میں لگا دیا جائے۔ اگر موافق زمین اور ماحول ملے تو یہ پودا پھلتا پھولتا ہے ورنہ مرجھا جاتا ہے۔
غیر اور اجنبی لوگوں کی بات تو جانے دیں' کبھی کبھی سگی خالہ اور سگے چچا کے گھر میں بھی شادی ہو تو مختلف رویوں اور ماحول کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ تصور کریں ایک پڑھی لکھی' نازک خیال نفیس طبع لڑکی کو رخصت ہو کر ایسے ماحول میں جانا پڑے۔ جہاں ان پڑھ لوگ' گالم گلوچ' لڑائی جھگڑا' طعنے تشنے ہوں' اس طرح کے ماحول کو تبدیل کرنے اور یہاں خود کو منوانے کے لیے ایک عمر کی ریاضت درکار ہوتی ہے اور کبھی پوری عمر ہی رائیگاں ہی ٹھہرتی ہے۔ خود کو مٹا کر بھی کچھ نہیں ملتا۔ اس ماہ ہم اسی حوالے سے نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ص۔ م

س : "شادی کب ہوئی؟"
ج : "تاریخ تو صحیح یاد نہیں۔" ہم دیہاتوں میں بسنے والے شادی' پیدائش اور موت کی تاریخوں کو سیلاب' زلزلے' خشک سالی یا بارشوں سے یاد رکھتے ہیں۔ کپاس کی چنائی کے دن تھے اور خوب سردی تھی۔ ویسے میرے خیال میں بیس سال تو ہو ہی چکے ہوں گے۔
س : "شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟"
ج : "شادی سے پہلے مجھے کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ بھاگنے میں بہت تیز تھی۔ پٹھو گرم میں ہمیشہ میری ٹیم جیتتی تھی۔ درخت پر میں ایسے چڑھتی تھی جیسے بندر ــــ اور سب سے زیادہ گڑیا کی شادی کا شوق تھا۔ اسکول ہمارے پنڈ میں ایک تھا' جہاں لڑکے ہی جاتے تھے۔ ہم لڑکیاں شام کو بے جی کے گھر جا کر قرآن پڑھتی تھیں۔ ساتھ ان کے گھر کا کام بھی۔"
س : "اس رشتے میں آپ کی مرضی شامل تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟"
ج : "میرا رشتہ وٹے سٹے کے رواج کے مطابق پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا' میرے بڑے بھائی جو مجھ سے پندرہ سولہ سال بڑے ہیں ان کا نکاح میری نند سے ہوا اور میرا وٹہ پیدائش سے پہلے چاچا کے گھر کر دیا گیا۔ میرا نکاح بارہ سال کی عمر میں ہوا اور پھر رخصتی پندرہ سال میں۔"
س : "ذہن میں جیون ساتھی کے حساب سے کوئی تصور؟"
ج : "جی تصور تو نہیں حقیقت ضرور تھی۔ میرے شوہر اور میرا ساتھ بچپن کا ہے۔ یہ مجھ سے دس سال بڑے ہیں۔ ہر تصور ان ہی سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہوا۔"
س : "منگنی کتنا عرصہ رہی؟ فون/ملاقات؟"

ج : "ہمارا نکاح تین چار سال رہا۔ جس میں یہ تو لاہور یونیورسٹی میں پڑھنے چلے گئے اور میں اپنے گھر سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی کودتی رہی۔ دراصل اس رشتے میں کوئی نیا پن تھا ہی نہیں۔ بچپن سے وٹے کا سنا تھا۔ سو خاندان کے باقی رشتوں کے ساتھ یہ بھی ایک معمول کا عام رشتہ تھا۔"

س : "شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے؟"

ج : "جی میرے خیالات تو بہت سادہ تھے۔ چاچا کا گھر' بھرجائی کا میکہ' میرا وٹہ اور بس۔ مگر میرے شوہر کے خیالات میں اچانک بڑی تبدیلی آگئی۔ گاؤں سے میٹرک میں اچھے نمبروں کے بعد وہ بسوں اور ویگنوں کے پیچھے لٹک لٹک کر شہر پڑھنے جانے لگا اور پھر وہاں ایف ایس سی میں شان دار نمبروں سے کامیاب ہو کر لاہور کی UET میں چلا گیا۔ اب وہاں سے فرمائش کر کے کہ میری بیوی کو کچی کا قاعدہ پڑھا دو۔۔۔ لوگ منگیتروں کے لیے ہار' کانٹے اور چوڑیاں لاتے ہیں۔ میرا شوہر میرے لیے کتابیں' کاپیاں اور بستہ لاتا تھا۔ خوشبو والے ربڑ' جو مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ کھاتے نہیں ہیں۔ پتا نہیں کتنے میں کھا گئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو پنسل کو مٹاتے ہیں۔"

س : "شادی کے لیے قربانی؟"

ج : "جی سب سے بڑی قربانی تو اپنے شوق' بھاگنے کودنے کی۔۔۔ درختوں پر چڑھنے اور کپاس کی چنائی میں مقابلے لگانے کی۔ شادی کے بعد پہلے تو میں اپنے سسرال میں رہی۔۔۔ میرے میاں پڑھنے کے بعد شادی کر کے نوکری کی تلاش میں پھر شہر چلے گئے۔ وہاں سرکاری نوکری ملی' مگر انہوں نے پھر ٹریننگ شروع کرادی اور پھر تین سالوں کے لیے چین بھیج دیا۔ گوری گوری میموں کے درمیان اپنے سر کے سائیں کو بھیجنا سب سے بڑی قربانی تھی۔ دوسرا یہ مجھے پورا دوسری کا کورس لے کر دے گئے کہ واپسی پر یہ آنا چاہیے۔ میرا ٹیسٹ ہر مہینے ایک خط کا جواب لکھنے سے ہوتا۔ جس کی املا کی غلطیاں وہاں چین سے نکال نکال کر بھیجتے۔ پورے گاؤں کی لڑکیوں کے مشورے سے میں شعر لکھ لکھ خط لکھتی اور پھر جواب میں میرا خط بھی ساتھ آتا جس میں غلطیوں پر گول دائرے ہوتے اور ساتھ اصلاح کے لیے صفحات بھی۔ ہائے ہائے کیا کیا ظلم ہوئے مجھ غریب پر۔"

س : "شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔۔۔ یا نہیں؟"

ج : "پتا نہیں میری شادی انجام کب پائی۔۔۔ رشتہ پیدائش سے پہلے' نکاح کم عمری میں ولی والد کی طرف سے۔ البتہ انگوٹھا میں نے بدست خود لگایا اور پھر رخصتی۔ وہ بھی بھائی بھابھی کے درمیان جھگڑے کے بعد پنچائیت کی طرف سے۔ رخصتی کے بعد شوہر شہر اور چین روانہ اور ہمارا پڑھائی والا امتحان شروع۔۔۔ ساس سسر کو سنبھالا۔۔۔ ویسے ہمارا پاس پاس میکہ سسرال ہونے سے فائدہ بہت ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں وٹے سٹے میں رسمیں کم اور رواج زیادہ ہوتے ہیں۔ کئی بار ساس نے مجھے بہت ذلیل کیا۔ وجہ میرے بھائی بھابی کا جھگڑا تھا۔ لڑائی ان دونوں کی ہوتی رہتا یعنی ناراض مجھے ہونا پڑتا۔ اب شوہر کی غیر موجودگی میں چاچی ہی سے ناراض ہوا جا سکتا تھا۔"

س : "شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کے کیا کہا؟"

ج : "ماشاء اللہ اب تو بڑی ہو گئی ہو۔ اللہ کرے عقل بھی آگئی ہو۔"

س : "شادی کے بعد کیا تبدیلیاں آئیں۔۔۔؟"

ج : "میری اصل شادی شدہ زندگی اس وقت شروع ہوئی' جب میرے میاں چین سے واپس آئے' یہاں سرکاری نوکری کی وجہ سے سرکاری کالونی میں بنگلہ ملا' تنخواہ بہت معقول ملنے لگی۔ ہم گاؤں سے کالونی میں آگئے۔ بڑا سا بنگلہ' پورے چھ کمرے اور مکمل خالی' کیونکہ جہیز گاؤں سے اٹھانے کا رواج نہ تھا۔ ہم نے دو پلنگ' بستر' چند برتن اور چولھے سے گھر شروع کیا۔ آس پاس سرکاری بنگلوں میں زیادہ تر شہری

نئے شادی شدہ افسر آباد ہوتے جن کی پڑھی لکھی بیویاں گھر بھر کے جہیز لائی تھیں' ہر کمرہ سجا تھا۔ ٹی وی' فریج' واشنگ مشین' اے سی اور گاڑی تو ہر گھر میں موجود تھی۔ مجھے اصل سسرال اور مقابلے کا سامنا اس سرکاری کالونی میں کرنا پڑا کیونکہ چھوٹی سی کالونی میں ہر وقت ایک دوسرے سے واسطہ رہتا۔ پھر میرا بیٹا پیدا ہوا تو ہمارا وہی دیہاتی تولیوں میں لپیٹنے کا انداز۔ کپڑے کا جھولا۔ ہم تو پوری کالونی میں ہنسی اڑانے کا ذریعہ بن گئے۔ میں جتنا دوسری بیگمات سے سیکھنے کی کوششیں کرتی وہ سب باتوں باتوں میں میرا مذاق اڑاتیں' بے عزتی کرتیں۔"

س : "شادی کے کتنے عرصے بعد کام کاج سنبھالا؟"

ج : "جی اپنے گھر آکر سب کام کاج خود ہی سنبھالا۔ ہم ساری عمر کچے فرشوں پر لیپ کرنے والے' پکے چپس کی صفائی کرنا آتا ہی نہ تھا۔ نیچے بیٹھ کر لکڑیاں جلانے والے اب کھڑے ہو کر گیس کا چولہا جلا کر کھانا پکانا' سہولتیں بہت تھیں' مگر سکھانے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ ٹوکنے والی بہت سی بھابیاں۔ میرے پہلے چار بچے ساڑھے تین سال میں پیدا ہوئے۔ چاروں میں تقریباً گیارہ گیارہ ماہ کا فرق ہے۔ وقفے کا ہمیں معلوم نہ تھا۔ اس زمانے میں بچوں کے پرہیز کا ہمیں پتا بھی نہ تھا۔ بس مت پوچھیں کہ بچوں نے ہماری مت کیسے ماری۔"

س : "کیا میکے اور سسرال کے کھانے پکانے کے انداز میں فرق محسوس ہوا؟"

ج : "جی ہم نے تو میکے' سسرال میں کوئی خاص کھانا پکانا سیکھا ہی نہیں۔ فقط تنور پر روٹیاں لگانا اور کھیت سے ساگ توڑنا یا مولیاں نکالنا۔ البتہ درخت پر چڑھ کر آم' امرود اور کھجور ٹوڈو کے توڑنے میں میں ماہر تھی۔ رسہ ڈال کر کھجور پر چڑھنا واقعی مہارت طلب کام ہے۔ مگر ساڑھے تین سال میں چار بچوں نے دیگر ہر مشقت بھلا دی۔ ہم نے کھانا پکانا ہمیں اپنے گھر میں سیکھا۔ کچھ میرے میاں چین سے سیکھ کر آئے تھے۔ وہاں کھانے کے مسائل کی وجہ سے تین سال انہوں نے خود کھانا پکایا تھا سو خاصے ماہر ہو کر آئے تھے۔"

س : "میکے اور سسرال کے ماحول میں فرق؟"

ج : "جی ماحول کا فرق اس وقت محسوس ہوا جب چار بچوں کے بعد زندگی خاصی رواں محسوس ہونے لگی تو دھماکہ ہو گیا۔ میری دوسری نند گھر آکر بیٹھ گئی کہ اس کی نند کو طلاق ہو گئی ہے' اب اگر پھر وٹہ سٹہ کر کے اس کی نند کی شادی نہ ہوئی تو میری نند کو چھ بچوں کے ساتھ طلاق ہو جائے گی۔ اور یہ قربانی میرے شوہر کے حصے آئی اور انہوں نے میری نند اور اس کے چھ بچوں کے بجائے ایک مزید نکاح کو فوقیت دی اور میرے سر پر پہاج (سوکن) آ گئی۔"

زندگی کا اصل امتحان تو یہ تھا۔ پانچ سال کی محنت سے بنا میرا آشیانہ۔ چار پھول سے بچے' بنگلہ' شوہر اور میں بیگم صاحب اور اچانک میری ہر چیز میں برابر کی حصہ دار آ گئی۔ نہ تو میں ناراض ہو کر میکے جا سکتی تھی کہ میری بھابی اور بھائی کا گھر خراب ہوتا اور آگے ہر چیز میں شراکت۔ بہت دن تو میری سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی۔ میرے شوہر پر بھی نئی بیگم کا سحر چھایا ہوا تھا۔ وہ اسی کے ہو گئے' میں تھی میرے چار بچے اور میرا رب۔ پھر اسی نے مجھے ہمت دی' حوصلہ دیا اور میں پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب مجھ پر نگاہ لگانے والی عورتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میرا پورا سسرال' پوری سرکاری کالونی اور اب یہ ایک اور عورت۔ میں نے اپنے رب سے مدد کی درخواست کی۔ ہر کھٹ پٹ پر خاموشی کا طریقہ اپنایا اور اپنے شوہر سے ہر قسم کی شکایت ختم کر دی۔ وہ بھی مجبور تھا۔ ایک اور مجھ جیسی ان پڑھ جاہل کو ساتھ رکھنے پر۔ میں نے اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق اپنے بچوں کی پڑھائی پر توجہ دی۔ ساتھ ساتھ میں خود بھی قاعدے یاد کرتی۔ گنتی سیکھی۔ جمع' ضرب' تقسیم' سیکھا۔ انگریزی قاعدے سے الفاظ یاد کیے۔ اپنی ساری توجہ گھر (پہاج) سوکن' سے ہٹا کر بچوں اور تعلیم پر لگا دی۔ قرآن دوبارہ سے پڑھنا شروع کیا۔ بچوں کے نورانی قاعدے کے ساتھ

خود بھی پڑھا۔ بچوں کے بستے کے ساتھ میرا بستہ ہوتا...

اور پھر اسکول سے ہر سال میرے بچوں کے فرسٹ آنے کی اطلاع پر میرے شوہر ٹرافی مجھے لا کر دیتے کہ تم نے بھی یہ کلاس پاس کرلی۔

اب میری سوکن کے بھی تین بچے ہیں اور میرے بھی چھ۔ ہم نے آپس میں دوستی کرلی ہے۔ تاکہ بچوں کو پڑھائی کے لیے یکسوئی مل سکے۔ کالونی میں ہمارا گھر جنجال پورہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نو بچے اور دو بیویاں اور ایک صاحب۔ لوگوں کی باتیں اشارے اور مسکراہٹیں برداشت کرنا یقیناً" مشکل کام ہے۔ سرکار نے بھی ہم پر زیادتی کی انتہا کردی۔ جب میں چھٹی مرتبہ ڈلیوری کے لیے گئی تو نرس نے سختی سے کہا کہ اب سرکاری خرچ پر مزید بچے پیدا نہیں کیے جاسکتے۔ ایک افسر کے بچوں کے فری علاج اور پیدائش کی حد نو تک کردی گئی ہے۔ دسواں بچہ خود پیسے دے کر پیدا کرواتا۔ اور اسکول میں بھی فری تعلیم والی سہولت نو بچوں تک محدود کردی گئی ہے۔ ہمارے ساتھ ساسوں والا سلوک نادرا والوں نے بھی کیا۔ جب ایک سال میں تین بچوں کی انٹری پر اعتراض لگادیا۔ دو بچے میری سوکن کے گیارہ ماہ کے وقفے سے اور ایک میرا درمیان میں۔ نادرا والے اپنے قانون کے بہانے سے ہمارے بچوں کی تاریخ پیدائش غلط کردیتے ہیں۔"

س : "سسرال والوں نے آپ کو وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا؟"

ج : "مقام کوئی کسی کو نہیں دیتا اپنی محنت سے لیا جاتا ہے۔ مجھے تو مقام میرے رب نے دے دیا۔ میرے چاروں بچے گزشتہ تین سالوں میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے۔ تینوں نے میٹرک میں پوزیشن لی۔ ایف ایس سی میں مکمل اسکالرشپ پر پڑھا اور پھر ایف ایس سی میں اول پوزیشن لی۔ گورنمنٹ نے تینوں کو 5 لاکھ نقد اور ورلڈ ٹور کے انعام سے نوازا۔ پرائیویٹ کالج نے تینوں کو ٹویوٹا کرولا دی اور تینوں KE میں پڑھ رہے ہیں۔ چوتھی بیٹی بھی وہیں کی تیاری میں ہے۔"

میں نے یہ سب کچھ اسی لیے لکھا ہے کہ میری بہنیں ناامید نہ ہوں۔ دنیا کے شکووں سے کچھ نہیں ملتا۔ اپنے رب سے مانگیں اور اپنے دکھ بچوں میں منتقل نہ کریں۔ صحت مند اور اچھے ماحول میں بچے دل لگا کر پڑھتے ہیں۔ ایک اور خوشی کی خبر کہ میں نے بھی دو سال پہلے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کرلیا اور میری سوکن نے بھی پانچویں کا امتحان پاس کرلیا۔ اب میرے شوہر ہم دونوں کو بڑے فخر سے اپنے ساتھ لے کر خاندان اور سرکاری' ہر محفل میں جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے بیک گراؤنڈ پر کوئی ندامت یا شکوہ نہیں۔

س : "کیا آپ جوائنٹ فیملی میں رہنا پسند کرتی ہیں یا سنگل؟"

ج : "ہماری تو کہانی ہی مختلف ہے۔ ہم سنگل ہو کر بھی جوائنٹ ہیں اور اپنی زندگی سے مطمئن بھی۔"

س : "آپ نے ماحول کو بہتر بنانے کے لیے کیا کوششیں کیں؟"

ج : "میں نے اپنی سوکن سے حالات ٹھیک رکھنے کے لیے سب سے بڑی کوشش یہ کی کہ اس کی طرف سے اپنے دل کو صاف کرلیا۔ اس کے لیے ہر نماز کے بعد دعا کرتی ہوں۔ اور رب سے گزارش کرتی ہو کہ مجھے دل کی تنگی سے بچالے۔ جو اپنے لیے پسند کروں وہی اس کے لیے بھی لاتی ہوں۔ اس کی غیبت کبھی نہیں کرتی اور اگر کوئی بات بری لگے تو دل میں بھی نہیں رکھتی۔ سہولت سے نرمی سے سمجھادیتی ہوں۔ شوہر سے شکایت ہوجاتی ہے تو خوش دلی سے مل بیٹھ کر مسائل کو حل کرلیتے ہیں۔ انہیں گھر کا سربراہ مان کر ان کی بات مان لیتے ہیں۔ ضد نہیں کرتے۔ میری بیٹیوں کے لیے خاندان بھر میں رشتوں کی بات ہوئی۔ میرے شوہر نے صاف انکار کردیا کہ وہ جب تک پڑھ رہی ہیں میں ان پر ظلم نہیں کروں گا۔ اور وٹہ سٹہ نہیں کرتا۔ یہ بات ہم نے مشورے کے طور پر ضرور کہی تھی مگر خاندان بھر میں اس کا اظہار ہمارے شوہر ہی نے کیا ہے۔

☆

نبیلہ عزیز

وصلِ یار

ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید اور عزت کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ دیتی ہے۔ تاہم عزت کھل کر اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ ولید ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ روتی ہے۔ اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بہ اصرار مدعو کرتی ہے۔

پچیسویں قسط

Downloaded From
Paksociety.com

Downloaded From Paksociety.com

کل ٹھیک اسی طرح میرا بھی یہی حال ہوا تھا۔" ولید اس کا ردعمل دیکھ کر بولا۔
"ولید۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔ میرا دل اس حقیقت کو قبول کرنے پہ ہرگز تیار نہیں ہے کہ آفاق اتنی سیریس کنڈیشن میں ہے اور۔ اور۔ کسی کو پتا ہی نہیں ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔"
تیمور نے واپس اپنی کرسی پہ بیٹھتے بڑے شکست خوردہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
"لیکن اتنا مایوس ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اللہ چاہے اور ہم لوگ کوشش کریں تو وہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ ففٹی پرسینٹ چانسز تو ابھی بھی ہیں۔" ولید کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"کیا مطلب۔؟" تیمور نے یکدم سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔
"مطلب کہ وہ اکیلا ہے۔ اور ابھی تک اکیلا ہی سب کچھ جھیل رہا ہے۔ اگر اسے کسی کی سپورٹ مل جائے تو وہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ آج کل ہر بیماری کا علاج ہے۔ پھر اتنی مایوسی کیوں بھلا۔؟"
ولید کی بات پہ تیمور کے دماغ نے بھی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔
"ڈاکٹر شاہنواز سے بات ہوئی تمہاری۔؟ کیا کہتے ہیں وہ۔؟ تیمور نے استفسار کیا۔
"وہ تو صرف آپریشن ہی حل بتا رہے ہیں۔" ولید کا لہجہ اب کی بار نارمل تھا۔
"تو پھر اس میں مسئلہ کیا ہے۔؟" تیمور کو بے چینی ہوئی۔
"یہ آپریشن ایک رسک ہے اور آفاق یہ رسک نہیں لینا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے زندگی کے جتنے دن باقی ہیں وہ اسی طرح اپنے ماں باپ اور بیوی کے ساتھ گزارے۔ وقت سے پہلے موت کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا مگر اسے یہ کون سمجھائے کہ موت اپنا منہ وقت سے پہلے نہیں دکھاتی۔ اسے یہ رسک ضرور لینا چاہیے۔"
ولید کی بات سچ تھی، تیمور کو ڈھارس ہوئی تھی۔
"چلو۔ اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس سے بات کرتے ہیں۔" تیمور نے دوبارہ کرسی سے اٹھنا چاہا۔
"بیٹھے رہو۔" ولید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا تھا۔
"کیوں؟ پہلے ہی اتنی دیر ہو چکی ہے۔" تیمور کو خفگی اور بے چینی ہو رہی تھی۔
"آفاق یہ بات کسی سے نہیں شیئر کرنا چاہتا۔ تم اس سے بات کرنے جاؤ گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ طیش میں آجائے۔ اس لیے اسے پہلے نارمل طریقے سے کہیں ملو۔ پھر بات سمجھانے کی کوشش کرو۔" ولید نے تیمور کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
"ہوں۔ یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"اب میں جاؤں۔؟" ولید نے تیمور کو مطمئن کرنے کے لیے ذرا شرارت سے استفسار کیا تھا۔
"جاؤ ضرور جاؤ۔ اب تم نے اور کرنا بھی کیا ہے۔؟ میرے موڈ کا ستیاناس مارنا تھا وہ پہلے ہی مار دیا ہے۔" تیمور نے جیسے آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔ اور ولید قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
"ارے نہیں میرے یار! تمہارا موڈ ان شاء اللہ دو دن بعد اپنے بھنگڑے سے سیٹ کردوں گا۔ موڈ پہ بہار آجائے گی دیکھ لینا۔" ولید کی شرارت پر تیمور بے اختیار مسکرا دیا تھا۔
"بھنگڑا نہ ڈالا تو ٹانگیں بھی توڑ دوں گا۔" اس نے دھمکی دی۔
"وہ تو تم نے ابھی توڑ ہی دی ہیں۔ اٹھ کر چلنے کی ذرا ہمت نہیں چھوڑی۔" ولید جان بوجھ کر کراہا۔
"میں سمجھا نہیں۔؟" تیمور نے ناسمجھی سے دیکھا۔
"یار تجھے کیا کیا سمجھاؤں۔؟ کیا دو دن بعد بھی میں ہی سمجھاؤں گا۔؟ کیا تمہارے ساتھ بیڈ روم تک مجھے جانا پڑے گا۔؟" ولید تو جیسے جھنجلا ہی گیا تھا اور تیمور نے میز پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر اسے دے مارا تھا جسے ولید نے بڑی

مہارت سے کیچ کر لیا تھا۔
"کمینگی کی حد تم پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔" وہ چبا کر بولا تھا۔
"پتا ہے مجھے۔ کیونکہ شروع تم سے ہوتی ہے۔" ولید بھی بڑے سکون سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا تھا۔
"اف مجھ سے تو قدم بھی نہیں اٹھایا جا رہا۔" ولید نے پھر آہ بھری۔
"اف۔ سب دبی جا رہے ہیں۔ ہائے میری ٹانگیں۔ اف میری ہمت۔"
ولید جان بوجھ کر ہائے وائے کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔
اور تیمور اس کی تکلیف کا مفہوم سمجھ کر مسکرا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو! اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔ چپ اور اداس۔؟" فارہ بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھے جا رہی تھی، جب آفاق بھی بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا آیا تھا۔
"فارہ۔! میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔؟" اس کو خاموش پا کر آفاق نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔
"اور کیا کروں۔؟ زندگی میں چپ اور اداسی کے سوا اور ہے ہی کیا؟" فارہ کا لہجہ مایوسی لیے ہوئے تھا۔ آفاق کے دل پہ اثر ہوا تھا۔ اس کا دل ایک دم سے سمٹا تھا۔
"زندگی میں میں نہیں ہوں کیا۔؟" آفاق نے اس کی خالی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی تھی۔
"آپ۔؟" فارہ نے عجیب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"ہاں۔ میں۔" آفاق نے زور دے کر کہا۔
"کہاں ہیں آپ۔؟" فارہ کا اگلا سوال مزید تکلیف دہ تھا۔
آفاق کا دل اس چوٹ پہ زیادہ تڑپا۔ وہ جو اس سے دیوانہ وار محبت کرتی تھی۔ وہ ہی آج اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں کہاں ہے۔؟ یعنی وہ اسے کہیں بھی نظر نہیں آتا تھا۔؟ کہیں بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔؟ اور۔ اور اس میں قصور کس کا تھا۔؟ آفاق کا یا فارہ کا۔؟ یا شاید دونوں کا ہی نہیں؟
"آفاق! آپ چپ کیوں ہو گئے۔ بتائیں ناں۔ کہاں ہیں آپ۔؟" فارہ نے اب اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کے پوچھا تھا۔
"تمہارے بہت قریب ہوں میں۔ تمہارے سینے میں۔ تمہارے دل میں۔ تمہاری ہر سانس میں ہوں۔ اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ کہاں ہوں میں۔ بتاؤ مجھے۔؟ کیا نہیں ہوں میں؟"
آفاق نے اس لمحے خود کو کمزور نہیں ہونے دیا تھا اور فارہ کی خاطر فارہ کے سامنے ہی ڈٹ گیا تھا۔
"ہاں۔ نہیں ہیں آپ۔ کہیں بھی نہیں ہیں۔ میں آپ کو اپنے قریب۔ اپنے سینے میں۔ اپنے دل میں۔ اپنی ہر سانس میں ڈھونڈتی ہوں۔ آپ کہیں بھی نہیں ملتے۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جاتی ہوں آفاق۔ مگر آپ کہیں بھی نہیں ملتے۔ اور۔ اور آپ کہتے ہیں کہ میں اس طرح چپ اور اداس کیوں بیٹھتی ہوں۔؟ تو پھر مجھے بتائیں اور کیا کروں۔؟ جب آپ نہیں ملتے تو اور کیا کروں گی میں۔؟"
فارہ نے اس کے دونوں ہاتھ چھوڑ کر اس کی شرٹ کو دبوچ لیا تھا اور آفاق اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ بس اس کے گرد بازو لپیٹ کر اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔
"آئی لو یو فارہ۔ آئی لو یو سو مچ۔ میں اور کہیں بھی نہیں ہوں۔ تمہارے پاس ہی ہوں تمہارا ہی ہوں۔"
کہتے ہوئے آفاق کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں مگر اس نے فارہ کو محسوس تک نہیں ہونے دیا تھا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی

ٹینشن میں تھی اور رو رہی تھی۔
"دیکھو۔ میں آج تمہارے لیے اور اپنے بچے کے لیے گھر آیا ہوں۔ آج شاپنگ پہ چلتے ہیں۔ آج تم دونوں کے لیے شاپنگ ہوگی۔ صرف تم دونوں کے لیے۔"
آفاق نے اسے اپنی مضبوط بانہوں کا حصار بخشنے کے ساتھ ساتھ اپنی بات کا یقین دلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیونکہ فارہ کی نظر میں وہ پہلے ہی حد درجہ بے اعتباری کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔
"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ کچھ بھی نہیں۔ مجھے صرف آپ کے پیار اور آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔ آفاق، آپ نہیں جانتے مگر میں دن بہ دن اندر سے مرتی جا رہی ہوں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" فارہ کے اندر کے غبار کو راستہ مل گیا تھا اور آفاق غلطی پر نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ ہو گیا تھا۔
"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے پاس ہوں میری جان! ایسی باتیں مت سوچا کرو۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس دعا کرو۔ میں جس پرابلم میں ہوں وہ حل ہو جائے۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔
"کب حل ہوگی آپ کی پرابلم۔؟" وہ جھنجلا اٹھی تھی۔
"جب تم دل سے دعا کرو گی۔" آفاق اس کی معصومیت اور لاعلمی پہ مسکرایا تھا۔
"میں تو دعا کرتی ہوں کہ آج ہی ہو جائے۔" اس نے بڑی عجلت اور بے زاری سے کہا تھا جس پہ آفاق قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
"چلو۔ تم نے کہہ دیا تو سمجھ لو کہ آج ہی حل ہو گئی ہے۔" آفاق کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا اور اتنے میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔
"ارے اس وقت کون بیچ میں آ گیا؟" آفاق نے ذرا سا پیچھے ہٹتے ہوئے جیب سے موبائل نکال کر چیک کیا۔ نمبر تیمور حیدر کا تھا۔
"کون ہے؟" فارہ نے تیزی سے پوچھا۔
"تیمور ہے۔" آفاق ذرا سا پیچھے ہٹتے ہوئے بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔
"تم تیار ہو جاؤ۔" آفاق نے ہیلو کہنے سے پہلے فارہ کو ہدایت دی۔
وہ سر ہلا کر بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔
"ہیلو۔" آفاق کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔
"ہیلو کیسے ہو؟" تیمور نے بڑے نارمل طریقے سے بات کی تھی۔
"جیسا ہمیشہ ہوتا ہوں۔" آفاق ہنسا تھا۔
"مجھ سے مل سکتے ہو۔؟" تیمور اس سے پوچھ رہا تھا۔
"کب۔؟" آفاق ٹھٹکا کہ تیمور کو ایسا کون سا کام آن پڑا ہے۔
"ابھی۔" وہ جلد از جلد اس سے اس موضوع پہ بات کرنا چاہتا تھا۔
"ابھی۔؟" آفاق کو فارہ کا خیال آیا تھا جس کو اس نے ابھی ابھی شاپنگ کے لیے تیار کیا تھا۔
"ہاں۔" تیمور نے اثبات میں کہا۔
"سوری یار ابھی تو ممکن نہیں۔ میں فارہ کے ساتھ شاپنگ پہ جا رہا ہوں۔ کوئی خاص بات ہے تو واپسی پہ تمہاری طرف آجاتا ہوں۔" آفاق فارہ کو انکار کرنے پر تیار نہیں تھا۔
"ارے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس کے ساتھ جاؤ۔ انجوائے کرو۔ ان شاء اللہ کل ملاقات ہوگی میں تمہارے آفس۔" تیمور نے فون بند کرنا چاہا تھا۔

"ارے واہ۔! اتنا اعزاز بخش رہے ہو۔ اس کا مطلب کہ بات واقعی کچھ خاص ہے۔؟"
"ہاں۔ بہت خاص ہے۔ مگر ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاؤ۔ انجوائے کرو۔ اللہ حافظ۔"
تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور آفاق سر جھٹک کر خوش گوار موڈ کے ساتھ فارہ کے پاس آ گیا وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عزت بار بار ولید کے نمبر پر کال کر رہی تھی مگر وہ تھا کہ ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔
"ولید۔ آر یو او کے۔؟" اس نے تنگ آ کر میسج کیا تھا۔ مگر جواب نہ آیا۔
"ولید۔ میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔؟ اور کہاں ہیں۔؟ نہ کال اٹینڈ کر رہے ہیں نہ میسج کا جواب دے رہے ہیں۔ میں پریشان ہوں بہت۔" عزت نے ایک اور میسج ٹائپ کیا اور بھیج دیا تھا۔
"تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم جہاں جا رہی ہو وہاں جانے کی تیاری کرو۔"
چند سیکنڈز میں ہی اس کا لٹھ مار قسم کا جواب موصول ہوا تھا۔ اور عزت حیرت زدہ سی میسج دیکھتی رہ گئی کہ ولید کو کیا ہوا ہے۔
"کیوں؟ خیریت کیا ہوا ہے؟ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔؟" اس نے پھر میسج لکھا۔
"تمہیں کیا۔ خیریت ہو یا نہ ہو۔ تم جاؤ۔ بس باپ اور بھائی نے کہہ دیا اور تم چل دیں۔ تمہاری زندگی میں کوئی اور بھی ہے۔ تمہیں بھلا کیا پرواہ؟"
ولید تو جیسے بھرا بیٹھا تھا ایک دم پھٹ ہی پڑا تھا اور عزت اس کی بات سے سارا معاملہ سمجھ گئی تھی۔
"اوہ۔ تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں نے بتایا نہیں۔؟" عزت نے اک پر سوچ سا آئی کون سینڈ کیا تھا۔
"کوئی اصل مسئلہ نہیں ہے۔ تم بس ٹینشن فری ہو کر جاؤ۔" ولید کی ناراضگی اس کے میسج سے ہی ظاہر ہو رہی تھی عزت کے ہونٹوں پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
اور اس نے اگلے ہی پل اس کا نمبر دوبارہ ڈائل کر لیا تھا۔ مجبوراً ولید کو کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔
"السلام علیکم۔!" عزت نے بڑے ادب اور بڑے احترام سے کال کا آغاز کیا تھا۔
"کال کیوں کی؟" وہ ابھی بھی ناراضی سے پوچھ رہا تھا۔
"یہ بتانے کے لیے میں کل دبئی جا رہی ہوں۔" وہ بڑے مزے سے بولی تھی۔
"اوہ اچھا۔ یہ بتانے کے لیے۔؟ لیکن مجھے کیوں بتا رہی ہیں آپ۔؟ میں آپ کا کون ہوں بھلا۔؟" وہ لاتعلقی سے بات کر رہا تھا۔
"آپ۔ ارے آپ کو نہیں پتا آپ میرے کون ہیں۔؟" عزت اس کی خفگی اور ناراضی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔
"نہیں۔ مجھے تو نہیں پتا۔ کہ میں کون ہوں؟" اس نے مکمل لاتعلقی کا اظہار کر ڈالا تھا۔
"ارے جناب۔! آپ ہمارے شوہر نامدار ہوتے ہیں۔ ہمارے سر تاج۔ مجازی خدا۔ آپ کا وہ مقام ہے جو کسی اور کا نہیں ہے۔" عزت بھی موڈ میں تھی۔
"اچھا۔ اس لیے آج یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے کہ شوہر نامدار کو جانے کی اطلاع دے دی جائے۔؟" اس نے غصے سے طنز کیا تھا۔
"شوہر نامدار کو پہلے اس لیے نہیں بتایا تھا کہ اس کے دل پہ برا اثر پڑے گا طبیعت اداس ہو جائے گی۔ سوچا کہ

ایک دن پہلے بتاؤں گی۔" اس نے جواز پیش کیا۔
"واہ۔ کیا کہنے ہیں جناب کے۔" ولید تو جیسے تڑپ کر بولا تھا اور عزت یک دم کھلکھلا اٹھی تھی۔
"اچھا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے ایک ملاقات ضروری ہے۔" ولید نے بے ساختہ ایک شرط بیچ میں رکھ دی تھی۔
"ملاقات؟ اس وقت؟" عزت نے یک دم گھڑی کی سمت دیکھا تھا جہاں پونے بارہ بجے کا ٹائم ہو رہا تھا۔
"ہاں۔ اس وقت۔" ولید نے انتہائی سکون کا مظاہرہ کیا تھا جیسے یہ بہت ہی آسان کام تھا۔
"مگر ولید۔ آپ۔ آپ جانتے ہیں کہ بابا جان کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ وہ آج کل اتنی سختی سے پیش آرہے ہیں۔ اور اس وقت تو ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا۔" عزت نے اسے سمجھانا چاہا۔
"اوکے۔ میں فون بند کرتا ہوں۔ پھر بات ہوگی۔ اللہ حافظ۔" ولید نے ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بغیر فون بند کر دیا تھا۔
"ولید۔" عزت بے بسی سے پکار کے رہ گئی تھی۔
"اف۔ اب کیا کروں۔ کیسی الٹی سیدھی سی فرمائش ہے۔ وہ جانتا بھی ہے پھر بھی۔" عزت دل ہی دل میں سوچتی ہوئی جھنجلا رہی تھی۔
"یہ فرمائش نہیں ہے۔ یہ تو ضد ہے محترمہ۔" دماغ نے الٹی دلیل دی۔
"ضد بھی تو اسی سے کی جاتی ہے نا جس کے ساتھ دل کا کوئی سلسلہ چل رہا ہو۔" دل نے بھی اپنی دلیل پیش کی تھی۔
"اچھا تو اس کی یہ ضد پوری کر دینی چاہیے؟" دماغ نے ذرا اکڑ کر سوال داغا۔
"اس میں کچھ مضائقہ بھی تو نہیں ہے۔ شوہر ہے آخر۔ اتنی سوچ بچار کیوں۔ کون سا کسی غلط نیت سے بلا رہا ہے۔" دل کی اپنی ہی سوچ اور اپنا ہی ایک طریقہ تھا۔
"تو پھر کرو فون۔" دماغ نے طنز کیا۔
"لو ابھی کیا۔" دل چہکا اور عزت نے بے اختیار موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔
"ہیلو۔" دوسری طرف آواز اجنبیت لیے ہوئے تھی۔
"مجھے آکر لے جاؤ۔" عزت نے بے حد آہستگی سے کہا تھا مگر دوسری طرف ایک نعرہ بلند ہوا تھا۔
"یاہو۔" اور نعرے کے ساتھ ہی کال ڈس کنیکٹ ہو گئی تھی۔
عزت۔ مسکرا کے رہ گئی۔ مگر اگلے چند سیکنڈز بعد اسے خیال آیا کہ وہ جائے گی کیسے۔" اور اگر کسی کو پتا چل گیا تو۔

☼ ☼ ☼

ولید بائیک لے کر اس کے گھر سے ذرا فاصلے پہ پہنچا اور پھر موبائل نکال کر اس کے نمبر پہ رنگ کی تھی۔ عزت نے پہلی گھنٹی پہ ہی کال اٹینڈ کر لی تھی۔
"ہاں سن رہی ہوں۔" وہ اپنے بیڈ روم میں بھی بہت آہستہ آواز سے بولی تھی۔
"میں باہر کھڑا ہوں۔" ولید نے اطلاع دی۔
"ٹھیک ہے۔ میں آتی ہوں۔" عزت نے آہستگی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور پھر دھڑکتے دل کو بمشکل سنبھالتے اپنا سیل فون سائلنٹ پہ لگا کر بیگ میں رکھتی دبے قدموں بیڈ روم سے نکل آئی تھی۔ سیڑھیاں

اترتے ہوئے اس کا دل چاہا کہ تیمور کو بتا دے کہ وہ ولید کے ساتھ جا رہی ہے، لیکن رات کے ساڑھے بارہ بجے اسے جا کر ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔ اسی لیے اکیلی ہی یہ رسک لے کر نیچے آ گئی تھی۔

"بی بی جی۔" وہ کوریڈور کی سمت بڑھ رہی تھی جب اس کے قدم ملازمہ کی آواز پہ یک دم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

"ہاں۔ بولو۔" عزت کا دل مزید دھڑکا۔

"خیریت۔ کہاں جا رہی ہیں آپ۔؟" ملازمہ کو بے وجہ ہی پریشانی سوجھی تھی۔

"میں ساشا کی طرف جا رہی ہوں۔ ایک فرینڈ کا برتھ ڈے ہے۔ لیٹ ہو گئی ہوں۔ تم جاؤ اپنے کوارٹر میں۔ کوئی پوچھے تو مت بتانا۔ بابا غصہ کرتے ہیں۔" اس نے کچھ رعب سے دباؤ ڈال کے کہا تھا اور ملازمہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"جی ٹھیک ہے۔" ملازمہ وہاں سے گئی تو تب جا کے عزت باہر جانے کے لیے نکلی تھی۔

دبے قدموں سے ہی گیٹ کے پاس پہنچی تھی، چوکیدار ایک دم الرٹ ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے بی بی جی۔" اس نے مؤدب کھڑے ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"گیٹ کھولو۔" عزت نے اس کا سوال ان سنا کر دیا تھا۔

"جی۔ مگر آپ کی گاڑی۔" وہ کچھ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں نے کہا گیٹ کھولو۔" عزت نے سختی سے چبا کر کہا تھا اور چوکیدار نے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے چپ چاپ گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ بہت محتاط انداز سے چلتی باہر آ گئی۔

"سنو۔ واپسی پہ گیٹ ناک کروں تو گیٹ کھول دینا۔" اس نے جاتے جاتے ہدایت کی۔

"جی ٹھیک ہے بی بی جی۔" چوکیدار نے سر ہلا کر گیٹ بند کر لیا تھا۔

اور وہ سڑک پہ ادھر ادھر دیکھ کر چلتی ہوئی ولید کو کھوجنے لگی۔ ولید نے اسے دیکھ کر بائیک کی لائٹس جلا کر اسے اپنی موجودگی کا سگنل دیا تھا۔

وہ بائیک کی لائٹس دیکھ کر اسی سمت چل پڑی تھی۔

"ہائے۔ کیسی ہو؟" ولید اسے بائیک کے قریب آتے دیکھ کر شرارت سے چہکا۔

"پلیز!" عزت اس کی ضد اور شرارت پہ قدرے جھنجلا بھی گئی تھی۔

"کیوں۔ میں نے کیا کیا ہے؟" ولید کے انداز میں لاپروائی رچی ہوئی تھی۔

"میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ آپ میری ٹینشن نہیں سمجھ سکتے۔" عزت اس کی لاپروائی پہ مزید سلگی تھی۔

"اوکے۔ میں واپس چلا جاتا ہوں۔" وہ ایک دم سنجیدگی پہ اتر آیا تھا۔

"ولید۔ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ کب سے ستا رہے ہیں مجھے؟ کیا اس طرح بھیجنا ہے مجھے۔"

"تو پھر تم اتنی ڈر کیوں رہی ہو؟ کیا کسی غیر۔ کسی اجنبی۔ یا کسی نامحرم کے ساتھ جا رہی ہو؟ یا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟ میں تمہیں کسی غلط کام کے لیے نہیں لے کر جا رہا۔ کیونکہ اس وقت تم اپنے بابا اور بھائی سے بھی زیادہ میری عزت ہو۔ اعتبار ہے تو بائیک پہ بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ تم بخوشی واپس جا سکتی ہو۔"

ولید نے کھڑے کھڑے دوٹوک فیصلہ کرنے کا سوچا تھا۔ عزت یک دم چپ ہو گئی اور ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بغیر اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ کیونکہ اسے اس پہ اعتبار تھا۔ وہ تو بس بابا کی وجہ سے ڈر رہی تھی کہ انہیں پتا چلا تو

یوں ہی بے وقت فساد ہو جائے گا۔

اس کے بیٹھتے ہی ولید نے بائیک اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی لیکن پھر کافی دور آ کر اس نے اسپیڈ کم کر لی تھی۔

"تھینک یو۔" اس نے بڑے ہی سرشار لہجے میں تھینکس بولا تھا۔

"کس لیے۔" عزت پھر بھی خفگی سے ہی بولی تھی۔

"مجھ پہ اعتبار کرنے کے لیے۔" ولید کے لہجے کی شرارت دوبارہ سے واپس آ چکی تھی۔

"ولید۔" اس نے بمشکل ضبط کیا۔

"جی۔ بسم اللہ۔" وہ جی جان سے چہک کر بولا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے۔ آپ کے بال نوچ لوں۔" عزت نے دانت کچکچائے تھے۔

"تو دیر کس بات کی ہے؟ سر حاضر ہے۔ تم اپنے خوب صورت ہاتھ حرکت میں لاؤ۔"

اس نے ایک دم بائیک کو بریک لگاتے ہوئے کہا تھا اور پیچھے کی سمت پلٹتے ہوئے اپنا سر عزت کے سامنے جھکا دیا تھا۔

عزت اسے اپنے سامنے سر جھکائے دیکھ کر ایک دم جھجک سی گئی تھی۔

"میں نے تو بس یہ کہا کہ میرا دل چاہ رہا ہے۔ میں سچ مچ نوچ لوں گی' یہ تو نہیں کہا؟" وہ ناراضی سے منہ بنا کر بولی۔

"ہاہاہا۔" ولید ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "اگر دل چاہا ہے تو اب دل کی چاہت پوری کرو۔ غلام حاضر ہے۔"

ولید ابھی بھی بضد تھا کہ وہ اس کے بال نوچ لے۔ عزت نے اس کے بال تو نہیں نوچے 'البتہ اس کے کندھے پہ ایک مکا دے مارا تھا۔

اور اسی لمحے ان کے قریب سے ایک گاڑی گزری تھی۔

☼ ☼ ☼

"گاڑی روک۔" مونس مرزا نے اپنے دوست کو گاڑی روکنے کا کہا۔

"اب کیا ہے یار۔ جانے دے۔ نیند آ رہی ہے۔" اس کے دوست نے کافی بے زاری سے کہا تھا۔

"میں نے کہا گاڑی روک۔" مونس اب کی بار غصے سے بولا تھا اور اس نے ایک دم گاڑی روک دی تھی۔

"واپس لے۔" اس نے گاڑی پیچھے لے جانے کا کہا۔ وہ گاڑی پیچھے کرنے لگا۔

"رک۔" عزت اور ولید سے ذرا فاصلے پہ اس نے گاڑی رکوائی تھی۔

"اوہ۔ تو رات کے اس پہر رضا حیدر کی بیٹی سڑکوں پہ یہ گل کھلاتی پھر رہی ہے؟"

ولید نے پیچھے پلٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور پھر سرگوشی میں کچھ کہا تھا جس کے نتیجے میں عزت بے ساختہ سر جھکا کر مسکرائی تھی اور مونس مرزا اندر ہی اندر کھول اٹھا تھا۔

اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے رضا حیدر کو ایک گالی بھی دی تھی۔

دوسری طرف رنگ جا رہی تھی' چند لمحے بعد رضا حیدر کی جاگی سوئی سی آواز موبائل کے ائرپیس سے سنائی دی تھی۔

"ہیلو۔"

"[illegible] حیدر! میں مونس مرزا بات کر رہا ہوں۔" مونس غصے کی حالت میں تمیز بھی بھول گیا تھا۔ انہیں انکل کہنے

کے بجائے رضا حیدر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا جس پہ رضا حیدر کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔
"اس وقت۔۔۔ خیریت۔۔۔"
"تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟" مونس مرزا نے انتہائی اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"میں اپنے گھر میں ہوں اور تم یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟" رضا حیدر کو اس کا لب ولہجہ انتہائی ناگوار گزرا تھا۔
"میں ہوش میں ہوں رضا حیدر۔۔۔ مگر تم ہوش میں نہیں ہو۔ اپنی آنکھیں کھولو۔۔۔ اور خبر لو کہ تمہاری بیٹی کہاں ہے اس وقت؟ ہوں۔۔۔ ہوش میں تو ہوں۔"
اس نے کہہ کر بڑبڑاتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور رضا حیدر اس کی اس طنزیہ بات کا مطلب سمجھتے رہ گئے تھے۔ پھر ایک دم کچھ خیال آتے ہی دماغ گھوم گیا تھا۔ مونس مرزا کی بات ذرا دیر بعد عقل میں آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

تیمور کسی کام سے باہر نکلا تھا اور عزت کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم بے اختیار رکے تھے۔ کیوں کہ کمرے کا دروازہ ادھ کھلا سا نظر آ رہا تھا۔
عزت ابھی تک جاگ رہی ہے؟ وہ دل ہی دل میں سوچتا ہوا دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا تھا۔
"عزت۔۔۔" اس نے آواز دی مگر عزت کمرے میں کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔
"عزت۔۔۔" تیمور کو اچھی خاصی تشویش ہوئی تھی۔
اس نے ڈریسنگ روم اور باتھ روم بھی چیک کر لیے مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اسی پریشانی میں اس نے پورا گھر چھان مارا تھا۔
"صاحب جی۔۔۔ بی بی جی تو باہر گئی ہیں۔" چوکیدار نے اسے گاڑی کے قریب آتے دیکھ کر اطلاع دی۔
"کب۔۔۔" تیمور کو ایک دم جھٹکا لگا تھا۔ اس ٹائم باہر جانے کی کیا تک تھی بھلا؟
"ابھی کچھ دیر پہلے۔۔۔" چوکیدار کو بھلا کیا پتا تھا کہ بتانا ہے یا نہیں۔
"لیکن اس کی گاڑی تو یہیں ہے؟" تیمور کو حیرت در حیرت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔
"وہ کسی کے ساتھ بائیک پہ گئی ہیں۔۔۔ میں نے بائیک کی آواز سنی ہے۔ گھر سے ذرا دور بائیک کھڑی تھی۔" چوکیدار کا اندازہ بالکل درست تھا۔
"بائیک پہ۔۔۔" تیمور نے زیر لب دہرایا تھا اور بائیک کا سن کر پہلا خیال ولید کی طرف ہی گیا تھا اور پھر تیمور کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے۔
"بے وقوف کہیں کے۔" تیمور کو دونوں کی بے وقوفی پہ غصہ آیا تھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا بھلا؟ غصہ ضبط کرتے ہوئے اندر آ گیا۔
"اگر گھر میں کسی کو پتا چل گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔" تیمور کو پہلا خیال یہی آیا تھا۔
"اب کیا ہوگا؟" تیمور سوچتے ہوئے عزت کے بیڈ روم کی طرف آ گیا تھا اور بہن کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کے بیڈ پر کمبل اور تکیہ رکھ کے احتیاط سے باہر نکل آیا تھا اور ابھی دروازے کے ہینڈل سے ہاتھ ہٹا ہی رہا تھا کہ ایک دم رضا حیدر کی کرخت سی آواز اس کے عقب سے ابھری تھی۔
"عزت کہاں ہے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی استفسار کیا تھا اور ان کے اس اچانک حملے پہ تیمور گڑبڑا کے رہ گیا۔
"عزت۔۔۔ وہ اندر سو رہی ہے۔ میں اسی کی طرف آیا تھا۔" تیمور نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑے اعتماد سے جھوٹ بولا

تھا۔ ''اندر...'' رضا حیدر کو شاک سا لگ گیا تھا۔
''کیوں خیریت... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' تیمور دروازے کے سامنے دیوار بن کے کھڑا ہو چکا تھا۔
''نہیں... کچھ نہیں۔'' رضا حیدر نے نفی میں جواب دیا تھا۔
''آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟ صبح آپ کی فلائٹ بھی ہے۔ فی الحال سو جائیں۔ میں نے عزت کو بھی کہا ہے کہ وہ ریسٹ کرے... جلدی نکلنا ہے آپ لوگوں نے...''
تیمور بہت ہی نارمل طریقے سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ دل میں یہ دعا بھی کر رہا تھا کہ بابا جب تک جاگ رہے ہیں۔ عزت واپس نہ آئے۔ ورنہ رات کے ڈھائی بجے گھر میں ایک قیامت خیز ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا۔
''اس نے پیکنگ کر لی؟'' رضا حیدر نے ایک اور سوال اٹھایا۔
''جی... میری موجودگی میں ہی کی ہے اس نے... آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ وہ اب بچی نہیں ہے... سمجھ دار ہو چکی ہے۔'' تیمور بڑے طریقے اور سلیقے سے ان کو ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ موت کے فرشتے کی طرح عزت کے بیڈ روم کے دروازے پہ مجسم کھڑے تھے۔
''دروازہ کھولو۔'' رضا حیدر نے تیمور کو ایک دم سٹپٹا کر رکھ دیا تھا۔
''لیجیے... کھول دیا۔'' مگر وہ ان سے بھی زیادہ ہوشیار نکلا... اس نے پلٹ کر بڑی سہولت سے دروازہ کھول دیا تھا۔ رضا حیدر بیڈ پہ نظر پڑتے ہی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔
''اچھا... رہنے دو... صبح بات ہو گی۔'' وہ اندر جانے کے بجائے واپسی کے لیے مڑ گئے تھے اور تیمور نے بے ساختہ اک سکون کی سانس خارج کی تھی۔
اور وہیں پہ ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے عزت کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

''صاحب جی... صرف ایک کپ چائے؟'' ڈھابے کے ملازم نے دہرا کے پوچھا۔
''ہاں میری جان... صرف ایک کپ چائے...'' ولید نے بہت مزے سے جواب دیا تھا۔ عزت اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھی تھی اور ولید وقتاً''فوقتاً'' اسے چھیڑتی ہوئی شرارتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''اور بھابھی...'' ملازم کو بھابھی جی کا غم ستانے لگا۔
''ادھر آ...'' ولید نے اسے اشارے سے پاس بلایا۔
''جی...'' وہ پاس آ گیا' بڑے شوق اور بڑے اشتیاق کے ساتھ...
''بیٹھ ادھر...'' ولید نے ساتھ والی کرسی پہ اشارہ کیا۔
''جی...'' اب کی بار وہ جھجکا۔
''بیٹھ نا یار...'' ولید نے ضد کی... اور مجبوراً'' وہ بیٹھ گیا... عزت اب ان دونوں کو بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔
''دیکھ... یہ چائے منگوائی ہے تیری بھابھی کے لیے... اس سرد موسم میں تیری بھابھی میرے ساتھ بائیک پہ آئی ہے۔ اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ اب وہ پیے گی گرم گرم چائے... اور میں... تیرا بھائی... مجھے گرمی لگ رہی ہے''
ولید نے اسے بتاتے ہوئے عزت کو بھی شرارت اور ذو معنی نظروں سے دیکھا تھا وہ لاپروائی سے یوں ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"اچھا۔ اچھا۔ یعنی ایک کپ ہی بہت ہے۔" اس ملازم نے بڑے سمجھ دارانہ انداز میں سر ہلایا تھا۔
"پاگل دا بچہ۔ اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔ جا۔ چائے لے کر آ۔" ولید نے اس کی گدی پہ ایک دھپ رسید کی تھی اور وہ اٹھ کر بھاگ گیا تھا جس پہ عزت ایک دم ہنس پڑی تھی۔
"چلو۔ جس نے سمجھنا تھا۔ اس نے سمجھ لیا ہے نا۔" وہ معنی خیزی سے بولا اور وہ جھینپ گئی تھی۔
"پلیز ولید! اتنا ٹائم ہو رہا ہے' جلدی گھر چلو۔" عزت نے ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب صبح ہی چلی جانا۔ ایئرپورٹ ڈراپ کر آؤں گا۔" اس کے لہجے میں ہنوز شرارت تھی۔
"واٹ۔؟ لگتا ہے آپ آج ہوش میں نہیں ہیں۔" وہ بدک گئی تھی۔
"یار۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ میں ہوش میں ہوں یا نہیں۔ مگر تمہیں گھر ضرور چھوڑ کر آؤں گا' پوری احتیاط کے ساتھ۔"
ولید نے اسے پورے اعتماد سے یقین دلایا تھا اور عزت پرسکون ہو گئی تھی۔
اتنے میں ڈھابے کا چلبلا سا ملازم چائے کا کپ لے آیا تھا۔
"صاحب۔ ایک کپ دو پرچ ٹھیک ہیں؟" اس نے ٹرے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا اور ولید نے دانت کچکچائے تھے۔
"اوئے تیری تو۔ ایک کپ اور ایک پرچ کا جوڑ ہوتا ہے۔ دوسری تم اپنے گھر لے جاؤ۔ تمہارے ابا جی کے کام آئے گی۔ لا۔ ادھر رکھ۔" ولید کے جھنجلانے پہ عزت بہت محظوظ ہو رہی تھی۔
اس کے جانے کے بعد ولید دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
"پہلے میرا پروگرام ہوتا تھا ایک صبح' ایک شام۔ اب ہو گا ایک کپ ایک پرچ۔" ولید کی بات پہ عزت کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا اور ولید اس ہنسی میں دل و جان سے بھیگ گیا تھا۔
آج کی رات ان کے لیے ایک یادگار رات تھی جو انہوں نے سڑکوں پہ آوارہ گردی کرتے ہوئے گزاری تھی اور عزت نے غصے کے باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی بہت انجوائے کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

فجر سے ذرا پہلے کا وقت تھا جب ولید نے اسے گھر کے قریب ڈراپ کیا تھا۔
اس کے ذرا سے ناک کرنے پہ چوکیدار نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا تھا' وہ اندر آ گئی تھی۔ وہ دبے قدموں سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اوپر آئی ہی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔
کیوں کہ سامنے ہی تیمور سر جھکائے پشت پہ ہاتھ باندھے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔
اور عزت کے قدموں کی آواز سن کر اس کے قدموں کی چاپ بھی رک گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر عزت کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ عزت نے چہرہ جھکا لیا تھا اور نظریں بھی جھک گئی تھیں۔ کیوں کہ وہ کھڑے کھڑے دھواں دھواں ہو گئی تھی۔
اسے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور دل کنپٹیوں میں دھڑکا تھا۔
صورت حال ایسی تھی کہ مرجانے کو دل چاہا تھا۔

(باقی آئندہ)

سمیرا حمید

"ترسک گاؤں کی چمنیاں دھواں اگلنے ہی والی ہیں۔"

سیب اور انجیر کے باغوں سے ذرا قریب اور ذرا دور' پہاڑی دربانوں کی آنکھوں کے عین نیچے ترسک گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں کو بچے اپنے پیروں تلے روندتے' میدان جنگ میں لوٹ مار مچانے والوں کی طرح شور بپا کرتے بھاگ رہے ہیں۔ وہ ابھی ابھی سیب کے باغ سے سیب چرا کر آئے ہیں۔ ان سرخ سیبوں کی تازہ خوشبو اڑ کر دینار سے ایسے لپٹتی ہے جیسے وہ خود بھی سیب چرا کر بھاگی جا رہی ہو۔

گول فریم پر پھول کاڑھتے اس کے ہاتھ رک گئے ہیں اور یوں اس ٹھہراؤ پر دھاگہ اس کی انگلی سے لپٹنا' تنبیہہ کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ "سنو دینار! کچھ تو اپنی بے توریت کا خیال رکھو۔"

اس نے سر کو کھلی کھڑکی سے باہر نکالا اور دور و نزدیک کھیتوں اور میدانوں میں شور مچانے والوں کے قہقہے اور قلقاریاں سنیں۔

"بی بی مہتابی! ذرا بتاؤ تو' یہ سب شرارتی بچے جب سیب چرا کر بھاگتے ہیں تو بیرام بابا ان کے پیچھے نہیں بھاگتے؟"

"کیوں نہیں! بیرام بابا ان کے پیچھے اپنی لاٹھی لے کر بھاگتے ہیں۔"

وہ ہنسی۔ "لیکن بچے کیسے بیرام بابا کے ہاتھ آتے ہیں.... بابا بھی یہی چاہتے ہوں گے کہ کوئی ہاتھ نہ آئے کہ انہیں مارنا ہی پڑے۔ اچھے بابا! ان کی داڑھی سفید ہے نا۔ سفید جو کہ تم کہتی ہو میری پتلیوں کے اطراف قابض ہے۔ کیا تم مجھے ان سیبوں کے ڈھیر تک لے چلو گی جسے لاد کر شہر لے جاتا ہے۔ جو تازہ تازہ درختوں سے توڑے گئے ہیں؟"

اب مہتابی کو خاموش ہو جانا تھا۔

"بولو بی بی' کیا تم ایسا نہیں کرو گی۔ کیا تم میری آنکھیں نہیں بنو گی؟"

"بنوں گی خواہ' مجھے حدیثہ خانم پیٹ ہی کیوں نہ ڈالیں۔" مہتابی نے حقیقت اور امکان دونوں پیش کر دیے۔

"حدیثہ ماں! وہ ایسا ضرور کریں گی۔ خدا کی محبت پر مجھے اعتبار ہے لیکن پھر بھی حدیثہ خانم ہی میری ماں ہوتیں' کیا یہ ضروری تھا؟" وہ دھاگے کو اپنی انگلی پر لپیٹنے لگی' جس کے رنگ سے وہ نا آشنا تھی۔

"خدا کی محبت پر اعتبار ہو تو اس اعتبار کو کیا' کیوں سے زائل نہیں کرنا چاہیے۔"

دینار نے اپنی نم آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے تھپکنا چاہا۔ "ہوا میں رچی یہ خوشبوئیں مجھے بے چین کر رہی ہیں بی بی۔"

"چلو میں تمہیں لے چلوں۔ آؤ چلو۔ حدیثہ خانم مجھ پر کیسی ہی سختی کیوں نہ کریں۔"

مہتابی ہر پیشکش پر حدیثہ کا نام ایسے لیتی ہے جیسے حدیثہ سے زیادہ وہ خود نہیں چاہتی کہ وہ باہر جائے۔ انجیر

کے درختوں کے قریب جہاں گاؤں کے بڑے بوڑھے بیٹھ کر خوش گپیاں کرتے ہیں۔ دریا کے کنارے جہاں بچوں کو سارے کھیل سوجھتے ہیں۔ زلفیہ خانم کے تنور کے سامنے سے گزر کر، جہاں عورتیں اپنے دن بھر کے کام ساتھ لیے بیٹھتی ہیں۔ آبشار کے پاس گھسے ہوئے بڑے پتھر پر جہاں غالیچے پر بیٹھے ترسک کی جوان لڑکیاں مالٹے اور سیب کھاتی ہیں۔ پتھروں سے بنائے چولہے پر حلوہ بناتی ہیں، قہوہ کی پیالیاں بھر بھر کر پیتی ہیں اور شام ڈھلے اپنے ہاتھوں میں سوزنی کے شاہکار لیے اٹھتی ہیں۔ مہتابی نہیں چاہتی کہ ترسک گاؤں سے جڑے اس گھر جس کی دیواروں کو کسی گھر کی ہمسائیگی میسر نہیں ہے سے وہ اندھی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلے۔ وہ دینار سے محبت کرتی ہے اور بس اس محبت کی خاطر ہی۔۔

صرف محبت کی خاطر۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ یہ بھی تو ٹھیک نہیں ہوگا نامہتابی۔" دینار کیسے چاہ سکتی تھی کہ حدشماں مہتابی کو برا بھلا کہیں یا پیٹ ہی ڈالیں یا انہیں جتائیں کہ کیسے خزاں کے دنوں میں انہیں بھوک سے مرنے سے بچانے کے لیے وہ انہیں اناج دیتی ہیں۔

"لیکن میں نورو گل کی شادی میں تمہیں لے

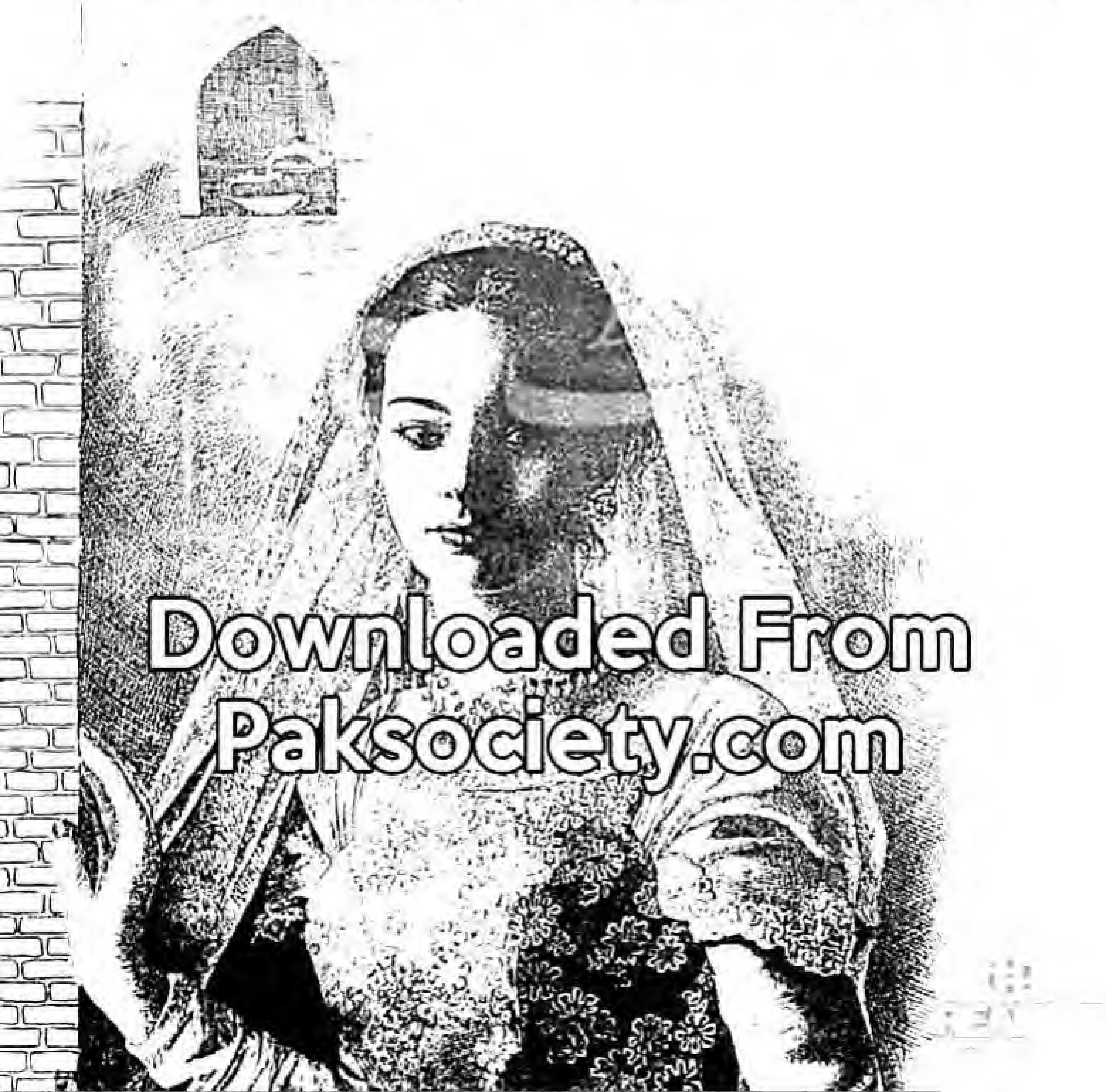
Downloaded From Paksociety.com

جانے کا وعدہ کرتی ہوں۔ میری جان جائے یا مجھے حدیثہ خانم نکال دیں۔" مہتابی وہ وعدہ بہت آسانی سے کر لیتی جس کی پاسداری کا وقت بہت دور ہوتا۔

"نورو گل اور مہمیز۔" اس نے دونوں کو ایک ساتھ سوچا اور یہ بھی کہ دونوں باغ میں چھپ کر ملتے ہیں۔ جیسا کہ باڑے کی صفائی کرنے والے لڑکے سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہیں۔ "سارا گاؤں جانتا ہے کہ دونوں باغ میں چھپ کر ملتے ہیں۔ جب نورو گل' مہمیز کا دیا ریشمی رومال اپنے سر پر لپیٹ لیتی ہے تو سب جان جاتے ہیں کہ آج وہ آئے گا اور وہ آتا ہے۔ جنوب کی ہواؤں کو روک کر آتا ہو یا شمال کی ہواؤں کو سوار بنا کر... وہ آتا ہے۔" دینار ایسی سرگوشیاں سنتی ہے اور وہ پوری کہانی بنا لیتی ہے۔ وہ مہمیز کے لیے دعائیں کرتی ہے کہ وہ جنوب کی ہواؤں کو روک کر شمال کی ہواؤں کو سوار بنا کر نورو گل کے لیے آجائے۔

"کیا نورو گل اور مہمیز کی شادی ہو جائے گی؟"

"ان کی شادی ضرور ہو جانی چاہیے... میں مہمیز کو پسند کرتی ہوں' وہ خاندانی رنجشوں کو بے کار سمجھتا ہے۔"

"کیا نورو گل بہت دور دوسرے گاؤں چلی جائے گی۔" دینار نے ایسی جدائی جو نورو کی ماں ہی اس کے لیے محسوس کر سکتی تھی سے دکھی ہو کر پوچھا۔ ایک ایسی سہیلی کے لیے جو بے قاعدہ بنی تھی نا باقاعدہ۔

"مہمیز کے ساتھ اسے جانا ہی ہو گا دینار... یہی رسم ہے۔"

"پھر اس باغ کا کیا ہو گا جہاں وہ ملتے ہیں۔" اس نے شرارتاً کہا۔ مہتابی ہنس دی۔

"میں نورو اور مہمیز کی شادی میں ضرور جاؤں گی... بی بی... سن لو..."

"میں ضرور لے جاؤں گی تمہیں' میں تو پہلے ہی وعدہ کر چکی ہوں۔" مہتابی نے ہنسے بنا کہا۔ ایسی باتوں پر ہنسی کہاں آتی ہے۔

"حدیثہ ماں کے ساتھ جا کر میرے لیے ریشم لے معرفت خالہ کو دے آنا' کہنا اس پر ویسے ہی پھول کاڑھ دیں جو سمرقند کے بازاروں میں جنت کے پھولوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ میں نورو گل کی شادی میں ایک بہترین لباس پہننا چاہتی ہوں۔"

"میں ریشم لے جاؤں گی۔ مجھے بنفشی رنگ پسند ہے' مدینہ نے اپنی شادی کے دن پہنا تھا۔"

دینار شرما گئی۔ کیسے اشارے سے مہتابی نے اس کی شادی کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ ٹھیک ہے اسے بھی ایک دن دلہن بننا ہے۔ ہر لڑکی کی طرح وہ بھی اس دن کے خواب دیکھتی ہے۔ وہ رنگوں کو نہیں جانتی لیکن ان کے احساس کو جانتی ہے۔ وہ جان چکی ہے کہ دلہن رنگ سے نہیں سنگ سے بنتی ہے۔ پھر وہ کوئی بھی رنگ پہن لے وہ دلہن رنگ ہو جاتا ہے۔ ماں بھی اس کی شادی کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ وہ ایک اچھے لڑکے کی تلاش میں بھی ہیں۔

"کس کی شادی کا ذکر کر رہی ہو مہتابی؟" حدیثہ خانم کی کھردری گونج دار آواز نے دینار کے اندر سمٹ آئے عروسی رنگ کے احساس کو تہہ و بالا کر دیا۔ وہ سہم گئی اور مہتابی بھی۔ وہ دونوں باتوں میں اتنی محو تھیں کہ گھوڑے کے ٹاپوں اور چمڑے کے سخت کھردرے چاپ سن نہ سکیں۔

حدیثہ نے دیر تک کھڑے کھڑے مہتابی کو گھورا اور مہتابی نظریں چرا کر رہ گئی۔

"تم سے کتنی بار کہا ہے دینار کو ان منحوس گاؤں والوں کی باتیں نہ سنایا کرو۔ کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں گھوڑے پر اپنا سفر طے کرتی ہوں اور اپنی زمینوں پر قبضے کے مقدمے کو بھگت رہی ہوں اور مجھے ایک چابک کی ضرورت بھی درپیش ہے۔"

مہتابی خاموش رہی اور اٹھ کر اس کے غسل کے لیے پانی گرم کرنے لگی۔

"میں یہ اور برداشت نہیں کر سکتی" دینار نے آہستگی سے کہا۔

چمڑے کے سخت کھردرے جوتے غصے سے چہل قدمی کرتے کرتے رک گئے۔

"آپ کو سادہ لوح گاؤں والوں کو ایسا نہیں سمجھنا

چاہیے۔ آپ انسانوں سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں۔"

حدیقہ نے نخوت سے اپنی اندھی بیٹی کو دیکھا جو ہر بار یہی سوال نئے انداز سے کرتی تھی۔

"ایک عورت جو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہے اور شام ڈھلے گھر آتی ہے' اسے بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسے کس سے نفرت کرنی ہے اور کس سے محبت۔ وہ دنیا کے کسی بھی عالم سے زیادہ جانتی ہے۔ تمہیں میرے علم کی قدر کرنی چاہیے اور تقلید بھی۔"

"میں نورو گل کی شادی میں جانا چاہتی ہوں۔" اسے حدیقہ خانم کے علم کی قدر تھی نہ اسے تقلید کرنی تھی۔

"تم ضرور جانا اگر نورو گل تمہیں بلانے کی جرات کرپائی۔"

"ٹھیک ہے! آپ مجھ پر ایسے طنز کرسکتی ہیں لیکن ایسا آپ کی وجہ سے ہی ہے۔ وہ سب آپ کی وجہ سے مجھ سے دور رہتے ہیں۔"

"انہیں میری نفرت پر یقین ہے تو انہیں تمہاری محبت پر بھی اعتقاد ہونا چاہیے۔"

"آپ یہ جانتی ہیں کہ آپ کی زمینوں میں کب بیج ڈالا جائے گا' کب کٹائی ہوگی' کب شہر لے جایا جائے گا' کس کی زمین پر کیسے قبضہ ہوگا' قبضے کا مقدمہ کیسے جیتا جائے گا' لیکن یہ نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔"

"میری اندھی بیٹی جو مہتابی کے ہاتھ چومتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر آتی ہواؤں کے پیغام سنتی ہے۔ وہ کیا چاہتی ہے کہ میں بھی یہی سب کروں؟"

"میں ہواؤں سے باتیں کرتی ہوں' مہتابی کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگاتی ہوں۔ کیونکہ میں ایسا کرنے میں خوشی محسوس کرتی ہوں۔"

"لوگ نہ ہواؤں سے باتیں کرتے ہیں' نہ ہواؤں سے باتیں اخذ کرتے ہیں اور نہ ہی عقیدت و محبت کو آنکھوں تک لے جاکر احترام سے نوازتے ہیں۔"

"میں آپ کی طرح دلائل نہیں دے سکتی۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں شادی کے گیت گانا چاہتی ہوں۔ مجھے زلفیہ خالہ کے اس تنور کی قربت درکار ہے جہاں لگے پاستل گاؤں میں آنے والے مہمان سب سے پہلے تناول کرنا چاہتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ معرفت خالہ میری انگلی پکڑیں اور مجھے جنت کے پھول کاڑھنا سکھائیں کہ میں اپنے لیے اور آپ کے لیے ایک ایسا کرتا کاڑھ لوں جو تمہیں تنہائی کا احساس نہ دلائے۔ آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ میرا دل مچلا جاتا ہے کہ عزیزہ خالہ کی بیٹھک میں گاؤں بھر کی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر عظیم ڈاکو بسام کی شجاعت کے قصے سنوں اور یہ جان پاؤں کہ کیسے بسام نے ایک بوڑھے ضعیف کو اپنے کندھوں پر لاد کر دریا پار کروایا تھا۔ کیسے وہ سمرقند کے سپاہیوں میں بھیس بدل کر گھس گیا تھا۔ میں اسے کبھی نہیں دیکھ پاؤں گی جیسا کہ میں کسی کو بھی کبھی دیکھ نہیں پاؤں گی لیکن اگر میں اس بیٹھک میں موجود ہوں گی تو میں بسام کو اتنا جان لوں گی کہ مجھے اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں اس گھر کی کربائش سے تنگ آگئی ہوں' مجھے کچھ تو سرد اور تازہ ہوائیں اکٹھی کرنے دیں۔"

کسی مغموم مغنیہ کی طرح وہ نغمہ سرا تھی جبکہ نیم گرم پانی میں پیر ڈبوئے بیٹھی حدیقہ نشست سے سر ٹکائے اونگھ رہی تھی۔ اس سے باخبر کہ ترسک گاؤں کے واحد قہوہ خانے میں چار مرد بیٹھے اسے گالی دے رہے ہوں گے۔

یوسف' سلیمان' حافظ' شہتاب۔ وہ ان کے ساتھ مقدمہ لڑ رہی ہے۔

اور حاتم بھی۔ وہ قہوہ خانے کا مالک ہے۔ جس کے ساتھ اس کا کوئی مقدمہ نہیں اور رائد جو قہوہ کی پیالیاں پتھر کی سلوں پر رکھتا ہے' اور رائد کی ماں زلفیہ خانم جو تنور میں ایسے پاستل لگاتی ہے جیسے مالی باغ میں پھول لگاتا ہے۔ حاجت جو زلفیہ کا چچا ہے جسے ہر سال حدیقہ سے قرض کی ضرورت رہتی ہے۔ زریاب جو حاجت کا ہمسایہ اور ہم خیال ہے اور اس کی نیک سیرت بیوی قمری جو حدیقہ کو نیکی کی نیت سے بددعائیں دیتی ہے۔ اس نیک سیرت بیوی کا بھائی جو چمڑے کے جوتے بناتا

ہے اور انہیں مہنگے داموں گاؤں گاؤں بیچتا ہے اور گھر گھر، گاؤں گاؤں، بات بے بات جوتے بیچنے والا اور خریدنے والے اسے کوسنے دیتے ہیں اور اس پر خدا کی لعنتیں بھیجتے ہیں۔

گھر گھر، گاؤں گاؤں، موسموں کی طرح وہ اسے بدل بدل کر کوسنے اور بددعائیں دیتے ہیں۔

وہ عورت جو گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہو اور شام ڈھلے گھر آتی ہو۔ اچھا وہ کوئی اچھی عورت ہو سکتی ہے؟

وہ کئی غریب کسانوں کی زمینیں کم داموں پر ہتھیا چکی ہے۔ وہ مردوں سے مقدمے لڑتی ہے اور انہیں اس سے بڑی گالی دیتی ہے جو وہ اسے دیتے ہیں۔ وہ قرضہ دیتی ہے اور سود سمیت واپس لیتی ہے ورنہ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ان کے گھروں کا مال اسباب لوٹ لیتی ہے "گائے، بھینسیں، بھیڑیں اور صندوقوں میں بند جہیزوں کا سامان۔ ورنہ عورتوں اور بچیوں، چھوٹوں اور بڑوں کو وہ نوکر بنا لیتی ہے۔ اور ان سے اس سے زیادہ کام لیتی ہے جتنے کے وہ قرض دار ہوتے ہیں۔ وہ نخوت کے ہالے کو اپنے گرد کھینچ کر رکھتی ہے۔ وہ خزاں میں بھوکوں کی اور جاڑے میں ٹھٹھر کر مرنے والوں کا پرسش حال نہیں کرتی۔ وہ بندوق کھول لیتی ہے، اسے صاف کر لیتی ہے اور اس میں بارود بھر کر اس کی نال کو انسان کی کنپٹی پر رکھ دیتی ہے۔ وہ کئی باغوں کی، کھیتوں کی، گوداموں کی اور انسانوں کی مالک ہے اور اپنے حکم کی تکمیل کروانا جانتی ہے۔ اس کا گھر گاؤں سے الگ تھلگ کنارے پر ہے پھر بھی وہ پورے گاؤں کا چکر کاٹ کر، پگڈنڈیوں کی دھول اڑا کر گلیوں میں ٹاپ کر گھر آتی ہے۔ اور پھر یوں ترسک گاؤں اور آس پاس کے سب ہی گاؤں والے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ ایسی عورت کو ناپسند کرتے ہیں جو بیوہ بن کر نہیں رہی بلکہ جس نے آقا بننے کی ٹھان لی۔

اکثر وہ رات میں اپنی روسی ساختہ بندوق میں کارتوس بھر بھر کر اسے بلند پہاڑوں کے رخ پر داغتی ہے۔ چیڑ اور پہاڑی جھاڑیوں سے گھرے ترسک کے [illegible]۔ ایک للکار پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھوتی، سونے والوں کے اور جاگنے والوں کے کینہ پرور کانوں میں چنگاری کی لہر بن کر کڑکتی ہے کہ گاؤں سے جڑے لیکن گاؤں سے پرے اس گھر کی طرف دیکھنے کی جرات ہے کسی میں؟ جہاں ایک جوان اندھی لڑکی اپنے گال کے نیچے دونوں ہتھیلیاں رکھ کر سوتی ہے۔ جو کرہ ارض پر موجود کسی بھی معصوم سے زیادہ معصوم ہے۔ جو مرغزاروں کے ان گیتوں کو سننے کی متمنی ہے جو اسے سنانے کے لیے کوئی راضی نہیں ہے۔ جو ان سہیلیوں سے باتیں کرتی ہے جو ترسک میں اس کے لیے موجود نہیں اور ان بیماروں کے لیے دعا کرتی ہے جن کی عیادت کے لیے وہ نہیں گئی۔ جو لواحقین کے ساتھ آنسو بہاتی ہے اور مرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہے۔

وہ ایک اور گولی داغتی۔۔۔

ہے کسی میں ہمت کہ وہ اس گھر کی طرف دیکھے جس نے جوانی میں ہی بیوگی اوڑھ لی۔ جس کے اطراف انگوروں کی بیلیں اور پھولوں کی کیاریاں نہیں سرکنڈوں کی باڑیں لگائی پڑیں۔

ایک اور گولی ترسک کے قہوہ خانے میں بلند قہقہے لگاتے مردوں کو للکارتی۔۔۔

"جاؤ اور سو جاؤ۔۔۔ وہ سب جو جاگ رہے ہو، یہ ارادہ باندھے کہ کبھی وہ پیچھے سے یا آگے سے مجھے آلیں گے۔ میرے گھوڑوں کو باڑے میں سے لے اڑیں گے اور میری بندوقیں دیواروں پر نمائش کے لیے ٹنگی رہیں گی اور پھر مجھے چلا چلا کر ترسک والوں کو اپنی مدد کے لیے بلانا پڑے گا۔ مدد کی مجھے صرف اسی وقت تک ضرورت تھی جب ۔۔۔ مجھے یہ احساس دلایا جا رہا تھا کہ میں اکیلی ہوں اور میرے ساتھ کچھ بھی ہو جانے کے کتنے امکانات ہیں۔"

☼ ☼ ☼

مہتابی بچپن سے اب تک دستار کی ہم زاد رہی تھی۔ اسی نے دستار کی انگلی کی نوک پر اپنی انگلی کی نوک رکھ رکھ کر اسے کاڑھنا سکھایا تھا۔ بھدے ہی سہی لیکن وہ

پھول اور پتے' شاخیں اور بیلیں بنالیتی تھی۔ اسی نے اسے بتایا کہ گاؤں میں کتنے گھر ہیں اور ان گھروں میں کتنے اور کیسے لوگ رہتے ہیں۔ نورو گل کی کتنی ہم جولیاں ہیں اور کب تک وہ سب رخصت ہو جانے والی ہیں۔ ریشمی رومالوں اور اونی جرابوں میں آج کل کن نمونوں کی مانگ ہے۔ شمسی گل اور گلنار اس کی ہم عمر ہیں' مغفرت' ایدین' ظریفہ' اس سے چھوٹی ہیں۔ پیام' بیدال' سکندر گھڑ دوڑ کے لیے شہر جانے والے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں انہیں رخصت کرنے کے لیے تیار' لیے آنے والے ہیں۔

"دینار نے رنگ اور ذرے' احساس اور جذبے' مہتابی کی سوئی سے ہی اپنے اندر پروئے تھے۔"

مہتابی' دینار کی دیکھ بھال کے لیے رکھی گئی ملازمہ تھی جو اب تک اس کے ساتھ تھی۔ حدیثہ کو مہتابی کی موجودگی کچھ خاص پسند نہیں تھی لیکن دینار کے لیے وہ مہتابی کو برداشت کرنے پر مجبور تھیں۔ اگر دینار اندھی نہ ہوتی تو مہتابی بھی وہاں موجود نہ ہوتی۔ حدیثہ کو افسوس تھا کہ ان کی اکلوتی اولاد نہ صرف اندھی ہے بلکہ صد درجہ اندھی ہی ہے۔

کئی بار جب وہ اپنے ہم عمر بچوں کا شور سن کر دیواریں ٹٹول کر باہر ان تک جایا کرتی تو شور یک دم تھم جاتا جیسے کچھ طے کیا جا رہا ہو۔ پھر اسے کچھ پتھر اپنے پیروں کے پاس گرتے ہوئے ملتے۔ مہتابی اسے اندر لے جاتی۔

"یہ گاؤں بھر کے شرارتی بچے ہیں دینار! ان تک رسائی نہ کرو' وہ تمہیں نقصان پہنچادیں گے۔"

"لیکن وہ میرے ساتھ کھیلتے کیوں نہیں؟"

"وہ بچے ہیں اور انہیں ابھی یہ نہیں سکھایا گیا کہ بے نور آنکھیں رکھنے والوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہے۔"

"کیا وہ بے رحم ہیں؟"

"وہ بچے ہیں۔ وہ رحم اور بے رحمی کا ادراک نہیں رکھتے۔"

"اگر وہ میرے ہم عمر ہیں تو انہیں یہ ادراک ہو گا کیونکہ اگر مجھے یہ ادراک ہو چکا ہے تو انہیں کیوں نہیں۔"

کبھی کبھار وہ مہتابی کے گھر چلی جاتی۔ اس کی بہو تیز مزاج کی عورت تھی۔ وہ گاؤں بھر میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ دینار اس کے بچوں سے کھیلنے کے لیے مچلتی تھی لیکن وہ اپنے بچوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی تھی۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہتی۔ پھر جب وہ مہتابی کا ہاتھ پکڑ کر گھر واپس آتی تو وہ اس زور سے دروازہ بند کرتی جیسے اب دوبارہ کبھی نہیں کھولے گی۔ اسے مہتابی کے لیے افسوس ہوتا جسے ہر رات ایک ایسے گھر میں واپس جانا پڑتا تھا جہاں اس کے لیے خوش دلی سے دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا۔

آج دینار باغ میں آئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ نورو گل سے ملے' اس سے ممیز کی باتیں کرے اور یہ جانے کہ کس چیز نے ان دونوں کو ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا کیا۔ اس نے بہت مشکل سے مہتابی کو منایا تھا۔ وہ حدیثہ خانم سے ڈرتی تھی لیکن دینار سے پیار کرتی تھی۔ اس کی محبت میں وہ بہت مجبور ہو جاتی تو اس کی مان لیتی ورنہ وہ بھی بہت بہانے کرتی۔

"سلام بخیر بیرام بابا۔" مہتابی نے تیزی سے کہا اور اس کے ہاتھوں کی تیز تیز سرسراہٹ دینار نے محسوس کی۔

"تم... اس کے ساتھ... کیوں آئی ہو یہاں۔" بیرام بابا نے کسی قدر تلخی سے کہا۔

"سلام بیرام بابا! میں سیب چرانے نہیں آئی۔ میں تو باغ کی سیر کے لیے آئی ہوں۔ مہتابی بی بی بتا رہی تھیں کہ سارے شرارتی بچے آپ کے لیے درد سر بنے ہوئے ہیں۔ مجھے حیرت نہیں ہے۔ بچے یہ سب نہیں کریں گے تو وہ بچے نہیں رہیں گے۔ مجھے کتنی خوشی ہے آپ سے ملنے کی میں بتا نہیں سکتی۔ کاش میں یہاں روز آجایا کروں اور اس باغ کی لطیف خوشبوؤں کو اپنے ساتھ لے جایا کروں۔"

اس دوران مہتابی کے ہاتھوں کی تیز تیز سرسراہٹ بھی اس کی گفتگو کا حصہ بنی رہی کہ جیسے ایک طرف

دینار بول رہی ہے اور ایک طرف مہتابی اپنے ہاتھوں سے کلام میں مصروف ہے۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟" دینار نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سب دیکھ لیں کہ وہ مسکرا سکتی ہے اور خوش اخلاقی سے ان سب کا خیر مقدم کر سکتی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے حدیقہ اور دینار میں فرق ہے۔

"میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں مہتابی ۔۔۔" بیرام بابا کی کچھ خفا، کچھ تلخ سی آواز منتشر ہوئی۔

"ہاں پھر میری عزت کے لیے ہی ۔۔۔ میں ۔۔۔ میری ۔۔۔"

کیسی آواز تھی مہتابی کی ۔۔۔ دھیمی اور کپکپاتی ہوئی ۔۔۔ ہاتھوں کی سرسراہٹ بھی کتنے عجیب ترجمے کرنے لگی تھی۔

"آندر چلیں دینار۔" آخر کار مہتابی کی آواز سے کپکپاہٹ دور ہوگئی۔

"بیرام بابا کہاں ہیں۔ انہوں نے میری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے سلام کا بھی۔"

"وہ مستقل تمہاری باتوں پر سر ہلا رہے تھے۔ دراصل ان کا دھیان کسی اور طرف تھا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ باغ کے رکھوالے ہیں۔ وہ اپنی توجہ باغ سے نہیں ہٹا سکتے۔ باغ کے کسی گوشے سے انہیں کسی کے کودنے کی آواز آئی تو وہ اس طرف تیزی سے بھاگ گئے۔"

"ایسا ہی ہے۔ میں نے کسی کو تیزی سے جاتے محسوس تو کیا۔ کیا بیرام بابا نے اجازت دے دی؟"

"ہاں خوشی سے ۔۔۔ آؤ اندر چلیں ۔۔۔"

"کیا نورو گل آج آئی ہوگی؟"

"شاید ۔۔۔"

"سلام بخیر مہتابی خالہ۔" نورو گل کی آواز آئی۔

"یہ نورو ہی ہے نا بی بی۔ ہاں یہ وہی ہے۔ اسی کی آواز ایسی خوش کن ہے۔"

"اسے کہاں لیے گھوم رہی ہیں خالہ۔" اس کی آواز میں تمسخر کا پہلو زیادہ نمایاں تھا یا تلخی کا۔ دینار جانچ نہ سکی اور دکھ سے خاموش ہوگئی۔ "شاید مہمیز کے انتظار نے اسے نمکین کر دیا ہے۔" دینار نے سوچا۔

مہتابی کے ہاتھ پھر سے تیزی سے چلتے محسوس ہوئے۔

"کیا ہوا مہتابی! کیوں ہلکان ہو کر ہاتھ چلا رہی ہو؟" دینار ہنس دی۔ "یوں لگتا ہے اشاروں میں کسی سے بات کر رہی ہو۔ تم نے کبھی بتایا نہیں۔ کیا گاؤں میں کوئی گونگا بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے مہتابی خالہ ۔۔۔ ٹھیک ہے۔" نورو کی صلح جو لیکن تلخی سے معمور آواز آئی۔

"نورو گل! ادھر آؤ مجھے اپنا ہاتھ دو۔ میری سہیلی بن جاؤ۔ میں تمہیں شادی کی دعا دیتی ہوں۔ جس سے تمہارا دل آباد رہے۔"

"مجھے تم سے کوئی دعا نہیں چاہیے۔"

خاموشی رہی پھر نورو گل کی آواز آئی۔ "ٹھیک ہے مہتابی خالہ ۔۔۔ ٹھیک ہے۔ آپ کی عزت کے لیے ہی سہی۔" نورو گل نے اپنا ہاتھ دینار کے ہاتھ میں دے دیا۔

"کیا ہم اب سہیلیاں ہیں؟"

نورو گل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "تم میری شادی میں آسکتی ہو۔" اس نے اتنا کہا اور پھر۔ "مہمیز کا کہنا ہے کہ ہماری شادی میں سارا گاؤں شریک ہونا چاہیے کیا دوست کیا دشمن۔ وہ تو یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم بسام ڈاکو کو بھی کسی طرح شرکت کی دعوت دے دیں لیکن۔"

وہ ہنس دی۔ شاید تمسخر سے شاید شرارت سے۔

"تم ہی ٹھیک ہو۔" وہ کچھ دیر بعد یہ کہہ پائی۔

"میں ضرور آؤں گی۔ مہمیز کا شکریہ۔ میں تمہارے لیے ایک کرتا کاڑھوں گی جس پر کھلے پھول کبھی نہیں مرجھائیں گے۔"

مہتابی نے عجلت کا مظاہرہ یک دم کیا۔

وہ دونوں حدیقہ کی آمد سے پہلے گھر آگئیں۔ دینار کے گاؤں کی مٹی سے اٹے جوتے صاف کر دیے گئے تھے۔ اسے ایک سہیلی مل گئی ہے اور اسے اب اس کی

شادی میں بھی تو جانا ہے۔ خوشی سے وہ اتنا کھانا کھا گئی کہ حدیشہ نے اسے غور سے دیکھا اور پھر مہتابی کو۔ پھر اس نے آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو بے دردی سے کھرچا اور اتنی آگ بھڑکا دی کہ مہتابی کو لگا سارا گھر جل ہی جائے گا۔ انہی سے جوتے اتارے بنا کہ جیسے اسے کسی اگلے محاذ پر لڑنے جانا ہے وہ بستر پر گر گئیں۔ دینار خاموشی سے گود میں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی اور مہتابی گرم کمرے میں ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی۔

دینار کو اپنی ماں کے کھردرے رویے سے چڑ تھی بلکہ نفرت۔ اگر وہ حدیشہ ماں کے بجائے کسی غریب کسان یا باغ کے رکھوالے کی بیٹی ہوتی تو خوش ہوتی۔ اس کے کمرے میں شہر کی لائی چیزیں بھری ہوئی تھیں جس میں اس کی چنداں دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے پاس بہترین ریشم اور کمخواب تھے اور ان پر بیل بوٹے بنے تھے جو نگینوں سے دمکتے تھے جیسا کہ مہتابی بتاتی ہے لیکن اسے ان سب سے کیا۔ وہ حدیشہ ماں کے ساتھ شہر گئی تھی لیکن شہر کے شور نے اسے متاثر نہیں کیا۔ وہ یہ سوچے بنا نہیں رہ سکی کہ جس زمین پر ہم پیدا ہوتے ہیں' دراصل وہی زمین ہمارے اطمینان اور خوشی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوتی ہے۔ جہاں ہماری جڑ ہو وہیں ہماری افزائش ہوتی ہے۔ اگر ہم وہاں خوش نہ رہ سکیں جہاں پیدا ہوئے ہوں تو وہاں بھی نہیں رہ سکتے جہاں مرنے تک کے لیے جا ٹھہرے ہوں اور وہ زمین پر موجود باغ عدن ہی کیوں نہ ہو۔

جن دنوں نورو گل کی شادی تھی۔ حدیشہ ماں اسے شہر لے گئیں۔ انہیں کچھ زیادہ دن شہر میں رہنا تھا اور وہ دینار کو اتنے دن تک ترسک میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ دینار پوری جان سے روتی رہی اور کھانا کھانا ترک کر دیا۔

''کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ میں اپنی سہیلی کی شادی میں شرکت کروں؟''

''تمہاری کوئی سہیلی نہیں ہے۔ تمہارا اگر کوئی ہے تو وہ میں ہوں۔''

''یہ میری بدنصیبی ہے کہ آپ میری ماں ہیں۔۔۔ ایک ظالم ماں۔۔۔ آپ ظالم ہیں۔۔۔ بہت ظالم۔۔۔ سب کے لیے ظالم۔۔۔''

حدیشہ نے کسی قدر دلچسپی سے دینار کو دیکھا جو بے نور آنکھیں لیے ظلم کی تفسیر بیان کر رہی تھی۔ اسے اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس کی بیٹی اسے کیا کہہ رہی ہے کیونکہ حقیقت الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسی لڑکی کی بات کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں جس نے پہاڑوں میں اڑنے والے چند پرندوں کی آوازیں سنی تھیں اور گھر میں بیٹھ کر بدلتے موسموں کے مزے چکھے تھے۔

''ٹھیک ہے میں ظالم ہوں۔۔۔ لیکن اکیلی میں ہی نہیں ہوں۔۔۔ جب تمہارے سر کے بال سفید ہونے لگیں گے تو تم جان جاؤ گی کہ ہم سب موقعے کی تلاش میں ہوتے ہیں اور پھر ہم سب تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ اگر میں بری ہوں تو مجھ سے زیادہ برے بھی موجود ہیں۔۔۔ ان بروں سے زیادہ برے بھی۔۔۔ اور پھر ان سب سے بھی زیادہ۔۔۔ ایک سے بڑھ کر دوسرا ہمیشہ موجود رہتا ہے۔۔۔''

☆ ☆ ☆

''مہتابی! بنفشی گل کی شادی سر پر ہے' اناج کی صفائی کے لیے تمہیں آنا ہوگا۔'' گھر سے باہر مہتابی اسے کچھ دیر کے لیے لے کر نکلی تھی کہ دور سے کریمہ نے اسے دیکھ کر بلند آواز سے کہا اور چلی گئی۔

''بنفشی گل کی شادی ہے بی بی مہتاب! کب؟ وہ میری ہم عمر ہے' مجھے اس کی شادی میں ضرور جانا ہوگا۔ کیوں بی بی کیا بنفشی کی والدہ مجھے بلائیں گی؟''

''حدیشہ خانم تمہیں نہیں جانے دیں گی میری بچی...''

''میں ضرور جاؤں گی۔۔۔ مجھے جانا ہے۔ چاہے کیسا ہی بدنصیب ہو کر کیوں نہ جانا پڑے۔''

مہتابی خاموش ہو گئی۔

''مجھے بنفشی گل کے دولہا کا نام پھر سے بھول گیا۔ ایسے انسان کا نام کیسے بھولا جا سکتا ہے' جس کی شجاعت

زبان در زبان سفر کرتی ہر سماعت سے کلام کر چکی ہو۔"

"اس کا نام شہپر ہے۔ وہ ایک فوجی ہے۔ اس نے سرحد پر اپنے سینے پر گولی کھائی ہے، اپنے زخموں کو دشمن کی طرح شکست دی ہے۔ کریمہ کے پیر زمین پر نہیں ٹکتے۔ وہ خود اقرار کرتی ہے کہ بیٹی کے اس رشتے کے بعد سے اس نے زمین پر پاؤں نہیں رکھے۔ اپنے داماد کو دینے کے لیے اس نے بہت کچھ اکٹھا کرلیا ہے۔ بنفشی گل ایک ایسا قالین بنا رہی ہے جسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ انسانی ہاتھ ایسا کمال کر سکتے ہیں۔ وہ اس کے جہیز کی سب سے بہترین چیز ہے۔ خدا اسے خوش رکھے۔"

"کاش میں وہ قالین دیکھ سکتی۔ کیا میں اسے چھو بھی نہیں سکتی؟"

"جہیز کی چیزوں کو احتیاط سے رکھا جاتا ہے دینار۔"

"تو پھر ہم شادی میں جائیں گے۔ ہے نا؟"

"اگر حدیثہ خانم گھر میں موجود ہوئیں تو؟"

"اگر وہ ہوئیں تو بھی اگر نہ ہوئیں تو بھی، مجھ پر اور سختی نہیں کی جاسکتی۔" اس کے انداز میں کامل ضد تھی۔

اور پھر بنفشی گل کی شادی کا دن بھی آگیا۔

حدیثہ دوسرے گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ دینار نے بنفشی کی شادی میں جانے کی ساری تیاری کرلی تھی۔ جیسا کہ مہتابی نے کہا اس نے دلہن رنگ پہنا تھا۔ تحفے کے طور پر اس نے حدیثہ کا خاص اس کے لیے سمرقند سے منگوایا کرتا نکالا تھا۔ اس نے مہتابی سے خود کو خاص انداز سے تیار کرنے کے لیے کہا تھا۔ سر پر اس نے گہرا گلابی رومال لپیٹا تھا جس کے کنارے کنارے جڑے سنہری ستارے اس کی گلابی پیشانی پر فخر سے جھلملا رہے تھے۔

"کیا میں شادی میں جانے کے لائق ہو گئی ہوں بی بی؟"

"ہاں! جیسے صرف تم ہی۔"

"میں چاہتی ہوں ان سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں ان کی خوشی میں کس قدر خوش ہوں۔"

"وہ تمہاری آمد کے منتظر ہوں گے۔"

"پھر یقیناً" گاؤں کے دوسرے لوگ بھی مجھے شرکت کی دعوت دیا کریں گے۔"

"ایسا ہو ہی جائے گا۔"

"اگر ماں آگئیں تو بھی میں شادی کے گھر سے جلدی نہیں آؤں گی۔ حتیٰ کہ ماں اگر مجھے گھسیٹ کر لے جانے پر بضد ہوئیں تو بھی۔"

"کریمہ نے کہا کہ اسے تمہارا انتظار رہے گا میری بیٹی۔ اس کے لیے یہ بات باعث فخر ہے۔ اس نے کہا میں دینار کو اپنے ساتھ لا سکتی ہوں۔"

مہتابی نے اس کے گالوں پر ہلکا سا غازہ لگا دیا۔ دینار کی خوب صورتی کے چرچے ہر زبان پر رہے تھے کہ وہ اپنی ماں سے زیادہ خوب صورت ہے۔ اگر اس کی آنکھوں کا نور قائم رہتا تو اسے کوئی شہزادہ بیاہنے آتا۔ اگر کوئی شہزادہ نہ آتا تو وہ اپنی ماں سے زیادہ ظالم ہوتی۔ پھر وہ بندوق سے گولی نہ داغا کرتی، بس اشارہ کیا کرتی اور تباہ کر دیا کرتی۔

شادی کا گھر گاؤں بھر کے لوگوں کی موجودگی اور آوازوں سے اس سے کہیں زیادہ پر رونق تھا جتنا دینار نے تصور کیا تھا۔ اس کا شانہ کئی ایک سے ٹکرایا، اس کا سر اور گھٹنے بھی، اس پر بھی وہ خوش ہوئی جیسے یہ بھی شادی کی کوئی رسم ہو۔

سب مہتابی سے سلام دعا کرتے اور دعائیں لیتے رہے۔

"کسی نے بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔" دینار نے اداسی سے کہا۔

"وہ تمہیں مسکرا مسکرا کر دیکھ رہے ہیں دینار! میں بڑی ہوں میری عزت کے لیے مجھے سلام کرنا ضروری ہے۔"

وہ لڑکیوں کے حصے میں آئیں جہاں دلہن کو تیار کیا جا رہا تھا اور روایتی گیت گائے جا رہے تھے۔ دینار کو دیکھ کر گانے والیوں کی آواز اچنبھے کا شکار ہوتی معمولی سے وقت کے لیے رک گئی۔ پھر ان ہی سب لڑکیوں نے عجیب و غریب قہقہے لگائے۔

"مہتابی خالہ!" کہیں کسی کونے سے ہونہہ میں لپٹی سوالیہ صورت یہ آواز آئی ہی تھی کہ مہتابی فوراً" بولی۔

"مجھے اور دینار کو کریمہ خانم نے بہت اصرار سے بلایا ہے۔ ہم بنفشی کے لیے نیک تمنائیں لائے ہیں اور شہپر کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔"

دینار نے مہتابی کے ساتھ مل کر دلہن کو اس کا تحفہ دیا۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ وہ دلہن کے ساتھ بیٹھنا چاہتی تھی لیکن مہتابی اسے دوسری طرف لے کر بیٹھ گئی۔ دینار لڑکیوں کے ساتھ آواز ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے تھوڑے بہت یہ گیت آتے تھے جو مہتابی نے اسے سکھائے تھے۔ ان سب کو بارات کا انتظار تھا۔ بارات جو دو دن اور تین راتوں کی مسافت طے کرتی آرہی تھی۔ وہ راستے میں دو سراؤں میں قیام کر چکے تھے۔ اب بارات دلہن کے گھر کی طرف آرہی تھی۔ روانہ ہو چکی اس بارات کی آمد سے پہلے کریمہ کے چچا زاد بھائی جنہیں سرائے میں بارات کے قیام کے انتظام کو دیکھنا تھا وہ ترسک پہنچ گئے اور ان سب کو ایک ایسی بات بتانے لگے جو ان سب سے چھپائی گئی تھی لیکن جو وہ اپنی ہوشیاری سے بھانپ گئے تھے۔ کہ دولہا بے شک شہپر ہی ہے لیکن نہ وہ کبھی فوجی رہا ہے اور نہ ہی وہ شجاعت میں کسی عام آدمی سے کہیں آگے ہوا ہوگا۔ وہ تو ایک جھکی کمر والا تقریباً" کبڑا' جوانی کو خیر باد کہہ چکا خچر سے بھی بدتر شخص ہے جو سولہ سالہ بنفشی گل کو بیاہنے آرہا ہے۔ جس لڑکے کو شہپر کہا گیا تھا' وہ اس کا قریبی دوست ہے۔"

کریمہ خالہ نے شدت غم سے اپنے گھٹنوں کو تھام لیا اور رکوع صورت آہ و بکا کرنے لگیں۔

جلد ہی جب وہ اس صدمے سے باہر آئے تو غصے سے بھڑکنے لگے۔

"ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ سنتاپ والوں کو جرات کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے ساتھ یہ دھوکا کریں۔" بنفشی کے والد کا طیش سے کچھ ایسا حال ہو گیا کہ وہ کھڑے کھڑے کئی باراتیوں کو چبا جائیں گے۔

"اب شادی کرنی ہی ہوگی۔ بارات سر پر ہے۔ ہم اپنی زبان سے نہیں پھر سکتے۔ میری ننھی بنفشی گل... میری بنفشی۔"

کریمہ جو اولین وقت سے حالت رکوع میں کھڑی تھی' روتے ہوئے بولی۔

"انہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے انہیں سزا ملنی چاہیے۔" یہ یوسف تھا جو ابھی تک مقدمہ ہارنے کی وجہ سے راتوں کو سو نہیں پاتا تھا اور نت نئے طریقوں پر غور کرتا تھا کہ حدیثہ کو کیسے زچ کرے۔ کیسے اس سے بدلہ لے' اس کی زمینوں کو ہتھیا لے۔

"ہم ان کا سامان سفر غصب کرلیں گے' پھر انہیں مشقتیں جھیلتے سنتاپ واپس جانا ہوگا۔"

"وہ یہاں آئیں گے تو انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ بارات خالی ہاتھ لوٹائی جائے گی۔ پھر وہ سنتاپ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ان کی سات نسلیں یاد رکھیں گی کہ کیسے ترسک کے باشندوں نے انہیں ذلیل و خوار کرکے نکالا تھا۔" حاتم نے جو بنفشی گل کے تایا ہیں یوسف کے خیال کی تائید کی۔

"ان کی آئندہ نسلوں کو یاد رکھنا ہی ہوگا کہ کیسے ترسک والوں نے انہیں منہ توڑ جواب دیا۔ کیسے انہوں نے ان ہی کی بازی پلٹ دی۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔ انہیں لگا کہ پھر اپنی عزت کے نام پر ہم خاموش رہیں گے اور لڑکی کا نکاح کر دیں گے۔ وہ ایک کبڑا بڈھا لائے ہیں ہم انہیں ایک اندھی دیں گے۔ وقت آگیا ہے کہ دونوں کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ بارات کو آنے دو۔ سب مل کر اس کا خوش دلی سے استقبال کرو۔ پھر نکاح کے بعد ہم انہیں ٹھکانے لگا دیں گے۔"

"حدیثہ ہمیں مار ڈالے گی۔"

"مار ڈالے لیکن پھر وہ کیا کرلے گی۔ بلبلائے گی... اسے بلبلانا چاہیے۔ یہ وہ چوٹ ہوگی جو ہماری ساری چوٹوں کا بدلہ لے لے گی۔"

مویشیوں کے باڑے میں' جہاں خشک لکڑیوں کا ڈھیر آگ جلانے کے لیے رکھا تھا' انہوں نے یہ طے کیا۔

کس کس نے ۔۔۔ یہ جاننا ضروری نہیں رہا۔ کس کس نے نہیں ۔۔۔ یہ بھی۔

☼ ☼ ☼

بارات آگئی اور سب نے خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ نکاح کا وقت آیا تو سرپرست نے صرف اتنا کہا کہ لڑکی کا حقیقی نام دینار بنت رسول مصطفیٰ ہے اور یہ کہ دینار میرے مرحوم چچازاد بھائی کی اولاد ہے' میری بیٹی جیسی' بلکہ میری بیٹی ہی ہے۔ پیار سے ہم اسے بنفشی گل کہتے ہیں۔"

جو کبڑا بڈھا لے آئے تھے انہیں لڑکی کے حقیقی اولاد نہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ مہتابی کو زلفیہ اور قمری گھر کے پیچھے اس میدان میں لے گئیں جہاں تنور پر نان لگائے جا رہے تھے اور جابجا آگ پر کھانے پکائے جا رہے تھے۔ مہتابی نے اسے اعزاز سمجھا کہ شادی کے گھر کے کھانے کو اس کی نگرانی میں دیا جا رہا ہے۔ گو یہ مشکل کام تھا لیکن اسے اچھا لگا۔ وہ دینار کو چند لڑکیوں کے پاس بٹھا آئی تھی جو اب دینار سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی تھیں۔ انہوں نے دینار کے لباس کی دل کھول کر تعریف کی اور اس کے حسن کی بھی۔ وہ دینار سے شکوہ کر رہی تھیں کہ وہ ان کے گھروں میں کیوں نہیں آتی اور یہ کہ دینار کی آواز بہت پیاری ہے' وہ انہیں کوئی گانا کیوں نہیں سناتی۔ وہ اب اسے یہ وعدہ دے رہی تھیں کہ وہ اس کے گھر آیا کریں گی۔ حدیثہ خالہ کچھ بھی کہیں وہ اسے اپنے ساتھ لے جایا کریں گی اور بہار میں دریا کنارے وہ سب مل کر بیٹھا کریں گی۔

دینار جس نے پیاری دنیا کی ساری آوازیں مہتابی کے دہن سے سنی تھیں۔ سارے نظارے مہتابی کی بینائی سے ہی کیے تھے۔ اب اپنی سماعتوں سے سب سننے اور محسوسات سے محسوس کرکے دیکھنے لگی تو خوشی سے دیوانی ہونے لگی۔

کسی ایک نے اس کے سر پر ریشمی جالی کا گھونگھٹ ڈال دیا۔ اسے کہا گیا کہ وہ دلہن کی سہیلی ہے اور دلہن کے پہلو میں بیٹھی ہے اپنے سر کو جھکا کر رکھے۔ سنتاپ والوں کی رسم ہے کہ دلہن کی سہیلی سے رسماً پوچھتے ہیں کہ کیا اسے یہ نکاح قبول ہے جیسا کہ سرپرست سے اجازت لی جاتی ہے۔ یہ رسم دلہن کے لیے آسانیاں اور خوشیاں لاتی ہے اور سہیلی کے لیے بھی۔

دینار ہر بات پر سر ہلاتی رہی۔ "ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ بنفشی کی خوشی کے لیے سب کچھ۔۔۔ ہاں میں ایسا ہی کروں گی۔"

جس وقت حدیثہ خانم دوسرے گاؤں میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑ لگانے ہی والی تھی اور مہتابی بڑے بڑے برتنوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر لذیذ کھانوں کو دیکھ رہی تھی کہ انہیں اب اور کتنا پکانا ہے اور ترسک گاؤں کے پہلو میں گرتی آبشار میں ایک سربلی چڑیا کا مردہ جسم پانی کے ساتھ بہہ کر چٹانوں سے ٹکرانے ہی والا تھا' ٹھیک اسی وقت دینار اپنے سر کو اثبات میں ہلا رہی تھی تاکہ اس کی سہیلی' گاؤں کی دلہن کا نصیب اچھا رہے۔ وہ اپنے پیارے شوہر شہپر کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارے۔

اسے لگا کہ آج یہ شادی کا دن ختم ہو جائے گا تو اس کی زندگی کی عید ختم ہو جائے گی۔ وہ کس قدر خوش تھی کہ دلہن کے گھر والوں نے اسے یہ اعزاز دیا کہ وہ دلہن کی سہیلی بن کر دلہا والوں کی رسم ادا کرے۔ اس کا دل اس خوشی سے اتنا لبالب ہو گیا کہ اس نے محسوس کیا کہ وہ اتنی ہی خوش رہے گی تو وہ اندھی بھی نہیں رہے گی۔ وہ جلد ہی دیکھنے لگے گی بلکہ اس نے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ گاؤں والوں کی اس محبت اور ایسے اعزاز نے اسے نور بخش دیا ہے۔ اسے نظر آ رہا ہے کہ کیسے دلہن توت فرنگی رنگ اوڑھے شرم سے اپنے گالوں کو سرخ کر رہی ہے۔ اس کی آنکھیں جھکی ہیں لیکن دراصل وہ اب ہی وا ہوئی ہیں۔ وہ دنیا میں کسی بھی منظر سے پہلے شہپر کو دیکھنا چاہیں گی اور بس اسے ہی۔۔۔ ٹھیک ہے وہ سب دیکھ رہی تھی۔ دلہن کی آبدیدہ آبدیدہ اور اتنی ہی زیادہ خوش ماں کو' بنفشی کی

ساری سہیلیوں کو جو اس کے چلے جانے کے خیال سے بس اب غم زدہ ہوئی ہی جاتی ہیں۔

گاؤں کے دوسرے بڑے بوڑھوں کو جو دیکھ رہے ہیں کہ ننھی بنفشی گل اب بنفشی خانم ہو گئی ہے۔ معتبر اور ہر حال میں قابل احترام۔ وہ سب دیکھ رہی تھی لیکن یہ نہیں کہ لڑکیوں اور عورتوں، مردوں اور بچوں کا جھرمٹ دراصل اس کے سر پر کھڑا ہے۔ نورو گل جو تمسخر سے ہنس رہی ہے اور کسی گل، مغفرت، ایدین، گلنار اور ظریف۔ جنہیں وہ اپنی سہیلیاں مانتی ہے۔

کریمہ اور زلفیہ خالہ جن کے وہ مہتابی کی طرح ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگانا چاہتی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھ پائی کہ قہوہ خانے کا مالک حاتم بھی ہے۔ جس کے لیے اس نے ایک بار دعائے صحت کی تھی اور یوسف، سلیمان، رائد اور بیرام بابا بھی جن کے بارے میں وہ یہ گمان نہیں رکھتی کہ وہ اس کے لیے کیسا خیال رکھتے ہیں۔

رکوع کے بل قیام کے لیے تیار مہتابی، دینار کی طرف بھاگی آئی۔ نکاح کے بعد اس کی بہو نے تمسخر سے ہنستے ہوئے مہتابی کو بتا دیا تھا اور یہ بھی کہ وہ صدمہ کے ہاتھوں اپنے انجام کے لیے تیار ہو جائے۔

"دینار! یہ تم نے کیا کیا؟ دینار۔" مہتابی نے ایسے غم سے، جو صبر سے کبھی آشنا نہیں ہو پاتے، سے مچلتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا بی بی؟" دینار نے جو ابھی بھی مسکرا رہی تھی، مہتابی کی آواز کی سمت دیکھنا چاہا۔ اسے لگا آج وہ پیاری مہتابی کی شکل ضرور دیکھ لے گی۔ وہ دیکھ لے گی کہ اس کی ماں سے زیادہ جس نے اس سے پیار کیا ہے وہ کیسی ہے۔ آج وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگائے گی۔ بار بار ایسا ہی کرے گی۔

"دینار!" مہتابی سسکنے لگی اور اس پر ایسے رعشہ طاری ہو گیا جیسے اس کے پیروں تلے کی زمین قائم نہ رہنے پر مائل ہو۔

"یہ کیا کیا تم نے ملعونوں۔۔۔ خدا تمہیں غارت کرنے میں دیر نہ کرے۔ یہ تم نے اس معصوم کے ساتھ کیا کیا۔"

دینار پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔ "بی بی کیا ہوا۔ کیا ہوا۔" وہ اٹھ کر مہتابی کی سمت جانے لگی۔

مہتابی ان تماش بینوں کے جھرمٹ میں رونے لگی۔ اس نے ماتمی انداز میں اپنے سر پر ہاتھ مارے۔

"دینار۔ میری بچی دینار۔ بنفشی کو ایک کبڑا بڈھا دولہا بیاہنے آیا تھا۔ انہوں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا۔"

مہتابی کے بے صبر غم کے اس جواب نے دینار کو ایسی کامل خاموشی سے ہمکنار کر دیا جو لمحوں میں بوڑھا کر دیتی ہے اور اتنے ہی لمحوں میں مردہ۔

دینار نے اپنے گھونگھٹ کو ہاتھ سے الٹا۔ "خالہ... مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔"

دینار کا جس کا اصل اندھے پن سے اب واسطہ پڑ چکا تھا کی اس بات سے کئی کھی کھی کرنے لگے کہ اندھی کہہ رہی کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

مہتابی نے نفرت سے سب کو باری باری دیکھا، اسی نفرت کا مستحق خود کو بھی پایا۔ اس نے ایک نابینا کو جو بینائی عطا کی تھی وہ حقیقی بینائی کے خلاف ایک کھلا تضاد تھی۔ اسے بتا دینا چاہیے تھا، وہ سب جو حقیقی تھا، بیرام، نورو، بنفشی اور گلنار، سلیمان اور یوسف، کریمہ اور زلفیہ، مویشیوں کے باڑوں سے لے کر چوپالوں تک، قہوہ خانے سے لے کر شہر جانے والے راستے تک، اس گاؤں سے اس گاؤں تک، وہ سب کے لیے قابل نفرین تھی۔

"تم خدا کے عذاب کے مستحق بنو گے۔ تمہاری توبہ تمہیں اس عذاب سے کبھی بری نہیں کر پائے گی۔ میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تمہیں بددعائیں دوں گی۔ تم ہمیشہ خدا کی ناراضی کے بوجھ تلے دفن رہو گے۔"

"خدا ہر بندے کو موقع دیتا ہے کہ وہ اپنا بدلہ لے لے۔" یوسف نے کہا۔

وہاں کھڑے ترسک والوں نے یوسف کی تائید کی۔

کسی نے سر ہلا کر، کسی نے آنکھوں کی چمک سے اور باقی سب نے اقرار سے نہ انکار سے۔ اور ان سب میں سب سے برے وہی تھے جو خاموش رہے، نہ مدد کی نہ مذمت۔ وہ اچھوں میں ہوئے نہ بروں میں۔

ترسک ایک ایسا گاؤں جس کے باسیوں کے چہروں پر خشکی کی تہیں جمی تھیں اور جن کی آنکھیں کینہ پروری سے آشنائی کے سبب اندر کو دھنسی تھیں۔

"خدا انسان نہیں ہے۔ وہ بدلے نہیں لیتا۔ وہ تمہاری طرح نہیں سوچتا۔ وہ ظلم کے موقعے نہیں دیتا۔" مہتابی چلا اٹھی۔

"بی بی مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ مہتابی۔" دینار اپنے ہاتھوں سے نہ جانے کیا کیا ٹٹولنے لگی۔

مہتابی نے مزید نفرت سے انہیں دیکھا اور پھر سے خود کو۔ اسے کیا ضرورت تھی کرید۔ کی منت کرنے کی کہ وہ دینار کو شادی میں آنے کی اجازت دے دے۔

"رخصتی کا تقاضا کیا جا رہا ہے جاؤ جا کر اس کی ماں کو خبر کرو۔" بیرام بابا نے کہا جبکہ بہشتی گل کے بابا نے طیش سے باہر کی سمت لپک کر دولہا کے باپ کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

"سنتاپ والو! اب یاد رکھنا دھوکے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ تم ایک کبڑا لے کر آئے تھے۔ ہم نے تمہیں آنکھوں کی اندھی تھما دی۔ جاؤ لے جاؤ اسے۔ اب اس بوجھ کو ساری عمر ڈھوتے رہو۔"

لڑتے لڑتے بات بہت دور نکل گئی، شام ڈھل گئی۔ گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں اور گلیوں میں دھول اڑاتا حدیثہ کا گھوڑا گزرتا چلا گیا، مہتابی غم سے بے حال حدیثہ کے پیچھے بھاگی۔

کبڑے دولہا کے باپ کو ایک اندھی لڑکی جو ایک امیر بیوہ کی بیٹی تھی کو قبول کرنے میں تامل نہ ہوا۔ اسے غصہ تھا تو بس اتنا کہ ترسک گاؤں کے مجمعے میں اس کا گریبان پکڑا گیا اور اس کے قابل احترام بیٹے کو کئی ایسے ناموں سے پکارا گیا جو کسی صورت ادائیگی کے لیے مناسب نہیں۔

ایک ایسی بارات جس میں دلہن بھی موجود تھی اور ایک ایسا مجمع جس میں کوئی خیر خواہ موجود نہ تھا، لے کر وہ سرکنڈوں سے گھرے گھر کی طرف آئے جس کی دیواروں پر کہیں سے بھی کسی بھی چراغ کی روشنی نہیں پڑ رہی تھی، نہ ترچھی نہ سیدھی۔

"مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ مہتابی میری روشنی۔ میرا نور۔" دینار وقفے وقفے سے بڑبڑا رہی تھی۔ اور اپنے گھر جہاں اس کی ماں اندھیرا لیے بیٹھی تھی اور جس کی نشست کے پاس نیچے مہتابی بیٹھی اپنے آنسو بہا رہی تھی کی دہلیز پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ماں۔" اس نے اتنا کہا اور رونے لگی۔

حدیثہ کے کپکپاتے ہاتھ سب نے دیکھے اور پھر اس نے گھونگھٹ کو ذرا سا الٹا۔ دینار کے کان کے پاس سفید بالوں کی ایک تازہ کائی جمی تھی جو زیادہ پرانی نہیں تھی بس یہی شام بڑھے سے شام ڈھلے کے کہیں درمیان وہاں کند ہو گئی تھی۔

"میں نے کہا تھا دینار۔ اب بھی تو نابینا ہوئی ہو۔ پہلے تم نے نابینا بنے رہنے پر اکتفا کیوں نہ کیا؟"

سنہری بال تیزی سے سفیدے کی لپیٹ میں آنے لگے۔

"جاؤ اپنے دولہا کے ساتھ۔ مہتابی دروازہ بند کر لو۔"

اور پھر۔

دینار خچر پر بیٹھی اپنے دولہا کے برابر سفر کرتی "کتنا اندھیرا ہے۔ مجھ۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ مہتابی۔ ماں۔" بڑبڑاتی جا رہی ہے۔ اور مہتابی حدیثہ سے کئی بار پوچھ چکی ہے کیا وہ چراغ روشن کر دے جبکہ وہ مسلسل ایک ہی جواب پا رہی ہے۔

"نہیں! اب روشنی سے کسے سروکار ہے۔" اور گاؤں سے گاہے بگاہے بندوقیں پہاڑوں کے رخ بلند کی جا رہی ہیں۔

"سب تعریفیں خدائے بزرگ و برتر کے نام"

For More Visit
Paksociety.com

مہناز یوسف

ہر کسی کو اپنے خوابوں کے شہزادے کے بارے میں سوچنے کا حق ہوتا ہے' سو میں یعنی ایمن خلیل بھی خواب دیکھ رہی تھی اور مسلسل کئی سالوں سے دیکھے جا رہی تھی تعبیر جانے کب ملنی تھی۔ فی الحال تو خوابوں خیالوں پر ہی گزر بسر ہو رہی تھی۔

''کچھ عرصے پہلے کی بات ہے۔ ملک پاکستان میں ایک شہزادی رہتی تھی۔ اس کا نام ایمن تھا۔'' میں نے کہانی شروع ہی کی تھی کہ فراز نے مجھے ٹوک دیا۔

''کچھ عرصہ' مطلب کتنے عرصے پہلے کی بات ہے۔''

''یہی کوئی سولہ' سترہ سال پہلے۔'' میرے کہتے ہی فراز اور نازیہ دونوں نے اپنی آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے مجھے دیکھا۔

''چلو' ایک دو سال اور اوپر کر لو۔'' میں نے شان بے نیازی سے کہا۔

''حد ہوتی ہے' بھئی جھوٹ کی۔'' نازیہ بولی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا میں کوئی 50 سال کی ہوں کیا؟'' میں ناراض ہوئی۔

''چھوڑو اس بات کو تم کہانی سناؤ۔'' فراز نے کہا پھر نازیہ کی طرف مڑ کر بولا۔

''بھئی' لڑکیوں پر چار پانچ سال کی ڈنڈی مارنا تو چلتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے دوبارہ کہانی شروع کی''

سلطنت پاکستان کی شہزادی ایمن بہت پیاری تھی۔ اس کی معصوم شرارتیں سب کو اپنا گرویدہ کر لیتی تھیں۔"

"گرویدہ کرلیتیں؟ یا سب کو پاگل کر دیتی تھیں توبہ ہے۔ کتنی بدتمیز تھی بچپن میں۔" نازیہ نے ہولے سے فراز کے کان میں سرگوشی کی۔

"اب تو جیسے بہت تمیز والی ہے۔" فراز نے سرگوشی کا جواب سرگوشی سے دیا۔

"دوران محفل کھسر پھسر کرنا آداب محفل کے خلاف ہے۔" میں نے ان دونوں بہن بھائی کو تنبیہہ کی۔

"گستاخی معاف ایمن شہزادی۔" فراز نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تو میں نے کہانی کے سلسلے کو دوبارہ شروع کیا۔ "جب ایمن شہزادی بڑی ہوئی تو دوسری سلطنت کا شہزادہ، شہزادہ گل فام بہت خوب صورت، بہت پیارا اس شہزادی کی سلطنت میں آیا وہ پیاری شہزادی، شہزادہ گل فام کے دل کو بھا گئی اور اس نے سوچا کہ اب چاہے ماں روٹھے یا باوا مجھے تو بس شہزادی ایمن سے ہی شادی کرنی ہے۔"

"بات سنو ایمن، میرا خیال ہے کہ اس شہزادے کو آنکھوں کے ٹیسٹ کی اشد ضرورت ہے۔" فراز نے بیچ میں پنگا کرنا ضروری خیال کیا۔

"اور میرا خیال ہے کہ شہزادے گل فام کے دماغ کو ٹیسٹ کی ضرورت ہے۔" نازیہ نے بھی اظہار خیال کرنا ضروری سمجھا۔

"اور میرا خیال ہے کہ تم دونوں کو اب ایک ایک خوراک کی ضرورت ہے۔" میں نے باری باری دونوں کو کشن کھینچ کر مارے اور ناراضی کے اظہار کے طور پر دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔

"یا اللہ ایمن شہزادی کو کوئی پیارا سا شہزادہ بیاہنے آجائے۔" فراز نے مجھے منانے کی خاطر جلدی سے میری پسندیدہ دعا کی اور نازیہ نے زور سے آمین کہا جبکہ میں نے دل میں آمین کہا اور مسکرا دی۔

یوں لگتا تھا کہ اللہ نے میرے دونوں تایا زاد دوستوں کی دعا سن لی تھی کیونکہ آثار بتا رہے تھے کہ ابو کی خالہ زاد بہن یعنی فاخرہ پھپھو اپنے اکلوتے لاڈلے سپوت کے رشتے کے سلسلے میں تشریف لا رہی ہیں۔ کیونکہ ایک ہمارا ہی گھر ایسا تھا جس میں ماشاء اللہ کنواری لڑکیوں کی بہتات تھی اک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں کا محاورہ ہمارے گھر پر صادق آتا تھا۔

زلیخا چچی نے اپنے پورشن میں نئے پردے لگائے تھے اور ان کی دونوں صاحبزادیاں نمرہ اور ثانیہ اپنے چہروں پر نئے سرے سے محنت کر رہی تھیں گو کہ محنت کی ضرورت تو نہ تھی کہ ویسے ہی اللہ کا کرم تھا ان پر لیکن آج کل بیوٹی پارلر کے چکر زیادہ ہی لگ رہے تھے۔ نصرت تائی امی بھی اپنی اکلوتی کرن کو لیے اکثر کچن میں نئی نئی ڈشز سکھاتی نظر آتیں۔ رہ گئیں کنیز تائی امی (فرزانہ اور نازیہ کی امی) اور سلمٰی خلیل (یعنی میری والدہ ماجدہ) ان دونوں کو تو زمانے سے سروکار ہی نہ تھا کہ ان دونوں والداؤں کا خیال تھا کہ جب اللہ کو منظور ہوگا لڑکیوں کی شادی تب ہی ہوگی اور نازیہ اپنی امی کی بات سے سو فیصد متفق تھی گو کہ میں بھی اپنی امی کے اس خیال سے متفق تھی مگر اسی فیصد۔ میں تقدیر کے ساتھ تدبیر کو بھی لازمی سمجھتی تھی۔ میری امی کو خبر ہی نہ تھی کہ ان کی دیورانی، جٹھانی کس طرح اپنی بیٹیوں کے راستے آسان کرنے کے گر آزما رہی تھیں۔

"امی! گھر پر رنگ کروالیتے ہیں کیا خیال ہے۔" میں نے امی کو مشورہ دیا۔

"کیوں بھئی گھر کا رنگ صحیح تو ہے پچھلے سال تو کروایا ہے۔" امی کو اچنبھا ہوا۔

"اوہو امی! گھر گندا لگ رہا ہے۔"

"اچھی طرح صفائی کرو گی تو صاف ہو جائے گا۔" امی کی طرف سے مسئلے کا حل پیش ہوا۔

"اف" میں جل ہی تو گئی امی کی سادگی پر "انہیں تو میری پرواہ ہی نہیں۔"

پھر بھی دو چکر تو بیوٹی پارلر کے میں نے بھی لگا ہی لیے۔ نمرہ، ثانیہ اور کرن کی ٹکر پر تو خیر میں نہیں آسکتی

تھی، پھر بھی میرے دل کو تسلی ہو ہی گئی۔

"تم کس خوشی میں اپنے چہرے پر اتنے پیسے ضائع کر رہی ہو۔" نازیہ سے تو میں کچھ نہیں چھپا سکتی تھی سوائے فیشل کرانے کا بتا دیا تھا۔

"کیوں جب سب کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں۔" نازیہ کا اعتراض مجھے پسند نہ آیا۔

"تم بھی لائن میں لگی ہو کیا؟" نازیہ کو حیرت ہوئی۔

"ہاں تو میں کیوں نہیں؟ میں لڑکی نہیں ہوں کیا؟"

"جناب فاخرہ پھپھو کے صاحبزادے نوفل ہائی اسٹینڈرڈ ہیں۔" فراز بھی بیچ میں ٹپکا۔

"میرا کیا لو اسٹینڈرڈ ہے؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو، مطلب کیا ہے تمہارا؟" میں فراز پر چڑھ دوڑی۔

"انسان کو خواہش بھی اپنا اسٹینڈرڈ دیکھ کر کرنی چاہیے۔"

"انسان کو ناں۔" نازیہ نے فراز کے کان میں سرگوشی کی۔

"کیوں بھئی مجھ میں کیا کمی ہے، یہی ناں کہ میں تھوڑی سی کم گوری ہوں، تھوڑی سی کم پتلی ہوں اور تھوڑی سی کم خوب صورت ہوں، بس۔"

"بس۔" فراز اور نازیہ بیک وقت بولے۔

"میری بات غور سے سنو۔ جس طرح ناولوں میں ہیرو ہیروئن کے گھر آتا ہے تو ڈھیر ساری حسین و جمیل دوشیزاؤں میں سے صرف اور صرف ہیروئن کا انتخاب کرتا ہے۔"

"کیونکہ وہ ہیروئن ہوتی ہے۔" نازیہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بولی۔

"اور خوب صورت بھی۔" فراز اپنے نادر خیالات کا اظہار نہ کرے یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

"جی نہیں ہر کہانی کی ہیروئن بہت زیادہ خوب صورت نہیں ہوتی۔"

میں تڑپ کر بولی کہ چن چن کر ایسی رومانٹک کہانیاں بار بار پڑھتی تھی جس کی ہیروئن کو چندے آفتاب چندے ماہتاب نہیں بتایا جاتا تھا اور تصور میں اس ہیروئن کی جگہ میں اپنے آپ کو ہی محسوس کرتی تھی۔

"کسی کہانی کی ہیروئن کم خوب صورت ہوتی ہے اور اس کی کزنز زیادہ خوب صورت، لیکن ہیرو تمام خوب صورت لڑکیوں کو چھوڑ کر اس کم خوب صورت ہیروئن کا ہی انتخاب کرتا ہے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ نوفل بھی تمہاری تینوں کزنز کو چھوڑ کر تمہیں منتخب کرے گا۔" فراز نے پوچھا۔

"اگر تم لوگ چاہو تو۔" میں نے ان دونوں بہن بھائی پر امید بھری نظریں ڈالیں۔

"کیا مطلب؟"

"اگر تم دونوں نوفل اور نوفل کی امی کے سامنے میری خوب تعریف کرو، میری اچھائیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرو تو۔" میں اتنا ہی بول پائی کہ حسب عادت فراز نے بیچ میں ٹانگ اڑائی۔

"تم میں اچھائیاں بھی ہیں کیا؟"

"ہاں ہیں ناں۔ میں خوش مزاج، ملنسار، تمیزدار، صاف دل اور مخلص لڑکی ہوں۔" میں نے خوشی خوشی اپنی خوبیاں بیان کیں۔

"اس سب میں سچ کہاں ہے۔" نازیہ نے پوچھا۔

"وہ صاف دل کی لڑکی وہ صحیح نہیں ہے کیا۔" میں نے نازیہ کو یاد دلانا چاہا۔

"ہیں یہ سچ ہے کیا۔" نازیہ کی حیرانگی قابل رشک تھی۔

"ہو سکتا ہے سچ ہو، ہمیں کیا پتا اب دل دکھائی تو دیتا نہیں ہے۔" فراز بھی کچھ کچھ کنفیوژن کا شکار دکھائی دیتا تھا۔

"بالکل سچ ہے۔" میں نے ان دونوں کو یقین دلانا چاہا "اور تھوڑی بہت مبالغہ آرائی تو چلتی ہے۔ مبالغہ آرائی سے تو ناولز اور افسانوں کی شان بڑھتی ہے۔"

"اس تھوڑی بہت میں تھوڑی کہیں نہیں ہے صرف "بہت ہی بہت" ہے اور ہر وقت افسانوں اور ناولز کی دنیا میں نہ رہا کرو یہ اصلی زندگی ہے کوئی کہانی نہیں۔" فراز بولا۔

"شکر کرو اصل زندگی ہے۔ اگر کہانی ہوتی تو میں یہ

بھی نہ دیکھتی کہ تم اس چندی مندی آنکھوں والی فاریہ کو پسند کرتے ہو۔ میں تو بڑی سیاست سے کوئی چال چلتی اور فاریہ سے تمہارا چکر ختم کروا کے تم سے ہی شادی کر لیتی۔"

"پڑ گیا مجھے دل کا دورہ' ارے کوئی بچائے مجھے۔" فراز اپنا دل پکڑے شدید صدمے کے زیر اثر دکھائی دے رہا تھا۔

"تم سے شادی کا سن کر بے چارے نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ تم نے فاریہ کو چندی آنکھوں والی کہا ہے۔" نازیہ نے گویا فراز کو یاد دہانی کرانی چاہی تو فراز ایک دم الرٹ ہو گیا۔

"کیا! میری فاریہ کی جھیل سی آنکھوں کو تم نے کیا کہا؟ بولو بولو۔" فراز کے تیور خطرناک ہو گئے۔

"سوری! تمہاری فاریہ کی جھیل سی آنکھوں کو غلطی سے چندی آنکھیں بول دیا معاف کر دو۔" میں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔

"جاؤ معاف کیا۔" فراز نے اعلا ظرفی کا مظاہرہ کیا لیکن اگر آئندہ میری فاریہ کی شان میں گستاخی کی تو اچھا نہ ہو گا۔" فراز ملنگوں کے انداز میں بولا۔

"اچھا بھئی نہیں کروں گی گستاخی۔" میں تنگ آ کر بولی۔ "غلطی ہو گئی مجھ سے جو تم دونوں سے مدد مانگنے آ گئی۔ میں اکیلی ہی سب سنبھال لوں گی۔" میں غصے میں وہاں سے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ جو کرنا ہے اکیلے ہی کرنا ہے کہ میری امی' فراز اور نازیہ تو اپنے ہوئے بیگانے کی عملی تفسیر بنے بیٹھے ہیں۔ فاخرہ پھپھو اور نوفل سب سے پہلے بڑی تائی امی کے پورشن گئے تو تقریباً" سب ہی باری باری تائی امی کی طرف' فاخرہ پھپھو سے ملنے اور اپنی طرف آنے کی دعوت دینے گئے تو میں بھی حتی المقدور تیار ہو کر امی کے ساتھ ہو گئی کہ نوفل اور پھپھو پر اچھا امپریشن بھی ڈالنا تھا۔ پر وہاں جا کر وہاں پہ [illegible] نوادر ثانیہ کو دیکھ کر اپنی ناؤ ڈوبتی محسوس ہوئی۔

وہ دونوں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں' پر میں نے بھی ہمت نہ ہاری کہ آخر میں ہیروئن تھی اور ہیرو ہمیشہ ہیروئن کا ہی بنتا ہے۔ خواہ ہزاروں خوب صورت لڑکیاں اس کے آگے پیچھے موجود ہوں۔ "اور میں کسی سے کم ہوں کیا؟ بس تھوڑی سی کم گوری' تھوڑی سی کم دبلی اور تھوڑی سی کم خوب صورت ہوں۔" میں نے اپنے آپ کو تسلی دی اور ایک ترچھی نظر نوفل پر ڈالی۔ اف بالکل کسی ناول کے ہیرو کی طرح ڈیشنگ اسمارٹ۔ لیکن وہ بیچارہ مجھے تین لڑکیوں کے درمیان سینڈوچ بنا محسوس ہوا۔

"فکر نہ کرو نوفل! میں تمہاری ان تینوں سے جلد ہی جان چھڑا دوں گی۔" میں نے دل میں نوفل سے وعدہ کیا اور خود سے پکا عہد کیا۔ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے یہ بازی جیتنی ہی ہے مجھے۔ اپنے آپ کو ہیروئن سمجھنا ہی نہیں بلکہ ہیروئن بن کر اپنے ہیرو کو پانا ہے۔

"السلام علیکم پھپھو۔" بڑے ادب سے میں نے فاخرہ پھپھو کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" پھپھو نے بڑے پیار سے جواب دے کر سر پر ہاتھ پھیرا' اس کے بعد تعارف کا مرحلہ آیا سو بڑی ادائے نگاہوں سے نوفل کو بھی ویلکم کیا۔

"ہماری طرف بھی ضرور آنا فاخرہ! ایسا کرو کل شام کا کھانا ہماری طرف کھاؤ۔" امی نے پھپھو کو دعوت دی۔

"کل دوپہر اور شام تو زلیخا اور نصرت نے دعوت کر دی ہے' بلکہ رات رکنے کا بھی کہا ہے میں پرسوں تمہاری طرف آؤں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" امی فوراً" راضی ہو گئیں تو مجھے بہت غصہ آیا اپنی امی کی سادگی پر کہ ایک چچی اور تائی تھیں جو کہ اپنی بیٹیوں کے رشتے کرانے کے چکر میں پھپھو اور نوفل کے واری صدقے جا رہی تھیں اور ایک یہ میری سادہ دل ماں تھیں۔

"پھپھو کل تو آپ کو ہماری طرف ضرور آنا ہو گا۔ دوپہر کو نہیں تو شام کو۔ پر آیئے گا ضرور۔" میں نے

پیار سے پھپھو سے اصرار کیا۔

"اچھا بھئی۔ میری بیٹی اتنا اصرار کر رہی ہے تو آنا تو پڑے گا۔" پھپھو نے پیار سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں تو گویا ہواؤں میں اڑنے لگی۔ میں نے ایک فخریہ نظر نمرہ اور ثانیہ پر ڈالی پر وہ دونوں لاپرواہ نظر آئیں گویا انہیں مجھ سے رتی برابر بھی خطرہ نہ تھا' یہ تو سراسر میری بے عزتی ہے۔ کہانیوں میں تو ہیروئن کی کزنز ہیروئن سے ڈرتی ہیں ہیروئن کو آگے پیچھے کرنے اور ہیروئن کا امپریشن ہیرو کی نظر میں خراب کرنے کے چکر میں لگی رہتی ہیں اور یہاں تو مجھ سے نہ تو کزنز کو کوئی مسئلہ ہے اور نہ ہی ان کی اماؤں کو۔

"اونہہ!" میں نے جل کر دل میں سوچا اور ایک نظر اپنی سادہ دل ماں پر ڈالی وہ اب پھپھو سے جانے کی اجازت طلب کر رہی تھیں۔

"امی کو اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو نوفل نے مجھے صحیح سے دیکھا بھی نہیں ہے اور یہ تائی' چچی اور ان کی بیٹیاں ہم سے پہلے کی آئی بیٹھی ہیں اب بھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا' کل کا دن بھی اپنے گھر بک کروا لیا ہے اور ایک یہ میری امی۔" میں نے اپنی جلتی کڑھتی سوچوں پر بریک لگائی اور پھپھو اور نوفل کو اللہ حافظ کہا کیونکہ امی جانے کے لیے آگے بڑھ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن شام کا کھانا فاخرہ پھپھو اور نوفل نے ہماری طرف کھایا اور پھپھو نے تو میرے ہاتھ کے ذائقے کو بہت سراہا' نوفل نے بھی مسکرا کر کھانے کی تعریف کی۔ مجھے لگا کہ فاخرہ پھپھو جلدی سے میری مداح ہو جائیں گی' سو میں نے فاخرہ پھپھو کو اپنی عادات اور اخلاق سے اپنانے کا بیڑا اٹھایا کہ اگر ماں قابو میں آجائے تو بیٹا خود بخود میرا بن جائے گا اور پھپھو مجھ سے کافی متاثر لگ رہی تھیں کیونکہ وہ کرید کرید کر مجھ سے ایسی باتیں کر رہی تھیں جیسی کہ ایک ساس اپنی ہونے والی بہو سے کرتی ہے۔ مثلاً" میری تعلیم' کھانے پکانے وغیرہ کے بارے میں' تعلیم کا جواب تو میں گول کر گئی ہاں کھانے پکانے والے سوال کا جواب ضروری تھا۔

"پھپھو! کھانے تو میں سارے ہی بہت اچھے بناتی ہوں اور نئی نئی ڈشز بھی ضرور ٹرائی کرتی ہوں۔" ابھی میں نے اپنی تعریف شروع ہی کی تھی کہ امی بول پڑیں۔

"ہاں ہاں کھانے تو ماشاء اللہ ہر طرح کے بناتی ہے اور بہت اچھے بناتی ہے مگر برتن دھونے کی بہت آلکسی ہے اسے' صبح کے برتن دوپہر کو دھوتی ہے اور دوپہر کے رات کو۔"

اف میری امی' ان کو بھی ہر بات سچ بولنے کی عادت ہے' کچھ سوچتی ہی نہیں' لگتا ہے امی میری محنت پر پانی پھیر کر ہی رہیں گی۔

"ان شاء اللہ سسرال ایسا ملے گا کہ جہاں ماسیاں ہوں گی کام کے لیے' زیادہ کام ہی نہیں کرنا پڑے گا۔"

فاخرہ پھپھو نے لگاوٹ سے کہا تو میرے تو دل کی کلی کھل گئی میں جانتی تھی کہ فاخرہ پھپھو کے گھر میں دو دو تین تین ماسیاں کام کرتی تھیں مجھے یقین تھا کہ فاخرہ پھپھو کو میں پسند آگئی ہوں۔ اگر پھپھو کو میں پسند ہوں تو سمجھو کام بن ہی گیا۔ اگر فاخرہ پھپھو کے سامنے میں نے نوفل سے زیادہ بات چیت کی تو پھپھو مجھے زیادہ ایڈوانس سمجھ کے رد نہ کردیں تو نوفل کو میری خوبیوں سے آگاہ کرنے کے لیے میں نے نازیہ کا انتخاب کیا کہ کل فاخرہ پھپھو کو نازیہ کی طرف جانا تھا۔

"دیکھو اچھی طرح نوفل کے سامنے میری خوبیاں بیان کرنا۔" میں نے نازیہ کو کال کی۔

"مطلب لمبی لمبی چھوڑنی ہے۔" نازیہ یوں بولی جیسے ساری بات سمجھ گئی۔

"جو بھی سمجھو۔" میں نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔

دوسرے دن نازیہ کے پورشن میں گئی تو میرے بولنے سے پہلے ہی وہ شروع ہو گئی۔

"دبھئی' تمہارا کام تو ہو گیا۔ میں نے تمہاری وہ وہ خوبیاں نوفل کے سامنے بیان کی ہیں ناں کہ تم مر کر بھی

دوبارہ پیدا ہو جاؤ تو بھی وہ کوالٹیز تم میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔" نازیہ کی بات پر غصہ تو بہت آیا لیکن فی الحال اس پر غصہ نہیں کر سکتی تھی۔

"شکریہ بہت بہت۔ یہ بتاؤ نوفل کیا بولا، تمہیں کیا لگتا ہے کہ یہاں میرا رشتہ ہو جائے گا یا ابھی مجھے مزید کچھ عرصے شادی کے خواب دیکھنے ہوں گے؟"

"بھئی رشتہ ہونے یا نہ ہونے کا تو نہیں معلوم۔ ویسے نوفل کہہ رہا تھا کہ ایمن بہت اچھی ہے۔"

"ہیں سچ!" میں تو ہواؤں میں اڑنے لگی۔

"ویسے مجھے واقعی لگتا ہے کہ اب تمہاری شادی ہو جائے گی، کیونکہ ہمارے گھر بھی فاخرہ پھپھو تمہاری بہت تعریف کر رہی تھیں۔ حیرت ہے۔" نازیہ کہہ رہی تھی اور مجھے لگا کہ خوشی کے مارے میں بے ہوش ہی نہ ہو جاؤں۔

"ویسے تم کہاں سے قابل تعریف ہو۔ لیکن خیر، اللہ کرے تم فاخرہ پھپھو کو پسند آ ہی جاؤ، اچھا ہے تمہاری فالتو باتوں سے جان چھوٹے گی۔ شادی کا شوق بھی بہت ہے تمہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ اب بھی شوق نہیں ہو گا۔ پورے بائیس سال کی ہو گئی ہوں میں۔"

منہ سے بے اختیار ہی سچ نکل گیا۔ نازیہ ہنسنے لگی تو میں نے جلدی سے اللہ حافظ کہا اور اپنے گھر کی طرف رخ کیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن پھر نازیہ سے ملنے اور معلومات لینے گئی تو دیکھا نازیہ اور فراز کے ساتھ نوفل لان میں بیٹھے ہیں، میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ویسے تو چوبیس گھنٹے ہی میرا دل دھڑکتا ہے، لیکن اس وقت جو دل کی رفتار تھی وہ ہوائی جہاز کی رفتار سے بھی تیز تھی اور جو دل کے دھڑکنے کی آواز تھی وہ ریل گاڑی کی آواز سے مشابہ تھی۔ چھکا چھک، دھڑا دھک، چھکا چھک، دھڑا دھک۔ کیا کروں بلم پردیسی اچانک ہی سامنے دکھائی دے گئے۔ میں اپنے آنچل کا پلو پرانی ہیروئنوں کی طرح انگلی میں لپیٹنے لگی۔ لیکن پھر سوچا کہ کہیں نوفل مجھے زیادہ ہی پرانی نہ سمجھ لیں۔ سو انگلی سے دوپٹہ چھڑا لیا لیکن دوپٹہ سے بہت طریقے سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا کہ کہیں نوفل مجھے زیادہ "نئی" نہ سمجھ لیں۔ بہت ہمت کر کے قدم آگے بڑھائے۔

"آؤ بھئی ایمن! کیسی ہو؟" نوفل نے مجھے دیکھ کر بے تحاشا خوشی کا مظاہرہ کیا تو میرا دل چاہا کہ میں بھی نوفل کے سامنے اپنی بے تحاشا خوشی کا مظاہرہ کر دوں لیکن فی الحال احتیاط لازمی تھی۔

"بس ایسی ویسی ہی ہیں۔" فراز منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تو میں نے آنکھوں سے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ موقع کی نزاکت کا خیال کرو۔

"بہت اچھی ہے ایمن! آپ غور سے دیکھیں تو سہی۔" نازیہ میری مدد کے لیے میدان میں کود پڑی۔

"جی، کیا مطلب آپ کا۔" نوفل نے قدرے حیرت سے نازیہ کو دیکھا۔

"مم، مم میرا مطلب ہے۔" نازیہ ہکلانے لگی اور میرا دل چاہا قریب رکھا گملا اس کے سر پر اٹھا کے ماردوں، میری فوج کے سپاہی بھی بزدل تھے۔

"نازیہ کا مطلب ہے کہ ایمن بہت اچھی انسان ہیں۔" فراز نے نازیہ کی ادھوری بات مکمل کی۔

"ہاں یہ تو مجھے معلوم ہے۔" نوفل کہہ کر میری طرف متوجہ ہوا۔ "امی تو بہت تعریف کر رہی تھیں آپ کی، امی کو آپ بہت اچھی لگی ہیں۔" نوفل نے مجھ سے میری ہی تعریف کی تو دل چاہا اپنے پورے بتیس دانت نکال کر زور سے ہنسوں نہیں تو نوفل کی تعریف پر لڈی ڈالنا تو بنتا تھا، پر میں نے اپنے آپ سے کہا۔ "کنٹرول ایمن کنٹرول۔" سو صرف دھیمے سے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"پھپھو خود بہت اچھی ہیں اسی لیے انہیں میں اچھی لگی۔ ورنہ میں اس قابل کہاں۔"

"ہاں واقعی تم اس قابل کہاں، بلکہ تم کسی بھی قابل کہاں۔" فراز نے میری طرف جھک کر دھیرے سے کہا تو میں نے سینڈل کی ہیل سے فراز کے پاؤں پر زور

سے کک ماری وہ بیچارہ فوراً کرسی سے کھڑا ہو گیا۔
"کیا ہوا فراز! کھڑے کیوں ہو گئے؟" نوفل نے پوچھا۔
"کچھ نہیں' وہ بیٹھے بیٹھے پاؤں سن ہو گیا تھا۔" فراز دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔
"اور ایمن کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے آپ نے۔" نوفل کے سوال پر میرا دل بیٹھنے لگا اب ایم بی اے میں پوزیشن لیے ہوئے بندے کو کیا بتاؤں کہ صرف بارہ کلاسیں پڑھی ہیں وہ بھی سپلیاں دے دے کر پڑھنے میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ کتاب دیکھتے ہی چکر آنے لگتے تھے رو دھو کر بارہ کلاسیں ہی پڑھ پائی۔ میں تو میٹرک کے بعد ہی گھر میں بیٹھ کر پیا جی کے سہانے خواب دیکھنا چاہتی تھی لیکن کہانیوں میں کالج اور یونیورسٹیز کے قصے پڑھ پڑھ کر کالج تک گئی تاکہ آگے جا کر میاں جی سے یہ نہ سننا پڑے کہ کبھی اسکول کالج کا منہ نہیں دیکھا۔ اب نوفل کے اس سوال کا کیا جواب دوں۔
"نوفل! سکندر انکل اور ایاز انکل کیسے ہیں۔" گو کہ ابھی ابھی میں نے فراز کے پاؤں کا کچومر بنایا تھا پھر بھی وہ بیچارہ حق دوستی نبھاتے ہوئے بات بدل کر مجھے جواب دینے سے بچا گیا۔
"ہاں پاپا اور تایا ابو ٹھیک ہیں۔" نوفل نے جواب دیا اور کچھ دیر بعد اجازت لے کر چلا گیا وہ بہت دیر سے شاید یہاں آیا ہوا تھا۔
"ایمن! میرا خیال ہے کہ تم نوفل کے سامنے کم ہی آؤ تو بہتر ہے کیونکہ اس طرح تمہاری خوبیوں سے زیادہ تمہاری خامیاں نوفل کے علم میں آنے کا امکان زیادہ ہے۔" نوفل کے جانے کے بعد نازیہ نے کہا اس کا اشارہ نوفل کے تعلیم والے سوال پر تھا۔
"اور مجھے لگتا ہے کہ اگر نوفل نے تمہیں زیادہ غور سے دیکھ لیا تو فاخرہ پھپھو کے کہنے پر بھی وہ ہرگز ہرگز تم سے شادی نہیں کرے گا بلکہ تم سے شادی کرنے سے زیادہ مناسب اسے خودکشی کرنا لگے گا۔" فراز اب گھاس پر بیٹھ کر اپنے سوجے ہوئے پاؤں کو سہلا رہا تھا۔
"تم جیسے دوستوں کے بارے میں کسی نے کہا ہے کہ تم جیسے دوست جس کے ہوں اس کی دشمنوں کی کمی خود بخود پوری ہو جاتی ہے۔" میں نے خفگی سے کہا۔
"ہیں یہ کس نے کہا ہے مجھے بتاؤ میں لات مار کے اس کا منہ توڑ دوں گا۔" فراز غصے میں ایک پاؤں سے لنگڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔
"پہلے اپنی لات تو ٹھیک کر لو۔" میں نے طنز کیا۔
"اپنے گینڈے جیسے پیر سے میرا معصوم سا پاؤں چل دیا۔"
"میرا خیال ہے کہ جب تک نوفل یہاں ہے تم سلیمانی ٹوپی پہن کر غائب ہو جاؤ ہم تمہاری تعریفیں کر کر کے اسے سہانے سپنے دکھاتے رہیں گے اور جب نوفل کی تم سے شادی ہو جائے اس کے بعد تم جادوئی ٹوپی سر سے اتار کر بیوہ ہو جانا۔" نازیہ نے کہا۔
"ہیں کیا مطلب؟" میں جو بہت غور سے نازیہ کی بات سن رہی تھی اس کے آخری جملے پر حیران ہوئی۔
"بھئی سہانے خوابوں کی ایسی بھیانک تعبیر دیکھ کر نوفل کو ہارٹ اٹیک ہونا تو بنتا ہے ناں۔ تو ہو گئیں ناں تم بیوہ۔" نازیہ کی بات کی فراز نے تشریح کی۔
"کیسی منحوس باتیں کر رہے ہو میری مدد کرو۔"
"ہاں تو کر رہے ہیں مدد' اور کتنی مدد کریں۔ تمہارے بارے میں جھوٹ بول بول کر سارے اگلے پچھلے ثواب گناہ بن گئے ہوں گے۔"
"ویسے تو تم بڑے مولوی بشیر الدین ہو۔ ذرا اپنی یادداشت پر زور ڈالو کبھی کوئی ثواب کا کام بھی کیا ہے تم نے۔" میں نے فراز سے پوچھا۔
"ہاں کیا ہے۔" جواب فوری آیا۔
"کون سا؟"
"پچھلی عید پر میں نماز پڑھنے گیا تھا۔" فراز نے فخریہ کہا۔
"اوہ پچھلی عید پر' میں تو سمجھی تم اس عید پر بھی گئے تھے۔" میں نے غصے اور افسوس سے کہا تو وہ نظریں چرا

کر دوبارہ اپنے تکلیف دیتے پاؤں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

٭ ٭ ٭

"سلمیٰ! بس آج سے ایمن میری بیٹی ہوئی۔" فاخرہ پھپھو کی بات سن کر میں ڈرائنگ روم کے باہر ہی خاموشی سے کھڑی ہو گئی جملہ ایسا تھا کہ دل میں خوش گمانیاں پیدا ہونے لگیں۔

"ویسے تو ایمن تمہاری ہی بیٹی ہے۔ لیکن سوچنے کا موقع بھی تو چاہیے ہمیں' شادی بیاہ کا معاملہ ہے سوچ سمجھ کر ہی جواب دینا ہو گا۔" امی کے جواب پر میرے دل میں انگارے سلگ اٹھے "لو بتاؤ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے اس ہی دن کے لیے تو اتنے پاپڑ بیلے تھے میں نے۔"

"بھئی جتنا دل چاہے سوچ لو پر جواب مجھے ہاں میں ہی چاہیے' ایمن کو دلہن بنا کر میں ہی لے کر جاؤں گی انکار نہیں کرنا مجھے۔"

"ان شاء اللہ تمہارے لائے ہوئے رشتے پر انکار کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" امی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

فاخرہ پھپھو کے جانے کے بعد میں خوشی خوشی اپنے کمرے میں آ گئی۔ موبائل اٹھا کر سب سے پہلے نازیہ کا نمبر ملایا کہ جب تک یہ خوشی نازیہ کو سنا نہ لیتی سکون نہ ملتا۔

"نازیہ! میں آج بہت خوش ہوں میرے دل کی تمنا آج پوری ہو گئی۔ میرے من کے چمن میں آج پھول ہی پھول کھلے ہیں۔" میں نے ہر ممکن ہیروئن بننے کی کوشش کرتے ہوئے ذرا انداز سے ڈائیلاگ مارے۔

"ہیں کیا ہوا۔" جو خوشی میں سمجھ رہی تھی کہ نازیہ کی آواز میں ہو گی وہ نہ تھی بلکہ کچھ اداسی سی تھی جس کا میں نے خاص نوٹس نہ لیا۔

"فاخرہ پھپھو میرا رشتہ لائی ہیں نوفل کے لیے۔" میں نے گویا بم پھاڑ دیا۔

"ہیں!" نازیہ کی آواز میں بم پھٹنے کے بعد کے آثار نمایاں ہوئے۔ اداسی شدید حیرت میں بدل گئی "یہ کیسے ہو سکتا ہے' تین گھنٹے پہلے تو فاخرہ پھپھو میری امی سے نوفل کے رشتے کی بات کر کے گئی ہیں میرے لیے۔ میں تو خود اداس تھی کہ تمہیں یہ بات کیسے بتاؤں گی۔ اب تم کہہ رہی ہو کہ فاخرہ پھپھو نے تمہارا رشتہ مانگا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

اب کی بار نازیہ نے بم پھینکا تھا اور یہ بم میرے پھینکے ہوئے بم سے زیادہ خطرناک' تشویش ناک اور حیرت ناک تھا سو اگلے دو منٹ بعد میں نازیہ کے گھر میں اور اس کے ایک منٹ بعد میں نازیہ کے سامنے تھی۔

"فاخرہ پھپھو نے نوفل کا رشتہ میرے لیے بھی میری امی سے مانگا اور تمہارا رشتہ بھی تمہاری امی سے مانگا۔ یہ کیا چکر ہے سمجھ نہیں آ رہا۔" نازیہ سر پکڑ کر بیٹھی تھی میں بھی غور و خوض کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کمرے میں ٹہلنے کے بعد جب میرے دماغ میں سناٹے اور پیروں میں بانٹے آنے لگے تو اچانک ہی ایک بات میرے دماغ میں آ گئی۔

"ساری کہانی میری سمجھ میں آ گئی۔" میں نے چٹکی بجائی۔

"کہانی۔" نازیہ چیخی "تم اتنی دیر سے کسی ڈائجسٹ کی کہانی کے بارے میں سوچ رہی تھیں؟ وہ بھی اس وقت جبکہ ہم دونوں اتنی بڑی الجھن میں ہیں۔"

"میرا مطلب ہے کہ یہ رشتے کا چکر میری سمجھ میں آ گیا۔"

"کیا سمجھ میں آیا۔" نازیہ نے پوچھا۔

"نوفل کی ملاقات مجھ سے زیادہ تم سے ہوئی ہے۔ اس سے باتیں بھی تمہاری زیادہ ہوئی ہیں گو کہ تم اس سے میری تعریفیں ہی کرتی رہی ہو لیکن ان تعریفوں سے وہ میرے بجائے تمہیں پسند کرنے لگا اور میں چونکہ فاخرہ پھپھو کے آگے پیچھے پھرتی رہی ہوں اور ان کے سامنے اچھی بچی بن کر آتی رہی ہوں تو فاخرہ پھپھو کو اپنی بہو کے طور پر میں پسند آ گئی۔"

"تو؟" نازیہ نے سوالیہ نظریں مجھ پر گاڑ دیں۔

”تو پھر دونوں ماں بیٹوں میں ایک زبردست جنگ چھڑ گئی۔“ میں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو ڈرامائی بنایا۔ ”نوفل نے کہا کہ چاہے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے میں تو بس نازیہ سے ہی شادی کروں گا اور فاخرہ پھپھو نے ضد باندھ لی کہ ایمن ہی میری بہو بنے گی۔“ میں نے اتنا کہہ کر سنسنی پھیلانے کے لیے ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر نازیہ کو دیکھا۔

”اب جلدی سے منہ سے پھوٹ بھی چکو کہ کیا ہوا ہو گا' اس سے پہلے کہ مارے تجسس کے میں فوت ہو جاؤں یا غصے کے عالم میں میرے ہاتھوں سے تمہارا قتل ہو جائے۔ جلدی بتاؤ کہ اصل ماجرا کیا ہے۔“ نازیہ نے دونوں ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھائے تو میں جلدی جلدی بتانے لگی۔

”اسی لیے فاخرہ پھپھو نے ایک ہی دن دونوں گھروں میں رشتہ ڈال دیا' اب جس کی طرف سے بھی انکار ہو گا نوفل اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گا۔ اور مجھ سے تو تم ایسی کسی قربانی کی امید مت رکھنا۔“ میں نے نازیہ کو ہری جھنڈی دکھادی۔

”میں تم سے کسی بے ایمانی' نادانی اور پریشانی کی توقع تو کر سکتی ہوں پر قربانی کی نہیں' ویسے بھی میں شادی کے لیے مری نہیں جا رہی۔“ نازیہ نے یوں کہا جیسے کہہ رہی ہو بھاڑ میں جاؤ' اپنا نوفل اپنے پاس ہی رکھو۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ میں شادی کروانے کے لیے بے قرار ہوں۔“ میں نے غصے سے پوچھا۔

”ہاں میں یہی سمجھتی ہوں۔“

”تم بالکل ٹھیک سمجھتی ہو۔“ اب کی بار میں نے حد درجہ اطمینان سے کہا۔ ”ویسے ہم دونوں کے لیے ایک ساتھ نوفل کا رشتہ دینے کی وجہ ایک اور بھی ہو سکتی ہے۔“

”وہ کیا۔“

”کیا معلوم دونوں ماں بیٹوں میں یہ طے پایا ہو کہ ایک بیوی نوفل کی پسند کی اور ایک بیوی فاخرہ پھپھو کی ... یعنی پھپھو ہم دونوں کو بیک وقت اپنی بہو بنانا چاہ رہی ہوں۔ بھئی مردوں کو تو چار جائز ہیں۔“

”کیا' تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ اوہو میں بھی کیسی باتیں کر رہی ہوں' وہ تو پہلے سے ہی خراب تھا لیکن تمہاری اس بات سے تو لگتا ہے کہ تمہارا دماغ اب اپنی آخری سانسیں گن رہا ہے۔ تب ہی تو الٹی سیدھی ہانک رہی ہو۔“ نازیہ نے مجھے قدرے غصے اور افسوس کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھا۔

”ویسے ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ دیکھو نازیہ! اگر ایسا ہوا تو وعدہ کرو ہماری شادی کے بعد بھی ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میں یونہی تم سے اپنا مطلب نکلواتی رہوں گی اور تم بھی یونہی میرے کام آتی رہو گی۔ میرا بھی یہ وعدہ ہے کہ میں تمہیں اپنی دوست اور بہن ہی سمجھوں گی کبھی سوتن نہیں سمجھوں گی۔“ میں نے وفور جذبات میں نازیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”ہیں ہیں! یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔“ اندر آتا فراز صرف آخری الفاظ ہی سن پایا تھا۔ سو نازیہ نے فوراً الف سے لے کر ے تک سارا قصہ فراز کے گوش گزار کیا' ساتھ ہی میرے نادر خیالات و جذبات بھی فراز کو بتا دیے۔

”ایمن! کہانیاں پڑھ پڑھ کر تم سٹھیا گئی ہو۔“ تمام باتیں سن کر فراز نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

”ابھی میں ساٹھ سال کی نہیں ہوئی تو سٹھیاؤں گی کیسے۔“ میں نے فراز کو اس کی کم عقلی کا احساس دلانا چاہا۔

”تم ساٹھ سال کی نہیں ہو مگر پر اچھا خاصے سالوں کی ہو گئی ہو۔ تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تمہیں بجلی کے جھٹکے لگیں گے' جب ہی تم ٹھیک ہو گی۔“ فراز کو مجھ پر ٹھیک ٹھاک قسم کا غصہ آیا ہوا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ایک ہی وقت میں' ایک ہی لڑکے کے' ایک ہی گھر کے دو الگ الگ پورشنز میں رشتے لے کر جانے کا کیا مطلب ہوا پھر؟“ میں بھی تنتناتی ہوئی فراز کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں میں سے کسی ایک کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ فراز بولا تو میرے دل میں

کچھ کچھ ہونے لگا۔

"ہائے اللہ جی ایسا نہیں کرنا۔ اتنے سالوں بعد تو مجھے اپنی شادی کی خوشی مل رہی ہے۔ نہیں تو بس دوسروں کی شادیوں میں ہی شریک ہوئی ہوں ابھی تک۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی شادی میں شرکت کرنی ہے۔ ہر حال میں بس۔" میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے ضد نما دعا کی۔

"میں ابھی جا کر امی سے معلوم کرتا ہوں اور چچی جان سے بھی پتا کر کے آتا ہوں مجھے لگتا ہے کہ نازیہ صحیح کہہ رہی ہے۔ ویسے بھی تمہاری بات اور گدھے کی لات برابر ہی ہے۔"

فراز کہہ کر فوراً باہر نکل گیا ورنہ اسے گدھی کی لات... مم مم میرا مطلب ہے کہ میری لات پڑ ہی جاتی

☆ ☆ ☆

ٹھیک تین ماہ بعد میں شوخ رنگ کے بھاری کامدانی شرارہ اور سونے کی خوب صورت جیولری پہنے بیٹھی ہوں۔ میرے برابر والی کرسی پر میرے برابر میں بالکل میرے جیسے شرارہ اور بالکل میرے جیسے زیورات پہنے نازیہ بیٹھی ہے۔ ہم دونوں شہر کے بہترین بیوٹی پارلر میں دلہن بننے کے لیے آئی ہوئی تھیں۔

"پہلے مجھے تیار کرنا۔" میں نے اپنے سامنے کھڑی بیوٹیشن سے بے صبری سے کہا۔

"ہاں پہلے اسے تیار کر دینا اسے تیاری کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس پر ٹائم اور محنت دونوں زیادہ لگیں گے۔" نازیہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"ہاں بھئی۔ اچھا سا تیار کر دو فاخرہ پھپھو ہم دونوں کی بارات لانے والی ہوں گی۔"

میں خوشی خوشی بولی اور چہرہ آگے کر کے لپائی پتائی کے لیے تیار ہو گئی۔

"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ فاخرہ پھپھو اور ہم دونوں کی بارات... چلیے آپ کو شروع سے بتاتی ہوں۔ نازیہ کے لبوں سے میری تعریفیں سنتے سنتے نوفل میرا دیوانہ تو نہ ہوا البتہ نازیہ کی سادگی کا دیوانہ ضرور ہو گیا اور اس ہی کا نتیجہ ہے نوفل اور نازیہ کی شادی۔ اب آپ کہیں گے کہ پھر میں کس خوشی میں دلہن بنے بیٹھ گئی اور اگر دلہن بن ہی رہی ہوں تو میرا دولھا یعنی میرا ہیرو کون ہے۔ دراصل فاخرہ پھپھو ہمارے ہاں صرف نوفل کے لیے ہی لڑکی دیکھنے نہیں آئی تھیں بلکہ اپنے جیٹھ کے بیٹے موحد کے لیے بھی لڑکی پسند کرنے آئی تھیں۔ پھپھو کی جٹھانی کا انتقال ہو چکا تھا سو پھپھو کے جیٹھ نے یہ ذمہ داری فاخرہ پھپھو کو سونپی تھی۔ موحد کے لیے پھپھو کو تھوڑی سی کم گوری' تھوڑی سی کم دبلی اور تھوڑی سی کم خوب صورت لڑکی درکار تھی' اور پھپھو اس دن امی سے موحد کے رشتے کے سلسلے میں ہی بات کر رہی تھیں' اس ہی کا نتیجہ ہے کہ آج میری موحد سے شادی ہے اور نازیہ کی نوفل سے۔

نکاح کے بعد مجھے اور نازیہ کو اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا میں نے نظر اٹھا کر اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے ہیرو کو دیکھا۔ موحد مجھے بہت پیار بھری نگاہوں سے دیکھ کر مسکرا دیے میں نے نظریں جھکا لیں جبکہ وہ ابھی بھی مجھے پیار سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی نظروں کی تپش مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی ہے۔ موحد میری زندگی کی کہانی کے ہیرو ہیں۔ کیا ہوا جو وہ تھوڑے سے کم دبلے' تھوڑے سے کم گورے اور تھوڑے سے کم خوب صورت ہیں۔ پر ہیں تو میرے ہیرو۔ اصل ہیرو تو وہی ہوتا ہے۔ جو کہ ہماری زندگی کا ہیرو ہوتا ہے۔

"چچ چچ' مجھے تو بے چارے موحد پر ترس آ رہا ہے۔ کیسے بیٹھے بٹھائے بے چارے کے سر پر مصیبت آ گئی۔ تم جیسی چیز کو' بلکہ تم جیسے ناچیز کو بھی پیار سے دیکھنا پڑ رہا ہے اسے۔"

فراز مجھے چھیڑ رہا ہے۔ اب دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی ہوں کیسے جواب دوں' ویسے بھی غصہ تو آ نہیں رہا۔ میں دھیرے سے مسکرا دی۔ اب تو بس ہنستا مسکراتا ہی ہے۔ میری تلاش ختم ہو گئی۔ میرا انتظار ختم ہو گیا۔ میرے خوابوں کا شہزادہ میرا ہیرو مجھے مل گیا۔

☆

مہوش افتخار

جائے آرزو

مہر ایک کالج میں لیکچرار ہے۔ اپنی کزن جائشہ کی منگنی کی تقریب میں اس لیے شرکت نہیں کرنا چاہتی کہ وہ حنان سے سامنا نہیں چاہتی جو جائشہ کا بھائی ہے۔ یہ جان کر حنان ملک سے باہر ہے۔ وہ تقریب میں شرکت کے لیے چلی جاتی ہے ۔ لیکن حنان وہاں آجاتا ہے۔ مہر اسے دیکھ کر اپنے گھر واپس آنے کے لیے نکلتی ہے تو حنان سے سامنا ہوتا ہے۔ مہر کے نفرت بھرے رویے پر وہ اسے دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس توہین کو معاف نہیں کرے گا۔ حنان' زیب بیگم اور صغیر صاحب پر زور دیتا ہے کہ اب مہر کی زندگی کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ وہ کب تک اس طرح کی زندگی گزارتی رہے گی۔ مہر کا نکاح بچپن میں ہوچکا ہے۔

انجم بیگم اور زیب بیگم دونوں بہنیں ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ مہر کی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف ہو' لیکن صغیر صاحب اس کے لیے راضی نہیں۔ زیب بیگم کو حنان کے گندے کردار کا بھی اندازہ ہے۔

یم اپنے ماں' باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ ناز و نعم میں پرورش پائی۔ اس کی زندگی کی اولین ترجیح دولت ہے۔ وہ امریکہ میں تنہا رہتا ہے اور اپنی ذاتی فرم کا مالک ہے جس میں اس کا دوست مارک شریک ہے۔ وہ آزاد زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے

مکمل ناول

سوزی سے اپنی پسند سے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کی لیکن پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک بار گرل فرینڈ اس کی زندگی میں آئی۔ وہ اس کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہتی ہے۔ پھر ایک دن اس کے فلیٹ کا صفایا کر کے اس کو کچرے کے ڈھیر پر پھنکوا دیتی ہے۔ زمین پر اس کے وجود پر ٹھوکریں مارتی ہے۔ سیم ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اس کی آنکھ اسپتال میں کھلتی ہے۔ اس کا پارٹنر اور دوست مارک اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

سیم پر اس حادثے کا گہرا اثر ہے۔ وہ گم صم ہے۔ اسے بار بار وہ خواب یاد آتا ہے جو اس نے بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تھا۔

اس نے دیکھا تھا کہ تاریک انجان گلیوں میں دو بھوکے کتے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ جان بچانے کے لیے بھاگ رہا ہے۔ وہ چلا چلا کر مدد مانگ رہا ہے لیکن سب دروازے بند ہیں۔ تب اچانک ایک دروازہ نمودار ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن اندر نہیں جاتا۔ دوبارہ بھاگنے لگتا ہے۔ تب وہ کچرے کے ڈھیر پر جا گرتا ہے اور تیز بدبو اس کی ناک اور منہ میں گھسنے لگتی ہے۔

اس حادثے کے بعد سیم پہلی بار اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور تب اس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ وہ کس پناہ گاہ کے دروازے کو کھلا چھوڑ آیا ہے؟

تیسری قسط

مگر وہ اپنی بیٹی کے بچپن کو ان تلخیوں کے سپرد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ سگے سوتیلے کے کڑواہٹوں بھرے چکر میں پڑ کے نا صرف اپنی شخصیت کھو دے۔ اسی لیے انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس لفظ کے مثبت متبادل نہیں بلکہ مثبت معنی تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔

''یہاں آؤ میری جان۔'' اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے کچن میں ہی ایک جانب رکھی کرسیوں میں سے ایک پر لے کے بیٹھ گئی تھیں۔ ''ایک بات یاد رکھنا بیٹا۔ اسٹیپ سسٹر یا اسٹیپ ڈاٹر ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔ بری بات ہوتی ہے کہ آپ سنڈریلا کی بہنوں کی طرح ایک گندی اسٹیپ سسٹر ہوں' ایک بری انسان ہوں۔ کسی کو آپ کی وجہ سے دکھ پہنچے یا تکلیف ہو' یہ غلط بات ہوتی ہے میری جان۔''

''مگر امی! یہ اسٹیپ ہوتا کیا ہے؟'' ان کی گود میں بیٹھے اس نے منہ اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوتا بیٹا۔ بس جب آپ کی امی یا ابو میں سے کوئی ایک آپ کے پاس نہیں رہتا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک نئی امی یا نئے ابو دے دیتے ہیں تو پھر ان کے ساتھ جو آپ کا رشتہ ہوتا ہے وہ اسٹیپ ہوتا ہے۔

''آپ نے بس ہمیشہ ایک اچھی بہن اور ڈیڈی کی پیاری بیٹی بن کر رہنا ہے۔ آپ نے جاشی اور چھوٹی کا ہمیشہ خیال رکھنا ہے۔ رکھو گی ناں؟'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

''جی۔'' اس کی معصوم آنکھوں کی چمک پھر سے لوٹ آئی تھی۔

''شاباش! مجھے پتا تھا' میری بیٹی میری بات ضرور مانے گی۔'' اسے خود میں سموتے ہوئے انہوں نے بے اختیار اس کا سر چوما تھا۔

ان کا یہ مان اور اعتبار غلط ثابت نہ ہوا تھا۔ ان کی تینوں بیٹیوں میں بے مثال پیار تھا۔ وقت چند سال آگے سرکا تھا۔ زیب اور صغیر صاحب کی محبت اور محنت رنگ لائی تھی۔ مگر صرف بچیوں کی حد تک۔

سنی جوں جوں بڑا ہوتا گیا تھا۔ اس کی ذات میں آنے والی خود مختاری اُسے زیب سے مزید دور کرتی چلی گئی تھی۔ ان دونوں ماں بیٹی کے لیے سنی کی سرد مہری اور ناگواری میں اضافہ ہی ہوا تھا۔

وہ احمد حسن اور زیب احمد کی بیٹی ”مہر احمد“ کو کوئی رعایت دینے کو تیار نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

سنی نے انٹر کا امتحان شاندار نمبروں سے پاس کیا تھا۔ اس کی کامیابی کی خوشی میں صغیر صاحب اور زیب نے اپنے پورے خاندان اور سنی کے دوستوں کی فیملیز کو کھانے پر انوائیٹ کیا تھا۔ دعوت چونکہ آج رات کی تھی اس لیے ”قاضی ولا“ میں صبح سے ہی خاصی ہلچل تھی۔

نیچے کے پورشن کی اپنی نگرانی میں صفائی کروانے کے بعد مہر سکینہ کے ساتھ اوپر چلی آئی تھی۔

سکینہ کو اپنے کمرے کی صفائی کا کہہ کر وہ سنی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ دستک دے کر وہ چند ثانیے رکی تھی مگر جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ تو اس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول کے اندر جھانکا اور کمرہ خالی دیکھ کے اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

”سکینہ آنٹی! آپ پہلے ادھر آجائیں۔ بھائی کا کمرہ خالی ہے۔“ پلٹ کر ملازمہ کو پکارتے ہوئے وہ دروازہ کھول کے اندر چلی آئی تھی۔ ادھر ادھر بکھری چیزوں کو اپنی سمجھ کے مطابق ان کی جگہ پہ رکھتے ہوئے وہ ملازمہ سے صفائی کروا رہی تھی جب اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے کچھ نوٹوں اور سنی کی گھڑی پر اس کی نظر پڑی تھی۔

اس نے زیب کو ملازموں کی موجودگی میں ہمیشہ قیمتی چیزوں اور نقدی کو باحفاظت رکھتے دیکھا تھا۔ اب جو سنی کے پیسے اور گھڑی اسے یوں لاپروائی سے رکھے نظر آئے تو اس نے میکانکی انداز میں انہیں اٹھالیا اور اس کی الماری کی جانب چلی آئی۔

الماری کھول کر وہ ہاتھ میں پکڑی دونوں چیزیں اندر رکھ رہی تھی جب کمرے کا دروازہ اچانک کھلا تھا اور سنی اپنے دھیان میں اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن جوں ہی اس کی نظر الماری کھولے کھڑی ماہم پہ پڑی تھی وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ پہ رک گیا تھا۔ تب ہی مہر نے بھی پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا اور سنی کو کمرے میں پا کے وہ بری طرح گھبرا گئی تھی اس نے تیزی سے مڑ کے الماری بند کی تھی۔ لیکن تب تک غصے سے کھولتا سنی اس کے سر پہ آپہنچا تھا۔

”کیا کر رہی تھیں تم؟ ہاں؟“ اس کی گھورتی نگاہوں نے بے اختیار مہر کو خائف کر دیا تھا۔ ملازمہ بھی ہاتھ روک کے ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

”میں آپ کے کمرے کی صفائی کروا رہی تھی بھائی! وہ ٹیبل پہ آپ کی۔“

”صفائی کروا رہی تھیں یا صفایا کر رہی تھیں؟“ اس کی بات کاٹتے ہوئے سنی نے مشتعل لہجے میں کہتے ہوئے مزید آنکھیں نکالیں تو مہر اس الزام پر پلکیں جھپکنا تک بھول گئی۔

”سنی بھائی!“ مارے دکھ اور بے یقینی کے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

”میرے ساتھ یہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں۔“ اس کے آنسوؤں کو غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ بے اختیار آگے بڑھا تو مہر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

سنی کے تیور دیکھ کے سکینہ سرعت سے دونوں بچوں کی طرف چلی آئی۔

”سنی صاحب! مہر بیٹا نے کچھ نہیں کیا۔ وہ تو صرف بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔“

”کس کی اجازت سے؟“ وہ یک لخت دھاڑا تو سکینہ بھی گھبرا کے چپ ہو گئی۔ ”میں نے ہزار بار اسے منع کیا ہے کہ میرے کمرے میں نہ آیا کرے۔ لیکن یہ۔“ وہ دانت پیستے ہوئے پل بھر کو رک کر مہر کو گھورنے لگا۔ ”اپنی ماں کی طرح ڈھیٹ ہے۔“

”سنی بھائی!“ اس کے طرز تخاطب نے روتی ہوئی

مہر کو جھلسا دیا تھا۔

"آواز نیچی کرو۔ تمہارے باپ کا نہیں، یہ میرا گھر ہے۔" اور مہر کے چھوٹے سے دل کی حد جواب دے گئی تھی۔ ملازمہ کے سامنے اس درجہ ذلت اسے پھوٹ پھوٹ کے رونے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی لیکن دہلیز پہ زیب کو ایستادہ دیکھ کے اس کے آنسوؤں میں شدت در آئی تھی۔ بے اختیار وہ بھاگ کر ماں سے آلپٹی تھی۔

اپنے سینے سے لگائے زیب نے فہمائشی نظروں سے سنی کو دیکھا تھا۔ جو اچانک انہیں اپنے سامنے پا کے خفیف سا ہو گیا تھا۔

"سکینہ! تم جاؤ یہاں سے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آج سنی کے الفاظ پر آگے بڑھ کر اس کے منہ پہ لگا دیں۔ لیکن انہوں نے کمال حوصلے سے خود پر قابو پاتے ہوئے پہلے ملازمہ کو وہاں سے باہر کیا تھا۔

"آج تم نے بدتمیزی کی حد پار کر لی ہے سنی۔" اسے دیکھتے ہوئے وہ سپاٹ لہجے میں بولیں تو چند لمحوں کی شرمندگی کے بعد وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں نے صرف وہی کہا ہے جو سچ ہے۔" ڈھٹائی اور بے خوفی سے ان کی جانب دیکھتا وہ زیب کو صحیح معنوں میں آگ لگا گیا تھا۔

"اپنے بے ہودہ سچ اپنے پاس رکھو سمجھے! اور دوبارہ اگر گھر میں اس قسم کی بکواس کی تو میں تمہارے ڈیڈ کو بتانے میں ایک لمحہ نہیں لگاؤں گی۔" انگلی اٹھائے انہوں نے سختی سے اسے متنبہ کیا۔

"جائیں بتائیں میں کوئی ان سے ڈرتا ہوں کیا۔" وہ دوبدو بولا۔

"سنی!" مہر کو ایک جھٹکے سے ہٹاتی وہ آگے بڑھیں تو سنی بے اختیار چپ ہو گیا۔

"اپنے ڈیڈی کے بارے میں اگر تم نے اس بدتمیزی سے دوبارہ بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو اسے گھورتے ہوئے وہ انتہائی سختی سے بولیں۔

وہ تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کر رہے اور تم؟۔ تم واقعی اس لائق نہیں ہو کہ کوئی تم سے بات بھی کرے سنی۔"

"نہ کرے۔ بالکل بھی نہ کرے۔ مجھے ویسے بھی کسی کی ضرورت نہیں۔" مارے غصے کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی زبان درازی زیب کو خاموش ہونے پر مجبور کر گئی تھی۔ مزید کچھ کہے بنا جانے کے لیے پلٹی تھیں کہ سنی کی آواز نے ان کے قدموں کی رفتار دھیمی کر دی تھی۔

"ایک بات اور آج کے بعد مجھے کوئی سنی نہیں کہے گا۔ میں صرف اپنی مما کا سنی تھا۔ آپ سب کے لیے میں حنان ہوں۔ صرف حنان!" اور زیب لب بھینچے مہر کو ساتھ لگائے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

باسکٹ بال کا میچ اپنے اختتامی مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔ اسکور بورڈ پہ دونوں ٹیموں کا اسکور برابر چل رہا تھا۔ ایسے میں دونوں کو ایک ایک پوائنٹ کی اشد ضرورت تھی۔ ارد گرد بیٹھے مہمان اور میزبان کالجوں کے سپورٹر اسٹوڈنٹس کا جوش و ولولہ ان آخری لمحات میں اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ ایسے میں جب اس کے ساتھی نے اسے بال پاس کیا اور وہ مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کو ڈاج کرتا ان کے درمیان میں سے مہارت سے بال نکال کر باسکٹ کی جانب بڑھا تو سارا کورٹ تالیوں اور شور سے گونجنے لگا۔

"گو سیم گو!" سائیڈ لائن پہ کھڑی اس کے کالج کی لیڈرز نے ناچتے ہوئے اس کے نام کا نعرہ بلند کیا تو ان کے سارے سپورٹرز شامل آواز ہو گئے۔

ان نعروں نے اس کے لہو کو مزید گرما دیا۔ وہ اور جوش سے آگے بڑھنے لگا۔ اس کے اور باسکٹ کے درمیان دو کھلاڑی مزید رہ گئے تھے۔ یکایک اس نے بال کو ایک زوردار ٹپا دے کر خود کو ہوا میں اچھالا تھا۔ بال اس کے ہاتھ سے نکل کر کھلاڑیوں کے اوپر سے گزرتی باسکٹ کے بیچ میں سے گزر گئی تھی۔ تب ہی

میچ کا اختتامی بزر زور و شور سے بجنے لگا تھا۔ اس کے ساتھی کھلاڑی دیوانہ وار اس کی جانب بھاگے تھے اور کچھ یہی حال شائقین کا بھی ہوا تھا۔ لڑکوں نے اسے کندھوں پہ اٹھا لیا تھا۔ ارد گرد تالیاں بجائی جا رہی تھیں۔ نعرے لگ رہے تھے۔ ایسے رنگا رنگ اور پرجوش ماحول میں اس کے ماں باپ کی خوشی دیدنی تھی۔

"آئی ایم پراؤڈ آف مائی سن۔ دیکھو اپنے فیلوز کے درمیان کیسے ہیرو بنا ہوا ہے۔" کورٹ پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس کے باپ نے ہنستے ہوئے ساتھ کھڑی بیوی کی طرف دیکھا تھا۔ جو خود بھی دور کھڑے بیٹے کو نہار رہی تھیں۔

"وہ ہے ہی ہیرو۔۔۔ خدا میرے بچے کو نظر بد سے بچائے۔ ہم بھی چلیں نیچے؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"ہاں' ہاں چلو۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھے تھے لیکن ابھی چند قدم ہی چلے تھے جب وہ انہیں اسٹوڈنٹس کے جمگھٹے سے نکل کر سائیڈ لائن کی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔

"وہ خود ہی آ رہا ہے ہمارے پاس۔" مسکراتے ہوئے اس کے باپ کی نظریں اس پر جم گئی تھیں۔ جو بے چینی سے قدم اٹھاتا آگے آ رہا تھا۔ اس کی ماں کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔ وہ بغور اپنے لاڈلے کو تک رہی تھیں جو چلتا ہوا لوگوں کے درمیان کھڑی منی اسکرٹ اور انتہائی مختصر بلاؤز میں ملبوس سنہری بالوں والی' ایک خوب صورت سی لڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ نجانے کیوں اس کی ماں کی مسکراہٹ پھیکی پڑنے لگی تھی اور پلکیں جنبش کرنا بھول گئی تھیں۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے بیٹے نے اس لڑکی کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا اور پھر اس کے چہرے پہ جھک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ہونے والی تقریب کے پیش نظر زیب نے

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہء عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

صغیر صاحب کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہاں لیکن بری طرح روتی اور اکھڑی ہوئی مہر کو انہوں نے بامشکل تمام چپ کروا کے رات کی تقریب کے لیے منایا تھا جو کسی طور حنان کے فنکشن میں شرکت کے لیے تیار نہ تھی۔

ماں کی زور زبردستی اور جاشی کی منتوں پہ اس نے فقط کپڑے تبدیل کر کے بال بنائے تھے۔

سی کا اپنے ساتھ ناروا سلوک تو وہ اپنے بچپن سے جھیلتی آئی تھی۔ لیکن آج جو تحقیر کا احساس اس کے انداز اور الفاظ نے مہر کے اندر جگایا تھا۔ اس نے مہر کو بہت گہری چوٹ پہنچائی تھی۔

"ارے میری بیٹی ابھی تک تیار نہیں ہوئی؟" دروازے پہ دستک کے بعد صغیر صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے اور مہر کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں آئینے کے آگے بیٹھا دیکھ کے اپنی جگہ پہ رک گئے تھے۔ انہیں روبرو پا کر مہر سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تیار ہوں ڈیڈی۔" ان کی طرف دیکھتی وہ بامشکل تمام مسکرائی تو صغیر صاحب کی نظر اس کے سادہ سے حلیے سے ہوتی اس کے ستے ہوئے چہرے پہ آ ٹھہری۔

"آپ روئی ہو مہر؟" بغور اسے دیکھتے وہ آگے آئے۔

"نہیں ڈیڈی! مجھے صبح سے فلو کی شکایت ہو رہی ہے۔" اس نے نوک زبان پہ مچلتے سچ کو زبردستی پیچھے دھکیلتے ہوئے ماں کا سمجھایا ہوا سبق دہرایا۔

"اوہو۔۔۔ دوائی لی ہے آپ نے؟" انہوں نے پریشانی سے اس کی پیشانی چھوئی۔ "اس وقت تو بخار نہیں ہے۔"

"جی لی تھی ٹیبلٹ اسی لیے طبیعت ٹھیک ہے اب۔" وہ قصداً" مسکرائی۔

"چلو پھر نیچے چلتے ہیں۔ سارے مہمان آ چکے ہیں۔" انہوں نے اس کے شانے کے گرد بازو پھیلایا تو جاشی نے جھٹ سے ان کا دوسرا بازو تھام لیا۔

مسکراتے ہوئے دونوں بیٹیوں کے ہمراہ باہر لان میں آئے تو بے اختیار ہی کتنی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔

"یہ تیرے ڈیڈی کے ساتھ کون ہے یار؟" حنان کے دوست علی نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتے ہوئے دلچسپی سے سامنے دیکھتے ہوئے سوال کیا تو زید سے بات کرتے حنان نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور صغیر صاحب کے پہلو میں کھڑی مہر کو دیکھ کے اس کا منہ بن گیا۔

"کوئی نہیں ہے یار۔" بے زاری سے کہتے ہوئے اس نے رخ پھیرا۔

"اتنی حسین لڑکی اور تو منہ بنا رہا ہے؟" علی نے تعجب سے اسے دیکھا۔ تو سارا گروپ مارے تجسس کے مہر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"واقعی یار۔ شی از ویری بیوٹی فل!" ارحم نے علی کی تائید کی۔

"کوئی بیوٹی فل نہیں۔ میری اسٹیپ مدر کی پہلی بیٹی ہے یہ۔ اینڈ آئی جسٹ ہیٹ ہر!"

"او! تو یہ وجہ ہے تیری ناپسندیدگی کی۔" علی کی مسکراتی نگاہیں حنان پہ آٹھہریں "ایک بات بتا تو کب بڑا ہو گا؟" اس نے مذاق اڑاتے لہجے میں سوال کیا تو حنان کی نظروں میں ناگواری اتر آئی۔

"فضول بکواس نہ کر۔" اس نے غصے سے علی کو دیکھا۔

"بکواس نہیں کر رہا' صحیح کہہ رہا ہوں۔۔۔ تو ایک خوب صورت لڑکی کو صرف اس لیے خوب صورت نہیں مان رہا کہ وہ تیری اسٹیپ مدر کی بیٹی ہے۔ بچپنا نہیں تو اور کیا ہے یار۔" علی نے وضاحت کی۔

"قسم سے اگر میری اتنی حسین دشمن ہوتی اور وہ میرے گھر میں رہتی ہوتی تو میں کبھی بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

ارحم کی بات پہ نہ چاہتے ہوئے بھی حنان کی نگاہ مہمانوں کے درمیان گھومتی مہر پہ جا ٹھہری جو بائل گرین فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ضرورت سے زیادہ ہی گلابی لگ رہی تھی۔

"اور نہیں تو کیا دشمنی کی دشمنی اور مزے کے مزے ہو جاتے۔" زید نے ہنستے ہوئے لقمہ دیا تو مہر کو

تکتا حنان بری طرح چونک گیا۔
"کبھی کبھی تو بھی عقل مندی کی بات کر جاتا ہے زید ریاض۔" حنان نے مسکراتے ہوئے کہا تو زید نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب اچھا آئیڈیا ہے یہ دشمنی نکالنے کا۔ خاصا رنگین اور دلچسپ!" اس نے دور کھڑی مہر کے وجود کو سر تاپا ایک نئی نظر سے دیکھا۔
"ڈونٹ ٹیل می کہ تو سیریس ہے۔" علی کرسی پہ آگے کو ہوا۔
"کیوں نہیں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔" اس نے مہر سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے علی کو دیکھا۔
"حرج ہے۔ تیرے ڈیڈی کو پتا چلا نا تو ساری دشمنی ناک کے راستے نکال دیں گے تیری!" علی کے استہزائیہ انداز پہ حنان کے چہرے پہ سنجیدگی پھیل گئی۔
"مجھے اتنی سی بھی پروا نہیں۔ یہ ماں بیٹی مجھ سے ڈریں، مجھ سے خوف کھائیں۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر سکون کا احساس اور کوئی نہیں۔" اس کے لہجے کی بے خوفی اور آنکھوں کے تنفر نے وہاں بیٹھے تینوں لڑکوں پہ سکوت سا طاری کر دیا۔
وہ اپنے اندر، اپنی سوتیلی ماں اور اس کی بیٹی کے لیے کس درجے کی نفرت لیے ہوئے تھا، اس حقیقت کا ادراک انہیں اسی پل ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

اسے گھر آئے دس سے پندرہ منٹ ہوئے تھے اور ان پندرہ منٹوں میں اسے اپنی غلطی کے فاش ہونے کا احساس کوئی بیسیوں بار ہو چکا تھا۔
میچ کے بعد دوستوں کے ساتھ کی گئی تین چار گھنٹے کی سیلیبریشن کا سارا مزا دھواں بن کر اڑ گیا تھا اور اس وقت وہ آنسو بہاتی ماں اور گرجتے برستے باپ کے درمیان کھڑا انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں بابا! وہ میری اچھی فرینڈ ہے۔ میں نے اسے صرف گلے لگایا تھا لیکن اس نے آگے سے مجھے۔" باپ کے گھورنے پہ وہ بے اختیار جھجک کے خاموش ہو گیا۔
"میں نے تم سے کہا تھا ہنی میرے اعتبار کو ٹھیس مت پہنچانا مگر تم نے۔"
"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا بابا۔ یہ یہاں کا ٹرینڈ ہے۔" اس نے بے زاری سے ان کی بات کاٹی۔
"تم یہ کیوں بھول گئے ہنی کہ تمہاری ذات کسی سے منسوب ہے۔ یو آر آ میریڈ مین!"
"ایکسکیوز می! میں میرڈ نہیں بلکہ چائلڈ میرج کیس ہوں۔ شادی کے نام پہ جو مذاق آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے وہ مجھے کسی طور قبول نہیں!" اندر ہی اندر کھولتے ہوئے اس کے جی میں آیا تھا کہ وہ یہ حقیقت اپنے دقیانوسی ماں باپ کے منہ پہ دے مارے مگر فی الوقت وہ اتنی جرات دکھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔
"اوکے آئی ایم سوری۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔" اس لیکچر بازی سے جان چھڑانے کا اسے اس وقت یہی طریقہ سوجھا تھا۔ لیکن اسے اندازہ نہ تھا کہ اس کے چہرے پہ چھائی بے زاری کو اس کی ماں نے بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ کچھ غلط ہو جانے کا ہولناک احساس ان کے اندر پکڑ دھکڑ مچانے لگا تھا۔
"ایک بات یاد رکھنا ہنی۔ تم ایک مسلم ہو۔ تمہارے مذہب نے تمہارے لیے کچھ حدیں (Lim i t S) رکھی ہیں۔ جنہیں تم کسی بھی حال میں پار نہیں کر سکتے۔" اس کے باپ نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔
"آئی نو۔" وہ منہ بناتا صوفے پہ گر سا گیا۔ اس کے باپ نے اک گہری سانس لی اور کچھ سوچتے ہوئے اس کے پاس آ بیٹھے۔
"برائی میں بہت کشش ہوتی ہے بیٹا! اس سے دور رہنا بہت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا صرف "آن دا فیلڈ" ہی ہیرو نہیں بلکہ

"آف دا فیلڈ" بھی ہیرو ہے۔ وہ غلط اور صحیح میں تمیز کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔"

رسان سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تو ایک لمحے کو وہ ساری برائیاں اس کے ذہن میں گھوم گئیں جو وہ آف دا فیلڈ اپنے ماں باپ سے چھپ چھپ کے کرتا رہا تھا اور کر رہا تھا۔ جن کی اسے لت لگ چکی تھی۔ اور جن کے بارے میں اسے اس پل سوچ کر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

"آئندہ کوئی بھی غلط کام کرنے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لینا کہ تم سیم نہیں بلکہ تموز ابراہیم ہو۔ ابراہیم ملک اور انجم ابراہیم کی ریاضتوں اور دعاؤں کا اکلوتا ثمر۔ ہماری امیدوں کا واحد مرکز اور مجھے یقین ہے کہ تم ہماری امیدوں کو نہیں توڑو گے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے مان سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو تموز کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا۔

"میں پوری کوشش کروں گا بابا۔" اس نے ہوئے جملہ مکمل کیا۔ ابراہیم ملک کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اتنی ڈری سہمی کوشش سے کام نہیں چلے گا ینگ مین۔ تمہیں مضبوط ہونا پڑے گا۔ قدم قدم بکھری برائی کو دیکھ کر اپنے اندر سر اٹھاتی خواہشات کو کچلنا قطعی آسان کام نہیں۔ لیکن جو لوگ یہ پل صراط بنا ڈگمگائے پار کر جاتے ہیں نا بیٹا' وہی حقیقی سورما اور اصل ہیروز ہوتے ہیں۔ زندگی اپنے اصل رموز ایسے ہی قابل فخر لوگوں پر کھولتی ہے۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے نا۔

ٹوٹتا ہے جب جام آرزو
تب در آگاہی کھلتا ہے۔

"کیا مطلب؟" بغور ان کی ناقابل فہم باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے سیم کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"جس دن اپنی آرزوؤں' اپنی خواہشات کے پیالے کو توڑ دو گے' اس دن زندگی تم پر حقیقت کے دروازے کھول دے گی۔" اور وہ ناسمجھی کے عالم میں ان کا چہرہ تکنے لگا تھا۔

"پلیز بابا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے ابراہیم صاحب کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا۔

"آجائے گا۔" انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ "بس تم وعدہ کرو کہ تم اس معاشرے میں پھیلی گندگی سے خود کو بچانے کی صرف کوشش نہیں بلکہ بھرپور کوشش کرو گے۔"

"اوکے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" ان کی باتوں کے زیر اثر اس نے میکانکی انداز میں اپنا عہد اپنے باپ کے پھیلے ہوئے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وعدے برف کے گولوں کی طرح ہوتے ہیں' جنہیں بنانا بہت آسان لیکن سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

حنان جم سے واپس آیا تو گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ اوپر کے پورشن کا ایک چکر لگا کے لاؤنج میں آ کھڑا ہوا تھا۔ کچن سے کھٹو پٹر کی آواز پہ اس کا دھیان ملازمہ کی طرف گیا تھا۔

"سکینہ!" اس نے وہیں سے آواز دی تھی۔ لیکن سکینہ کو کچن کے بجائے اسٹڈی سے برآمد ہوتا دیکھ کے وہ چونک گیا تھا۔

"تم یہاں ہو تو کچن میں کون ہے؟"

"مہر بیٹا ہے نی صاحب۔" اور مہر کی موجودگی کا سن کے اس کے دل میں ایک چنگاری سی روشن ہو گئی تھی۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" اس نے ایک نظر کچن کی طرف دیکھا۔

"جاشی بی بی تو ٹیوشن گئی ہیں۔ اور بیگم صاحبہ' صاحب جی کے ساتھ نوریہ بیٹا کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔" اس کی بات پہ حنان کو یاد آیا کہ نوریہ کو صبح سے بخار تھا۔ سب کی غیر موجودگی کے احساس نے یک لخت حنان کے اندر ایک کمینہ سا اطمینان پھیلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اس کی اجازت پا کے سکینہ داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جونہی اس کے

پیچھے دروازہ بند ہوا تھا۔ حنان کے لبوں پہ ایک کاٹ دار مسکراہٹ اپنی چھب دکھا کے غائب ہو گئی تھی۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

مہر کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ کوکنگ رینج کے آگے کھڑی کچھ بناتے ہوئے دھیمی آواز میں گنگنا رہی تھی۔ حنان نے ایک گہری نظر اس کی پشت پہ جھولتی نرم چمکیلی چوٹی پر ڈالی تھی۔

"ذرا اونچی آواز میں گاؤ۔ میں بھی تو سنوں' کیسی آواز ہے تمہاری۔" اور اپنے دھیان میں کھڑی مہر' حنان کی اچانک مداخلت پہ' بری طرح ڈر کر اچھلی تھی۔

دھک دھک کرتے دل پہ ہاتھ رکھے وہ سرعت سے پلٹی تھی اور دروازے میں حنان کو استہزائیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے کھڑا دیکھ کے اس کے چہرے پہ ناگواری پھیلی تھی۔ وہ پارٹی والے دن سے اس سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھی۔

"ابھی سے ڈر گئیں ؟" اس کے رنگ بدلتے چہرے کو بغور تکتے ہوئے وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو مہر بنا کوئی جواب دیے رُخ موڑ گئی۔ اس کی یہ بے نیازی حنان کو سلگا گئی۔

"ایک جگ شیک بناؤ میرے لیے۔" وہ حکمیہ انداز میں کہتا کچن میں رکھی چھوٹی میز اور کرسیوں کی جانب بڑھا۔

"میں چپس بنا رہی ہوں۔ آپ سکینہ سے کہہ دیں۔" اس کے انداز نے مہر کو کھولا ہی تو دیا تھا۔ وہ اپنا غصہ دبائے بے تاثر لہجے میں بولی تو حنان کے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس نے تیز نظروں سے مہر کو دیکھا۔

"میرے لیے تم ہی سکینہ ہو۔" اور مہر کا پورا وجود اہانت کے احساس سے جل اٹھا تھا۔ اس نے پلٹ کر غصیلی نظروں سے حنان کی جانب دیکھا۔

"میں چپس بنا رہی ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتی پلٹ کر فرائنگ پین میں چمچ چلانے لگی تو حنان کا چہرہ سرخ ہو گیا' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔ یوں اپنے قریب آتا دیکھ کے مہر بے اختیار ڈر کر دو قدم پیچھے کو ہٹی تھی۔ اسی وقت حنان نے ہاتھ بڑھا کر چولہا بند کر دیا۔

"اب بناؤ چپس۔" اس نے چپس کو چبا کر ادا کرتے ہوئے مہر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

"سنی بھائی! آپ کیوں۔"

"شیک بناؤ!" وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ مہر پورے وجود سے کانپ گئی۔

اگلے ہی لمحے وہ آنسو بہاتی' کاؤنٹر پہ رکھی فروٹ باسکٹ کی طرف بڑھ گئی تھی اور حنان اسے فاتحانہ نگاہوں سے دیکھتا' ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پر جا کے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی نظریں مسلسل گھٹ گھٹ کے روتی ہوئی مہر پہ جمی تھیں۔

دس منٹ بعد اس نے شیک کا جگ اور گلاس لا کے حنان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"یہاں بیٹھ کر مجھے ڈال کر دو۔" اور مہر کی آنکھوں میں بے بسی پھیل گئی تھی۔ جگ اٹھا کے اس نے گلاس بھرا تھا اور حنان کے کرسی کی طرف اشارہ کرنے پہ وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی۔ اپنی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس سے چھپانے کو مہر نے بے اختیار جھکالی تھیں۔ یہ جانے بغیر کہ اس کے روئے ہوئے چہرے پر گہری نم پلکوں کی جھالر اور کپکپاتے لبوں کی سرخی نے ایک پل کو حنان کو سچ میں مبہوت کر دیا تھا۔

وہ گم صم سا اسے کتنے ہی لمحے دیکھے گیا تھا۔ اور پھر ہاتھ بڑھا کے اس نے گلاس اٹھا لیا تھا۔

گلاس ختم کر کے اس نے ٹیبل پہ رکھا تو مہر نے میکانکی انداز میں جگ اٹھا لیا تھا' حنان کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ کر اس کے لمبی لمبی انگلیوں سے سجے نرم و نازک ہاتھوں پر آ ٹھہری تھیں۔

"ہاتھوں میں خاصا ذائقہ ہے تمہارے۔" اس نے ذو معنی لہجے میں کہتے ہوئے مہر کی طرف دیکھا تو وہ نا سمجھی کے عالم میں اپنی روئی ہوئی آنکھیں حنان کے چہرے پہ جما گئی اور حنان کا دل بے اختیار ڈول گیا۔

"اچھا شیک بنایا ہے۔" اس کے چہرے پر نظریں

گاڑے حنان نے بظاہر عام سے لہجے میں کہا تو مہر کو تھوڑا حوصلہ ہوا۔

"میرے چپس۔"

"ہاں جاؤ۔" دوسری کرسی کی پشت پہ بازو پھیلائے اس نے شاہانہ انداز میں اجازت دی تو وہ سرعت سے اٹھ کر کوکنگ رینج کی جانب بڑھی۔ لیکن چپس پہ نظر پڑتے ہی اس کا منہ اتر گیا۔ چپس ٹھیک ٹھاک جل چکے تھے۔ اسے ساکت کھڑا دیکھ کے حنان سمجھ گیا کہ چپس کا کام تمام ہو چکا ہے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

"چچ چچ۔ یہ تو جل گئے سارے۔" اس کی بات پہ مہر کی آنکھیں نئے سرے سے بھر آئی تھیں۔ اس نے حنان کی طرف پلٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"آئندہ اگر مجھے انکار کرنے کی غلطی کی نا مہر احمد! تو تمہارے ہر کام کا یہی حشر کروں گا!" اس کی پشت پہ سے حنان کی سرد آواز ابھری تھی۔ اور پھر وہ پلٹ کر کچن سے باہر نکل گیا تھا۔

اس کے منظر سے غائب ہوتے ہی مہر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

سات سال، پورے سات سال بعد انجم کو پاکستان جانے کی نوید سننے کو ملی تھی اور وہ مارے بے یقینی کے پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔ کچھ یہی کیفیت ان کے برابر بیٹھے ہنی کی بھی تھی۔ مگر مارے شاک کے۔ وہ کھانے سے ہاتھ روکے باپ کو دم سادھے تک رہا تھا۔ جنہوں نے اپنے طور پہ اپنی فیملی کو ایک خوشگوار سرپرائز دیا تھا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ابراہیم؟" انجم نے خوشی سے کانپتی آواز میں پوچھا تو ابراہیم صاحب ہنس پڑے۔

"ٹھیک بائیس دن بعد ہماری فلائٹ ہے۔" خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے ٹکٹ انجم کے ہاتھ پہ رکھ دیے تھے۔ اور ہنی کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا تھا۔ اس نے سامنے پڑی پلیٹ پیچھے دھکیل دی تھی۔

"آپ بھی بابا۔ کم از کم بتا تو دیتے کہ پاکستان جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" اس نے بگڑے موڈ سے باپ کی طرف دیکھا۔ تو انجم ٹھٹک کر اس کا چہرہ تکنے لگیں۔

"کیوں کیا ہوا؟" ان کے برعکس ابراہیم صاحب نہ تو چونکے تھے اور نہ ہی انہوں نے اس کے خراب موڈ کو ٹھٹک کر غور سے دیکھا تھا۔ وہ بالکل نارمل لہجے میں بیٹے سے مخاطب ہوئے تھے۔

"پتا نہیں مجھے چھٹی ملے گی یا نہیں۔" باپ کے سوال پہ ہنی بے اختیار اٹکا تھا۔ اس کی بات پر جہاں انجم نے سکون بھری سانس لی تھی۔ وہیں ابراہیم صاحب بھی مسکرا دیے تھے۔

"مل جائے گی۔ تم پریشان مت ہو۔" اور ہنی بے بسی سے نگاہوں کا رخ پھیر گیا تھا۔

"یہی تو مجھے بھی ڈر ہے۔" کوفت سے سوچتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ان لوگوں کی پاکستان آمد کی اطلاع نے قاضی ولا میں رنگ بکھیر دیے تھے۔ خوشی کے مارے زیب بیگم کے پاؤں زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ سات سال بعد وہ اپنے پیاروں سے ملنے والی تھیں۔

پہلے پانچ سال تو گرین کارڈ کے حصول کی نذر ہو گئے تھے۔ انہیں کہیں آئے جائے بغیر امریکہ میں پانچ سال کے لیے مستقل اپنی رہائش رکھنی تھی۔ جبکہ گزشتہ دو سال سے ابراہیم ملک اپنی کاروباری مصروفیات میں کچھ ایسے پھنسے تھے کہ چاہ کر بھی پاکستان آنے کا پروگرام نہ بنا پائے تھے۔

زیب بیگم نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ بچپن کے اس نکاح کے بارے میں مہر سے بات کی جائے۔

"تمہیں یاد ہے مہو۔ جب نانو زندہ تھیں تو ایک دن تمہیں اور ہنی کو بہت اچھے سے کپڑے پہنا کر بہت

بڑا فنکشن کیا تھا ہم نے۔" رات کو وہ مہر کے کمرے میں آئی تھیں۔

"جس دن وہ قاری صاحب بھی آئے تھے نا امی؟" وہ قدرے جوش سے بولی تو زیب دھیرے سے ہنس پڑیں۔

"وہ قاری نہیں، قاضی صاحب تھے بیٹا۔ اس دن انہوں نے تمہارا اور ہنی کا نکاح پڑھایا تھا۔"

"کیا؟" اس کی آنکھیں پھٹی اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"ہاں میری جان۔ تم دونوں کا نکاح، نانو کی خواہش پہ بچپن میں ہی کر دیا تھا ہم نے۔" انہوں نے پیار سے اس کے چہرے پر جھولتی لٹیں کانوں کے پیچھے اڑسیں۔ "آئی ایم سوری بیٹا۔ لیکن تم سے اب تک ذکر اس لیے نہیں کیا تھا کہ تم بغیر کسی ڈسٹربنس کے اپنا میٹرک کلیئر کر لو۔ تھوڑی سمجھ دار ہو جاؤ۔" انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ تو دم سادھے بیٹھی مہر نے اپنی ساکت پلکیں جھپکیں۔

"امی! لیکن یہ، یہ سب۔ او خدا۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔

"جانتی ہوں کہ یہ تمہارے لیے بہت بڑا شاک ہے۔ لیکن بیٹا! انجم آپا نے بچپن میں ہی تمہیں ہنی کے لیے مانگ لیا تھا۔ پھر جب اماں کی طبیعت بہت زیادہ بگڑی تو مجبوراً" ہمیں ان کی خواہش کا احترام کرنا پڑا۔ وہ تم دونوں کی یہ خوشی اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھیں۔" بات کرتے کرتے بے اختیار زیب بیگم کی آنکھیں بھر آئیں تو مہر نے پریشان نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھا۔

"ٹھیک ہے امی! آپ لوگوں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔ لیکن امی مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔" اس کے بے بسی سے کہنے پر زیب نے پیار سے اس کا گال سہلایا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں جان کہ تم اس وقت کیا محسوس کر رہی ہو۔ لیکن پریشان مت ہو۔ میں نے اللہ کے حکم سے تمہارے لیے بہترین فیصلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ انجم آپا میری بہن نہیں بلکہ میری ماں کی جگہ ہیں۔ ان کی ذات پر مجھے خود سے زیادہ بھروسہ ہے۔ وہ تم سے کتنا پیار کرتی ہیں تم اچھی طرح جانتی ہو۔ رہا ہنی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بھی تمہیں پھولوں کی طرح رکھے گا۔"

اور بغور ان کی بات سنتی مہر نچلا لب دانتوں تلے دبائے نظریں جھکا گئی۔ "اور امی اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"

"اللہ نہ کرے۔ ہمیشہ اچھی بات سوچتے ہیں بیٹا۔ بیٹیوں کی قسمتیں تو ویسے بھی تقدیر کے ان دیکھے ہاتھوں میں چھپی ہوتی ہیں۔ بس میری دعا ہے کہ خدا میری تینوں بیٹیوں کا نصیب بہت اچھا، بہت بلند کرے۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے لگا لیا تھا اور نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔ اس کا رونا انہیں بھی جذباتی کر گیا تھا۔

"بس۔ بس میری جان۔" زیب نے اپنے بہتے آنسو سمیٹتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"اس بات کو فی الحال اپنے تک ہی رکھنا۔ تمہارے ڈیڈی نہیں چاہتے کہ اس حوالے سے گھر میں ہر وقت بات ہو اور تمہاری پڑھائی ڈسٹرب ہو۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کیے تو مہر نے خالی الذہنی کے عالم میں دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

سیم کو کالج کی طرف سے صرف پندرہ دنوں کی چھٹیاں ملی تھیں۔ کیونکہ ٹھیک سولہویں دن ان کے کالج کی باسکٹ بال ٹیم آل اسٹیٹس ٹور کے لیے روانہ ہو رہی تھی اور ٹیم میں اس کی موجودگی لازمی تھی۔

"یہ دیکھو میں نے مہر کے لیے تمہاری طرف سے ڈائمنڈ رنگ لی ہے۔" انجم نے ہاتھ میں پکڑی ڈبیا کھول کے بیٹے کے سامنے کی تو سیم کا موڈ بری طرح آف ہو گیا۔

"اس۔ کی کیا ضرورت تھی مام۔" اس نے بمشکل تمام لفظ تماشے کو زبان پر آنے سے روکا۔

"کیوں ضرورت نہیں تھی۔ ویسے تو بڑے کلچرڈ

بنے پھرتے ہو۔ اپنی بیوی کے لیے کچھ لینا ہے۔ یہ نہیں پتا تمہیں!" انہوں نے فہمائشی نظروں سے اسے گھورا تو لفظ بیوی پہ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا خاموش ہو گیا۔

"تمہارے تیور، تمہاری بے نیازی سب میری نظروں میں ہے ہنی۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اگر تم نے کسی ایسی ویسی حرکت کے بارے میں سوچا بھی تو میں مرتے دم تک تمہارا منہ نہیں دیکھوں گی!"

"کیسی فضول باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو کچھ کہا ہے؟" وہ لیٹنے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کہا نہیں لیکن کوئی انٹرسٹ بھی کبھی شو نہیں کیا۔"

"ہاں تو کیا میں سارا وقت اس کی تصویر سینے سے لگا کے پھرتا رہوں یا آپ کے پاس بیٹھا مہر مہر کرتا رہوں۔" وہ انتہائی بدتمیزی سے بولا تو انجم بیگم کا خون کھول گیا۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو ہنی؟"

"تو آپ جو غصہ دلانے والی باتیں کر رہی ہیں۔" وہ دوبدو بولا۔ انجم کی سخت نظریں دو منٹ کو اس کے چہرے پر جم سی گئیں۔

"میں نے تو کوئی غلط بات نہیں کی۔ ہاں تمہیں کیوں اتنا غصہ آرہا ہے یہ غور طلب بات ضرور ہے۔" ان کی نگاہوں کے جتاتے تاثر نے ہنی کا خون کھولا دیا۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" اس کے تپ کر نگاہوں کا زاویہ بدلنے پر انجم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"سو دفعہ نہ کرو بیٹا۔ لیکن ایک بات اپنے ذہن میں بٹھا لو۔ تمہارے یہ تیور کسی کام نہیں آنے والے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم ہر فضول بات کو دماغ سے جھٹک کر دل سے اس فیصلے کو قبول کر لو!" قطعی لہجے میں اپنی بات مکمل کرتی وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ تو غصے سے کھولتے ہنی نے پاس پڑا تکیہ پوری طاقت سے سامنے دیوار پہ دے مارا۔

"آئی ہیٹ یو مہر احمد۔ آئی ریئلی ہیٹ یو!" اس کی سنہری آنکھیں نفرت کے احساس میں ڈوبی چنگاریاں اڑا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

رات دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ لیکن مہر کی آنکھوں میں نیند دور تک نہ تھی۔ یہ کیسا انکشاف تھا جس نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ محض چند ہی لمحوں میں مہر احمد سے مہر تموز بن گئی تھی۔

تموز ابراہیم کی امانت۔ وہ اس کی زندگی کا لازمی جز بن گیا تھا۔ اور کسی سے یوں اچانک جڑ جانے کا احساس اس کے دل و دماغ کو اس حد تک حیران کر گیا تھا کہ وہ تاحال بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ رہ رہ کر اس کی آنکھوں میں ہنی کی تصویریں گھوم رہی تھیں۔ اونچا لمبا گورا چٹا۔ سنہری آنکھوں والا۔ جس کی کھڑی ناک کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا گویا اسکیل رکھ کر سیدھی لکیر کھینچی گئی ہو۔ اس کے بائیں گال پر ایک واضح سیاہ تل تھا۔

مہر نے جب بھی اس کی تصویریں دیکھی تھیں۔ اسے یہ تل ہنی کے چہرے پہ بہت بھلا، بہت پرکشش محسوس ہوا تھا۔ لیکن وہ کبھی اس تل کو چھونے کا اختیار رکھ پائے گی، ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا اور رات کے اس پہر بھی اس بات کو سوچ کر اس کے نادان دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو گئی تھیں۔ وہ بے اختیار گھبرا کر لیٹنے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

اس نے پانی پینے کے ارادے سے سائیڈ ٹیبل کی طرف رخ موڑا تھا۔ لیکن وہاں جگ اور گلاس نہ پا کے اسے اپنی بے دھیانی کا احساس ہوا تھا۔ خود کو ملامت کرتی وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے ایک نظر اپنے برابر سوئی جاشی پر ڈالی تھی اور بنا کوئی آواز کیے، احتیاط سے دروازہ کھول کے باہر چلی آئی تھی۔

باہر نکل کر اس نے راہداری کی لائٹ جلائی تھی اور اسی روشنی میں چلتی سیڑھیاں اتر کر نیچے لاؤنج میں داخل ہونے کو تھی جب اچانک بائیں طرف موجود

اندھیرے میں ڈوبے ڈرائنگ روم سے نکل کر کوئی اس سے بری طرح آ ٹکرایا تھا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ چیخ طویل ہوتی ایک مضبوط ہاتھ سختی سے اس کے لبوں پہ جم گیا تھا۔

"شش میں ہوں۔" مہر کی متحوش نگاہیں خود سے بے حد قریب کھڑے حنان کے چہرے سے ٹکرائی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا پورا زور لگا کر خود کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا تھا۔ ہانپتے ہوئے اس نے ایک گھبرائی ہوئی نظر سامنے کھڑے حنان پہ ڈالی تھی۔ جس کی ہتھیلی مہر کے چہرے کی نرماہٹ پا کے سنسنا اٹھی تھی۔ بے اختیاری کے عالم میں اس کی نظریں مہر کے وجود کی طرف اٹھی تھیں اور پھر گویا پلٹنا بھول گئی تھیں۔ رات کے اس پہر' دوپٹے سے بے نیاز اپنے گھنے بالوں کی چوٹی سینے پہ ڈالے وہ حنان کا دل دھڑکا گئی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے تھے؟" اپنے کانپتے دل کو سنبھالے اس نے سوال کیا تو حنان کی نگاہیں اس کے حواس باختہ چہرے پہ آ ٹھہریں۔

"اسموکنگ کر رہا تھا۔" وہ بنا کسی تامل کے پرسکون لہجے میں بولا تو مہر کا منہ کھل گیا۔

"کیا؟"

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟" حنان نے ابرو اچکائے تو مہر کا سر خود بخود نفی میں ہل گیا۔

"گڈ۔۔ تم کیا کر رہی ہو اس وقت؟" اس کی نظروں کے ارتکاز نے مہر کے اندر عجیب سی سنسناہٹ پیدا کر دی تھی۔ بے اختیار اسے اپنے حلیے کا احساس ہوا تھا۔

"میں پانی پینے آئی تھی۔" گھبرا کر اس نے لاشعوری طور پہ اپنے بازو اپنے گرد لپیٹے تھے۔

"ہاں' مجھے بھی بہت پیاس لگ رہی ہے۔" حنان اپنی سلگتی نظریں اس کے چمکتے چہرے پہ جمائے ایک قدم آگے آیا تو مہر سرعت سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"م میں پانی لاتی ہوں۔" کچن میں داخل ہوتے ہی مہر نے سب سے پہلے لائٹ جلائی تھی۔ اور اپنا دل تھامے وہیں کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ آج حنان کی نظروں میں کیسا احساس تھا جو اس کے رونگٹے کھڑا کر گیا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے بھائی کی جگہ ہیں۔" اپنی سوچ کی نفی کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر لاؤنج کی طرف دیکھا تھا اور پھر اپنے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتی فریج کی جانب چلی آئی تھی۔

دو گلاس پانی پینے کے بعد اس نے ایک صاف گلاس اور بوتل اٹھائی تھی اور بنا بتی بند کیے لاؤنج کی طرف بڑھی تھی۔ حنان صوفے کی پشت سے سر ٹکائے' نیم وا آنکھوں سے کچن کی ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ مہر نے ایک چور سی نظر اس پہ ڈالی تھی اور ہاتھ میں پکڑا۔ گلاس اور بوتل درمیانی میز پر رکھنے کو آگے آئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے وہ دونوں چیزیں وہاں رکھتی حنان نے اسے ٹوک دیا۔

"مجھے پکڑا دو۔" مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مہر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی آئی تھی۔ حنان نے سیدھے ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے تھے۔

لیکن جوں ہی اس نے گلاس اور بوتل کو تھاما تھا مہر اپنی پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ حنان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں نے مہر کی انگلیوں کو اچھا خاصا مس کیا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچے تھے۔ نتیجتاً" گلاس اور بوتل دونوں گرتے گرتے بچے تھے۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ ابھی گر تیں دونوں چیزیں۔" حنان کے شاطر دماغ نے صورت حال کو فوراً" بھانپ لیا تھا۔ اس نے آن واحد میں تیور بدلے تھے۔

"لگتا ہے' کچھ زیادہ ہی نیند آ رہی ہے۔ جاؤ جا کر سو جاؤ" اس کے گھور کر دیکھنے پہ مہر سرپٹ سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی اور سیدھا اپنے کمرے میں آ کر دم لیا تھا۔

"یا اللہ یہ میرا وہم تھا یا۔۔" تھوک نگلتے ہوئے وہ اپنے کمبل میں آ دبکی تھی۔

"ہو سکتا ہے، غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔ کیونکہ پہلے تو ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو مجھ سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے۔" حنان کی ڈانٹ نے اسے الجھا دیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر خود سے سوال جواب کرتی رہی تھی اور پھر اسی گومگو کی کیفیت میں اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

Downloaded From
Paksociety.com

آنے والے دن تیزی سے پر لگا کے اڑے تھے مہر کو اس رات کے بعد حنان کے رویے میں کوئی قابل گرفت بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ سو اس نے بھی اس بات کو اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے نکال دیا تھا۔ ویسے بھی جوں جوں ہنی کی آمد کے دن قریب آ رہے تھے۔ مہر کا دل و دماغ سوائے اس کے خیال کے کسی بھی اور چیز پر مرکوز نہ رہ پا رہا تھا۔ بالآخر انتظار تمام ہوا تھا اور وہ دن بھی آ گیا تھا جب ثمروز ابراہیم مجسم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیسی ہو مہر؟" اس کے بھرے بھرے سے لب دھیرے سے مسکرائے تھے اور ساکت کھڑی مہر کی نظریں اس کے گال کے تل پہ جا ٹھہری تھیں۔ جو لبوں کے مسکراتے ہی مہر کو باقاعدہ کھلکھلا کر ہنستا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟" بامشکل تمام اس شرارتی تل سے نظریں چھڑاتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنا چاہا تھا۔ لیکن ان سنہری کانچ کے ٹکڑوں کو پوری طرح خود پہ مرکوز پا کے وہ نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"یا اللہ! میں کہاں دیکھوں؟" سٹپٹا کر سوچتے ہوئے اس نے اپنی نظروں کے لیے کوئی مرکز تلاش کرنا چاہا تھا۔ اور سامنے ناقدانہ نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے سیم نے اس کے چہرے پر پھیلتے بلاوجہ کے گلال کو دیکھ کر ایک کوفت بھری سانس لی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہنی میری جان! یہ شامی کباب لو نا۔ مجھے پتا ہے میرے بیٹے کو بچپن سے بہت پسند ہیں۔" زیب نے کبابوں کی پلیٹ اٹھا کے بھانجے کی طرف بڑھائی تھی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ ایک ایک چیز اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے اسے کھلائیں۔ ٹیبل پہ موجود ساری ڈشز انہوں نے خاص ان تینوں کی پسند کو سامنے رکھتے ہوئے بنائی تھیں۔ ان کی بے پناہ خوشی ان کے چہرے' ان کے ایک ایک عمل سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں لیتا ہوں خالہ۔" سیم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے کر واپس میز پہ رکھ دی تھی۔ اسے زیب کے اس درجہ پیار اور توجہ سے الجھن ہو رہی تھی۔

"اوف! میرا تو جی نہیں بھر رہا اپنے بچے کو دیکھ دیکھ کے۔ ماشاء اللہ کتنا ہینڈسم ہو گیا ہے آپا!" اس کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے تکتے ہوئے وہ مسکرا کر بہن کی طرف پلٹیں تو سب کے سامنے اس تعریف پہ سیم سچ میں شرمندہ ہو گیا۔ اس کی رنگت میں یک لخت سرخی سی گھل گئی تھی۔ جسے دیکھ کے جاشی نے مسکرا کے ساتھ بیٹھی مہر کو ٹہوکا دیا تھا۔

"دیکھو تو ہنی بھائی کیسے بلش ہو گئے ہیں۔" اور مہر کے لیے مقابل بیٹھے سیم کے گلابیاں چھلکاتے چہرے پہ ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا محال ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ اپنی تصویروں اور مہر کے تصور سے بڑھ کر شان دار شخصیت کا مالک نکلا تھا۔ اس سے مل کر مہر کے لیے اپنے دل کو سنبھالنا ناممکن ہو گیا تھا۔

"بس بھی کرو زیبی! تمہاری حد سے بڑھی محبت اب بچے کو پریشان کر رہی ہے۔" صغیر صاحب کے مسکرا کر ٹوکنے پہ سوائے حنان کے سب ہی ہنس پڑے تھے۔ حنان نے جل کر ایک نظر ہنستے ہوئے سیم پہ ڈالی تھی۔

وہ آج شام سے ہی گھر سے غائب ہو گیا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے واپس لوٹا تھا۔ مہمانوں سے سرسری انداز میں مل کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اور اب کھانے میں شریک ہونے کے لیے سب کے ساتھ آ کر بیٹھا تھا کہ یہاں اس کا خون کھولانے کو یہ نئے ڈرامے دیکھنے

کو مل گئے تھے۔

''اگر زحمت نہ ہو تو مجھے بھی کوئی چاولوں کی ڈش پکڑا دے۔'' سیم سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اس نے قصداً'' با آواز بلند کہا تو جہاں زیب بیگم نے شرمندہ ہو کر ڈش کی طرف ہاتھ بڑھائے وہیں اس کے لہجے کی تلخی پہ ایک پل کو ٹیبل پر خاموشی چھا گئی۔ بے اختیار صغیر صاحب نے خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھا' جو سب سے بے نیاز اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

''کیا کرتے ہیں آپ؟'' وہ کھانا ڈال کر فارغ ہوا تو سیم نے یونہی بات کرنے کو پوچھ لیا۔ اسے حنان سے مخاطب ہوتا دیکھ کے مہر اور جاشی دونوں کے چہروں پہ گھبراہٹ نمودار ہو گئی۔

''میں فی الحال کمال کرتا ہوں۔'' وہ مسکرا کر طنزیہ لہجے میں بولا تو سیم کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

''جی؟''

''بھائی آج کل فارغ ہیں' ہنی بھائی۔ لیکن انہوں نے لندن میں اے سی سی اے میں داخلے کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔'' حنان کے بجائے جاشی نے گھبرا کے سرعت سے جواب دیا تو سیم کی آنکھوں میں ناگواری اتر آئی۔ اس نے ایک سرد نظر اس بدتمیز لڑکے پہ ڈالی اور اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کھانے کے بعد انجم' زیب اور ہنی تینوں لان میں چلے آئے تھے۔ جبکہ دونوں مرد حضرات لاؤنج میں حالات حاضرہ سے متعلق کوئی پروگرام دیکھنے بیٹھ گئے تھے۔ جاشی کا اگلے دن ٹیسٹ تھا' سو وہ کمرے میں چلی گئی تھی اور مہر' صغیر صاحب کی فرمائش پہ کچن میں سبز چائے بنانے آکھڑی ہوئی تھی۔

''یہ کیسا نمونہ آیا ہے بھئی؟'' وہ چائے پیالیوں میں نکال رہی تھی جب حنان کی تمسخرانہ آواز پہ اس کے پیروں سے لگی اور سر پہ بجھی۔ اس نے پلٹ کر غصے سے حنان کی طرف دیکھا جو دروازے سے کندھا ٹکائے' لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

''اتنا غصہ؟ خیر تو ہے؟'' اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے بغور مہر کو دیکھا تو وہ بمشکل تمام خود پہ ضبط کرتی رخ موڑ گئی۔ چائے کپوں میں ڈال کر وہ ٹرے اٹھائے اپنے دھیان میں پلٹی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

حنان اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔

''ایک بات یاد رکھنا' باہر والوں سے پہلے گھر والوں کا حق ہوتا ہے۔'' اس کے چہرے پہ نظریں جمائے اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک کپ ٹرے میں سے اٹھا لیا تو مہر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی اور پھر سائیڈ سے نکل کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

وہ ٹرے اٹھائے لان میں داخل ہوئی تو زیب اور انجم کرسیوں پہ بیٹھی باتوں میں مشغول تھیں۔ جبکہ سیم لان کے انتہائی سرے پہ ٹہلتے ہوئے فون پہ کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

''کیا لائی ہے میری بیٹی؟'' اسے دیکھ کر انجم مسکرائیں۔

''گرین ٹی خالہ۔'' اس نے جھک کر ٹرے ان کے سامنے کی تو دونوں نے اپنے کپ اٹھا لیے۔ مہر کی نگاہیں بے اختیار دور ٹہلتے ہنی پہ جا ٹھہریں۔

''جاؤ' اسے دے آؤ۔'' اس کی نظروں کے جواب میں انجم بیگم اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولیں۔ ان کی بات پر مہر کے چہرے پہ گھبراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھی تو دونوں بہنیں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔

''ایکسکیوز می۔'' سیم اپنے دھیان میں اپنے دوست سے بات کر رہا تھا جب ایک نرم سی آواز اس کی پشت سے ابھری تھی۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور مہر کو ٹرے اٹھائے دیکھ کر اس نے سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائی تھیں۔

''گرین ٹی۔'' اس کی بات پہ سیم نے آگے بڑھ کر کپ اٹھا لیا تھا اور پھر سے ٹہلتے ہوئے اپنی باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی اس بے نیازی پہ نجانے کیوں مہر کو مایوسی سی ہوئی تھی۔ اس کا دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ وہ چپ چپ سی ماں اور خالہ کے قریب چلی آئی تھی۔ بیٹی کی یہ حرکت انجم کی زیرک نگاہوں سے

محفوظ نہ رہ سکی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کھولتی، مسکرا کر مہر کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"مہو میری جان! جاؤ میرے کمرے سے میرا پرس لے کر آؤ۔" ان کی بات پہ مہر اثبات میں سر ہلاتی اندر چل دی تھی اور چند ہی لمحوں بعد ان کا پرس لیے ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔ انجم نے ایک نظر مصروف گفتگو سیم پہ ڈالی تھی اور اگلے ہی لمحے اسے پکار لیا تھا۔

ماں کی پکار پہ سیم نے پلٹ کر دیکھا اور ان دونوں کے ساتھ مہر کو بیٹھا دیکھ کے اس کا دل بے زاری سے بھر گیا تھا۔

"او کے ڈیوڈ! میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" ان تینوں پہ نگاہیں جمائے اس نے اپنے دوست سے کہا تھا اور پھر فون بند کرتا ان کے قریب چلا آیا تھا۔

"جی مام؟"

"مہر کو اس کا گفٹ نہیں دو گے؟" انجم نے مسکراتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھا تو ان کی بات پہ جہاں مہر کا چہرہ یک لخت سرخ پڑ گیا۔ وہیں سیم کی سٹی گم ہو گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ خود دے دیں نا۔" اس کے جواب پہ زیب اور انجم دونوں ہنس پڑیں۔ مہر بھی اپنی مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا گئی۔

"لو گفٹ تمہارا اور دوں میں۔" انجم نے سر جھٹکتے ہوئے پرس کھول کے اندر رکھی مخملی ڈبیہ نکالی۔

"یہاں بیٹھو اور خود پہناؤ اپنے ہاتھوں سے۔"

انہوں نے اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سیم کو آگے بڑھنا پڑا تھا۔ اسے ماں کی اس درجہ ہوشیاری پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس لیے خاموشی سے ڈبیہ تھامے مہر کے برابر جا بیٹھا تھا۔

"پتا ہے مہو! یہ رنگ ہنی خاص طور پہ خود جا کر تمہارے لیے لایا تھا۔" انجم نے مسکراتے ہوئے بتایا تو مہر کی ساری مایوسی ہوا ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو کر اس کی پلکوں کو جھکنے پہ مجبور کر گئی تھیں۔ جبکہ سیم کا چہرہ مارے غصے کے سرخ پڑ گیا تھا۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ اس کی ماں اتنے فراٹے سے جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔

اس نے مزید کچھ کہے سنے بغیر ڈبیہ کھول کے اندر موجود انگوٹھی باہر نکالی تھی اور اپنا بایاں ہاتھ مہر کے آگے پھیلا دیا تھا۔ اس کی مضبوط چوڑی ہتھیلی پہ نگاہ پڑتے ہی مہر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنا یخ پڑتا ہاتھ جھجکتے ہوئے سیم کی طرف بڑھایا تھا۔ دونوں کی انگلیاں مس ہوئی تھیں اور مہر کے پورے وجود میں کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔

اس نے میکانکی انداز میں انگوٹھی مہر کی انگلی میں منتقل کی تھی اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"اللہ میرے بچوں کی جوڑی سلامت رکھے۔" اس خوب صورت منظر نے زیب کو آبدیدہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھیں اور آگے بڑھ کر انہوں نے سیم کا سر چوم لیا تھا۔

"میری مہو کا خیال رکھو گے نا ہنی؟" اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے انہوں نے بڑی آس سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور سیم اس پل سوائے اثبات میں سر ہلانے کے اور کچھ نہ کر سکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہنی کے فقط بارہ دن کے پروگرام نے سب کو ملول کر دیا تھا۔ رہ رہ کر ان کے لبوں پر اس کے چند دنوں کی آمد کا گلہ آ ٹھہرتا تھا۔ جو مہر کے دل کی آواز تھا۔

آج وہ سب صبح سے "دلی تنگی" کی حسین وادی میں پکنک منانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اتوار کی چھٹی کی وجہ سے صغیر قاضی بھی اس پروگرام میں شامل تھے سو حنان کو نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ آنا پڑا تھا۔ ورنہ اتنے دنوں میں وہ ان کے کسی پروگرام میں شامل نہ ہوا تھا۔

موسم کی جولانی آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بادلوں نے صبح سے ہی آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا، لہراتے درخت، چشموں کا بہتا ہوا شفاف

پانی اور ارد گرد کھڑے بلند و بالا پہاڑ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سیم کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ اسے یوں قہقہے بکھیرتا دیکھ کے مہر کو خوشگوار حیرت نے آن گھیرا تھا۔ ورنہ وہ تو اسے اب تک خاصا کم گو سمجھے ہوئے تھی۔

اتنے دنوں میں اس کی شخصیت مہر کے سامنے ایک ڈیسنٹ اور سلجھے ہوئے انسان کے طور پہ ابھر کر آئی تھی۔ جسے اپنے جذبات اور اپنی آنکھوں پہ کمال کا کنٹرول حاصل تھا۔ اس نے ایک پل کے لیے بھی اپنے اور مہر کے درمیان موجود رشتے کا فائدہ اٹھا کر کوئی اخلاق سے گری ہوئی بات یا حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ وہ امریکہ جیسے کھلے ملک کا پروردہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے مہر کو کسی بھی غیر معمولی بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اور اس چیز نے مہر احمد کے معصوم سے دل میں تموز ابراہیم کی عزت بڑھا دی تھی۔ وہ اپنے بڑوں کے اس فیصلے پہ اب صحیح معنوں میں خوش اور مطمئن تھی۔ ہنی کی شخصیت سے لے کر اس کی عادات اور مزاج تک سب اس کے سامنے تھا اور اسے اب کسی بات کی کوئی پریشانی نہیں رہی تھی۔

کھانے کے بعد ہائی کنگ کا پروگرام تھا۔ لیکن موسم کے تیور دیکھتے ہوئے سب ہی بڑے انہیں منع کرنے لگے تھے۔ بارش کی آمد بادلوں کے سرمئی ہونے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ ایسے میں اگر وہ لوگ پہاڑوں کا رخ کرتے اور بیچ راستے بارش شروع ہو جاتی تو ان کے لیے ڈھلوان راستوں پہ اترنا مشکل ہو جاتا۔ مگر سیم اور جاشی کسی کی سننے کو تیار نہ تھے۔ نتیجتاً بڑوں کو انہیں اجازت دیتے ہی بنی تھی۔

وہ چاروں، چھوٹی نوریہ کے ساتھ قریبی پہاڑ پہ چڑھائی کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی آدھے راستے بھی نہ پہنچے تھے کہ بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

''میرے خیال میں مسٹر ہنی! بہت ہو گئی ہائی کنگ۔ ہمیں اب واپس چلنا چاہیے۔'' حنان نے ایک نظر آسمان پہ ڈالتے ہوئے طنزیہ نظروں سے سیم کی طرف دیکھا تو اس کا لب و لہجہ سیم کی تیوریاں چڑھا گیا۔

''ہاں تو جاؤ۔ کس نے روکا ہے۔'' اس نے پلٹ کر حنان کو ناگواری سے دیکھا تھا۔ اس کا جواب حنان کو سلگا گیا تھا۔ اس نے ایک تیز نگاہ سیم کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اور رخ موڑ کر جاشی سے مخاطب ہوا تھا۔

''چلو جاشی اور نوریہ۔''

''بھائی! ہم ہنی بھائی کے ساتھ ___'' جاشی نے لجاجت سے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ حنان نے اپنا سارا غصہ اس پہ نکال دیا۔

''تم نے سنا نہیں، میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' اس کی بلند آواز پہ جاشی پہلے سہم کر چپ ہوئی تھی اور پھر مارے شرمندگی کے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ اس نے خفگی سے بھائی کی طرف دیکھا تھا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر تیز قدموں سے نیچے اترنے لگی تھی۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' اس بلاوجہ کے رعب نے سیم کا دماغ گھما دیا تھا۔ وہ سرعت سے دو قدم نیچے کو آیا تھا کہ مہر نے سہم کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''پلیز ہنی!'' اس کی التجا پہ ناچار سیم کو خود کو روکنا پڑا تھا۔ اگر مہر اور نوریہ ساتھ نہ ہوتیں تو آج وہ سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کے اس بد دماغ لڑکے کا مزاج ٹھکانے لگا دیتا۔ لب بھینچے اس نے ایک کڑی نگاہ حنان پہ ڈالی تھی۔ جو چبھتی ہوئی نظروں سے مہر کے ہاتھ میں دبے ہوئے سیم کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

''چلو نوریہ۔'' اس نے آگے بڑھ کر نوریہ کا ہاتھ تھاما اور پلٹ کر نیچے اترنے لگا تھا۔ بارش کی بوندوں میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ لیکن سیم کو بھی جیسے ضد سوار ہو گئی تھی۔

''تم نے جانا ہے تو تم بھی چلی جاؤ۔'' مہر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ غصے سے بولا تو مہر کا سر خود بخود نفی میں ہل گیا۔ سیم ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتا اوپر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اور مہر خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

تقریباً" دس منٹ بعد وہ دونوں پہاڑ کے انتہائی سرے پر پہنچ گئے تھے۔ اس دوران بارش پھوار میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"واؤ! کیا خوب صورت نظارہ ہے۔" چوٹی پہ پہنچ کے نیچے بارش میں بھیگتی وادی کا منظر ایک پل کو انہیں مبہوت کر گیا تھا۔

"دیکھو مہر! وہ سامنے پھیلے باغات کتنے خوب صورت لگ رہے ہیں۔" ہنی جوش سے بولتا اس کے قریب آیا تو مہر کا دل دھڑک اٹھا۔

"جی۔" اس کے ساتھ کھڑے ہوئے مہر کو اس پل وہ بے حد اپنا اپنا سا لگا تھا۔ تب ہی بادل زور سے گرجے تھے۔ دونوں کی نظریں ایک ساتھ آسمان کی جانب اٹھی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔

ہنی نے فوراً" سے پیشتر مہر کا ہاتھ تھاما تھا اور بھاگتے ہوئے ایک طرف نصب شیڈ کے نیچے آ کھڑا ہوا تھا لیکن اتنی پھرتی کے باوجود دونوں ٹھیک ٹھاک بھیگ چکے تھے۔ پہاڑ پہ بارش کس بلا کا نام تھا۔ اس کا احساس انہیں اس لمحے اپنی آنکھوں کے آگے تنی پانی کی دبیز چادر کو دیکھ کر ہوا تھا۔ جس کے پار کچھ بھی دیکھنا ناممکن تھا۔ بادلوں کی گھن گرج الگ دل دہلائے دے رہی تھی۔ وہ دونوں ہی بری طرح خوف زدہ ہو گئے تھے۔

"اب ہم کیا کریں گے ہنی؟" مہر روہانسی سی اس کے قریب کھسکی تو ہنی نے غیر ارادی طور پہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔ اسے اپنی ضد کے غلط ہونے کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ ساتھ مہر کو بھی مشکل میں پھنسا دیا تھا۔

"پریشان نہ ہو۔ ابھی رک جائے گی۔" ڈوبتے ابھرتے دل کے ساتھ اس نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی۔ تب ہی بجلی کی چمک سے اردگرد کا علاقہ روشن ہو گیا تھا اور اگلے ہی پل بادل اس زور سے گرجے تھے کہ مہر تو جو کانپی سو کانپی تھی۔ ہنی کا اپنا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ مہر کے لبوں سے نکلنے والی چیخ بے اختیار تھی۔ وہ ہنی کے سینے میں منہ دیے بے اختیار رو پڑی تھی۔

"ششش۔ اٹس آل رائٹ۔" ہنی نے پریشانی سے طوفانی انداز میں برستی بارش کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت کیا کر رہے تھے، کس پوزیشن میں کھڑے تھے۔ ان میں سے کسی کو احساس تک نہ ہوا تھا۔

تقریباً" دس منٹ تک بارش یونہی چھاجوں چھاج برستی رہی تھی اور ہنی اسے نرمی سے خود سے لگائے کھڑا رہا تھا۔ دس منٹ کے بعد بارش کا زور کچھ ٹوٹا تو ہنی کو بہتری کی امید نظر آئی تھی۔

"میرے خیال میں بارش رکنے والی ہے۔"

"رک بھی گئی تو ہم نیچے کیسے اتریں گے؟" مہر نے خوف زدہ نظروں سے ڈھلان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہمت تو کرنی پڑے گی۔ دعا کرو ہم جب اتر رہے ہوں تب بارش دوبارہ نہ شروع ہو جائے۔" اور مہر نے صدق دل سے اپنے رب کی مدد کو پکارا تھا۔

اس کی دعا قبول ہوئی تھی اور بارش معجزاتی طور پہ مکمل بند ہو گئی تھی۔ ہنی نے وقت ضائع کیے بغیر مہر کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور اللہ کا نام لے کر نیچے اترنا شروع کیا۔ وہ پتھروں اور مٹی کو پہلے اپنے جاگرز کی ٹو سے ٹھوک کر دیکھتا تھا اور پھر وہاں پر مہر کو پاؤں رکھنے کے لیے کہتا تھا۔ اس کے باوجود دونوں کتنی ہی بار لڑکھڑائے تھے۔ کتنی ہی بار پھسلے تھے مگر ایک دوسرے کے ساتھ نے انہیں گرنے نہ دیا تھا۔ بالآخر یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا سفر بھی تمام ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بھاگتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی طرف آئے تھے۔ جس کے برآمدے میں سب ہی گھر والے پریشان حال کھڑے تھے۔ زیب اور انجم بیگم کا رو رو کے برا حال ہو چکا تھا۔

ان پہ نظر پڑتے ہی سب بے اختیار دونوں کی طرف بڑھے تھے۔ جی بھر کے پیار کرنے کے بعد سب ہی نے ہنی کی اچھی خاصی کلاس لی تھی۔ جو ہنستے ہوئے خندہ پیشانی سے اپنی غلطی قبول کرتا مہر کے دل میں گھر کر گیا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں اس کا محافظ ثابت ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی اپنی بے اختیاری اور اس کا محبت بھرا انداز مہر

کے چہرے پہ رنگ ہی رنگ بکھیر گیا تھا۔ وہ ان لمحوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے حسان کی خود پہ جمی نظروں کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ جو کینہ توز نگاہوں سے اس کے لبوں پہ کھیلتی دھیمی سی مسکراہٹ سے لے کر اس کی پلکوں کے بوجھل پن تک کو نوٹ کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دن چٹکی بجاتے میں تمام ہوئے تھے۔ اور پھر وہ وقت بھی آگیا تھا۔ جب سیم اپنی روانگی کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اسے فردا "فردا" سب سے ملتا دیکھ کر مہر کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔ وہ آج صبح سے ہی کتنی بار چپکے چپکے آنسو بہا چکی تھی۔ مگر دل تھا کہ کسی طور ٹھہرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"اوکے مہر۔" سب سے مل کر وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو بے اختیار مہر کی نگاہیں اس کے تل پہ جا ٹھہریں۔ لیکن محض لمحہ بھر کو۔ اگلے ہی پل اس کا تل اور چہرہ دونوں دھندلانے لگے تو اس نے تیزی سے نظریں جھکالیں۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو سامنے کھڑے سیم نے چونکتے ہوئے اب کے بغور اس کی طرف دیکھا۔ جس کا چہرہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو رہا تھا۔

"یہ نوبت کیسے آئی؟" حیران نظروں سے مہر کو تکتے ہوئے اس نے پریشانی سے سوچا تھا۔ اسے تو کوشش کے باوجود بھی ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ جب اس نے آس کا کوئی جگنو اس لڑکی کو تھمایا ہو۔ پھر بھلا یہ کیسے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس کا دور جانا مہر کی آنکھوں میں آنسو بھر گیا تھا۔

"پتا ہے ہنی! میں نے اپنے اللہ سے اپنے لیے ایک مخلص اور باکردار شریک سفر کی دعا مانگی تھی اور میں اس کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میری دعا رد نہیں کی۔" اس نے یک لخت اپنی نگاہیں اٹھاتے ہوئے سیم کے چہرے پہ جمادی تھیں اور سیم کا پورا وجود ایک پل کو ساکت ہو گیا تھا۔

"مجھے اپنے اللہ اور اپنے ماں باپ کا فیصلہ دل کی گہرائیوں سے قبول ہے۔ مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے ہنی۔"

وہ آنکھوں میں نمی لیے دھیرے سے مسکرائی تھی۔ اور سیم کے لیے اس سچے موتیوں سے پاکیزہ اظہار کے سامنے رکنا محال ہو گیا تھا۔ وہ پاگل لڑکی اپنے اور اس کے درمیان اللہ کو لے آئی تھی۔ اب بھلا وہ اسے کیا جواب دیتا؟

"تم بھی اپنا خیال رکھنا۔" اس عجیب سے احساس سے دامن چھڑاتے ہوئے اس نے گھبرا کے الوداعی کلمات ادا کیے تھے اور اس کے معصوم چہرے سے نظریں ہٹاتا پلٹ کر تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"اللہ کی امان میں۔" اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی مہر کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔

☼ ☼ ☼

رات دھیرے دھیرے اپنا زرتار آنچل پھیلا رہی تھی۔ سب گھر والے لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھتے ہوئے باتوں میں مشغول تھے۔ لیکن مہر کے اداس دل کو یہ آوازیں، یہ شور ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھی تھی اور داخلی دروازہ کھول کے باہر لان میں آ بیٹھی تھی۔ ہنی کا خیال اس کی ذات سے جیسے لپٹ سا گیا تھا۔ وہ کیسے اتنی جلدی اس کے دل و دماغ پہ قابض ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھ نہ پائی تھی۔ یا پھر یہ اس رشتے کا اعجاز تھا۔ جس کے تناظر میں اس نے تموز ابراہیم کو دیکھا تھا۔ یا یہ اس کی بھرپور شخصیت کا کمال تھا جو آئی اور اس کے دل پہ چھاتی چلی گئی تھی۔ جو بھی تھا وہ گرفتار محبت ہو گئی تھی۔ اور اب یہ محبت اسے بری طرح ستا رہی تھی اداس کر رہی تھی۔ وہ جب تک انجان تھی مکمل طور پہ پرسکون تھی۔ لیکن اب تو جیسے جان کو نیا روگ لگ گیا تھا۔ وہ کیسے اس ماہ و سال پہ پھیلنے والی دوری کو برداشت کرنے والی تھی اس کی

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"یہ مراقبہ ہے یا ڈیئر کزن کے جانے کا سوگ۔ مہر احمد؟" حنان جو ابھی ابھی گھر لوٹا تھا۔ اسے لان میں تنہا بیٹھا دیکھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔ لیکن مہر اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ اسے حنان کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوا تھا اور اس چیز نے ناچاہتے ہوئے بھی حنان کو پتنگے لگا دیے تھے۔ وہ خود کو طنز کرنے سے روک نہ سکا تھا۔

اس کی آواز پہ مہر بے اختیار چونکی تھی اور پھر دھیرے سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔ اس دن پہاڑ پہ کون سا گل کھلایا تھا جو۔۔۔" معنی خیزی سے کہتا وہ دھیرے سے مسکرا کر بات ادھوری چھوڑ گیا تو مہر کی آنکھیں مارے بے یقینی کے پتھرا سی گئیں۔

"سنی بھائی!" دکھ کی شدت سے وہ بس یہی کہہ پائی تھی۔

"واہ! میں سنی بھائی اور وہ صرف ہنی۔ عجیب بات ہے نا؟" کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو مہر کی ہمت جواب دے گئی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کبھی ایسی بات بھی کر سکتے ہیں۔" شاکڈ سی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "آپ نے ساری زندگی مجھ سے سوتیلوں والا سلوک کیا۔ کبھی مجھے قبول نہیں کیا مگر میں نے اف تک نہیں کی۔ لیکن آپ میرے دامن پہ یوں کیچڑ اچھالیں گے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا!" بات کرتے کرتے اس کی آواز بھر آئی تھی۔

"یہ آنسو وہاں بہانا جہاں ان سے تم جیسوں کا کام نکل سکتا ہو۔ میں تمہاری اوقات سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتا وہ بنا کسی لحاظ کے بولا تو مہر کا دل مارے غم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ "پتا نہیں کون سا دن تھا جو تم اور تمہاری ماں میرے باپ کے سر منڈھی گئی تھیں۔"

"سنی بھائی!" مہر کے لیے مزید برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچے بے اختیار چلا اٹھی تھی۔

"آواز نیچی کرو!" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا تھا۔ "اور میرے سامنے اپنی معصومیت کا یہ ڈھونگ اب کبھی مت رچانا۔" انگلی اٹھائے وہ اسے وارننگ دیتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا اور پیچھے مہر کرسی پہ گر کر پھوٹ پھوٹ کے روتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نیویارک ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی آزادی کا بڑا گہرا اور پرکیف احساس تھا جس نے سیم کو سراپا اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ چودہ دنوں کی تھکن چند ہی لمحوں میں ہوا ہو گئی تھی۔ وہ پاکستان اور اس سے جڑا ہر غم پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب آنے والے کئی سالوں کے لیے آزاد تھا۔

"یاہو! آئی ایم فری!" گھر پہنچتے ہی اس نے آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا تحفوں سے بھرا بیگ دور اچھال دیا تھا۔

اگلی صبح مہر کے لیے جتنی بوجھل تھی۔ حنان کے لیے اتنی ہی خوشگوار ثابت ہوئی تھی۔ اس کا ایڈمیشن لندن یونیورسٹی میں کنفرم ہو گیا تھا۔ اس خوش خبری نے پورے گھر میں ہلچل مچا دی تھی۔ اتنی شاندار کامیابی پر حنان کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔

نیویارک پہنچ کر صرف ایک دن کا وقفہ بیچ میں آیا تھا اور اس کے اگلے دن سیم اپنی باسکٹ بال ٹیم کے ساتھ آل اسٹیٹس ٹور کی پہلی منزل کیلی فورنیا کی طرف فلائی کر گیا تھا جہاں کے ساحل سمندر، سرخ درختوں کے جنگل، لاس اینجلس کے وسط میں واقع ہالی وڈ اور ڈیتھ ویلی سمیت بہت سی جگہوں نے اسے مسحور کر دیا تھا۔ وہ بیچ میں جیسے اپنے خوابوں کے سفر پہ نکل کھڑا ہوا تھا۔ جہاں صرف وہ تھا اور اس کی آزادی۔

ایسے میں انٹر اسٹیٹس ٹورنامنٹ کھیلتے ہوئے اس کی ملاقات بہت سی حسیناؤں سے ہوئی تھی۔ لیکن کیٹ کے جادوئی حسن نے اس پہ گویا سحر طاری کر دیا تھا۔ وہ بلا کی حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی بولڈ بھی تھی اور سیم اس کے سامنے دھارنے کی جرات بھی نہ کر پایا

تھا۔ دو دن محض دو دن اور وہ سیم کی پوری ٹیم سے اتنی فری ہو گئی تھی کہ تنہا سب لڑکوں کے ساتھ اتوار کی چھٹی گزارنے ساحل سمندر پہ چلی آئی تھی۔ جہاں ایک بھرپور اور سنسنی خیز دن گزارنے کے بعد وہ واپسی کے وقت ایک بار پھر سیم کے بازو سے لٹک گئی تھی۔

"اب کہاں جاؤ گے تم لوگ؟" اس نے اپنی نیلگوں آنکھیں سیم کے چہرے پہ جماتے ہوئے پوچھا تو سیم کے لیے اپنے ذہن کو حاضر رکھنا دشوار ہو گیا۔

"آ۔۔۔ تمہیں ڈراپ کر کے واپس ہوٹل جائیں گے۔" اس نے بامشکل تمام ان نیلی آنکھوں سے نظریں ہٹائی تھیں۔

"اور اگر میں کہوں کہ تم بھی میرے ساتھ ہی ڈراپ ہو جاؤ تو؟" وہ ایک دم اس کی جانب کھسک آئی تو سیم اپنی پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ہر طرح کی حدود شکنی کے باوجود اس نے یہ آخری حد تاحال پار نہیں کی تھی۔

"تم وعدہ کرو کہ تم خود کو بچانے کی صرف کوشش نہیں بلکہ بھرپور کوشش کرو گے!" اس کے کانوں میں اس کے بابا کی آواز گونجی تو اس نے اپنے خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیری۔ بڑی ہی کڑی آزمائش تھی جس نے اسے آن گھیرا تھا۔

"میرے خیال میں کیٹ یہ اچھا آئیڈیا نہیں۔۔۔"

"پلیز۔" اس کے گلے میں اپنی نازک بانہیں ڈالتے ہوئے وہ درمیان میں موجود تھوڑا سا فاصلہ بھی ختم کر گئی تو سیم کی سانس اس کے سینے میں اٹک گئی۔

"جس دن اپنی آرزوؤں، اپنی خواہشات کے پیالے کو توڑ دو گے، اس دن زندگی تم پر حقیقت کے دروازے کھول دے گی۔" اس کے باپ کی آواز ایک بار پھر اس کے آس پاس گونجی تھی۔ تب ہی کیٹ نے اسے اپنی جانب جھٹکا دیا تھا۔ اور سیم کے لیے اس کے سرخ لبوں سے نظریں ہٹانا ناممکن ہو گیا تھا۔

"اس رنگین پیالے کو توڑنا کہاں ممکن ہے بابا۔" بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال لیے تھے۔

☆ ☆ ☆

برائی کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم سب سے بھاری ہوتا ہے۔ لیکن ایک بار جب یہ قدم اٹھ جاتا ہے۔ تو آگے کا راستہ بالکل سہل ہو جاتا ہے اور یہی سیم کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

اسے پاکیزگی اور شرم کی اس آخری حد کو پار کرنے میں صرف پہلی بار جھجک محسوس ہوئی تھی اور اس کے بعد جیسے سب کچھ آسان ہوتا چلا گیا تھا۔ کیلی فورنیا میں ان کا قیام مزید تین دن رہا تھا اور ان تین دنوں میں اس کی ہر رات کیٹ کے سنگ گزری تھی۔ وہ ماں باپ، دوست احباب سب بھول گیا تھا۔ یاد رہی تھی تو صرف عورت، جس کا نشہ سر چڑھ کے بولتا ہے۔ جلد ہی وہ اپنی ٹیم کے ساتھ اگلی منزل کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔

پاکستان سے آئے اسے ہفتہ ہونے کو تھا۔ مگر اس نے ایک بار بھی پلٹ کر فون نہیں کیا تھا اور اس چیز نے انجم بیگم کو دل گرفتہ کرنے کے ساتھ ساتھ سب کے سامنے عجیب سی شرمندگی سے بھی دوچار کر دیا تھا۔ وہ اس قدر رنجیدہ ہوئی تھیں کہ انہوں نے ابراہیم ملک کو بھی سختی سے اس سے رابطہ کرنے سے منع کر دیا تھا اور تب ٹھیک نویں دن انہیں سیم کی کال موصول ہوئی تھی۔

"خوامخواہ تم نے زحمت کی۔ ہم چھ، سات دنوں میں آنے والے تو تھے ہی۔" اس کی کھنکتی آواز انجم بیگم کا دل مزید بوجھل کر گئی تھی۔

"مجھے معلوم تھا۔ آپ مجھ سے ناراض ہوں گی۔ مگر کیا کرتا مام! ٹائم ہی نہیں ملا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"صحیح کہا بیٹا۔ ہمارے لیے تو واقعی اب تمہارے پاس ٹائم ہی نہیں رہا۔"

"پلیز مام! بس بھی کریں۔ میں نے اتنی دور سے آپ سے بات کرنے کے لیے فون کیا ہے اور آپ ہیں کہ موڈ آف کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔" اس کی بے زار آواز پہ انجم نے اک گہری سانس لی۔

"اور سناؤ' سب ٹھیک ہے وہاں؟ کیسے جا رہے ہیں تمہارے میچز؟" وہ ماں تھیں سو انہوں نے ہی ہتھیار ڈالنے تھے۔

"فرسٹ کلاس۔ آپ کو پتا ہے ہم نے ابھی تک اپنا ایک بھی میچ نہیں ہارا۔" وہ مسکرا کر بولا تو انجم اس سے رہائش اور کھانے پینے کی تفصیلات پوچھنے لگیں۔

"اچھا۔ اب میں فون زیبی کو لے جا کر دے رہی ہوں۔ وہ روز تمہارا پوچھتی ہے۔" چند لمحے مزید بات کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں تو دوسری طرف موجود سیم یک لخت جھنجلا گیا۔

"پلیز مام! ابھی نہیں۔ ابھی مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔"

"اچھا! ایک لمحہ پہلے تک تو تمہیں کوئی نیند نہیں آ رہی تھی۔" ان کی تیوری پہ بل پڑ گئے۔

"تب بھی آ رہی تھی لیکن آپ سے۔۔۔"

"اسٹاپ اٹ ہنی! اب تم میرے صبر کو آزما رہے ہو۔" دوسری طرف سے انجم بیگم نے غصے سے اس کی بات کاٹی تو وہ مارے باندھے خاموش ہو گیا۔ اس کی بے چین نگاہیں بے اختیار باتھ روم کے بند دروازے سے ٹکرا کر واپس لوٹ آئیں۔ جس کے دوسری طرف اس کی نئی دوست روز تھی۔

روز سے اس کی ملاقات کیلی فورنیا سے مشی گن جانے والی فلائٹ کے دوران ہوئی تھی۔ روز ایک کلب میں ڈانسر تھی اور اس وقت سیم کو بالکل حیرت نہ ہوئی تھی۔ جب اس نے ایئرپورٹ پہ اترنے سے پہلے سیم کو اپنا کارڈ دیا تھا۔ آج سیم نے اسی کارڈ پہ درج نمبر پر کال کر کے اسے آنے کے لیے کہا تھا۔ اور وہ بخوشی اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا جلدی کریں۔" اس کے لہجے کی تلخی کو حوصلے سے نظر انداز کرتے ہوئے انجم نے فون لے جا کر زیب کو تھما دیا تھا اور خود مہر کو لینے اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"آجاؤ بیٹا! ہنی کا فون آیا ہے۔" اور مہر کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھ کر ننگے پاؤں ہی ان کے ساتھ چل پڑی تھی۔

"اچھا۔ یہ مہو سے بات کرو۔" انجم کے اشارے پہ زیب نے فون مہر کے ٹھنڈے پڑتے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

"ہیلو۔" اس کی پھنسی ہوئی آواز نے دونوں خواتین کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا جبکہ دوسری طرف سیم کی بھنویں تن گئی تھیں۔ وہ نروس تھی۔ اس احساس نے نجانے کیوں اسے سلگا دیا تھا۔

"آواز کیوں بند ہو گئی ہے تمہاری؟" وہ جل کر بولا تھا۔ لیکن مہر اپنی گھبراہٹ میں اس کے لہجے پر غور نہ کر پائی تھی۔

"نہیں۔ بس یونہی۔ آپ سنائیں کیسے ہیں؟" ایک پل کی جھجک کے بعد اس نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟" تب ہی باتھ روم کا دروازہ اچانک کھلا تھا اور سیم کی آنکھیں ریڈ نائٹی میں' بھیگی زلفیں موی شانوں پر پھیلائے باہر آتی روز پر جم کے رہ گئی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ آپ کا ٹور کیسا جا رہا ہے؟" وہ نرمی سے گویا ہوئی تھی۔ مگر دم سادھے سیم کی بے خود نظریں اپنی جانب بڑھتی' اس مہکتی ہوئی قیامت پہ گڑی تھیں۔ جو اس کی محویت دیکھ کے بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

"ہیلو۔" کوئی جواب نہ پا کر مہر نے بے اختیار پکارا تھا۔ تب ہی روز چلتی ہوئی بیڈ پہ اس کے بے حد نزدیک آ بیٹھی تھی۔ سیم کی آنکھیں اس کی آنکھوں سے جیسے بندھ سی گئی تھیں۔

"ہیلو۔" مہر کی آواز ایک بار پھر ابھری تھی۔ لیکن سیم نے نگاہوں کے اس طلسم کو توڑے بنا کال کاٹ کر فون دور اچھال دیا تھا۔

"ٹو ہیل ود یو!" (بھاڑ میں جاؤ تم!) منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر روز کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا۔

"میرے خیال میں لائن کٹ گئی شاید۔" فون بند

کرتے ہوئے مہر کے دل پہ اوس سی آگری تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ پھر ملالیں گے۔" انجم اسے خود سے لگائے مسکرا دی تھیں۔ لیکن پھر ملانے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ انجم اور ابراہیم صاحب مزید چھ روز ہی رہے تھے کہ ان کی واپسی کا دن آگیا تھا۔ اس دوران سیم نے فقط ایک بار ہی کال کی تھی اور وہ بھی انتہائی مختصر دورانیے کی۔ بقول اس کے وہ اپنے میچز اور پریکٹس سیشنز میں سخت مصروف تھا۔ اس کی مصروفیت کا سن کر ابراہیم صاحب نے بھی اسے ڈسٹرب کرنے سے منع کر دیا تھا۔ یوں وہ دونوں ایک ماہ پاکستان میں گزار کر واپس روانہ ہوگئے تھے۔

آنے والا مزید ایک ماہ پر لگا کے اڑا تھا اور بالآخر ایک دن حنان قاضی بھی دو ڈھائی سالوں کے لیے 'لندن روانہ ہو گیا تھا۔

اس کی روانگی کے بعد ایک ان دیکھا بوجھ تھا۔ جو مہر کو اپنے شانوں سے سرکتا محسوس ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

سیم نے Yale یونیورسٹی میں اسکول آف مینجمنٹ میں داخلے کے لیے اپلائی کیا تھا اور خوش قسمتی سے وہ وہاں کا ٹیسٹ اور انٹرویو دونوں کلیئر کر گیا تھا۔ Yale میں پڑھنا سیم کا خواب تھا اور وہ اپنے اس خواب کو حقیقت میں ڈھال کر خود پہ مزید نازاں ہو گیا تھا۔ اسے اپنے روشن مستقبل کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نظر نہ آرہی تھی۔ زندگی نے اس کی آرزوؤں میں سے ایک اور آرزو پوری کر دی تھی۔ سو وہ خوش تھا۔ بے حد خوش!

اس کی اس شان دار کامیابی پہ سب ہی پھولے نہ سما رہے تھے۔ یوں تموز ابراہیم 'اپنی زندگی کا ایک اور باب شروع کرنے نیو ہیون سٹی چلا آیا تھا۔ جہاں اس کی ملاقات اپنی زندگی میں آنے والے دو اہم ترین لوگوں سے ہوئی تھی۔ ایک وہ جو اس کا بہترین دوست تھا اور دوسری وہ جس کے عشق میں وہ گرفتار ہونے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

سوزی جیفرسن 'اس کے علاوہ دو اور اسٹوڈنٹس مارک اور ہیری 'کو آف دا کیمپس (کیمپس سے باہر) ملنے والے رہائشی اپارٹمنٹ کو شیئر کرنے والی چوتھی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ بہت خوب صورت نہ سہی لیکن اچھی خاصی پیاری لڑکی تھی۔ مگر اس کی ذات کا سب سے عجیب پہلو اس کی بد مزاجی تھا۔

اس نے پہلے ہی دن تینوں لڑکوں کو واشگاف الفاظ میں باور کروا دیا تھا کہ وہ اپنی حد میں رہتے ہوئے اس سے تعلق 'واسطہ تو دور بات چیت کرنے کی بھی زحمت نہ کریں۔

اس کے ان فرمودات کو سیم نے بڑی دلچسپی سے سنتے ہوئے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ اس کی ان حد بندیوں نے نا چاہتے ہوئے بھی لڑکوں کو اس کی جانب متوجہ کر دیا تھا۔ وہ پابندیاں لگاتے ہوئے شاید یہ بات بھول گئی تھی کہ تجسس کی یہ فطرت ہے کہ جس چیز سے اسے روکا جائے 'وہ اتنا ہی اس کی طرف کھنچتا ہے۔ جبکہ اس کے معاملے میں تو کشش کا ایک بڑا پہلو یہ بھی تھا کہ وہ لڑکی تھی اور وہ تینوں لڑکے جو آپس میں بہت جلدی گھل مل گئے تھے اور وہ ان سب میں چین کے قدیم (Forbidden City) کی طرح بن گئی تھی۔ جس کی شاہی چار دیواری کے اندر کسی عام انسان کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

یوں وہ چاروں افراد جب بھی گھر میں ہوتے 'اس کی ہر حرکت لڑکوں کی شوخ نظر میں ہوتی۔ جو اسے دیکھ کر، موقع ملنے پر کھسر پھسر کرنے اور بلند و بانگ قہقہے لگانے سے نہیں چوکتے تھے۔ اس کے کھانے سے لے کر برتن تک ہر چیز علیحدہ تھی۔ ٹی وی لیونگ روم وہ کچھ بھی ان کے ساتھ شیئر نہیں کرتی تھی۔ اس گھر میں اس کی دنیا اس کے کمرے تک محدود تھی 'جس سے وہ صرف اپنے کام نپٹانے کے لیے باہر آتی تھی اور اتنی ہی دیر لڑکوں کی معنی خیز نظروں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی ہوتی تھی۔

لیکن جوں جوں وقت ہفتوں سے مہینوں میں داخل ہونے لگا تھا۔ ان تینوں کے تجسس کی جگہ حیرت نے

لے لی تھی۔ انہیں اس کی ثابت قدمی بلکہ ہٹ دھرمی پر ازحد حیرت ہوتی تھی۔ جو دو ماہ میں اپنی کہی کسی بھی بات سے ایک انچ نہ سرکی تھی اور اس چیز نے ان تینوں کے درمیان اس کے موضوع کو ایک ڈسکشن میں تبدیل کر دیا تھا۔

"یار! مجھے لگتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر بیمار لڑکی ہے جب ہی تو ایسی ڈل اور بورنگ زندگی گزار رہی ہے۔" ہیری نے بیئر کا گھونٹ بھرتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"خیر ڈل اور بورنگ زندگی تو نہیں گزار رہی... یونیورسٹی میں اچھی خاصی فرینڈز ہیں اس کی۔ پارٹیز میں بھی جاتی ہے۔ ہاں لیکن ایک بات میں نے نوٹ کی ہے۔ اس کی ساری فرینڈز لڑکیاں ہیں۔ کوئی لڑکا دور تک نہیں۔" سوفے پہ نیم دراز سیم نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"ہوں... اس کا مطلب ہے اس کا یہ خاص الخاص بیر صرف لڑکیوں سے ہے۔" مارک کے پرسوچ لہجے پہ سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بالکل۔"

"بس تو پھر صاف ظاہر ہے۔ دل توڑ دیا ہے بے چاری کا اس کے بوائے فرینڈ نے۔" مارک نے نتیجہ اخذ کر کے ان دونوں کے سامنے رکھا۔

"اور وہ بھی بہت بری طرح سے۔" ہیری نے لقمہ دیا۔

"ہو سکتا ہے۔" سیم کی خیال آرائی پہ مارک نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو تم مرہم کیوں نہیں رکھ دیتے سیم۔" اور وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"آئیڈیا اچھا اور دلچسپ ہے لیکن، لیکن ایسا ہے کہ مجھے اپنے یہ خوب صورت بال بہت عزیز ہیں۔" اس کی بات نے دونوں لڑکوں کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا۔

"قسم سے یار! اگر میرے پاس تمہارے گڈ لکس اور جادوئی پرسنالٹی کا نصف بھی ہوتا تو میں اس محاذ پہ ایک بار تو ضرور ٹرائی کرتا۔" مارک نے رشک بھرے

مسکراہٹ لیے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے اکسانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ کام نہیں کرنے والا۔" سیم نے مسکراتے ہوئے مارک کو جھنڈی دکھا دی تھی۔

☆ ☆ ☆

وقت تھوڑا آگے سرکا تھا۔ سیم جب سے نیویورک گیا تھا۔ انجم بیگم کی ڈانٹ ڈپٹ، منت، سماجت اور ایسے ہی دیگر نرم گرم حربوں کے نتیجے میں اس نے فقط دو، تین بار ہی زیب کو فون کیا تھا اور اس دو، تین بار میں ایک ہی موقع ایسا تھا تھا جب اس کی مہر سے بات ہوئی تھی اور خلاف عادت اس نے مہر سے خاصے نارمل انداز میں بات کرلی تھی۔ جو مہر جیسی معصوم اور محبت میں ڈوبی لڑکی کے لیے بہت تھا۔ اس کی نظروں میں تموز کا جو ایک سمجھ دار اور شریف قسم کا امیج بنا ہوا تھا، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے کبھی بھی اس سے لگاوٹ بھری باتوں کی توقع نہیں کی تھی اور جب کوئی توقع ہی نہیں تھی تو اسے، اس کی گفتگو میں ان باتوں کی کمی بھی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی قسمت میں لکھ دیے گئے تھے اور یہ ایک اٹل حقیقت تھی اور مہر کے اطمینان قلب کو یہ حقیقت ہی کافی تھی۔

سیم جس وقت گھر پہنچا، شام کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ آج اپنی روٹین سے خاصا لیٹ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے زوروں کی بھوک لگی تھی۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے وہ تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھا۔ جہاں فریج میں رکھی، رات بننے والی ہیری کے ہاتھ کی مزیدار چکن کا تصور ہی اس کے منہ میں پانی بھر لایا تھا۔ لیکن جب اس نے فریج کھول کر اندر جھانکا تھا۔ چکن کا مکمل صفایا ہو چکا تھا۔

"کمینے، بدذات!" دانت پیستے ہوئے وہ دروازہ مارتا کچن سے باہر نکلا تھا۔

"ہیری! میکی!" کمر پر ہاتھ رکھے اس نے بہ آواز بلند دونوں کو پکارا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ پا کے وہ تیز

قدموں سے اپنے مشترکہ کمرے کی طرف چلا آیا تھا' جو خالی پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"پتا نہیں کہاں دفعان ہو گئے ہیں دونوں۔" اس نے اپنے دل کی بھڑاس بے اختیار اردو میں نکالی تھی۔

چند لمحے سوچنے کے بعد وہ ایک بار پھر کچن میں چلا آیا تھا۔ جہاں خالی پڑے چولہے کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر فریج کھول کے کھڑا ہو گیا تھا۔

"انڈے' بریڈ' دودھ... اف نہیں کھانے یار!" کوفت سے منہ بناتے اس نے آخری شیلف پہ نگاہ ڈالی تھی۔ جو سوزی کی چیزوں کے لیے مخصوص تھی۔ اور وہاں رکھا شیشے کا ایک ڈھکا ہوا پیالہ دیکھ کر وہ رہ نہیں سکا تھا۔ ایک لمحے کے تذبذب کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کے پیالہ نکال لیا تھا اور جوں ہی ڈھکن اٹھا کر اندر دیکھا' اس کا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ نہایت خوش رنگ اور خوش نما قسم کے میکرونیز' سبزیاں اور چکن ڈال کے پکائی گئی تھیں۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' جھٹ پیالہ اٹھا کے مائیکروویو میں رکھ دیا تھا اور بزر بجنے پر انہیں لیے لیونگ روم میں آ بیٹھا تھا۔

"ہم م' م... مزے دار ہیں بھئی۔" پہلا چمچ منہ میں رکھتے ہی اسے ان کے خوش ذائقہ ہونے کا احساس ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار اگلا چمچ اٹھایا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ ریموٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ وہ رغبت سے کھا رہا تھا اور سامنے ٹی وی پر اپنے پسندیدہ ایکٹر کی فلم بھی دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں مزیدار کاموں میں وہ اتنا مگن تھا کہ کب سوزی اپنے کمرے سے نکلی اور کب اس کی پشت سے گزر کر کچن میں جا پہنچی' اسے پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو جب وہاں پھیلی میکرونیز کی خوشبو نے اسے چونکایا تو اس نے بے اختیار فریج کھول کے اندر جھانکا۔ اور وہاں سے اپنا پیالہ غائب پا کے اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے کچن سے نکل کر سیم کو گھورا جو ٹی وی دیکھتے ہوئے کچھ کھا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی اور سیم کے ہاتھ میں اپنا خالی ہوتا پیالہ دیکھ کے اس کی [illegible] گئیں۔

"ایکسکیوز می مسٹر!" اس کی اچانک پکار پہ سیم نے چونکتے ہوئے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور سوزی کو دیکھ کر وہ بری طرح شرمندہ ہو گیا۔ مگر صرف ایک لمحے کے لیے۔ اگلے ہی پل اس نے سرعت سے خود کو سنبھال لیا۔

"کھانا ہی تو تھا' کوئی ہیرے موتی تو نہیں تھے۔" دل میں سوچتے ہوئے اس نے پرسکون انداز میں پیشانی پہ بل لیے کھڑی سوزی کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" اس نے انگلی سے سیم کے ہاتھ میں پکڑے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے بہت بھوک لگی تھی اور گھر میں کھانے کو کچھ بھی خاص نہیں تھا۔ اس لیے جب مجھے یہ نظر آئے تو..." وہ اس کے چہرے کے سخت تاثرات دیکھ کے بے اختیار خاموش ہو گیا۔ تب ہی اس کی ناراضی اور اپنی حرکت کا اثر زائل کرنے کا ایک مناسب طریقہ اسے سوجھ گیا۔ "تم آج کا ڈنر ہماری طرف سے کر لینا۔" مگر وہ اس کی بات ان سنی کیے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالتی' پلٹ کر تیز قدموں سے کچن میں جا گھسی۔

اس کے جانے کے بعد سیم نے رخ موڑتے ہوئے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے پیالے پہ ڈالی۔ سوزی کے رد عمل نے اس کی باقی ماندہ بھوک محض چند ہی لمحوں میں اڑا دی تھی۔ اس نے مزید ایک بھی لقمہ لیے بغیر پیالہ ہاتھ بڑھا کے سامنے پڑی میز پہ رکھ دیا تھا۔ تب ہی کچن سے برتن پٹخنے اور کیبنٹ کے دروازے زور زور سے کھولنے اور بند کرنے کی آواز آئی تھی۔ اور سیم نے مارے شرمندگی کے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی بھلا اسے اس لڑکی کی چیز کو ہاتھ لگانے کی؟" خود کو ڈپٹتے ہوئے اس نے کچن سے آتی اٹھا پٹخ کی آوازوں کو تحمل سے برداشت کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب مزید حوصلے سے کام نہیں لے سکا۔ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ جہاں اس کے اندازے کے عین مطابق وہ

اندر کچھ پکانے کی تیاری کر رہی تھی۔
"آئی ایم سوری سوزی۔ تم پلیز' یہ سب مت کرو اور آج کا ڈنر۔۔"
"اپنے مشورے اپنے پاس رکھو' مجھے!" اس نے پلٹ کر تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹی تو اس درجہ بد تمیزی پر سیم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" اس نے غصے سے سامنے کھڑی بد تمیز لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے جتنا انسانیت سے پیش آنے کی کوشش کر رہا تھا' وہ اتنا ہی سر پہ چڑھتی جا رہی تھی۔
"تم جیسوں سے بات کرنے کا یہی طریقہ ہے میرا۔" وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے ترخ کر بولی تو سیم کا دماغ گھوم گیا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا تم جیسے۔۔ ہاں؟" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ "شکر کرو محترمہ! کہ مجھ جیسا' تم جیسی سے بات بھی کر رہا ہے۔ ورنہ تم جیسی سائیکو لڑکی کو تو کوئی ایک منٹ بھی برداشت نہ کرے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر دیے تھے۔ لیکن سوزی اس کے اشتعال کو خاطر میں لائے بغیر استہزائیہ انداز میں مسکرا دی تھی۔
"ہونہہ! تم جیسوں سے ایک ہی جواب کی امید ہے مجھے۔" کاٹ دار نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالتی وہ سلیب پہ رکھے گوشت کی طرف متوجہ ہونے کو تھی جب اس کا بازو سیم کی مضبوط گرفت میں آ گیا۔
"زبان سنبھال کر بات کرو!" ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے وہ اس زور سے دھاڑا کہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً "سہم جاتی۔ لیکن مقابل بھی سوزی تھی۔ جس پہ اس کی بلند آواز نے الٹا اثر دکھایا تھا۔
"نہیں کرتی ہاں؟ کیا کر لو گے تم؟" اس نے دوسرے ہاتھ سے سیم کو پیچھے دھکیلا تھا اور تب اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس نے غراتے ہوئے اس کا دوسرا ہاتھ جکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے پیچھے کیبنٹ سے لگا دیا تھا۔
"اب تمہیں بتاتا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں میں؟" دانت پیستے ہوئے اس نے اس کی کلائیوں پہ زور بڑھایا تو سوزی کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔
"آہ! چھوڑو مجھے! پلیز رکی! چھوڑو مجھے!" اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں چلائی تو غصے سے بھڑکتا ہوا سیم یک لخت ساکت ہو گیا۔ عین اسی لمحے سوزی کو بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا مچلتا وجود بھی تھم گیا تھا۔
اس کی آنسوؤں بھری آنکھیں سیم کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور سیم کی گرفت اس کی کلائیوں پر خود بہ خود ڈھیلی پڑ گئی تھی۔
"میں رکی نہیں' سیم ہوں۔ اور اسی لیے تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔" اسے مضبوط لہجے میں باور کرواتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اس کی کلائیاں چھوڑ کے پیچھے ہٹا تو سوزی بت بنی اسے دیکھے چلی گئی۔
"مجھے نہیں پتا کہ تم اپنی زندگی میں کن حالات سے گزری ہو۔ لیکن میں صرف اتنا کہوں گا کہ کسی ایک برے شخص کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچانے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔"
اس پر نظریں جمائے وہ سپاٹ لہجے میں اپنی بات مکمل کرتا' پلٹ کر کچن اور پھر اپارٹمنٹ سے ہی باہر نکل گیا تھا۔ اور پیچھے تنہا کھڑی سوزی بے اختیار رو پڑی تھی۔

Downloaded From
Paksociety.com

سیم کے رویے اور باتوں نے سوزی کو گہری ندامت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسے واقعی کوئی حق نہ تھا کہ وہ اپنے تلخ تجربے کو بنیاد بنا کر دوسروں کے ساتھ برے طریقے سے پیش آتی۔ کل شام جو کچھ ہوا تھا' اس نے سوزی کو اس کے رویے کی بد صورتی کا احساس دلایا تھا۔

وہ سیم سے اپنی بد تمیزی کی معافی مانگنے کے لیے بری

طرح بے چین تھی۔ مگر مارک اور ہیری کے سامنے اس میں سیم کے پاس جانے کی ہمت نہ تھی اور تنہائی انہیں میسر آ کے نہیں دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ دو دن گزر گئے تھے اور اس کی بے چینی ایک بوجھ میں بدل گئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ تیسرا دن چڑھتا' وہ رات میں اپنے لیے کافی بنا رہی تھی جب مارک اور ہیری بکتے جھکتے ختم ہو جانے والی بیئر خریدنے باہر نکلے تھے۔

ان کی بحث پہ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور جونہی انہوں نے گھر سے باہر قدم رکھا تھا۔ اس نے جھٹ کافی میکر میں پانی بڑھا دیا تھا۔ کافی کے گرما گرم دو مگ تیار کر کے وہ ـــ جھجکتے ہوئے کچن کے دروازے تک آئی تھی۔

سیم لیونگ روم میں ٹی وی کے آگے صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر سوزی کے دل کی دھڑکن پل بھر کو تیز ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے گہری سانس لیتے ہوئے اپنی گرتی ہوئی ہمت بحال کی تھی اور دونوں ہاتھوں میں مگ لیے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی سینٹر ٹیبل کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یوں اچانک سامنے آتا دیکھ کے سیم کی نگاہیں میکانکی انداز میں سکرین سے ہٹ کر سوزی پہ آٹھہری تھیں۔ جو جھک کر ہاتھ میں پکڑے مگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی سیم کی آنکھوں میں حیرت پھیل گئی تھی۔

"میں تمہارے لیے کافی بنا کر لائی ہوں۔" سیدھی ہوتے ہوئے اس نے سیم کی آنکھوں میں دیکھا۔ تو اس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری ہو گیا۔

"کس لیے؟" اس کے سپاٹ لہجے پہ سوزی پل بھر کو جھجکی پھر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"اس لیے کہ تم رکی نہیں ہو۔" پھر اپنا دایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ تموز ابراہیم اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو حیران نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

اور پھر آنے والے دنوں میں سوزی کے ساتھ ان کا تعلق بہت تیزی سے پروان چڑھی تھی۔

لیکن سیم کے ساتھ اس کا رشتہ صرف دوستی تک محدود نہیں رہا تھا۔ وہ سیم کو پسند کرنے لگی تھی اور اپنی اس پسندیدگی کا اظہار اس نے برملا سب کے سامنے سیم سے کیا تھا۔ وہ فطرتاً "ایک بے جھجک لڑکی تھی جو اپنی جون میں آتے ہی اپنی عادات پر بھی لوٹ آئی تھی۔ اس کی بے باکی سے تسیم نے خاصا حظ اٹھایا تھا۔ لیکن بات صرف وہیں تک محدود نہیں رہی تھی۔ اس کی دن رات کی وارفتگی آخر کار رنگ لائی تھی۔ اور سیم' سوزی جعفر سین کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن اور رات ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے آگے بڑھے تھے اور پلک جھپکتے میں سوا دو سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس دوران حنان کے ایک بار بھی پاکستان آنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور وجہ صغیر صاحب تھے۔ جنہوں نے اس عرصے میں لندن کے تین چار چکر لگا لیے تھے۔ یوں حنان اپنی چھٹیوں میں کبھی یورپ گھومنے اور کبھی کوئی کورس کرنے نکل کھڑا ہوتا تھا۔ اور اب اس کی واپسی میں فقط دو سے تین ماہ کا عرصہ رہ گیا تھا۔ وقت نے سب ہی پہ اپنے نقش چھوڑے تھے۔ ہر کوئی ذہنی اور جذباتی اعتبار سے ایک قدم آگے آیا تھا۔ اور ایسے میں مہر کو ہنی کی ذات سے متعلق اپنے بہت سے گمان غلط ثابت ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

دو ڈھائی سال قبل وہ اس کے جس رویے کو اس کی بردباری مشروط کیا کرتی تھی آج اس میں اسے ہنی کے گریز اور لاتعلقی کے رنگ واضح طور پہ نظر آنے لگے تھے۔ اس کی زندگی میں مہر کی یا اس رشتے کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ ان گزرے سالوں میں اسے بخوبی ہو گیا تھا۔

Yalc جانے کے بعد اس کی فقط چند منٹوں پر محیط' پانچ یا چھ کالیں انہیں موصول ہوئی تھیں۔ جن میں کہیں بھی مہر سے خاص طور پہ بات کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ ان دونوں کی جب بھی بات ہوئی

تھی' زیب کے خود ہی مہر کو فون تھما دینے کے نتیجے میں ہوئی تھی اور اب تو ایک عرصے سے فون کی یہ فارملیٹی بھی ختم کردی گئی تھی۔ صرف انجم اور ابراہیم صاحب تھے جو مستقل ان سے رابطے میں تھے اور ان ہی کے ذریعے ہنی کی خیر خبر اور بے تحاشا مصروفیت کی اطلاع انہیں ملتی رہتی تھی۔ وگرنہ وہ خود کہاں اور کس حال میں تھا' کم از کم مہر اور اس کے والدین اس حقیقت سے مکمل طور پر لاعلم تھے۔

اس لاعلمی نے مہر کو پریشان نہیں بلکہ متوحش کر دیا تھا۔ تموز ابراہیم اس کی کل کائنات میں ڈھل چکا تھا' لیکن تموز کی کائنات میں مہر احمد نامی لڑکی کا کہیں گزر بھی تھا؟ وہ انجان تھی اور یہ بے خبری' یہ بے بسی ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے مستقبل کو مزید بے نام و نشان منزلوں کی جانب دھکیلتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اس کے ان کہے خوف خود ہی اس کی ماں کی زبان پہ بھی آٹھہرے تھے۔ اور اس روز مہر نے جانا تھا کہ ماں' ماں ہوتی ہے وہ اولاد کے دل کا بھید اس کی آنکھوں' چہروں حتیٰ کہ ان کی سانس کے زیر و بم سے بھی پالیتی ہے اور اس دن اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ زیب بیگم کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں گئی تھی۔ جب انجم بیگم کا فون آگیا تھا۔ وہ بے دلی سے کپ ماں کے سرہانے رکھ کے پلٹنے کو تھی جب انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھالیا تھا۔

مہر کی بوجھل نگاہیں ماں کے چہرے پہ آٹھہری تھیں۔ جو آج نجانے کیوں اسے صبح سے ہی خاصی پریشان اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں۔

ادھر ادھر کی باتوں کا غائب دماغی سے جواب دیتے ہوئے انہوں نے ایک نظر پاس بیٹھی مہر پہ ڈالی تھی اور پھر اک گہری سانس لیتے ہوئے بہن سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"آج ایک بات بتائیں گی آپا۔"

"پوچھو زیبی۔" ان کی اچانک تمہید پہ انجم ٹھٹک گئی تھیں۔

"ہنی' مہر سے اپنے رشتے کو نبھانے کے لیے راضی ہے یا نہیں؟" اور ان کے برابر بیٹھی مہر' ماں کے منہ سے اس درجہ غیر متوقع اور دو ٹوک انداز میں کیا گیا سوال سن کے ساکت رہ گئی تھی۔ جبکہ لائن کے دوسری طرف ایک پل کو خاموشی چھا گئی تھی۔ جسے محسوس کرتے ہوئے زیب بیگم کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا تھا۔

"آپا!" انہوں نے بے اختیار بہن کو پکارا تو مہر کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔ اس کی ماں پر جمی نگاہوں میں یکایک خوف ہلکورے کھانے لگا اور دوسری طرف موجود انجم بیگم کو لگا جیسے ان کے امتحان کی گھڑی آگئی ہو۔ وہ گھڑی' جس کے آنے سے وہ خوف زدہ تھیں۔

"زیبی!" چند جاں گسل لمحوں کے بعد ان کی بھرائی ہوئی آواز زیب کے کانوں سے ٹکرائی تو انہیں اپنے قدموں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔

"پلیز آپا! خدا کے لیے مجھے کوئی برا جواب مت دیجیے گا۔" انہوں نے کانپتے لہجے میں استدعا کی۔ تو مہر کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔

"اللہ نہ کرے کہ میں تمہیں کوئی برا جواب دوں زیبی! لیکن سچ یہ ہے کہ میرے پاس تمہیں دینے کو فی الحال کوئی مثبت جواب بھی نہیں۔ میں خود تمہاری اور مہر کی طرح بیچ راہ میں امید کا دامن تھامے کھڑی ہوں۔"

"پھر؟" زیب نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"پھر یہ کہ تم مجھے چند دن کی مہلت دو۔"

اور زیب میں اپنی بچی کے سامنے اتنا حوصلہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ بہن سے یہ پوچھ لیتیں کہ اگر ان چند دنوں میں بھی وہ کچھ نہ کرپائیں تو۔۔۔؟

"ٹھیک ہے' میں آپ کے فون کا انتظار کروں گی۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے دھیرے سے کہا تو انجم اپنی بھیگی آنکھیں صاف کرتی مسکرا دیں۔

"خوش رہو۔ سلامت رہو' اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"ان شاء اللہ - اچھا آپا فون رکھتی ہوں۔" دل گرفتی سے کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا تو اب تک سولی پہ ٹنگی بیٹھی مہر نے ماں کا ہاتھ جکڑ لیا۔

"امی! امی! سب ٹھیک تو ہے ناں؟ ہنی اس رشتے سے خوش تو ہیں ناں؟"

"ہاں میری جان! سب ٹھیک ہے۔" اپنی پریشانی دل میں چھپائے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے سینے سے لگا لیا تو اتنے عرصے سے مہر کے اندر سانس لیتا خوف آنسو بن کر بہنے لگا۔

"امی! میں ہنی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں ان کے علاوہ کسی اور کے بارے میں اب سوچ بھی نہیں سکتی۔"

ان کے سینے میں منہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔ تو زیب کی اپنی آنکھوں سے آنسو ایک قطار کی صورت گرنے لگے۔

"یا اللہ - یہ کیسی آزمائش ہم پر آ پڑی ہے۔ تو میری بچی کے حال پہ رحم فرما دے میرے مولا - اس کے نصیب میں کوئی دکھ نہ لکھنا یارب!" اسے خود میں سموئے انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اپنے اللہ سے استدعا کی تھی۔

"کیا؟" مارک نے بے یقینی سے اپنے سامنے بیٹھے سیم کی طرف دیکھا۔

"اس میں اتنی حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟" سیم نے ابرو چڑھائے۔

"حیران ہونے والی تو کوئی بات نہیں۔ لیکن تم ایک مسلم فیملی سے تعلق رکھتے ہو۔ ایسے میں یہ سب۔۔۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے مارک جھجک کر خاموش ہو گیا۔

"ارے یار۔۔۔" سیم نے مسکراتے ہوئے کان پہ سے مکھی اڑائی۔ "میں کوئی دقیانوسی قسم کا مسلم نہیں ہوں۔"

"لیکن تمہارے ماں باپ تو اس بات کو مائنڈ کر سکتے ہیں۔" مارک نے اسے دیکھا۔

"ہاں کر سکتے ہیں۔ لیکن بہر کیف یہ میری زندگی ہے۔ اور میں اسے اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا پورا حق رکھتا ہوں۔" اس کے چہرے پہ نظریں جمائے سیم نے قطعیت سے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" مارک نے کندھوں کو خفیف سی جنبش دی۔

"بس تم دونوں اس بات کا خیال رکھنا کہ اول تو میری فیملی مجھے بنا بتائے یہاں آئے گی نہیں لیکن اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پیرنٹس مجھ سے ملنے اچانک چلے آئے تو انہیں یہ ہرگز مت بتانا کہ میں یہاں سے دوسری جگہ شفٹ ہو گیا ہوں۔"

"تو کیا تم انہیں اپنے اس فیصلے سے آگاہ نہیں کرنے والے؟" مارک اس کی بات سن کر چونکا۔

"میرا دماغ خراب ہے کیا۔" سیم نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

"میرے خیال میں سیم! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" مارک نے سنجیدگی سے کہا۔ تو سیم بدک گیا۔

"او میرے بھائی! تم تو اپنے یہ اچھے بیٹے والے مشورے رہنے ہی دو۔۔۔ قسم سے تمہاری باتیں اور حرکتیں دیکھ کے کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے کہ تم غلط جگہ پیدا ہو گئے ہو۔"

"اچھا؟" مارک نے مسکراتے ہوئے ابرو اچکائے " تو تمہارے خیال میں مجھے کہاں پیدا ہونا چاہیے تھا؟"

"پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش یا ایسٹ میں کہیں بھی لیکن کم از کم امریکہ میں تو بالکل بھی نہیں۔ عجیب مشرقی انداز فکر ہے تمہارا۔" سیم نے ہنستے ہوئے اس کی پر خلوص اور نرم طبیعت پہ چوٹ کی تو مارک کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تو سیدھے سیدھے یوں کیوں نہیں کہتے بھائی! کہ ہم امریکن بے حس ہوتے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک ہے بھلا۔" سیم اس کی جانب دیکھتا شرارت سے مسکرایا۔

"شاباش۔" مارک نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔ "اپنے بارے میں کیا خیال ہے مسٹر؟"

"میں؟ میں تو شاہی بندہ ہوں یار۔ مجھے تو سات خون معاف ہیں۔" وہ شان بے نیازی سے بولا تو مارک نے ہنستے ہوئے پاس پڑا کشن بادشاہ سلامت کے منہ پر دے مارا۔

☼ ☼ ☼

کمرے کی خاموش فضا میں انجم بیگم کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ ان کے مقابل بیٹھے ابراہیم ملک بھینچے ہوئے لبوں پہ مٹھی جمائے' چہرے پہ الجھی ہوئی سوچوں کا جال لیے بالکل خاموش تھے۔

"آپ سوچ نہیں سکتے" آج میرے دل پہ کیا گزری ہے۔ اپنی بہن کو دینے کے لیے آج میرے پاس ایک واضح اور مثبت جواب تک نہیں تھا اور یہ سب اس لڑکے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسے سرے سے مہو اور اس سے جڑے رشتے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جب تک یہاں تھا میں وقتاً فوقتاً" اسے بہت کچھ باور کرواتی رہتی تھی۔ لیکن اب تو جیسے ہر چیز ہاتھ سے نکل گئی ہے۔۔۔ کہیں یہ لڑکا ہم سے کچھ چھپا تو نہیں رہا ابراہیم صاحب؟" بات کرتے کرتے انہوں نے اچانک خوف زدہ نظروں سے ابراہیم ملک کی طرف دیکھا تھا۔ جو خود بھی ان کی بات سن کر ساکت ہو گئے تھے۔

"میں آپ کو بتا رہی ہوں' مجھے اس لڑکے کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔۔۔ اس سے پہلے کہ یہاں کی بے حجاب فضائیں کوئی رنگ لے آئیں۔ آپ ہنی کی بے زاری کی اصل وجہ پتا کروانے کی کوشش کریں۔"

"اگر وہ کوئی کھیل ہم سے چھپ کر کھیل رہا ہے انجم! تو وہ کبھی بھی ہمیں اس کی ہوا نہیں لگنے دے گا۔"

"تو پھر ہم کیا کریں گے؟" ان کی سرخ آنکھوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔

"ایک طریقہ ہے۔" انہوں نے پرسوچ نگاہوں انجم بیگم کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا تھا اور

مشہور و مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

مزید کچھ کہے بنا اٹھ کر ایک طرف رکھے فون کی جانب چلے آئے تھے۔

جانا پہچانا نمبر ملانے کے بعد وہ کارڈلیس لیے صوفے پہ آ بیٹھے تھے۔ اس دوران انجم کی بے چین نظریں ان پر ہی مرکوز تھیں۔

"کیسے ہو اینڈریو؟" چند سیکنڈ کے توقف کے بعد دوسری طرف سے کال ریسیو کی گئی تو ابراہیم صاحب کے تاثرات میں قدرے نرمی در آئی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ نئی جاب کیسی جا رہی ہے؟" انہوں نے اخلاقیات نبھائی۔ اینڈریو ان کی فرم میں کچھ عرصے پہلے تک ملازمت کرتا رہا تھا اور ابھی چند ماہ پہلے ہی نیو ہیون شفٹ ہوا تھا۔ "اچھا اینڈی۔ مجھے تم سے ایک کام ہے۔"

وہ اصل مدعا کی جانب آئے تھے۔ اور پھر دھیرے دھیرے اسے کام کی نوعیت سمجھانے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

اتوار کی چھٹی کے باعث صغیر صاحب کے کزن کی فیملی شام میں آئی ہوئی تھی۔ مہمانوں کی آمد نے گھر میں رونق بکھیر رکھی تھی۔ ایسے میں مہر اور جاشی کچن میں گھسی لوازمات کی تیاری میں مصروف تھیں۔ جب نویرہ باہر سے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

"آپی! جاشی! دو دن بعد حنان بھائی آ رہے ہیں۔" اس نے پرجوش لہجے میں اطلاع دی تو اس اچانک آمد کی خبر پہ جہاں مہر ساکت رہ گئی وہیں جائشہ خوشی سے کھل اٹھی۔

"کیا؟ تمہیں کس نے بتایا؟"

"ابھی ڈیڈی کو ان کا فون آیا تھا۔" نویرہ کے جواب پر جائشہ تیز قدموں سے باہر کو لپکی تھی اور مہر کو اپنے بوجھل دل پہ مزید بوجھ بڑھتا محسوس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

حنان کی اچانک آمد کی اطلاع نے پورے گھر میں ہلچل سی مچادی تھی۔ خاص صفائیاں "اسپیشل تیاریاں" پردے کے کارپٹ اور فرنیچر کی ارجنٹ تبدیلی۔ ان دو دنوں میں گھر کا کوئی کونہ نہیں بچا تھا۔ جس پہ زیب بیگم نے نظرثانی نہ کی ہو۔ اور ان کی یہ دیوانگی مہر کے ملال میں ڈھیروں اضافہ کر گئی تھی۔

وہ کس کے لیے اس درجہ مامتا نچھاور کرتی پھر رہی تھیں؟ وہ جس نے آج تک انہیں امی کہہ کر نہیں پکارا تھا۔ حیرت کی بات تھی لیکن حنان نے ساری زندگی "آپ جناب" سے گزارا کیا تھا، مگر انہیں اپنی ماں ہونے کا اعزاز نہیں بخشا تھا اور یہ نفرت، یہ حقارت وہ بھی اپنی ماں کے لیے سہنا مہر کی برداشت سے باہر تھا اور اب جب وہ زیب بیگم کو پچھلے دو دنوں سے اس کے استقبال کی تیاریوں میں گھن چکر بنا دیکھ رہی تھی تو اس کی ساری خفگی کا رخ خود زیب بیگم کی ذات کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ جو ہر بار نجانے کیسے اس لڑکے کے ساتھ اتنی فراخدلی سے پیش آنے کا حوصلہ رکھتی تھیں۔

"مہو! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں بیٹا۔ فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔" وہ اپنے کمرے میں بند کتاب پڑھ رہی تھی۔ جب دروازہ کھول کے زیب اندر داخل ہوئی تھیں۔ اسے یونہی بیٹھا دیکھ کے وہ چونک گئی تھیں۔

"حیرت ہے امی آپ پہ۔ آپ کیا سوچ کر مجھے ایئرپورٹ چلنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا ناول ایک طرف پٹخ دیا تھا۔

"بری بات ہے بیٹا۔ بھائی ہے تمہارا۔" ان کے رسان سے کہنے پہ مہر کے تلوؤں سے لگی تھی اور سر پہ بجھی تھی۔ وہ غصے سے کھولتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ساری زندگی ناز نخرے اٹھا اٹھا کے بھی آپ اسے اپنا بیٹا تو بنا نہ سکیں امی! میرا بھائی کہاں سے بن گیا وہ۔" اور زیب اس کے لہجے کی تختی اور چہرے سے چھلکتا اشتعال دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" انہوں نے تنبیہی نظروں سے مہر کو گھورا۔

"شکر ہے آپ کو میرا لہجہ نوٹ کرنے کی فرصت تو

ملی۔" ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر گزر گئی۔ "وہ شخص آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کا روادار نہیں اور آپ۔۔"

"بس یہیں چپ ہو جاؤ!" انہوں نے با آواز بلند اسے ٹوکا تو مہر کی زبان خاموش ہو گئی۔

"مجھے حنان یا کسی بھی انسان سے عزت چاہیے بھی نہیں۔ کیونکہ عزت دینا انسانی وصف ہی نہیں میں نے اپنی مرتی ہوئی سہیلی سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بچوں کا ماں بن کے خیال رکھوں گی اور میں اپنا وہی وعدہ پورا کر رہی ہوں۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کی اس تگ و دو کو محض ایک جملے میں سمیٹ دیا تو مہر کے غصے پہ ندامت کے چھینٹے پڑنے لگے۔

"مگر امی! میرا دل جلتا ہے جب میں یہ سوچتی ہوں کہ اس شخص نے آج تک آپ کو ماں کہہ کر نہیں پکارا۔" مہر کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلنے لگی تھی۔ اس کی دلی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے زیب بھی دھیمی پڑ گئی تھیں۔

"صرف تمہارا نہیں میرا بھی دل جلتا ہے۔ بیٹا۔ لیکن تم ہی بتاؤ کیا حنان اتنا اہم ہے کہ میں اس کے پیچھے تمہارے ڈیڈی کی ذات سے ملنے والی محبت ' عزت اور مان کو بھلا دوں؟ اس اعلا ظرفی کو بھلا دوں جو انہوں نے تمہیں اپنے سینے سے لگا کر دکھائی۔" انہوں نے پیار سے اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے سوال کیا۔ تو مہر نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔

"مجھ سے محبت کرنا ان کا فرض تھا۔ لیکن تم سے محبت کرنا ان کا ذاتی فیصلہ تھا۔ اور ہر مرد میں یہ ظرف اور ہمت نہیں ہوا کرتی۔۔۔ تم اپنے فیصلوں میں میری طرف سے مکمل طور پہ آزاد ہو۔ میں تمہیں کبھی پریشرائز کر کے پریشان نہیں کروں گی۔ مگر حنان کے ساتھ اپنا رویہ طے کرتے ہوئے یہ بات یاد رکھنا مہر کہ وہ تمہارے ڈیڈی کا بیٹا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے مہر کے لیے آزمائش کا نیا در کھول دیا تھا۔ کاش کہ اسے علم ہو۔ کہ وہ جن محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کر رہی ہے ان کا کبھی اسے خراج بھی ادا کرنا ہو گا' تو وہ کبھی جھولی بھر بھر کے انہیں نہ سمیٹتی۔

☆ ☆ ☆

"دھوکا" پانچ حرفوں سے بنا ایک لفظ۔ جسے انہوں نے بارہا سنا' پڑھا اور بولا تھا۔ مگر جس کی اذیت کو پوری شدت سے سہنے کا تجربہ انہیں آج پہلی بار ہوا تھا۔ کیونکہ اس لفظ کو اپنے پورے سیاق و سباق کے ساتھ انہیں سمجھانے والا کوئی اور نہیں بلکہ ان کا اپنا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جو ان کی کل کائنات تھا۔ ان کی آنے والی نسلوں کا امین تھا۔

اینڈریو کے الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ۔ ابراہیم صاحب کو لگا تھا جیسے ان سے سننے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔

"کیا؟" انہوں نے لرزتے وجود کے ساتھ دیوار کا سہارا لیا تھا۔

"جی سر۔ آپ کا بیٹا سیم یہاں ایک امریکن لڑکی کے ساتھ Live in relationship (بغیر شادی کے ایک ساتھ رہنا) میں رہ رہا ہے۔" اور ابراہیم ملک کو لگا تھا جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے ۔۔۔ زمین اور آسمان گھوم گئے تھے۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

For Next Episode Visit
Paksociety.com

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے
کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب
کھانا خزانہ
قیمت -/225 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔
آج ہی -/800 روپے کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

شازیہ جمال طارق

آج کل کی لڑکیاں

"اماں! مجھے ڈر ہے کہیں آپ اپنی ساری عبادتیں ایک عمل کے پیچھے ضائع نہ کر دیں۔"

تہذیب کی متفکر آواز پر اماں کا تسبیح کے دانے گراتا ہاتھ جہاں کا تہاں تھم گیا تھا۔

"آپ پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہیں۔ روزہ، زکوٰۃ کی پابندی، لمبے لمبے وظائف، تسبیحات، دعائیں سب لیکن کہیں ایسا نہ ہو محض ایک عمل کی وجہ سے یہ سب اکارت جائیں۔"

اماں بدک گئی تھیں۔

"چودہ جماعتیں پڑھ کر خود کو عالمہ فاضلہ ہی سمجھنے لگی ہے۔ کون سا یہ ساری عبادتیں کسی دکھاوے یا داد و تحسین کے لیے کرتی ہوں۔ یہ سب تو میرے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے ہیں۔ ریا سے پاک، میری خشوع خضوع سے کی گئی عبادات بھلا کیوں کر ضائع چلی جائیں گی؟

اف! یہ نئے زمانے کی فلسفہ بگھارنے والی پڑھی لکھی لڑکیاں۔۔۔!" اماں سر جھٹکتے ہوئے تسبیح کے دانے گراتی رہیں۔

☼ ☼ ☼ ☼

اگلے دن افشاں آپا کی اچانک آمد بہار کا جھونکا ثابت ہوئی تھی۔ اماں شادی شدہ بیٹی کی آمد پر کھل سی گئیں۔ تہذیب کو کتابیں سمیٹ کر آپا کے لیے چائے لانے کا کہا۔ تو وہ سعادت مندی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری مانیں اماں! تو صارم کے لیے اس سے اچھی لڑکی ہمیں اور کہیں نہیں ملے گی۔ آپ ایک دفعہ میرے ساتھ چل کر تو دیکھیں۔ زوبیا آپ کو بھی بہت پسند آئے گی۔"

وہ چائے بنا کر لائی تو آپا اماں کے گھٹنے سے لگی کہہ رہی تھیں۔ وہ بھی وہیں ٹک گئی۔

"سچ اماں! ایسی خوش اخلاق، من موہنی، گھر پلو امور میں طاق ہے زوبیا کہ میرا تو دل خوش ہو گیا اس سے مل کر۔"

آپا اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔ اماں کے چہرے پر قائل ہونے کے تاثرات واضح تھے۔

"بات کچھ یوں ہے معزز خواتین! ابھی جو لڑکی آپ کو خوبیوں کا مرقع لگ رہی ہے، جس میں اس وقت ڈھونڈنے سے بھی آپ کو کوئی خامی نہیں مل رہی۔ کل کو اسی میں آپ کو ہزارہا خامیاں نظر آئیں گی۔"

اماں اور آپا نے بیک وقت اسے گھورا تھا۔

"صحیح تو کہہ رہی ہوں، ابھی جو آپ دونوں زوبیا صاحبہ کی تعریفوں کے پل باندھتی اسے یہاں لانے کا ایکا کر رہی ہیں۔ کل یہی اماں کہتی پھریں گی، ہائے اس افشی کی باتوں میں آکر کیا ستم ڈھا دیا میں نے خود پر اور آپا بدک کر ہاتھ جھاڑیں گی، لو بھلا میں نے تو محض اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہا تھا۔ سچ میں ہی اسے گھر لے آئیں۔"

وہ اماں اور آپا کی نقل اتارتے کہہ رہی تھی۔ آپا کو ہنسی آگئی۔

"خاطر جمع رکھو ایسا کچھ نہیں ہو گا۔"

صوم و صلوٰۃ کی پابند اماں کو تو ویسے بھی خاندان' برادری میں بہت تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ دھیما پن اور شائستگی ان کے مزاج کا خاصا تھی۔ اکثر جاننے والیاں ان کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتیں اور وہ انہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کے مسائل کے حل بتاتیں۔ زوبیا' افشاں آپا کے سسرالی عزیزوں میں سے تھی۔

تھوڑی سی پس و پیش اور رسمی مہلت کے بعد ہاں ہو گئی۔ گھر میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دن پلک جھپکتے میں گزرنے لگے اور ایک تاروں بھری رات کے جھلملاتے آنچل تلے زوبیا دلہن بنی اس گھر میں آ گئی۔ تہذیب کو وہ حقیقتاً "بھابھی کے روپ میں بہت پسند آئی تھی۔

کلف لگے سفید شلوار قمیص میں صارم بہت خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔

"صارم میرے بھائی! ابا کے بعد تم ہی ہمارا سہارا ہو۔ تم جانتے ہو نا اماں کیسے تم پر جان چھڑکتی ہیں۔ ہم دونوں بہنوں کے مقابلے میں ہمیشہ تمہیں ہی ان کی زیادہ چاہت اور توجہ ملی اور ہم دونوں بہنوں کا تو فخر ہی تم ہو۔ شادی کے بعد بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ رشتے' ذمہ داریاں' ترجیحات' لیکن تم مت بدلنا' میں یہ نہیں کہہ رہی اپنی بیوی کو اہمیت مت دینا' میں یہ کہہ رہی ہوں' اس کے آنے کے بعد تمہاری زندگی میں ماں' بہنوں کی

اہمیت کم نہ ہونے پائے۔"

اپنے کمرے میں جانے کے لیے پر تولتے صارم کے گرد آپا نے جذباتی حصار سا کھینچ دیا تھا۔ مدھم شیریں آواز میں بولتی گاہے بگاہے اس کے چہرے پر بھی نگاہ ڈال لیتیں۔ تہذیب نے بے ساختہ پہلو بدلا تھا۔ آپا جو "کہنا" چاہ رہی تھیں نہ جانے صارم سمجھ رہا تھا یا نہیں' البتہ وہ خوب سمجھ گئی تھی۔

"آپ فکر مند مت ہوں آپا! میں اپنے فرائض میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔" صارم کا لہجہ مضبوط تھا۔ "اماں اور آپ لوگ ہی میری پہلی ترجیح ہیں۔" آپا کے چہرے پر بے ساختہ اطمینان چھلکا تھا۔ قدرے اچک کر لمبے چوڑے بھائی کی پیشانی چومتی وہ وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

"بھائی!" دروازے کے ہینڈل پر رکھا اس کا ہاتھ تھما تھا۔ گردن موڑ کر عقب میں دیکھا۔ تہذیب قدم قدم چلتی قریب آگئی تھی۔

"اماں اور ہماری زندگی میں آپ کی کتنی اہمیت ہے' یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر رشتے کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ سب کی اپنی جگہ' اپنی اہمیت' یہ تو ہمارا اپنا غیر متوازن رویہ ہوتا ہے جو رشتوں میں بگاڑ پیدا کردیتا ہے۔ آپا نے سچ کہا' شادی کے بعد بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف جھکیں گے تو دوسرا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا۔ ان میں توازن پیدا کرنا اور اسے برقرار رکھنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ ماں' بہنوں کی محبت کو کبھی خود پر اس قدر حاوی نہ ہونے دیجیے گا کہ آپ اسی کی حق تلفی کر بیٹھیں جو آپ کی خاطر اپنا بہت کچھ پیچھے چھوڑ آئی ہے۔"

صارم بے ساختہ مسکرایا تھا۔ آپا کی باتوں نے لاشعوری طور پر اسے عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ خود کو ان دیکھے بوجھ میں دبا محسوس کر رہا تھا لیکن تہذیب کی باتوں نے گویا کوئی کھڑکی سی کھول دی تھی۔ جس سے ایک تازہ جھونکا اندر آیا تھا۔ اسے اپنی چھوٹی بہن پر بے ساختہ ٹوٹ کے پیار آیا۔ محبت سے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"ہماری چھٹکی اتنی بڑی ہوگئی اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی۔" وہ باپ جیسے شفیق بھائی کا پیار لیتی مطمئن سی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

ہمیشہ کی طرح پاکیزہ سی صبح اتری تھی۔

اماں نماز کے بعد معمول کی تسبیحات میں مصروف ہوگئیں۔

فیروزی رنگ کے کامدار سوٹ میں ملبوس نکھری نکھری زوبیا گول میز کے گرد رکھی کرسیوں پر سب کے ساتھ آکر بیٹھی جہاں تہذیب گرم گرم ناشتا لگا رہی تھی۔

"لیجیے بھابھی جان! زندگی کی نئی صبح اپنی نند کے ہاتھوں سے بے ذائقہ دار ناشتے سے لطف اندوز ہوں' گو کہ آپ کی نند خاصی سگھڑ واقع ہوئی ہے' لیکن گھریلو امور میں آپ کی تعاون کی طلب گار رہے گی۔"

تہذیب کے شگفتہ انداز پر زوبیا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا اور ناشتے کے بعد اٹھ کر تہذیب کے ساتھ برتن وغیرہ سمیٹنے لگی۔ دونوں آہستہ آواز میں باتیں کرتی' مسکراتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

"بڑی چلتر ہیں بھئی آج کل کی لڑکیاں۔۔۔ شادی کے بعد پہلی صبح میرا تو مارے شرم کے چہرہ اوپر کو نہیں اٹھ رہا تھا۔ ہاں بھئی عقل مند مائیں 'بیٹیاں پڑھا' سکھا کر ہی اگلے گھر روانہ کرتی ہیں۔ ایسے ہی تو میاں گرویدہ نہیں ہوئے جاتے۔"

صارم کے اٹھ کر جانے کے بعد آپا نخوت سے کہہ رہی تھیں۔ بھائی کے چہرے پر پھیلی طمانیت اور بیوی کی طرف اٹھتی وارفتہ نگاہیں جو انہیں سمجھا گئی تھیں یہ اسی کھولن کا نتیجہ تھا۔

تسبیح کے دانے پر اماں کی گرفت سخت ہوگئی تھی۔

"ٹھیک تو کہہ رہی ہے گل افشاں! مارے شرم ولاج کے کمرے سے نکلنا دوبھر ہوجاتا تھا اور یہ آج کل کی نئے زمانے کی لڑکی بے دید بد لحاظ لڑکیاں۔۔۔"

سوچ کا زہریلا دھواں صبح کی پاکیزگی کو آلودہ کر رہا تھا۔

اس نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ ابر آلود آسمان پر ڈالی تھی۔ بارش کی ننھی منی شفاف بوندیں گر رہی تھیں۔

"آج کھانے میں بریانی بنا لیتے ہیں۔" وہ اجازت لینے اماں کے کمرے کی جانب چل دی۔ چھوٹے بڑے امور کے لیے اماں کی اجازت طلب کرنے کی عادت سی ہو چلی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خوامخواہ گھر کا بجٹ خراب ہوگا۔ آلو مٹر رکھے ہیں' وہی پکالو۔" اماں نے فی الفور انکار کیا تھا۔

بجٹ خراب ہوتا یا نہیں البتہ بہو بیگم کا دماغ ضرور خراب ہو جاتا۔ آپا جانے پہلے کہہ کر گئی تھیں "ایسے اس کی ہاں میں ہاں ملائی ہیں تو دیکھیے گا ایک دن وہ کل کی لڑکی آپ کو دیوار سے لگا دے گی۔ گھر کے کام بے شک اس کے ذمے لگا دیں لیکن کنٹرول اپنے ہاتھ میں ہی رکھیں۔"

اور اماں وہی تو کر رہی تھیں۔ زوبیا چپ چاپ کچن میں آکر مٹر کے دانے نکالنے لگی تھی۔

اماں دوپٹا ٹھیک طرح سے لپیٹتی چاشت کی نماز کی نیت باندھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"ارے واہ بھابھی!"

ایک بھرپور نیند لینے کے بعد تہذیب باہر آئی تو اسے حیرت کا خوش گوار جھٹکا سا لگا تھا۔ صاف ستھرا صحن' کیاریوں میں دھلے' نکھرے لہلاتے پودے' عقبی صحن میں تار پر پھیلے ہوا کے سنگ لہراتے دھلے کپڑے۔

"آپ کے اندر ایسی کون سی مشینری فٹ ہے جو دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے۔" اس کے ستائشی انداز پر زوبیا مسکرا کر رہ گئی۔

"میں چھٹی کی وجہ سے تھوڑا اور سولوں' تھوڑا اور سولوں کے چکر میں کچھ زیادہ ہی سولی۔ لیکن خیر اب آپ آرام کریں۔ "بچا کھچا" کام میں کرلوں گی۔"

"دراصل... میں آج امی کے ہاں جانے کا سوچ رہی تھی۔ آپی آئی ہوئی ہیں تو ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی تو..."

"تو آپ جا کر تیاری کریں اپنی امی کے گھر جانے کی۔"

"ہاں... بس اماں سے اجازت لے کر اب تیار ہونے جارہی تھی۔"

اماں جائے نماز بچھائے' دوپٹا قرینے سے لپیٹے' آنکھیں بند کیے بہت جذب سے دعا مانگ رہی تھی۔ وہ وہیں ٹک کر ان کے دعا سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"الماری میں اس وقت سب سے اچھا سوٹ کون سا لٹکا ہے' جو امی کے گھر پہلے پہن کر نہیں گئی؟"

لمحے بھر میں خوش گوار سوچ کا پنچھی منڈیر پر آ بیٹھا تھا۔ پرامید' خوش باش!

لیکن اگلے لمحے نے امید کے پر کاٹ دیے۔ وہ لب کاٹتی ان پروں کو اپنے اردگرد بکھرتا دیکھتی رہی۔

"کتنے دنوں سے سوچ رہی تھی اسٹور کا تالا کھلوا کر اندر کے سامان کو دھوپ لگواؤں' لیکن کبھی نہ کبھی کوئی مصروفیت آڑے آجاتی۔ خیر آج تو موسم بھی اچھا ہے۔ امی کا گھر کون سا بھاگا جارہا ہے۔ دو ایک روز میں چکر لگالینا۔"

"اسٹور کون سا بھاگا جارہا ہے؟" تہذیب کا لہجہ غیر مہذب تھا اور چہرہ اندرونی جذبات کی وجہ سے سرخ پڑ رہا تھا۔ "بھابھی کو جانے دیں۔ میں آپ کی مدد کروادوں گی۔"

"اور اگلے دو گھنٹوں تک تمہاری جگہ چھینکے گا کون؟"

تہذیب نے لب بھینچ لیے۔

☼ ☼ ☼

"کیا خیال ہے' آج کھانا کھانے باہر چلیں؟"

صارم کے رائے لینے والے انداز پر وہ کھل سی اٹھی تھی۔ اسے شادی کے اولین دن یاد آگئے جب وہ یوں ہی محض تفریح کی غرض سے کبھی کبھار باہر کھانا کھانے چلے جاتے۔ چھوٹی چھوٹی بے معنی باتیں۔

مسکراہٹیں' شگفت' یادگار لمحے۔

وقت کی دھول میں سب آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہا تھا۔

نم آلود ہوا کے جھونکوں نے موسم کا حسن بڑھا دیا تھا۔ دل کا موسم اچھا تھا تو باہر سب کچھ پُرکیف سا لگنے لگا۔ تہذیب کی طبیعت خراب تھی۔ منہ سر لپیٹے اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔

زوبیا تیار ہو کر اماں سے اجازت لینے صارم کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئی تھی۔

"جب اچھا بھلا کھانا گھر میں موجود ہے تو کیا ضرورت ہے ایسے موسم میں خوامخواہ باہر جا کر خوار ہونے کی۔ مجھے تو موسم کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔ تہذیب کی الگ طبیعت خراب ہے' میں گھر میں اکیلی۔"

ارمان کے مہکتے گلوں پر اوس سی گرنے لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ چائے کے دو کپ بنا کر اوپر آجاؤ۔ ہم وہیں پر انجوائے کر لیتے ہیں۔"

شوہر کی محبت' ڈھارس آکسیجن سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن کبھی کبھار دل کو دلائل سے قائل کرنا بہت مشکل لگتا ہے۔

"تہذیب! بیٹا میں سوچ رہی تھی پڑوس سے خواتین بلوا کر گھر میں درس کروا لوں' ثواب بھی ملے گا' گھر میں خیر و برکت بھی نازل ہو جائے گی۔ بریانی کی ایک دیگ پکوا لیں گے' کافی رہے گی نا؟"

اماں بولتے ہوئے اندر آگئی تھیں۔ تہذیب کھلی کھڑکی میں سینے پر بازو لپیٹے' ان کی جانب پشت کیے کھڑی تھی۔ نہ تو پلٹی' نہ ہی کوئی جواب دیا۔

"تہذیب! پریشان ہو بیٹا؟"

"جی اماں! بہت۔" اس کا لہجہ دکھ سے بوجھل تھا اماں کے دل کو ایک دم کچھ ہوا تھا۔ متوحش سی ہو کر قدرے آگے کو ہوئیں۔

"آپ نے میرا ڈر سچ ثابت کر دیا اماں! ہم لوگ لمبی لمبی عبادتیں تو خشوع خضوع سے کر لیتے ہیں' لیکن [illegible] رکھنے کی چھوٹی نیکی کرنے سے کتراتے پھر لیتے ہیں۔ اللہ کو خوش کرنے کے لیے راتوں کو اٹھ اٹھ کر وظیفے پڑھتے ہیں لیکن اس کے بندوں کی خوشی کو اپنے پیروں تلے روندنے میں ایک لمحہ نہیں لگاتے۔"

وہ نم آواز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ اپنے گھر کے سکون اور خوش گوار ماحول کے لیے اللہ سے دعائیں مانگتی ہیں لیکن پہلے ہی دن بہو کا سب کے ساتھ اپنائیت بھرا انداز آپ کو چلتر پن لگتا ہے۔ اپنی حاکمیت کے زعم میں آلو مٹر پکانے کا حکم صادر کر کے اللہ سے لو لگالی۔ بہو کا دل بریانی کھانے کو چاہے تو آپ کی جانے بلا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ خوامخواہ سر پر چڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔

وہ دنوں بعد ماں کے گھر جانے کی تیاری کرے تو آپ کو اتفاق سے اسی دن مہینوں سے بند پڑے اسٹور کو کھلوانے کا خیال آجاتا ہے۔"

اماں ساکت کھڑی تھیں۔ تہذیب کا نم آلود لہجہ' شکستہ متاسف الفاظ۔

"عورت جس کا ضمیر اللہ نے محبت سے اٹھایا ہے۔ قربانی جس کا وصف ہے۔ جو ستائش کے دو بول سننے کے لیے خود کو دن بھر تھکاتی ہے۔ ایک دن تھک جائے گی' تھک کر چور۔"

اماں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ صحن کی سیڑھیوں پر زوبیا گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔ زرد لباس میں ملبوس اس ڈھلتی زرد شام کا ایک حصہ لگتی' بہت تشنہ' بہت نا آسودہ سی!

"اللہ کو صرف ہماری عبادتیں تو درکار نہیں ہیں۔ وہ تو دل دیکھتا ہے۔ دل میں رہتا ہے اور اگر دل ہی میلا ہو تو۔"

اماں کو اپنے دل میں خون کی گردش رکتی سی محسوس ہوئی۔ پتھرائی آنکھیں باہر کے زرد منظر سے ہٹ کر بیٹی کے سنہرے دمکتے چہرے پر آرکی تھیں۔

"یہ آج کل کی نئے زمانے کی فلسفے بگھارتی' راہ راست دکھاتی' پڑھی لکھی بیٹیاں۔"

ان کے قدم بے ساختہ صحن کی سیڑھیوں کی جانب بڑھے تھے۔ جس کا منظر بدلنے والا تھا۔

آستانہ

سویرا فلک

وہ لاؤنج میں رکھے استری اسٹینڈ پر کپڑے استری کر رہی تھی کہ شوکیس پر رکھا ہوا موبائل گنگنا اٹھا تو اس نے استری بند کی اور موبائل اٹھایا۔ اسکرین پر "بھابھی کالنگ" کے الفاظ دیکھ کر اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا، جہاں مارننگ شو چل رہا تھا جو وہ استری کرنے کے دوران دیکھ رہی تھی۔ ریموٹ واپس شوکیس پر رکھتے ہوئے اس نے موبائل کا اوکے کا بٹن پریس کر کے کانوں سے لگایا۔

"السلام علیکم بھابی۔ کیسی ہیں؟"

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔ میں ٹھیک ہوں چندا! لیکن تم کہاں ہو، یہ تو بتاؤ بھلا؟" بھابی کی محبت بھری آواز کانوں سے ٹکرائی تو اس کے لب مسکرا اٹھے۔

"مجھے کہاں جانا ہے بھابی یہیں ہوں۔ بس بھاگتی دوڑتی زندگی کے روز و شب نے الجھا رکھا ہے۔"

"آہم۔ کیا بات ہے۔ ہماری گڑیا تو فلسفہ بولنے لگی ہے۔" بھابی نے کھنکھارتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"ارے نہیں بھابھی! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ کہیے کیسی گزر رہی ہے۔ کیا ہو رہا ہے گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"اللہ کا کرم ہے۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ میں نے سوچا نند جی کو تو فرصت ملے گی ہی نہیں۔ سو میں ہی فون کر لوں اور انہیں یاد دلاؤں کہ ان کا بھی میکہ ہے۔ جہاں انہیں یاد کرنے والے بستے ہیں۔" بھابھی کا لہجہ پھر مٹھاس سے بھرپور تھا وہ گلوگیر ہو گئی۔

"اللہ بھابھی! شرمندہ تو نہیں کریں۔ بس آج کل ذرا بچوں کے ایگزامز ہیں تو فون نہیں کر پا رہی۔ اور آنے کا تو آپ کو پتا ہے فائز کو کہاں ٹائم ملتا ہے۔ وہ ویسے بھی کہیں آنے جانے کے چور ہیں اور اکیلے بچوں کے ساتھ نکلنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اللہ آپ کو سلامت اور خوش رکھے، آپ کی محبتوں کے دم سے تو میرا میکہ آباد ہے ورنہ بہن تو ہے نہیں اور امی کے بعد تو۔۔۔" اس کا گلا رندھنے لگا۔

"ارے نہیں میری جان۔ دیکھو میں نے تو تمہیں کبھی نند سمجھا ہی نہیں۔ اس لیے تو دل انکار رہتا ہے تم میں۔ جیسے فریحہ میری بہن ہے بالکل ایسے ہی تم ہو میرے لیے۔ اب دیکھو فائز کو تمہیں ہی کنوینس کرنا ہو گا۔ تم کوئی آیا تو نہیں کہ بس گھر اور بچے سنبھالو۔ تمہارا ابھی دل ہے۔ جذبات ہیں۔ دیکھو فرح! اہم کہیں تو فائز کو برا لگے گا کہ بھابی ہمارے اندرونی معاملات میں

دخل اندازی کر رہی ہیں۔ لیکن اب تم اتنی بھی سادھو نہ بنو اس کے آگے کہ وہ تمہاری قدر ہی کرنا چھوڑ دے۔" بھابی نے اسے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے تسلی دی۔

"ایسی بات نہیں ہے بھابی! ویسے تو فائز میرا خیال رکھتے ہیں بس آفس کی روٹین کچھ ایسی سخت ہے کہ بیچ کے دنوں میں تو بالکل ہمت نہیں کرپاتے اور ویک اینڈ پر وہ چاہتے ہیں کہ بچوں کو تھوڑا گھر سے باہر رہنے کا آئی مین۔ آؤٹنگ کا موقع ملے۔" فرح نے شوہر کی طرف داری کی۔

"فرح ڈیئر! میں تمہیں یہی تو سمجھا رہی ہوں کہ بس ضروریات زندگی فراہم کرکے بیوی کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ وہ اگر جاب کر رہا ہے تو تم بھی تو سارا دن کام ہی کرتی ہو ناں۔ بچے اس کے اپنے ہیں تو خیال بچوں کی ماں کا بھی ایسے میں بڑی ہوں سمجھانا میرا فرض ہے۔ اگر اس کو اتنی ڈھیل دو گی' اس کی مرضی کے مطابق اٹھو گی' جاگو گی' سوؤ گی تو بس بی بی پھر تو ساری عمر اس کی چاکری ہی کرتی رہو گی۔ اس کا کیا ہے۔ کھانا پینا مل رہا ہے' ہر چیز تیار مل رہی ہے۔ وہ جتنا سیدھا دکھتا ہے اتنا ہے نہیں۔ تم ذرا کل بدلو۔ پھر دیکھنا اس کا روپ۔ تم ابھی بچی ہو۔ کیا جانو لوگ کیسے کیسے نقاب چڑھائے پھر رہے ہیں۔ اس کا اپنا تو کوئی ہے نہیں یہاں کراچی میں۔ سو تمہیں بھی اپنوں سے دور رکھ کر اپنے اکیلے پن کی بھڑاس نکال رہا ہے۔ نہیں لاتا تو اٹھاؤ بیگ رکشہ کرو اور آجاؤ۔ پھر دیکھنا کیسے سیدھا ہوتا ہے۔ بلاوجہ رعب میں رکھا ہوا ہے تمہیں اس کی مرضی سے چلو۔ اس کا حکم مانو۔ اچھا سنو مامی آگئی۔ میں چلتی ہوں۔ انتظار کرو گی۔ تمہارے بھائی لاہور سے آئیں گے تو چکر لگاؤں گی ابھی ذرا پیروں کا درد بھی بڑھا ہوا ہے تو سڑکوں پر بھاگ دوڑ کی ہمت نہیں۔ خیال رکھنا گڑیا اپنا۔ اللہ حافظ۔"

سارہ بھابی نے لائن کاٹ دی تو وہ موبائل کی اسکرین کو تکتے ہوئی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☼ ☼ ☼

فائزہ آفس سے آیا تو حسب معمول فریش ہو کر ٹی وی کے سامنے آبیٹھا۔ وہ اسپورٹس کا شوقین تھا تو عموماً فارغ وقت میں یہی اس کی تفریح کا ذریعہ بھی ہوتا تھا۔ "فرح چائے لے آؤ یار۔ بڑی تھکن ہو رہی ہے۔ آج تو کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے بیٹھے کمر ہی اکڑ گئی میری۔" فائز نے آواز لگائی تو فرح جو پہلے ہی چائے چڑھا چکی تھی۔ کپ میں چائے نکال کر لاؤنج میں فائز کے پاس ہی آبیٹھی۔

"سنیں آج سارہ بھابی کا فون آیا تھا۔"

"اچھا! خیریت؟" فائز نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں بدستور ٹی وی کی جانب تھیں۔

"کیا مطلب؟ اب میرے میکے والے مجھے فون بھی نہیں کر سکتے؟" فرح نے ایک دم ہی آنکھیں نکالیں

"ارے کیا ہوا یار۔ میں تو ایسے ہی پوچھ رہا ہوں کہ کیا کہہ رہی تھیں؟" فائز اس کا بدلہ ہوا لہجہ دیکھ کر سنبھل کر بولا اب اس کا رخ بھی فرح کی جانب تھا۔

"یاد کر رہی تھیں کہہ رہی تھیں کہ چکر لگاؤ۔ کل اتوار ہے۔ چھٹی ہے لے کر چلیں۔"

فرح کی آنکھیں بدستور ماتھے پر تھیں۔ فائز کو خوب پتا تھا کہ بھابی کا فون آتے ہی فرح کے تیور بدل جاتے ہیں۔ مگر وہ صلح جو بندہ تھا۔ فرح کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف تھا کہ وہ جلد دوسروں کے کہنے میں آجاتی ہے ورنہ بلاشبہ وہ ایک سعادت مند اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ اس لیے فائز نے اس کے کڑے تیوروں کے باوجود اپنا لہجہ نارمل رکھا۔

"یار! اصل میں کل تو مجھے بائیک صحیح کرانی ہے۔ بہت تنگ کر رہی ہے۔ پھر پورا ہفتہ ٹائم نہیں ملتا اور شام میں آفس کے ایک کولیگ کی شادی میں جانا ہے۔"

"بس پتا تھا مجھے۔ آپ کے پاس بہانوں کی ایک طویل فہرست تیار ہو گی۔ آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں میکے سے تعلق توڑ لوں۔ بس آپ کی اور آپ کے

بچوں کی خدمت میں لگی رہوں۔ میں کوئی کٹھ پتلی ہوں کہ آپ کے اشاروں پر چلوں اور ناچوں۔ نہ لے کے جائیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ محتاج نہیں ہوں میں آپ کی۔" فرح آپے سے باہر ہونے لگی تو فائز کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا فرح۔ یہ بچے اور گھر تمہارا نہیں کیا؟ میں نے تم پر کون سی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔ بناتے ہیں پروگرام پھر چلیں گے۔ تم بلاوجہ دوسروں کی باتوں میں آکر اپنے گھر کا سکون برباد کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔"

"رہنے دیں آپ۔ میں بچی نہیں کہ دوسروں کی باتوں میں آجاؤں یا آپ کے بہلاووں سے پھر بہل جاؤں۔"

وہ پیر پٹختی ہوئی بیڈ روم میں چلی گئی تو فائز نے بھی غصے میں آکر میز کو ٹھوکر ماری اور گھر سے باہر نکل گیا۔ مرد کو گھر میں سکون نہ ملے تو وہ باہر ہی بھاگتا ہے۔ قریبی پارک میں چہل قدمی کے بعد جب اس کا موڈ بحال ہوا تو اس نے گھر واپسی کے لیے قدم اٹھائے۔ گھر آیا تو دیکھ کر چونک گیا کہ گھر پر تالا لگا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے ڈپلیکیٹ چابی سے دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہوتے ہی بیڈ روم میں چلا آیا جہاں خالی ڈریسنگ ٹیبل اور خالی وارڈ روب کے کھلے ہوئے پٹ اس کے شک کی تصدیق کر رہے تھے۔ اسی لمحے موبائل پر میسج کی ٹون بجی تو اس نے موبائل نکال کر ان باکس کھولا۔ فرح نے اسے ٹیکسٹ کیا تھا۔

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ساری زندگی آپ کی غلام بن کر رہوں گی تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔"

فائز نے فوراً" فرح کو کال ملائی تاکہ فرح کو اس کی جذباتیت اور احمقانہ فیصلے کا احساس دلا سکے' لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ بھس میں چنگاری لگ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

فرح میکے پہنچی تو فرح کو سوٹ کیس کے ہمراہ دیکھ کر بھابی کی گرمجوشی ویسی نہ رہی کہ جس کا مظاہرہ وہ فون پر کرچکی تھیں۔ مگر فرح نے اپنی سادہ لوح طبیعت کی بنا پر یہی قیاس کیا کہ اس کی وجہ بھابی کی طبیعت ہی ہوگی جس کا وہ اکثر دکھڑا روتی رہتی ہیں۔ اسے میکے میں رہتے ہوئے تیسرا دن تھا۔ بچوں کی وین یہیں سے انہیں پک (Pick) اور ڈراپ کررہی تھی۔ فرح بچوں کو اسکول بھیج کر ٹی وی کے آگے بیٹھی تو نو بج گئے۔ ابھی اس نے کمر ٹکانے کا سوچا ہی تھا کہ بھابی چلی آئیں۔

"فرح! میرا بی پی پھر اوپر نیچے ہو رہا ہے۔ تم ذرا میرا ناشتہ بنا دو۔ پھر دوپہر کے لیے دال چاول اور آلو کی ترکاری بنالو اور شام کے لیے گوشت بھی چڑھالو۔ اور ہاں شام میں فریحہ اور امی آئیں گی مجھے دیکھنے تو کچھ میٹھا بنا لینا۔ اف کھڑا نہیں ہوا جارہا۔ میں چلتی ہوں۔ سنبھال لینا ذرا۔ کوئی مہمان تو ہو نہیں۔"

بھابی نے کنپٹیاں دباتے ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر کہا تو وہ بس اثبات میں سرہلا کر رہ گئی۔ بھابی کمرے میں چلی گئیں۔ وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر نہا کر آئی تو بچے آگئے تھے۔ بچوں کو کپڑے بدلوا کر کھانا کھلا کر اس نے بھابی کی ہدایت پر کھانا ان کو ان کے کمرے میں پہنچایا اور پھر بچوں کو سلانے کمرے میں لے آئی۔ بچوں کو تھپکیاں دیتے دیتے وہ بھابھی کے بدلتے رویے کے بارے میں ہی سوچنے لگی۔ ماں باپ تو اس کی شادی کے سال بھر بعد ہی ایک ایکسیڈنٹ میں گزر گئے۔ بس پھر میکے کے نام پر ظفر بھائی اور سارہ بھابی ہی تو رہ گئے تھے۔

گریجویشن کے بعد اس کے لیے فائز کا رشتہ آگیا۔

جو ظفر بھائی کا دوست تھا اور آفس میں بھی ساتھ کام کرتا تھا۔ فائز خوبرو اور خوش مزاج تھا۔ اچھے خاندان سے تھا اور فائز نے ظفر بھائی کی شادی پر ہی فرح کو دیکھ کر پسند کیا تھا۔ فرح بہت خوب صورت تو نہیں تھی مگر نین نقوش تیکھے تھے اور فطرت میں سادگی تھی بس اس کی یہی خوبی فائز کو بھاگئی تھی۔

شادی کے بعد دونوں میں کافی انڈر اسٹینڈنگ بھی

ہو گئی اور چھ سال میں دو بچے بھی ہو گئے۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ فائز فرح کے میکے جانے سے کتراتا تھا۔ ماں کی زندگی میں تو سارہ کا سا التفات نہ تھا۔ مگر اس کے بعد وہ اکثر فرح کو یونہی فون کر کے دوری کا شکوہ کرتیں، میکے کا دلار تو لڑکیوں کی سانسوں کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اس لیے بھابی کو مائل بہ کرم دیکھ کر فرح بھی فوراً "جذباتی ہو جاتی۔ اور اس بار تو بھابی کا اصرار اسے اس قدر اکسا گیا کہ وہ بنا سوچے سمجھے گھر کی دہلیز پار کر کے شوہر کی اجازت کے بغیر چلی آئی۔ مگر اب جب ذرا غصہ اترا تو اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ کچھ بھی ہو اسے اس طرح گھر کی دہلیز پار نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کچھ بھی تھا بہرحال فائز ایک محبت کرنے والا شوہر تھا۔

وہ ان ہی سوچوں میں گھری تھی کہ جانے کب بچوں کے ساتھ اس کی آنکھ بھی لگ گئی۔ پھر آنکھ کھلی تو گھڑی کے ہندسے چار بجنے کا مژدہ سنا رہے تھے۔ طبیعت پر کسلمندی چھائی ہوئی تھی تو اسے چائے کی شدید طلب محسوس ہوئی۔ وہ کمرے سے باہر آئی تو کچن کا رخ کرتے کرتے اسے خیال آیا کہ بھابی اٹھ گئی ہوں تو ان سے بھی چائے کا پوچھ لے یہی سوچ کر وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھی تو دروازہ ادھ کھلا ہی تھا۔ وہ اندر قدم بڑھانے ہی لگی تھی کہ بھابی کی بہن فریحہ کی تلخ آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

"تو باجی آپ کو مصیبت کیا پڑی تھی اس فرح نامی آفت کو خود بلانے کی۔" دونوں بہنیں نیم دراز ہو کر باتیں کر رہی تھیں۔ فرح احتیاطاً "اوٹ" میں ہو گئی۔

"ارے مجھے کیا پتا تھا کہ وہ مستقل آکر مونگ دلنے بیٹھ جائے گی میرے سینے پر اور ابھی تو ظفر کو خبر نہیں۔ ورنہ میری ہی شامت آئے گی اور وہ فائز میسنے کو دیکھو بیوی کیا بچوں کے بہانے آجاتا تو تم ایک کوشش اور کرتیں۔" بھابی نے زہر خند لہجے میں کہا تو فرح کے اندر جیسے سناٹا اتر گیا۔

"رہنے دو باجی! سچ میں فائز بڑا گھنا ہے۔ میں اور تم کتنا اس کے آگے پیچھے پھرے مگر وہ اس کلموہی پر ہی لٹو ہو گیا۔ اب چھ سال ہو گئے۔ خاک قابو میں آئے گا۔" فریحہ نے نخوت سے کہا۔

"جانے کس مٹی کا بنا ہے۔ اور جانے اس سانولی صورت میں کیا نظر آیا جو میری پری جیسی بہن کو ٹھکرا دیا۔ خیر دیکھ لینا تم بھی میں بسنے نہ دوں گی۔ فائز تیرا نہیں تو کسی کا نہیں۔ اسی لیے تو فرح سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے 'لگاوٹ ظاہر کرتی ہوں اور فائز کے خلاف بھڑکاتی ہوں' دیکھ لو چنگاری تو لگ گئی ہے۔ بس بھڑکنے کی دیر ہے۔" بھابی نے بے غیرتی سے ہنستے ہوئے بہن کے ہاتھ پر تالی ماری تو فرح کا دل چاہا کہ اندر جا کر دونوں کے گالوں پر طمانچوں کی برسات کر دے مگر پھر اسے اچانک کہیں پڑھی بات یاد آگئی "جس نے حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دیا اس کے لیے جنت میں ٹھکانہ بن جاتا ہے۔"

اس نے گہرے گہرے سانس لے کر اپنے مشتعل ہوتے ہوئے جذبات کو قابو کیا اور بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے بجائے 'اپنا آشیانہ' بچانے کے لیے فائز سے معافی مانگنے کا فیصلہ کیا اور کمرے میں آکر فوری طور پر فائز کا نمبر ڈائل کیا۔ اور جیسے ہی اس نے کال ریسیو کی فرح نے لمحے کی تاخیر کے بغیر لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"فائز! مجھے معاف کر دیں میں واقعی نادان تھی جو دوسروں کی باتوں میں آکر اپنی محبتوں کے آشیانے کو خود تباہ کرنے جا رہی تھی۔"

"میں آ رہا ہوں۔ میری جان آئی لو یو۔"

فائز کے محبت بھرے لہجے نے فرح کے اندر سکون کی پھوار کر دی اور وہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ اسے صحیح وقت پر اپنی غلطی اور بھابی کی اصلیت کا علم ہو گیا۔

ورنہ اس کے جذباتی پن کے باعث زندگی بھر کا پچھتاوا اس کا مقدر بن جاتا۔

مریم عزیز

وہی راستہ وہی منزل میری

پودوں کو پانی دینے کے ساتھ ساتھ اس کی گنگناہٹ بھی جاری تھی جبکہ برآمدے میں بیٹھے منظور صاحب تھوڑی تھوڑی دیر بعد اخبار سے نظر ہٹا کر اسے بھی دیکھ لیتے تھے اور ان کے چہرے کی مسکراہٹ بھی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ نل بند کر کے پائپ سمیٹ کر اس نے صحن میں ڈالا اور اپنے کپڑے جھاڑتی ہوئی منظور صاحب کے پاس والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ اخبار میز پر رکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟" وہ موبائل اسکرین پہ نظریں جمائے مصروف انداز میں بولی۔

"ہاں سوچ رہا ہوں حمید اللہ کی طرف چکر لگا آؤں صبح سے اس کے دو فون آ چکے ہیں۔"

"پاپا روزانہ ہی تو آپ انکل سے ملتے ہیں کم از کم سنڈے کو تو رہنے دیں۔" اس نے کہتے ہوئے افسوس سے موبائل اسکرین کو دیکھا اس کا گیم دوسرے راؤنڈ میں ہی ختم ہو گیا تھا۔

"مجبوری ہے بیٹا! اس کو کچھ مشورہ کرنا تھا نادیہ کا کوئی پرپوزل آیا ہے۔"

"نہیں!" اب کی بار اس نے موبائل بند کر دیا۔ "کب"

وہ جتنا حیران ہوتی اتنا ہی کم تھا کیوں کہ نادیہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی ایک دوسرے کے دن رات کی خبر رہتی تھی اور پرپوزل آنے کی تو قطعی اس کی خبر نہیں تھی۔

"چلیں میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

"اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔" وہ اس کا ساتھ چلنے کا سن کر خوش ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ارے آج تو کچھ بانٹنا چاہیے ہماری بیٹی آئی ہے۔" اسے دیکھ کر حمید اللہ انکل بڑے بے ساختہ انداز میں بولے تھے کیوں کہ اتنے مراسم ہونے کے باوجود وہ بہت کم ان کے گھر جاتی تھی زیادہ تر نادیہ ہی اس کے پاس آتی تھی۔ وہ کچھ دیر تو نادیہ کی بہنوں کے ساتھ باتیں کرتی رہی لیکن جب کافی دیر تک نادیہ کی آمد کے آثار دکھائی نہ دیے تو وہ خود اٹھ کر نادیہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

دروازہ کھولتے ہی اس کی پہلی نظر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نادیہ پر پڑی جو آنکھیں بند کیے پتا نہیں کن سوچوں میں گم تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے آنکھیں کھولیں اور جب

پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے بیڈ سے اتری اور اس کے گلے لگ گئی۔

"تم کب آئیں' مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ اب اس سے الگ ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"مجھے تو آئے ہوئے آدھ گھنٹہ ہو گیا ہے۔ تمہیں ہی توفیق نہیں ہوئی کہ کمرے سے باہر جھانک لو۔"

"مجھے لگا ابو کے مہمان ہیں۔"

"تمہارا کوئی پروپوزل آیا ہے؟" کچھ بھی سخت سست کہنے سے پہلے اس نے تصدیق کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں۔"

"حمزہ کا۔" نادیہ کا سر نفی میں ہلا تھا۔

"تو پھر؟" حبہ حیران ہوئی۔

"پھوپھو تبسم کے بیٹے کا۔"

"وہ۔" حبہ کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا' لیکن اس کے برعکس نادیہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"یقیناً" انکل نے انکار کر دیا ہوگا؟" اس کے پریقین انداز پر نادیہ کا سر نفی میں ہلا۔

"تو تم نے منع کر دیا؟"

"مجھ سے کسی نے پوچھا ہی نہیں۔"

"کیا مطلب پوچھا ہی نہیں۔ شادی تمہیں کرنی ہے اور تم سے ہی نہیں پوچھا۔" حبہ کو برا لگا تھا۔

"میں نے امی سے کہا تھا کہ مجھے پسند نہیں تو انہوں نے پہلے تو مجھے کافی باتیں سنائیں پھر یہ کہہ کر چلی گئیں' جو پسند ہے "اپنے باپ کو بتا دو۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا تم انکل کو بتا دو۔ تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔"

"یہ اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو' جس طرح تم انکل سے فرینک ہو' ان سے ہر بات کر لیتی ہو' میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم جانتی ہو ہم تینوں بہنیں شروع سے ہی ابو سے کتنا ڈرتی ہیں اور امی سے بات کی تو انہوں نے بھی یوں ری ایکٹ کیا جیسے میں نے پتا نہیں کتنا بڑا گناہ کر دیا ہو۔"

اب کی بار وہ ضبط کھو بیٹھی تھی' حبہ کتنی دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی لیکن جب اس کا رونا بند نہیں ہوا تو اسے بولنا پڑا۔

"نادیہ پلیز۔ تم رونا بند کرو۔" کہنے کے ساتھ اس نے نادیہ کے آنسو صاف کیے۔

"اگر تم کہو تو میں پاپا سے بات کروں' وہ انکل کو سمجھائیں۔" نادیہ نے روتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ میں جانتی ہوں اپنے گھر والوں کو اگر انکل نے ابو سے بات کی تو وہ اسے انا کا مسئلہ بنالیں گے اور ضد میں میری شادی وہیں کریں گے اور میں بے حیا' بے شرم کہلائی جاؤں گی وہ الگ۔" حبہ بہت کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن یہ بات اس کی نہیں نادیہ کی ہو رہی تھی اور نادیہ اپنی جگہ صحیح تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا اور بولی۔

"تم نے خضر کو بتایا؟"

"نہیں۔ کیا فائدہ کچھ ہونا تو ہے نہیں۔"

نادیہ کے مایوس لہجے پر اسے غصہ آ گیا تھا۔

"تم پہلے سے ہی سب فرض کر کے بیٹھ گئی ہو کہ ایسا نہیں ہو سکتا' ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے' ہمت ہونی چاہیے۔"

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی نادیہ کی چھوٹی بہن اندر آ گئی تھی۔

"باجی کھانا لگ گیا ہے۔ امی آپ دونوں کو بلا رہی ہیں۔"

"تم جاؤ حبہ! مجھے بھوک نہیں۔"

"تمہاری ناراضی اپنے گھر والوں سے ہے' اب کم از کم میرے لیے چلو اور کھانا کھاؤ' اٹھو شاباش۔" حبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔

☼ ☼ ☼

"پاپا دودھ۔" وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔ انہوں نے کتاب سے نظر ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"کیا کوئی بات کرنی ہے۔" اس کے یوں فرصت سے بیٹھنے پر انہوں نے مسکرا کر کہتے ہوئے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور عینک اتار کر بغور اسے دیکھنے لگے تو ان کے اتنے صحیح اندازے پر اپنی جھینپ مٹانے کے لیے اس نے دودھ کا گلاس ان کے آگے کر دیا۔

"انکل نے جس پروپوزل کا مشورہ کرنے کے لیے آپ کو بلایا تھا کیا بات ہوئی۔"

"ہاں حمید اللہ کی بہن کا بیٹا ہے۔"

"تو آپ نے کیا کہا انہیں؟" اس کے سوال پر انہوں نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

"مجھے کیا کہنا تھا۔ وہ اس کی بہن کا بیٹا ہے ان کا دیکھا بھالا ہے اور کیا چاہیے۔"

"پاپا!" حبہ جھنجلا کر بولی۔ "کسی پرپوزل کو ایکسپٹ کرنے کے لیے یہ کون سا فارمولا ہے" "اپنے ہیں۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"مجھے تو انکل کی سمجھ میں نہیں آتی یہی سب کرنا تھا تو بیٹیوں کو پڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے ان کو شعور دلاتے ہیں اور جب اس شعور کو استعمال کرنے کا موقع آتا ہے تو والدین چاہتے ہیں دماغ اور آنکھیں بند کرلو اور جس کنوئیں میں ہم دھکا دے رہے ہیں' اس میں آنکھیں بند کرکے کود جاؤ۔"

اس کے اتنے غصیلے اور ناراض انداز پر منظور صاحب نے گلاس واپس رکھا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"اپنوں میں شادی کرنا اندھا کنواں کیسے ہوگیا؟"

"پاپا! انکل یہ نہیں دیکھ رہے' اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے' اس کی تعلیم کیا ہے' نادیہ ایم اے کررہی ہے اور وہ ایف اے' کوئی جاب نہیں کرتا۔ اسٹور ہے اس کے فادر کا جس میں اس کے دو بھائی اور حق دار ہوں گے' دو بہنوں کی شادی ہونے والی ہے۔ آپ تصور کرکے دیکھیں کیا فیوچر ہوگا نادیہ کا۔"

"کیا ماں باپ سے زیادہ کوئی اولاد کا بھلا سوچ سکتا ہے؟" یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

"جہاں تک تعلیم کی بات ہے۔ تعلیم بہت میٹر کرتی ہے لیکن ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جو بیوی کو عزت نہ دے اور نہ کرواسکے اور رہی دولت تو وہ عورت کا نصیب ہوتی ہے اور اس کی کئی مثالیں ہیں اکثر جھونپڑوں والی محلوں میں اور محلوں والیاں جھونپڑوں میں پہنچ جاتی ہیں۔"

"ہوسکتا ہے آپ کی یہ باتیں ٹھیک ہوں لیکن شادی کے لیے میرا نظریہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ شادی کے لیے کوالیفائیڈ اور امیر ہونا بہت ضروری ہے اور گڈلکنگ تو مسٹ ہے۔" اس کے انگلیوں پر گنوانے پر منظور صاحب ہنس پڑے تھے۔

"پاپا! آپ انکل کو سمجھائیں کہ وہ یہ رشتہ نہ کریں۔"

"حبہ! کیسی بچوں جیسی باتیں کررہی ہو' میں کیسے منع کرسکتا ہوں اور کس بنیاد پر۔"

"پاپا یہ جو میں نے آپ کو اتنے ریزن دیے ہیں ان کا کیا؟"

"وہ سب بچکانہ ہیں۔" حبہ خاموش ہوکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"اگر میں کہوں کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے تو۔" منظور صاحب کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ جو کہنے کے بعد اب نظریں گود میں رکھے ہاتھوں پر جمائے بیٹھی تھی۔

"کون ہے وہ؟"

"ہمارے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے سینئر ہے ہم سے نادیہ کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"اور نادیہ؟"

"جی وہ بھی' لیکن انکل سے بات نہیں کرسکتی اسے لگتا ہے۔ انکل نہیں مانیں گے اور اس کی جو بے عزتی ہوگی وہ الگ۔"

"ٹھیک کہتی ہے وہ۔"

"لیکن پاپا! یہ کوئی حل نہیں' شادی خوشی کا دوسرا نام ہے اور وہ خوش نہیں۔ آپ پلیز انکل سے بات کریں۔"

اب کی بار وہ کچھ بولے نہیں' لیکن سوچ کی پرچھائیاں ان کے چہرے پر واضح تھیں۔

"اگر وہ لڑکا واقعی مخلص ہے تو اس سے کہو' اپنا رشتہ بھیجے۔" کہہ کر وہ لیٹ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"کل میں نے پاپا سے بات کی تھی تمہارے بارے میں۔" حبہ نے چپس کھاتے ہوئے نادیہ کو دیکھا جو بے دلی سے اسٹرا گلاس میں گھمارہی تھی۔

"میں نے انہیں حمزہ کے بارے میں بتادیا۔" نادیہ کی ساری بے دلی ہوا ہوگئی تھی' اس نے پوری آنکھیں کھول کر حبہ کو گھورا جو شرارتی انداز میں مسکرارہی تھی۔

"تم نے انکل کو حمزہ کے بارے میں بتادیا اوہ میرے خدا! کیا سوچتے ہوں گے وہ میرے بارے میں اور اگر انہوں نے ابو سے کچھ کہہ دیا تو۔" نادیہ کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔

حبہ نے کولڈڈرنک کا لمبا سا گھونٹ پی کر اسے دیکھا۔

"پاپا ایسا کچھ نہیں کریں گے اور تم تو ایسے مررہی ہو جیسے میں نے تم پر پتا نہیں کون سا ظلم کا پہاڑ توڑ دیا ہو۔ کیا تم حمزہ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں؟
پاپا نے کہا ہے سے کہو' اپنا پرپوزل بھیجے پھر وہ کچھ کرسکیں گے۔"

"حمزہ تو یونیورسٹی نہیں آرہا اور شاید آئے بھی نہ کیونکہ

فائنل پیپرز قریب ہیں تو تقریباً" سب ہی گھر میں تیاری کر رہے ہیں۔"

"تمہیں کم از کم اسے اس پروپوزل کے بارے میں تو بتانا چاہیے تھا۔ خیر تم اسے میسج کر کے کہو تمہیں ملے۔ یہ بات آمنے سامنے بیٹھ کر ہی ہو سکتی ہے۔" نادیہ نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہیں باہر؟"

"نہیں تو کیا تمہارے گھر آئے گا وہ اور اتنے دیدے پھاڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ انسان ہے کوئی آدم خور نہیں جو تمہیں کھا جائے گا۔" نادیہ نے برا سا منہ بنا کر اسٹرا ہونٹوں سے لگالی۔

☼ ☼ ☼

دروازے کی بجتی گھنٹی سے اس کی نظر ایک پل کے لیے ٹی وی اسکرین سے ہٹی تھی۔ اور اگلے کچھ لمحوں میں تابش اندر داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم!" اسے دیکھ کر حبہ نے ٹی وی کی آواز کم کردی۔

"کیسی ہو؟" "تمہارے سامنے ہوں، کیسی لگ رہی ہوں۔" تابش نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اس کے دمکتے چہرے کو دیکھا۔

"ہمیشہ کی طرح خوب صورت۔" تابش کے کہنے پر اس نے ابرو اچکا کر اس تعریف کو حق کی طرح وصول کیا۔

"چائے پیو گے یا کوئی ڈرنک لو گے؟"

"میں کھانا کھاؤں گا۔" اس کے منہ پھلا کر کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"وہ بھی ملے گا پر پہلے کچھ پی لو یا ابھی کھانا لگوا دوں۔"

"کھانا انکل کے ساتھ کھاؤں گا۔ کہاں ہیں وہ؟"

"پاپا آنے والے ہوں گے۔" حبہ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا جہاں شام کے چھ بج رہے تھے۔

"عظمیٰ! تابش بھائی کے لیے شربت لے آؤ۔" حبہ نے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا تب ہی دروازے کی دوبارہ گھنٹی بجی۔

"پاپا آگئے۔" اس نے تابش سے کہا جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے نیم اسپورٹس دیکھ رہا تھا اس کے کہنے پر ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم انکل!" منظور صاحب کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کو دیکھ کر منظور صاحب پہلے چونکے اور پھر مسکرا کر مصافحہ کر کے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"ہاں بھئی برخوردار پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"فرسٹ کلاس انکل۔ آج لاسٹ پیپر تھا۔ ہوسٹل بھی بند ہو رہا تھا۔ کل گھر جا رہا تھا۔ سوچا آپ سے اور حبہ سے ملتا ہوا جاؤں۔"

"بہت اچھا کیا اور تمہاری امی اور بہن کیسی ہیں۔؟"

"کل امی سے بات ہوئی تھی۔ سب خیریت ہے۔ آپ کو سلام کہہ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔ آپ کو فون کریں گی، انہیں آپ سے کچھ ضروری بات بھی کرنی ہے۔" منظور صاحب نے الجھی نظر سے تابش کو دیکھا اور تب ہی ان کی نظر اندر آتی حبہ پر پڑی تو وہ سر جھٹک کر بات بدل گئے۔

"بیٹا! تابش کو کچھ کھلایا بھی ہے یا بھوکا ہی بٹھا رکھا ہے۔"

"پاپا! میں نے تو کہا تھا کھانا لگا دوں لیکن اس نے کہا کہ آپ کے ساتھ کھائے گا۔"

"چلو یہ تو اچھا ہے۔ تم کھانا لگواؤ۔ میں چینج کر کے آتا ہوں۔" جب وہ کپڑے تبدیل کر کے آئے تابش کرسی پر بیٹھا ان کا ہی منتظر تھا۔ "واہ بھئی، بڑی اچھی خوشبو آرہی ہے۔"

"جی صاحب جی! بریانی بنائی ہے اور آپ کے لیے شنڈے کالی مرچ ڈال کر۔" عظمیٰ کے کہنے پر ان کا منہ بن گیا جبکہ ان کا چہرہ دیکھ کر وہ تینوں ہنس پڑے تھے "بھئی عظمیٰ! ہمارے لیے بریانی اور انکل کے لیے شنڈے وہ بھی مرچ کے بغیر یہ سزا کیوں۔" تابش نے ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر مصنوعی حیرت سے عظمیٰ کو دیکھا۔

"باجی کے کہنے پر۔" اس بازپرس پر اس نے جلدی سے حبہ کی طرف اشارہ کیا۔

"صحت دیکھی ہے پاپا کی کتنے ویک ہو گئے ہیں ڈاکٹر نے چکنائی اور مرغن کھانوں سے منع کیا ہے۔"

حبہ کے کہنے پر اس نے غور سے منظور صاحب کی طرف دیکھا وہ واقعی اسے پہلے سے کمزور لگے تھے۔

"ڈاکٹر کو دکھایا ہے انکل! کیوں آپ کی صحت ڈاؤن ہو رہی ہے۔" منظور صاحب نے ایک نظر تابش کو دیکھ کر حبہ کو دیکھا جو پریشانی سے انہیں دیکھ رہی تھی، وہ

مسکرائے "بھئی اس عمر میں چھوٹی موٹی کمزوریاں تو آہی جاتی ہیں اب احتیاط کر رہا ہوں۔" انہوں نے پلیٹ میں ٹنڈے کا سالن ڈالتے ہوئے کہا۔ "شروع کرو بیٹا!" انہوں نے ہاتھ روکے تابش اور حبہ سے کہا۔

"عظمیٰ گھر چلی گئی کیا؟" کھانے کے بعد وہ برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آئی۔

وہ چائے کا پانی رکھ رہی تھی تابش کی آواز پر چونکی۔

"تم کیوں آگئے میں چائے لا رہی ہوں۔" تابش کو کچن کے دروازے میں کھڑا دیکھ کر وہ مسکرا کر بولی۔

"اندر بور ہو رہا تھا۔ سوچا یہیں آجاؤں۔"

"آج بریانی اچھی بنی تھی۔ لگتا ہے۔ عظمیٰ کی کوکنگ اچھی ہوگئی ہے۔"

"ہاں شکر ہے ورنہ بڑی پرابلم ہوتی تھی۔"

"تم بھی کچھ سیکھ لو اس سے۔" تابش نے زیر لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیوں، عظمیٰ ہے تو پکانے کو۔" وہ اب پانی میں پتی ڈال رہی تھی۔

"عظمیٰ ساری عمر تو تمہارے ساتھ نہیں رہے گی۔ کیا انکل جہیز میں عظمیٰ تمہارے ساتھ بھیجیں گے۔"

حبہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ "عظمیٰ نہیں ہوگی تو کوئی اور ہوگی۔ تمہیں میرے لیے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" تابش زور سے بولا۔

"میں پریشان نہیں ہوں گا تو اور کون ہوگا۔"

"مطلب۔" حبہ پوری طرح اس کی طرف مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"آخر کار آپ کو شادی کر کے میرے گھر ہی آنا ہے اور میرے گھر کوئی عظمیٰ اور اس جیسی نہیں۔"

وہ جو پوری توجہ سے تابش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات پر ایک پل کے لیے حیران اور پھر پتا نہیں کون سی کیفیت کا شکار ہو کر رخ موڑ گئی۔

"تمہیں یہ غلط فہمی کیوں ہوئی؟" اب کی بار یہ سوال کرتے ہوئے اس کی آواز دھیمی تھی۔

"یہ نہ تو غلط فہمی ہے اور نہ ہی خوش فہمی۔ مجھے 'امی' نورین، ہم سب کو تم بہت اچھی لگتی ہو اور امی کی ہمیشہ سے خواہش ہے تمہیں اپنی بہو بنانے کی۔"

حبہ خاموشی سے اسے سنتی رہی اس کے خاموش ہونے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/120 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/120 روپے ہے، دوسرے شہروالے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/300 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/800 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

پر بولی۔
"جبکہ میں شروع سے سن رہی ہوں کہ تمہاری نسبت تمہاری پھوپھی زاد سے ہو چکی ہے۔" وہ جو کسی اور جملے کی توقع کر رہا تھا یہ سن کر بدمزہ ہوا۔ "وہ کوئی نسبت نہیں تھی صرف بچپن کی بات تھی صرف ابو ایسا چاہتے تھے۔"
"لیکن میں نے تو سنا تھا کہ تم بھی ایسا چاہتے تھے۔" اس کی بات کاٹ کر وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔
"اگر میں ایسا چاہتا تو اب تک وہ میری بیوی ہوتی۔"
"امی انکل سے ہماری منگنی کی بات کرنا چاہتی ہیں اور کوئی بھی جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لینا' یہ امی' نورین کی ہی نہیں میری بھی خواہش ہے۔" حسنہ نے جواب دینے کے بجائے خاموش نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

فائل پر لکھتا ان کا ہاتھ رک گیا تھا۔ چکر تو انہیں صبح سے آ رہے تھے لیکن اب ایک دم آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا پین ایک طرف پر رکھ کر انہوں نے اپنا چکراتا سر فائل پر ٹکا دیا۔ پتا نہیں کتنے ہی لمحے بے ہوشی میں بیت گئے تھے۔ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں انہیں احساس ہوا جیسے کسی نے ان کا نام پکارنے کے ساتھ انہیں کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو۔ انہوں نے بمشکل اپنی بند ہوتی آنکھوں کو کھولا۔ حمید اللہ کے ساتھ آفس کا دوسرا اسٹاف بھی ان کے گرد کھڑا انہیں پریشان نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے؟" حمید اللہ نے ان سے سوال کیا تو انہیں یاد آیا کہ ان کے سر میں شدید درد تھا لیکن اب شدت کا وہ احساس نہیں تھا۔
"پتا نہیں یار! چکر سا آ گیا تھا لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔"
حمید اللہ سے کہنے کے بعد باقی لوگوں سے مسکرا کر انہوں نے خود کو ٹھیک ظاہر کیا تھا۔ سارا اسٹاف انہیں حسب توفیق مشورہ دے کر دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔
"یہ سر کا چکرانا معمولی تو نہیں ہو سکتا کیونکہ اب تک تمہارے چہرے کا رنگ نارمل نہیں ہوا۔" حمید اللہ قدرے پریشانی سے ان کا پیلاہٹ مائل رنگ دیکھ رہے تھے۔

"نہیں یار! ایسا بھی کچھ سیریس نہیں' عمر کا تقاضا ہے' ہو سکتا ہے بی پی لو ہو گیا ہو۔" انہوں نے حمید اللہ سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔
"جو بھی ہے تمہیں ڈاکٹر سے مکمل چیک اپ کروانا چاہیے۔"
"ہوں!"
"تمہیں کچھ دن ریسٹ بھی کرنا چاہیے۔ باس سے کچھ دن کی چھٹی لے لو۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلا کے بولے۔
چھٹی کے وقت وہ درخواست لے کر باس کے آفس میں گئے' دستک دینے کے بعد ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اجازت کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول دیا اور سامنے جو منظر انہیں نظر آیا اس نے نہ صرف انہیں نظریں جھکانے پر بلکہ دو قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان پر جھکی ان کی پرسنل سیکریٹری جس کو اپائنٹ ہوئے دو ہفتے ہوئے تھے۔ گھبرا کر ان سے دور ہٹی تھی جبکہ نروس تو وہ بھی ہو گیا تھا لیکن وہ مالک تھا۔
"مسٹر منظور! آپ کو اتنی تمیز نہیں کہ ناک کرنے کے بعد اجازت کا بھی انتظار کرتے ہیں۔"
"آئی ایم سوری سر!" وہ اسی طرح سر اور نظریں جھکائے بولے۔
"کیا عذاب آپ پر نازل ہو گیا تھا جو آپ یوں منہ اٹھا کر اندر آ گئے۔"
"سر! وہ میں یہ درخواست دینے آیا تھا۔"
"کس چیز کی درخواست؟" باس نے ابرو اچکا کر انہیں دیکھا۔
"سر کچھ دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں۔"
"مجھے تو آپ کی طبیعت میں کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی' ہٹے کٹے کھڑے ہیں۔"
ان کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ تمسخرانہ انداز میں بولا' جواباً دوسرے صوفے پر بیٹھی سیکریٹری کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ غالباً وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی۔
"دیکھیں مسٹر منظور!" وہ قدرے جھک کر آگے کو ہوا "آپ یہ احسان مانیں کہ ڈیڈی کی وجہ سے آپ ابھی تک ٹکے ہیں۔ لیکن اگر آپ کو لگتا ہے آپ کی صحت اجازت نہیں دیتی تو آپ یہ جاب چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ اب آپ کھڑے کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہیں جائیں اور کل اگر

آپ آئیں تو ٹھیک ورنہ آپ کی جگہ لینے والے بہت ہیں۔"

منظور صاحب نے ایک خاموش نظر سامنے بیٹھے باس پر ڈالی اور اسی طرح سر جھکائے نکل آئے۔ باہر حمید اللہ ٹہلتے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"کیا ہوا منظور ہو گئی چھٹی؟" انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔

"کیوں؟" جواباً" جو ان سے کہا گیا تھا انہوں نے حمید اللہ کو بتا دیا' کچھ لمحوں کے لیے وہ بول ہی نہیں سکے۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ قریشی صاحب کے گھر کیسا شیطان پیدا ہو گیا ہے' خود وہ کتنے پرہیزگار آدمی تھے اور بیٹا کیسا گندا اور عیاش۔ اس کی ان بری حرکتوں کی وجہ سے کمپنی کی ریپوٹیشن بھی خراب ہو رہی ہے' یہ ساتویں سیکریٹری ہے جو اس نے بدلی ہے' جب دل بھر جاتا ہے۔ نکال دیتا ہے جیسے سیکریٹری آفس کے لیے نہیں اس کی ذاتی خدمت کے لیے رکھی گئی ہو۔ وہ مسز پروین یاد ہیں۔ کتنی ایمان دار اور نیک خاتون تھیں۔ آتے ہی انہیں نکال دیا اور اس کے بعد روز ہی نیا چہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔" آفس کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ غائب دماغی سے حمید اللہ کی باتیں سن رہے تھے۔

"میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔" اپنے اسکوٹر کی طرف بڑھتا دیکھ کر حمید اللہ بولے' وہ سر ہلا کر حمید اللہ کے پیچھے چلنے لگے۔

"حمید اللہ! حبہ کو میری طبیعت کے بارے میں مت بتانا ورنہ وہ پریشان ہو جائے گی۔" حمید اللہ نے ایک نظر انہیں دیکھا اور سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"حبہ! کیا ہم ٹھیک کر رہے ہیں۔" نادیہ نے ہاتھ مسلتے ہوئے حبہ کو دیکھا جو چادر سر پر جمانے کے بعد اب اسی چادر سے منہ کو ڈھانپ رہی تھی۔

"ہم کیا کر رہے ہیں؟" حبہ نے ہاتھ روک کر حیرت سے نادیہ سے سوال کیا۔ "یوں چھپ کر باہر جانا اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟ میں پہلے یوں نہیں گئی۔" اس کی پریشانی کو حبہ نے بڑی سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ اس کے یوں دیکھنے پر وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"[illegible] مطلب ہے میں پہلے یوں اس حلیے میں کلاسز بنک کر کے ریسٹورنٹ میں لڑکوں سے ملنے جاتی ہوں۔"

"نہیں یار! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" نادیہ کی گھبراہٹ میں یک دم اضافہ ہوا۔

"تو اور کیا مطلب سمجھوں؟ کیا میں اس کام میں بہت ایکسپرٹ ہوں۔ صرف تمہاری وجہ سے وہ کام کرنے جا رہی ہوں جو کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا اور کیا مجھے ڈر نہیں کہ کوئی وہاں مجھے دیکھ کر کیا سوچے گا۔ یہاں تو دوستی میں ہمدردی بھی مہنگی پڑ رہی ہے۔ بیٹھی رہو میں نہیں جا رہی۔"

اس نے ایک دم جذباتی انداز میں چادر نوچ کر سر سے اتاری تھی جبکہ نادیہ کا منہ رونے والا ہو گیا تھا۔ اس نے روہانسی ہو کر حبہ کا بازو تھام لیا۔

"سوری حبہ! تم جانتی ہو میں تمہاری طرح بہادر نہیں اور نہ اتنی کانفیڈنٹ۔ تمہارے پاس تو انکل کا بھروسا ہے جبکہ میرے پاس۔"

کہہ کر وہ خاموش ہو گئی تو حبہ نے دزدیدہ نظروں سے اس کا جھکا سر دیکھا جہاں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ حبہ نے گہرا سانس ہوا میں چھوڑا۔

وہ لوگ یونیورسٹی سے کافی دور آ گئی تھیں لیکن اس کے باوجود کوئی رکشہ کوئی ٹیکسی نہیں مل رہی تھی۔

تب ہی نادیہ نے بائیں طرف کھڑی گاڑیوں کو دیکھا۔ یہ کسی اسپتال کا پچھلا حصہ تھا۔ ان گاڑیوں سے فاصلے پر اسے ایک ٹیکسی نظر آئی۔ وہ حبہ کو رکنے کا کہہ کر آگے بڑھی۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اسے مایوسی سی ہوئی کیونکہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ تب ہی نظریں گھمانے پر اسے ایک آدمی نظر آیا جس کے ہاتھ میں ٹائر تھا' قریب آنے پر وہ سوالیہ نظروں سے نادیہ کو دیکھنے لگا۔

"نہیں بی بی! یہ ٹیکسی ان صاحب کی ہے۔ میں تو مکینک ہوں۔"

اس نے درخت کے نیچے کھڑے آدمی کی طرف اشارہ کیا جو اس کی طرف پشت کیے موبائل پر بزی تھا۔ نادیہ نے حبہ کو موبائل پر کال کر کے اسے ٹیکسی ملنے کی خوش خبری سنائی اور خود ٹیکسی ڈرائیور کی طرف چل پڑی۔ "سنیں بھائی مال روڈ تک جانا ہے۔" اس شخص نے فون کان سے ہٹا کر حیرت سے نادیہ کو دیکھا۔ "وہ ٹیکسی آپ کی ہے نا؟" اس کی حیرت پر نادیہ کو وضاحت کرنی پڑی۔ "سوری میں

اس وقت فری نہیں۔" اس نے بے زاری سے کہہ کر دوبارہ فون کان سے لگالیا۔

"اس!" نادیہ منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔ اسے یوں کھڑا دیکھ کر سامنے کھڑے شخص نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا تو نادیہ خجل ہو کر واپس مڑ گئی۔ سامنے سے حبہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کی طرف آرہی تھی۔

"چلیں پھر؟" اس کے قریب پہنچتے ہوئے وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولی۔

"اس ٹیکسی ڈرائیور نے منع کردیا۔" نادیہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں؟" حبہ نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"کہتا ہے وہ فری نہیں۔" اب کے حبہ نے بایاں ابرو اچکا کر نادیہ کو دیکھا۔ اور حبہ فوراً" شروع ہو گئی۔

"انسان کو اپنی روزی پہ لات نہیں مارنی چاہیے۔ آپ کے پسنجر کھڑے ہیں اور آپ اپنی ٹیوڈ دکھا رہے ہیں" وہ ماتھے پر بل ڈالے غصے سے تیز تیز بولتی جارہی تھی۔

"ہمیں بھی کوئی شوق نہیں اس پھٹیچر ٹیکسی میں بیٹھنے کا لیکن مجبوری ہے ہمیں کہیں ضروری پہنچنا ہے اور دوسری کوئی سواری نہیں مل رہی۔"

مقابل کی حیرت اب دلچسپی میں بدل گئی تھی۔

"کہاں جانا ہے آپ کو۔" اس کے سوال پر وہ حیران ہوئے بغیر مطلوبہ جگہ کا پتا بتا کر شاہانہ انداز میں چلتی ہوئی ٹیکسی کے قریب کھڑی نادیہ کو اشارہ کیا۔

"کیا ہوا نہیں مانا؟"

"ارے مانتا کیسے نہیں، میں بات کررہی تھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ ٹھہریں، میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔" اپنے پیچھے ان دونوں نے اس ٹیکسی ڈرائیور کی آواز سنی۔

"یار اب کیا اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ ٹیکسی کی چابیاں اسپتال سے ملنے لگی ہیں۔" نادیہ اسپتال کی عمارت کی طرف جاتے ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھ کر بولی۔

"ہمارا کام ہو رہا ہے نا' ہمیں کیا چابیاں اسپتال سے ملیں یا حوالات سے۔" ٹیکسی ڈرائیور کو آتا دیکھ کر وہ دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئیں۔

ریسٹورنٹ کے قریب پہنچ کر ان دونوں نے نقاب والی چادریں اتار کر اپنے ہینڈ بیگ میں رکھیں۔ بالوں میں برش

ڈرائیور نے سرسری سی نظر شیشے پر ڈالی اور نقاب پوش حسیناؤں کے جلوے دیکھ کر اس کے دیدے پھٹنے کے قریب کھل گئے۔ حبہ کی نظر سامنے پڑی تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے وہ اسے سخت سست سنانا چاہتی تھی لیکن نادیہ کے اترنے اور حمزہ کو منتظر کھڑے دیکھ کر وہ اتر گئی تھی لیکن اس کے قریب سے گزرنے پر اس پر خونخوار نظر ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

"کیا منگواؤں ٹھنڈا یا گرم؟" مسلسل پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد حمزہ کو پوچھنا پڑا تھا۔ حبہ نے نظریں گھما کر ساتھ بیٹھی نادیہ کو دیکھا جو سر جھکائے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھنے میں مصروف تھی۔

حبہ کھنکھار کر حمزہ کی طرف متوجہ ہوئی کیونکہ جانتی تھی کہ محترمہ گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھ چکی ہیں اب جو بھی بکواس کرنی ہے اسے ہی کرنی ہے۔

"ہم یہاں کھانے پینے نہیں آئے بلکہ کچھ بات کرنے آئے ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ بات کیا ہے۔"

حبہ کے کہنے پر حمزہ نے ایک نظر نادیہ پر ڈال کر دوبارہ حبہ کو دیکھا۔

"نادیہ نے مجھے بتایا تھا لیکن تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"کیا مطلب کیا کرنا چاہیے۔" حبہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"تم پچھلے ایک سال سے نادیہ کے پیچھے محبت کی بانسری بجاتے پھر رہے ہو اور ہم سے پوچھ رہے ہو۔ کیا کرنا چاہیے۔" اس کے اشتعال بھرے انداز پر نادیہ نے گھبرا کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"میں اب بھی نادیہ سے محبت کرتا ہوں لیکن میں مجبور ہوں۔" حبہ اب کی بار بولنے کے بجائے خاموشی سے اس کا منہ دیکھنے لگی لیکن اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے "کہ بکو کیا بکتے ہو۔"

"مجھ سے بڑے ایک بھائی اور بہن ہیں اور ایک بہن مجھ سے چھوٹی ہے اور سب ان میریڈ ہیں' ایسے میں امی ابو میری شادی کے لیے کبھی نہیں مانیں گے اور اس سے بڑی بات میں ابھی تک جاب لیس ہوں۔"

"وہی ساری شادی نہ کرنے کی ٹپیکل اسٹوری۔" اس کی ساری تقریر کے جواب میں حبہ استہزائیہ انداز

میں بولی تو نادیہ جو کب سے ضبط کیے بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"نادیہ!" اسے روتے دیکھ کر حمزہ ایک دم اٹھا۔

"او پلیز، اس ہمدردی کی ضرورت نہیں۔" حبہ نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر روکا تھا اور وہ جیسے کھڑا ہوا تھا ویسے ہی بیٹھ گیا۔

"حمزہ تم صاف بات کرو، تم شادی کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔" حبہ نے بڑی سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں نادیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے وقت چاہیے۔"

"کتنا؟" وہ مزید سنجیدگی سے بولی۔

"پانچ چھ سال۔"

نادیہ نے بے ساختہ ڈبڈبائی نظروں سے حمزہ کو دیکھا۔

"تم جانتے ہو ایسا ممکن نہیں، نادیہ سے چھوٹی دو بہنیں ہیں اور وہ بھی اس عمر میں کہ ان کی شادی کردی جائے۔"

حمزہ کچھ دیر پرسوچ انداز میں میز کی سطح کو گھورتا رہا۔ جبکہ نادیہ کی امید بھری اور حبہ کی سنجیدہ نظریں اسی پر جمی تھیں۔

"امی ابو نہیں مانیں گے۔"

"اوکے فائن۔ آج کے بعد تمہارا نادیہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ آئندہ اپنی شکل نہ دکھانا۔" اس نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے نادیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔ حمزہ ایک دم بوکھلا کر اٹھا۔

"حبہ، نادیہ! پلیز سنو تو۔" لیکن حبہ نادیہ کو کھینچتی ہوئی باہر لے آئی لیکن چند قدم پر ٹھٹک کر رک گئی۔

وہی ٹیکسی ڈرائیور ٹیکسی کے دروازے سے ٹیک لگائے بڑے اسٹائل سے کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی جب ٹیکسی ڈرائیور کی آواز پر رک کر مڑ کر غصے سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں آپ کو کرایہ دے چکی ہوں پھر اس طرح کھڑے ہونے کا مطلب؟" جبکہ وہ اس کے بجائے نادیہ کو دیکھ رہا تھا جو مسلسل آنسو صاف کر رہی تھی۔

"مسٹر! میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔" اس کے یوں نادیہ کو دیکھنے پر وہ ناگواری سے بولی۔

"مجھے لگا، آپ، آپ کو واپس جانا ہوگا۔" اس کی بدتمیزی کے جواب میں وہ بڑی شائستگی سے بولا۔

حبہ نے دوسری ناگوار نظر روتی ہوئی نادیہ پر ڈالی اور ٹیکسی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی اور ناراضی کے اظہار کے طور پر پوری طرح رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ لیکن نادیہ کی مسلسل سوں سوں سے اسے الجھن ہونے لگی تھی۔

"فار گاڈ سیک نادیہ! بند کرو یہ ماتم۔" وہ نیچی آواز میں ڈپٹ کر بولی۔ یونیورسٹی سے کچھ فاصلے پر اس نے ٹیکسی کو رکوا دیا تھا۔ ٹیکسی رکتے ہی وہ تیزی سے اتر کر یونیورسٹی کے قریب کھڑی اپنی وین کی طرف بڑھ گئی۔ اور اس کے پیچھے نادیہ بوکھلا کر بھاگی تھی۔ وین میں ابھی باقی لڑکیاں نہیں آئی تھیں۔

"تم نے کرایہ دے دیا؟"

"نہیں تو۔" حبہ کے پوچھنے پر نادیہ بے ساختہ بولی۔ اور اسی بے ساختگی سے دونوں نے کھڑکی سے باہر دیکھا لیکن وہ ٹیکسی اب وہاں نہیں تھی۔ حبہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"دیکھو نادیہ! تم نے جتنا رونا ہے نا رو لو۔ اس کے بعد میں تمہیں ایسے نہ دیکھوں۔ حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ وہ آدمی اتنا بزدل ہے کہ پیار کر سکتا ہے لیکن تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایسے پیار کا کوئی فائدہ نہیں جس سے کوئی جائز نام نہ جڑا ہو۔ دوست ہونے کے ناتے میں نے تمہارا ساتھ دیا اور اسی دوستی کے ناتے میں تمہیں یہ مشورہ دوں گی کہ تم وہی کرو، جو انکل، آنٹی چاہتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی اور چوائس نہیں۔"

حبہ نے بات کے اختتام پر بغور اس کا جھکا چہرہ دیکھا لیکن وہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ اس کی بات سمجھی ہے یا نہیں۔

☆ ☆ ☆

وہ کتاب کھولے بیٹھی تھی لیکن اس کا سارا دھیان باہر کی طرف لگا تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تب ہی قریب رکھا اس کا موبائل بج اٹھا اسکرین پر تابش کا نام جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو کیسی ہو۔"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ۔"

"کیا بات ہے اتنی بے زاری سے کیوں بات کر رہی ہو؟" تابش کی مسکراتی آواز پر اس نے گہرا سانس لیا۔

"کچھ نہیں۔"

"ارے بتاؤ نا یار۔"
"پتا نہیں' پاپا نے کسی رشتہ کروانے والی کو بلایا ہوا ہے اور وہ باہر دھڑا دھڑ تصویریں دکھا رہی ہے۔" دوسری طرف خاموشی چھائی تھی۔
"ہیلو! تابش!" اس کی مسلسل خاموشی پر وہ زور سے بولی۔
"ہاں حبہ' میں تمہیں کچھ دیر بعد کال بیک کرتا ہوں۔"
"لیکن سنو تابش۔" پر وہ فون رکھ چکا تھا۔ حبہ کے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ گیٹ بند ہونے کی آواز سن کر وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ منظور صاحب صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سامنے دیکھ رہے تھے۔ آہٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھا اور اس کو دیکھ کر مسکرا دیے۔
"پاپا! یہ کیا مذاق تھا؟"
"کون سا بیٹا؟" اس کے قریب بیٹھنے پر انہوں نے اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔
"اس عورت کو کیوں بلوایا تھا آپ نے؟"
"تمہاری شادی کے لیے۔"
"پاپا میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔ اس کے بعد میں کچھ عرصہ جاب کروں گی پھر شادی کے بارے میں سوچوں گی۔" اس کے بولنے کے دوران وہ بڑے پیار سے اسے دیکھتے رہے۔
"اس میں تو بہت ٹائم لگے گا اور پتا نہیں میرے پاس اتنا ٹائم ہے یا نہیں۔"
"پاپا!" ان کے انداز پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ "یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔" اس کے چہرے کا رنگ یک دم بدلا تھا۔
اس کی حالت دیکھ کر منظور صاحب نے جلدی سے بات بدل دی۔
"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹیاں مناسب وقت پر اپنے گھر بس جائیں تو یہی ماں باپ کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے۔
یہی عمر ٹھیک ہے۔ شادی کے لیے اور پڑھ تو تم شادی کے بعد بھی سکتی ہو' ہے ناں۔" انہوں نے اس کا جھکا سر دیکھا۔ اس کے گرتے آنسو دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ اسے مزید ساتھ لگایا تھا۔
"لیکن کیوں پاپا! آپ کو اچانک اتنی جلدی کیوں ہونے لگی ہے۔ اور میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جانے والی۔"
اس کی بات سن کر وہ ہنس پڑے تھے۔
"چلو ٹھیک ہے۔ ابھی تو مجھے اچھی سی چائے پلواؤ۔" وہ آنسو صاف کرتی ہوئی کچن میں آگئی لیکن دماغ مسلسل منظور صاحب کی باتوں میں الجھا تھا۔ جب وہ چائے لے کر آئی وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ وہ چائے کا کپ ان کے سامنے میز پر رکھ کر ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی وہ دوسری طرف کی بات بڑے دھیان سے سن رہے تھے جبکہ نظریں حبہ پر جمی تھیں۔
"کس کا فون تھا پاپا؟" ان کے فون بند کرتے ہی اس نے پوچھا تھا۔
"تمہاری خالہ کا فون تھا۔" کہہ کر انہوں نے چائے کا کپ اٹھالیا۔
"کیا تمہاری اپنی خالہ سے کوئی بات ہوئی ہے؟"
"نہیں تو کیوں؟" وہ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔
"تابش سے؟" دوسرا نام اس کے لیے اور حیران کن تھا۔
"کیسی بات پاپا؟" اس کے پوچھنے پر انہوں نے سر جھٹکا۔
"کچھ نہیں تمہاری خالہ آنا چاہ رہی ہیں تابش کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے۔"
"اوہ!" وہ جو پاپا کے سوالوں سے پریشان ہو رہی تھی۔ ایک دم پرسکون ہو گئی۔ منظور صاحب نے بغور اس کا انداز دیکھا۔
"تمہارے خیال میں مجھے انہیں کیا جواب دینا چاہیے؟" حبہ نے کچھ کہنے کی بجائے خاموش نظر ان پر ڈالی اس کی خاموشی پر وہ خود ہی بولے۔
"تابش اچھا لڑکا ہے پھر تمہارا کزن ہے' تمہیں پسند کرتا ہے اور تم بھی اسے پسند کرتی ہو۔" ان کے جتاتے ہوئے انداز پر وہ مزید چپ نہیں رہ سکی۔
"پاپا اگر آپ کو پسند نہیں تو آپ انکار کر دیں۔"
"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تابش مجھے پسند نہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ کوئی جاب نہیں کرتا' والد اس کے حیات نہیں ہے۔ وہ اکلوتا بیٹا ہے ظاہر ہے۔ شادی کی ذمہ داری اس کی ہوگی اور وہ کوئی اتنے ویل آف بھی نہیں تو ظاہر ہے اس صورت حال میں سفر تمہیں کرنا پڑے گا۔"
"پاپا! تابش ایجوکیٹڈ ہے اگر آج جاب نہیں تو کل مل جائے گی اور پھر میری پڑھائی وہ کب کام آئے گی۔"

حبہ کی وضاحت کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتے تھے اور اپنی گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر انہیں حبہ کے لیے جلد از جلد کوئی مضبوط سہارا تلاش کرنا تھا اور اس وقت تابش سے بہتر وہ مضبوط سہارا اور کوئی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

دستک دینے کے بعد انہوں نے تب تک دروازہ نہیں کھولا تھا جب تک انہیں اندر آنے کی اجازت نہیں ملی۔

"جی فرمائیں۔ منظور صاحب! کیسے تشریف لائے آپ۔" کرسی سے ٹیک لگا کر اسے دائیں بائیں جھلاتے ندیم قریشی نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ منظور صاحب نے ہاتھ میں پکڑی درخواست اس کے سامنے رکھی۔

"یہ کیا ہے؟" باس نے ان کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

"میں نے اپنے پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ کچھ لون کے لیے قریشی صاحب سے بات کی تھی۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب مجھے ضرورت ہوگی' وہ مجھے مطلوبہ رقم دے دیں گے۔" ندیم قریشی نے اکتاہٹ سے گہرا سانس لیا۔

"منظور صاحب! میں کتنی بار آپ کو ایک ہی بات سمجھاؤں۔ یہ ایک پرائیویٹ ادارہ ہے اور کتنی رقم؟" اس نے اب کے جھک کر کاغذ پر نظر ڈالی۔ "دس لاکھ! واؤ کیا مذاق ہے' ڈیڈی نے جو وعدے کیے تھے وہ ان کے ساتھ ختم ہو گئے۔ میں ان کی طرح شاہ خرچیاں کر کے کمپنی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ آپ کی سروس کا جتنا پراویڈنٹ فنڈ بنتا ہے وہ آپ کو مل جائے گا۔ جب آپ جاب چھوڑیں گے اس سے پہلے نہیں۔ اب آپ کھڑے کیوں ہیں میں آپ کو جواب دے چکا ہوں آپ جا سکتے ہیں۔" وہ بے عزتی کے احساس سے ہونٹ چباتے ہوئے باہر نکل آئے۔

"کیا بات ہے کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔" وہ ابھی اپنی کرسی پر آ کر بیٹھے تھے جب حمید اللہ چائے کے دو کپ لیے ان کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں!" انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں اعتراف کیا۔

"خیریت!" وہ چونکے۔

"ندیم قریشی سے لون کی بات کرنے گیا تھا انکار کر دیا۔" حمید اللہ نے گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"تم جانتے تو ہو اس گھٹیا آدمی کو پھر گئے ہی کیوں؟"

"کیا کرتا یار مجبوری ہے۔ حبہ کی خالہ نے حبہ کا رشتہ مانگا ہے۔ اگلے ہفتے وہ لوگ منگنی کرنے آ رہے ہیں۔ حبہ کو تو تم جانتے ہو ناں اب اچھا چاہیے اور اچھے انتظام کے لیے اچھا پیسہ چاہیے' پھر شادی اس کی تیاری کے لیے بڑی رقم کی ضرورت ہے اور اس دن جو ٹیسٹ کروائے تھے اس پر تیس ہزار لگ گئے تھے اب ڈاکٹر نے وہ رپورٹس آگے شوکت خانم بھیج دی ہیں۔" خاموشی سے ان کی باتیں سنتے حمید اللہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"شوکت خانم کیوں؟"

"پتا نہیں یار! ڈاکٹر کچھ بتا بھی نہیں رہا۔ کہتا ہے رپورٹ آنے کے بعد پتا چلے گا' میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔" انہوں نے واقعی اپنا سر تھام لیا تھا۔

"منظور یار! ایسے پریشان نہ ہو اللہ کرم کرنے والا ہے۔" انہوں نے اٹھ کر ان کے کندھے پر دلاسے کے انداز میں ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔

"میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔" منظور صاحب نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"نہیں حمید اللہ! تمہاری خود سو ضرورتیں ہیں' اب ایسا بھی نہیں کہ میں بالکل قلاش ہوں۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں جانتا ہوں۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں تم لے لو۔ جب ہوں واپس کر دینا۔"

منظور صاحب نے سر نفی میں ہلایا "تم نے کہہ دیا حمید اللہ یہی کافی ہے میرے لیے۔ تم یہ بتاؤ نادیہ کے رشتے کا کیا بنا؟"

"آپا کل آئی تھیں' انگوٹھی پہنا گئیں۔ گھر کی بات ہے اس لیے کوئی فنکشن نہیں کیا۔"

"ہوں!" منظور صاحب نے سر ہلایا۔

"نادیہ سے پوچھا تھا؟"

"اس سے کیا پوچھنا تھا' بچپن سے جانتی ہے یاسر کو۔ شریف ہے' سلجھا ہوا اور آگے بڑھنے کی لگن ہے' آج کل کے دور میں یہی مل جائے بہت ہے اور یار غیروں میں بڑے دھوکے ہیں۔ آج کل تو بیٹیوں کے رشتے کرتے ڈر لگتا ہے' یہ تو جب آپا نے بات کی تو میں نے زیادہ سوچا نہیں' آپا کو جہیز بھی نہیں چاہیے۔ میری بیٹی کو پیار سے رکھیں گی اور پھر مجھے دو بیٹیاں اور بھی بیاہنی ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" انہوں نے گہرا سانس لے کر

ٹھنڈی چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

☆ ☆ ☆

"کل جتنی جلدی ہو پہنچ جانا' یہ نہ ہو مہمانوں کی طرح منہ اٹھا کے آؤ۔" یونیورسٹی گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے حبہ نے نادیہ سے کہا۔

"ہاں بابا! صبح سے سو مرتبہ یاد کرواچکی ہو اور تمہاری منگنی میں نہ پہنچوں' ایسا ہو سکتا ہے۔"

"ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے۔" حبہ نے وارننگ کے انداز میں کہتے ہوئے بیگ سے چیونگم نکال کر ایک اپنے منہ میں ڈالی اور دوسری اس کی طرف بڑھائی۔

"تمہارے منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔"

"یار! وہ سامنے دیکھو۔" نادیہ کے کہنے پر اس نے سرسری سی نظر سامنے دوڑائی۔

"کیا ہے؟" اسے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔

"یار وہ ٹیکسی ڈرائیور۔" نادیہ کے بھنچے بھنچے انداز پر اس نے غور سے سامنے دیکھا۔ جینز ٹی شرٹ میں وہی کھڑا تھا۔ اس کے دیکھنے پر وہ مسکرایا تو حبہ نے سٹپٹا کر رخ موڑ لیا۔

"کھڑا ہے تو میں کیا کروں مجھے کیوں دکھا رہی ہو؟" اب کے وہ رخ موڑ کے غصے سے بولی۔

"تم پچھلے چار دن سے نہیں آرہیں پر یہ مجھے روز یہاں نظر آتا ہے۔ کل تو میرے پیچھے وین تک آیا تھا۔"

"کیا؟" حبہ چلائی "تم چار دن سے دیکھ رہی ہو۔ کل وہ پیچھے بھی آگیا۔ تم نے پوچھا نہیں۔ کیا تکلیف ہے اسے۔"

"میں اکیلی تھی تو ڈر گئی۔" نادیہ کے منمناتے انداز پر اس نے قہر بھری نظر نادیہ پر ڈال کر چور نظروں سے پیچھے دیکھا' وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

"مجھے لگتا ہے' اس دن ہم نے اس کا کرایہ نہیں دیا تھا نا تو اس لیے پیچھے آتا ہے۔" نادیہ بڑی دور کی کوڑی لائی تھی۔

"تو مارنے تھے پیسے اس کے منہ پر۔" حبہ دانت پیس کر بولی اور پھر خود تیزی سے مڑی اور سڑک پار کر کے اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی جبکہ وہ جو گاڑی سے ٹیک لگائے مطمئن کھڑا تھا۔ اس کے مڑنے اور اپنی طرف آتا دیکھتے ہی الرٹ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیا پریشانی ہے آپ کو؟" اس کے سوال پر مقابل پہلے حیران اور پھر اسی خاموشی کے ساتھ مسکرادیا۔

"یہاں روزانہ کھڑے ہونے کا مطلب؟"

"یہاں کہاں لکھا ہے کہ میں یہاں کھڑا نہیں ہو سکتا۔" اب کی بار اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔ ایک پل کے لیے حبہ لاجواب ہوگئی۔

"اس دن ہم جلدی میں تھے۔ آپ کا واپسی کا کرایہ دینا یاد نہیں رہا۔ کتنا کرایہ تھا؟" وہ بیگ میں ہاتھ ڈالے ہوئے بولی۔

"آپ رہنے دیں۔" حبہ نے ماتھے پر بل ڈال کر مقابل کو دیکھا۔

"کیوں میں آپ کو بھکارن لگتی ہوں یا آپ بہت بڑے بزنس مین ہیں۔" اس نے پاس کھڑی پراڈو پر نظر ڈالی جس سے وہ ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔

"گاڑی کہاں ہے آپ کی؟" اس کے پوچھنے پر اس نے گاڑی پر نظر ڈالی۔

"ٹیکسی کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے استہزائیہ انداز میں اس گاڑی پر نظر ڈال کر اسے جتایا۔

"آپ کو جانا ہے کہیں؟" وہ اس کا طنز نظر انداز کر کے پوچھنے لگا۔

"نہیں' یہ رکھیں چار سو اور آئندہ یہاں نظر مت آنا۔" بڑے شاہانہ انداز میں اس نے روپے اس کی طرف بڑھائے۔

"پکڑیں۔" اسے یوں ہی کھڑا دیکھ کر اس نے زور دے کر کہا تو اس کے پیسے تھامتے ہی وہ نادیہ کا ہاتھ تھام کر تیزی سے وین کی طرف بڑھی۔ جب وین چلی تب بھی وہ وہیں کھڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی نادیہ نے کہا تو حبہ مسکرا کر آئینے کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی' آئینہ نادیہ کے بیان کی تصدیق کر رہا تھا۔

"تم بہت لکی ہو حبہ!" نادیہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا جو اپنے سر سے دوپٹا اتار رہی تھی۔ نادیہ کے کہنے پر اس نے رخ موڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم جیسا چاہتی تھیں' جو چاہتی تھیں' تمہیں مل گیا۔"

حبہ دوپٹا بیڈ پر رکھ کر نادیہ کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے' پاپا تو میرا رشتہ کہیں اور کرنا چاہ رہے تھے لیکن میں نے تمہاری طرح چپ کا روزہ نہیں رکھا۔ کھل کر اپنی خواہش ڈیمانڈ سب بتایا۔ اسی لیے تو آج میری اور تابش کی منگنی ہوگئی ہے۔ اور دوسری بات تابش حمزہ کی طرح بزدل نہیں تھا۔"

نادیہ نے سر نفی میں ہلایا۔ "نہیں حبہ! جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے تابش کا ساتھ تمہارے نصیب میں نہ لکھا ہوتا تو تمہاری ساری کوشش' خواہش' ڈیمانڈ سب بے کار جاتی' اس لیے میں نے تمہیں لکی کہا ہے کیونکہ اللہ نے تم پر کرم کیا اور تمہیں آزمائش سے بچالیا۔"

"میں تم سے اتفاق نہیں کرتی' میں کبھی کمپرومائز نہیں کرسکتی اگر تابش ایجوکیٹڈ' گڈلکنگ نہ ہوتا۔ کوئی معمولی کام کرتا تو چاہے وہ مجھے کتنا ہی چاہتا۔ وہ میری پسند نہ ہوتا' میں مر کر بھی اس سے شادی نہ کرتی۔"

وہ تنفر سے بولی' پھر سر جھٹک کر نادیہ کو دیکھا۔

"اگر تم خوش نہیں تو کیوں منگنی کی' ابھی بھی وقت ہے۔ توڑدو۔"

نادیہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"اب ممکن نہیں۔ سب لوگ اس رشتے سے خوش ہیں اور میں نے بھی سمجھوتا کرلیا ہے۔"

حبہ کچھ کہنا چاہتی تھی تب ہی منظور صاحب اندر داخل ہوئے۔

"سہیلیوں کی باتیں ختم ہوگئیں۔" انہوں نے دونوں کے چہرے دیکھ کر پوچھا پھر نادیہ سے بولے۔

"چلو بیٹا! حمید اللہ بلا رہا ہے۔"

"او کے حبہ! چلتی ہوں یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔"

✡ ✡ ✡

"حبہ! ایک تو بیٹا تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں' شاپنگ تمہیں کرنی تھی' نادیہ کو ساتھ لے کر جانا تھا۔ مجھے کیوں گھسیٹ لیا۔ اب مجھے کیا پتا کہ لڑکیاں کیسے کپڑے پہنتی ہیں۔" اس کے ساتھ بیٹھے منظور صاحب نے کافی جھنجلاہٹ سے کہا۔

"پاپا! نادیہ کو فون کیا تھا۔ بزی تھی۔ اس کی پھوپھو عرف [illegible] تھیں تو میں نے اسے فورس نہیں کیا۔ اب بچے آپ تو آپ کو ہی کہنا تھا نا!" ان کے برعکس وہ کافی خوش گوار موڈ میں تھی۔

"کتنا چلنا ہے؟" تھوڑا سا چل کر منظور صاحب تھک گئے تھے۔

"وہ سامنے۔" حبہ نے سامنے بنے مال کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں جانا تھا تو رکشہ اتنی پیچھے کیوں روکا؟"

"پاپا! یہ لاہور کا سب سے بڑا مال ہے۔ یہ لمبی گاڑیوں کی لائن دیکھ رہے ہیں۔ یہاں رکشہ لاکر میں نے اپنی عزت کا فالودہ نہیں کرنا تھا۔"

منظور صاحب نے افسوس سے سر ہلایا۔

"بیٹا! انسان کو ہمیشہ اپنی حیثیت کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ جب تمہیں پتا ہے کہ یہاں کیا اسٹینڈرڈ ہے تو پھر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ بازار بھرے پڑے ہیں چیزوں سے۔"

"پاپا! کلاس اور ٹیسٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر مال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولی۔ اب کی بار انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ پہلی بار کسی مال میں آئے تھے۔ وہاں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھ کر انہیں کلاس کا اندازہ ہورہا تھا۔

"پاپا! یہ کیسا ہے؟" وہ بے خیالی میں سامنے دیکھ رہے تھے جب حبہ کی آواز پر پلٹے۔ وہ آسمانی رنگ کا کرتا ساتھ لگائے ان سے پوچھ رہی تھی۔

"بہت اچھا ہے۔" وہ واقعی بہت اچھا تھا۔

"لے لوں؟"

"ہاں ضرور' کتنے کا ہے؟"

"سات ہزار۔" حبہ نے ٹیگ پڑھ کر انہیں بتایا تو انہیں جھٹکا لگا۔

"او میرے خدا! بیٹا! یہ تو بہت مہنگا ہے۔ اتنے میں تو گھر کی کئی چیزیں آجاتی ہیں۔" وہ پریشانی سے بولے۔

"پاپا! یہ ڈیزائنر کرتا ہے ابھی تو میں نے کم قیمت والا لیا ہے اور آپ اس پر بھی مجھے ٹوک رہے ہیں۔" اس نے کرتا واپس ہینگ کردیا۔

منظور صاحب نے اس کا چہرہ دیکھا' یقیناً وہ خفا ہوگئی تھی۔

"حبہ!" اس کو باہر نکلتا دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ پکارا۔

"لے لو بیٹا! میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔"

"نہیں رہنے دیں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"ارے بابا! سوری کھانا لے لو۔" وہ اسے پچکارتے ہوئے بولے تو وہ مسکرا کر کرتا لے کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بھی اس کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے۔

"ارے منظور صاحب!" اپنے نام کی پکار پر وہ بے ساختہ پلٹے اور اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر ایک پل کے لیے وہ بالکل ساکت رہ گئے۔

"کیا بات ہے منظور صاحب پہچانا نہیں؟" اب کے بل ادا کرتی حبہ نے بھی مڑ کر دیکھا۔

"کیسے ہیں آپ سر؟" آخر کار منظور صاحب کو اپنے حواس بحال کرکے بولنا پڑا۔

"میں کب سے آپ کو دیکھ رہا ہوں لیکن آپ اپنے دھیان میں تھے تو سوچا۔ خود جاکر آپ سے مل لوں تعارف نہیں کروائیں گے ان کا۔" وہ حبہ پر نظریں جما کر بولا۔

منظور صاحب کا دل چاہا وہ ایک پل ضائع کیے بغیر حبہ کو اس کی نظروں سے دور کردیں' لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔

"یہ میری بیٹی ہے اور یہ ہماری فیکٹری کے مالک ندیم قریشی ہیں۔"

"کیسی ہیں آپ؟" وہ اب بھی حبہ کو دیکھ رہا تھا۔

"فائن!" وہ اپنے مخصوص انداز میں مختصر جواب دے کر کاؤنٹر کی طرف مڑ گئی۔

"ندیم بل۔" اس کے ساتھ کھڑی اس ماڈرن لڑکی نے مڑ کر کہا۔

"کتنا بنا؟" وہ حبہ کے اتنے قریب آکر کھڑا ہوا کہ حبہ بے ساختہ پیچھے ہٹی تھی۔

"فورٹی تھاؤزنڈ" کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے لڑکے نے جب رقم بتائی تو حبہ نے بڑے بے ساختہ انداز میں ندیم قریشی کو دیکھا جو کریڈٹ کارڈ پکڑاتے ہوئے بھی حبہ پر نگاہ ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

"چلو بیٹا!" منظور صاحب نے بڑے بے ساختہ انداز میں اس کا ہاتھ کھینچا۔

"اوکے سر! مڑ کے موتا" انہیں ندیم قریشی کو مخاطب کرنا پڑا اور اگلا ایک لمحہ ضائع کیے بغیر نکلے تھے۔

"آپ کے باس کافی ینگ ہیں پاپا۔" حبہ کی بات کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "اور کافی امیر لگتے ہیں جو اپنی وائف کو اتنی شاپنگ کروا رہے تھے۔"

"وہ اس کی وائف نہیں۔" وہ زہرخند انداز میں بولے۔

"تو پھر بہن ہوگی۔"

"نہیں۔"

"اچھا!" وہ حیران ہوئی۔ "تو پھر کون اتنی خاص تھی؟"

"کوئی نہیں۔ تم بس چلو۔ یہاں سے۔" وہ اسے تقریباً کھینچ کر چلتے ہوئے بولے۔

"لیکن پاپا!"

"حبہ! مجھے اپنی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ان کے کہنے پر حبہ نے ان کا چہرہ دیکھا جو بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ وہ ایکدم گھبرا گئی۔

"پاپا پلیز۔ آپ یہاں بیٹھ جائیں۔" اس نے انہیں سیڑھیوں پر زبردستی بٹھادیا۔ "میں پانی لاتی ہوں۔"

"نہیں مجھے بس گھر لے چلو۔"

"آپ بیٹھیں میں آتی ہوں۔"

وہ تیزی سے پارکنگ کی طرف جانے لگی اپنے دھیان میں تیزی میں چلتے چلتے اس کا سر بڑی زور سے کسی کے کندھے سے ٹکرایا اس کا سر چکرا کر رہ گیا۔

"او آپ کو لگی تو نہیں؟" اس کو سر تھامتے دیکھ کر سامنے کھڑے شخص نے پوچھا اس نے بمشکل سر اونچا کیا اور پھر نظریں جیسے اس پر ٹھہر گئیں جبکہ مقابل بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حبہ کے منہ سے گہری سانس نکلی۔

"شکر ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ "آپ کی ٹیکسی کہاں ہے؟"

"دیکھیں پلیز انکار مت کیجیے گا۔ میرے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس کی خاموشی پر اسے لگا کہ اس کی پچھلی بدتمیزی کی وجہ سے کہیں وہ انکار ہی نہ کردے۔ "پلیز!" وہ کبھی بھی یوں کسی کی منت سماجت نہ کرتی لیکن یہاں سوال اس کے باپ کا تھا۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"وہ ادھر ہال کے باہر۔"

"اوکے۔ میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" وہ تیزی سے مڑ گیا۔

جب وہ منظور صاحب کے پاس پہنچی وہ تب بھی آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔ ان کی طبیعت واقعی خراب لگ رہی تھی۔ اسے انتظار کرتے پندرہ منٹ گزر گئے لیکن ٹیکسی ڈرائیور کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ غصے اور بے بسی

سے اس کا برا حال تھا تب ہی ایک ٹیکسی اس کے قریب آکر رکی اور اسے اس ٹیکسی سے نکلتے دیکھ کر وہ پھٹ پڑی۔

"میں نے بتایا تھا کہ میرے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں لیکن اس کے باوجود اتنی دیر۔ پندرہ منٹ سے پاگلوں کی طرح انتظار کر رہی ہوں۔"

"حبہ!" منظور صاحب نے زور سے اسے آواز دی وہ جو ہونٹ بھینچے اس کو دیکھ اور سن رہا تھا۔ تیزی سے منظور صاحب کی طرف بڑھا اور ہاتھ کا سہارا دے کر انہیں کھڑا کیا۔

"سوری انکل! مجھے ٹیکسی ارینج کرنے میں ٹائم لگ گیا۔ آپ کو اسپتال لے جاؤں۔" وہ منظور صاحب کو فرنٹ سیٹ پر بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"نہیں بیٹا! بہت شکریہ میری دوائیں گھر ہیں وہ کھاؤں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

وہ اب منظور صاحب سے باتیں کر رہا تھا جبکہ پیچھے بیٹھی حبہ تلملا رہی تھی۔

"بس یہی روک دیں" مین روڈ پر حبہ نے اس کو ٹیکسی روکنے کو کہا تھا۔

منظور صاحب نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"یہاں کیوں بیٹا؟ گھر کے آگے اترتے ہیں۔" منظور صاحب کے کہنے پر اس نے شیشے میں پیچھے دیکھا۔ اب وہ پاپا سے کیا کہتی۔ وہ اس کو گھر کا پتا نہیں بتانا چاہتی اور وہ آگے بیٹھا جیسے اس کی کیفیت کا مزہ لے رہا تھا۔ ٹیکسی گھر کے آگے رکی تو وہ غصے سے اتری اور اسی غصے سے گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی، یہ بھی یاد نہ رہا کہ پاپا کی طبیعت خراب ہے۔ پتا نہیں کیوں اس ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھ کر اسے غصہ آجاتا تھا اور اس کی خاموشی اور مخصوص مسکراہٹ سے چڑ ہوتی تھی۔

"حبہ بیٹا! کھانے کو کچھ لے آؤ۔" کچھ دیر بعد اس نے منظور صاحب کی آواز سنی تو تیزی سے اٹھی لیکن دروازے پر ہی اسے رکنا پڑا۔

"نہیں انکل! اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ یہ میرا نمبر رکھیں اگر میری ضرورت پڑے تو مجھے کال کرلیں۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"جیتے رہو بیٹا!" منظور صاحب نے اپنے آگے جھکے اس کے سر پر پیار کیا۔ سیدھے ہو کر اس نے ایک طائرانہ نظر [illegible] ڈالی اور باہر نکل گیا۔

گیٹ بند ہونے پر وہ تلملاتی ہوئی اندر آئی۔

"پاپا کیا ضرورت تھی ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اندر بلانے کی اور اتنا سر چڑھانے کی۔"

"حبہ!" منظور صاحب نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "ٹیکسی ڈرائیور انسان ہوتے ہیں اور پھر وہ کتنا شریف اور تمیزدار بچہ تھا۔"

"پاپا! آپ کو کیسے پتا۔ وہ شریف تھا۔" وہ جھنجلا کر پوچھنے لگی۔

"شرافت اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی اور کیا یہ اس کی شرافت نہیں تھی کہ اس کی ٹیکسی خراب تھی پھر بھی تمہارے کہنے پر وہ کسی کی ٹیکسی لے کر ہمیں چھوڑنے آیا۔"

"تو کوئی احسان نہیں کیا۔ کرایہ لیا ہے۔"

"اس نے نہیں لیا۔"

"کیا؟" وہ چیخ پڑی۔ "حد ہوتی ہے پاپا! اب جب ملے گا کرایہ مانگے گا۔" وہ آخر میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

"میں دودھ کے ساتھ آپ کو دوائی دیتی ہوں آپ کھا کر لیٹ جائیں۔" وہ کہہ کر کچن میں آگئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ نے مجھے بلایا سر!"

"آئیں منظور صاحب! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" منظور صاحب نے کچھ حیرت سے ندیم قریشی کو دیکھا۔

"اب تو کچھ بہتر ہے۔"

"آپ کھڑے کیوں ہیں، بیٹھیں۔" وہ اس مہربانی پر حیران ہوتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"اس دن آپ نے لون کی بات کی تھی میں شرمندہ ہوں، میں نے اس دن روڈلی بات کی، پراویڈنٹ فنڈ آپ کا حق ہے۔ آپ ان فارم پر سائن کر دیں۔ کچھ دنوں میں آپ کو لون مل جائے گا۔" منظور صاحب کچھ لمحوں کے لیے بول ہی نہیں سکے۔ یہ کایا پلٹ کیسی۔

"منظور صاحب!" ندیم قریشی قدرے زور سے بولا تو انہوں نے چونک کر پہلے اسے اور پھر اس فارم کو دیکھا۔

"لیجیے۔" ندیم قریشی نے پین ان کی طرف بڑھایا۔

منظور صاحب نے گہرا سانس لیا اور مطلوبہ جگہ پر سائن کر دیے۔

☆ ☆ ☆

"اس وقت کون آگیا؟" وہ حیران ہوتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھی۔

"سرپرائز۔" گیٹ کھلتے ہی اسے پہلے تابش کی آواز سنائی دی اور پھر شکل دکھائی دی۔

"ارے اتنی حیران کیوں ہو۔" وہ اندر آتے ہوئے بولا جب واقعی اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"یہ لو۔" اس نے حبہ کی طرف شاپر بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ امی نے تمہارے لیے سوٹ اور جیولری بھیجی ہے اور یہ مٹھائی میں لے کر آیا ہوں' ایک گڈ نیوز ہے۔ گیس کرو۔" تابش کے لہجے سے اس کی خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔

"تمہیں جاب مل گئی ہے۔" حبہ نے بڑے مطمئن انداز میں کہا تھا تو اب کی بار وہ حیران رہ گیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"تمہارے انداز سے۔" وہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"لیکن تمہیں یہ نہیں پتا کہ مجھے یہ جاب دبئی میں ملی ہے۔"

"اچھا!" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیا بات ہے۔ تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔ مجھے واقعی خوشی ہوئی ہے۔"

"تو پھر تمہارا انداز اتنا بجھا بجھا کیوں ہے اور تمہاری آنکھیں بھی روئی روئی لگ رہی ہیں۔" اب کے تابش نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں' بس ایسے ہی سر میں درد تھا۔" حبہ نے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے بتاؤ حبہ! ضرور کوئی بات ہے۔" وہ اب بالکل اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"پاپا کی وجہ سے پریشان ہوں۔ دن بہ دن ان کی صحت گرتی جا رہی ہے۔ پوچھتی ہوں تو کہتے ہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ کل تو میں نے انہیں خون کی الٹی کرتے دیکھا تھا لیکن وہ مانتے ہی نہیں۔" کہتے ہوئے اس کی آواز بھی بھرا گئی۔

"اوہ!" تابش نے افسوس سے سر ہلایا۔ "میں انکل سے مل لوں۔"

"ہاں۔ تم چلو' میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ سر ہلا کر منظور صاحب کے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

جب وہ چائے لے کر آئی تابش کچھ بات کر رہا تھا لیکن اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ چائے پینے کے دوران وہ منظور صاحب سے دبئی والی جاب ڈسکس کرتا رہا۔ وہ کچھ دیر تو بیٹھی رہی پھر منظور صاحب کے لیے دودھ گرم کرنے کے لیے کچن میں آگئی۔ آہٹ پر اس نے چونک کر دیکھا تابش برنر بند کر رہا تھا۔

"تمہارا دھیان کہاں ہے؟ دودھ ابل رہا ہے۔"

"اوہ" وہ افسوس سے چولہے پر گرے دودھ کو دیکھنے لگی۔

"تم خواہ مخواہ اتنا پریشان ہو رہی ہو' انکل ٹھیک ہیں۔" حبہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اب اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔ آخری دفعہ تمہاری یہ سڑیل شکل دیکھ کر جاؤں گا تو کیا اچھے خیالات آئیں گے مجھے۔" اس کے منہ بنانے پر وہ بے ساختہ انداز میں مسکرائی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات اور وہ تمہاری دوست اس کا کیا بنا ہو گئی اس کی منگنی۔"

"ہاں اس کے کزن سے۔"

"اور وہ جو اپنی پسند کو لے کر اتنی پریشان تھی۔" تابش نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"چھوڑو اس بے کار آدمی کو' میں نادیہ کو لے کر گئی تھی فیس ٹو فیس بات کروانے تاکہ بعد میں اسے کوئی افسوس نہ رہے۔"

"تم اس لڑکے سے ملنے ریسٹورنٹ گئی تھیں؟" ساری بات کے درمیان تابش کو یہی بات قابل غور لگی تھی۔

"ہاں اور نادیہ بھی تو میرے ساتھ تھی۔"

"حد ہوتی ہے حبہ! تمہیں کیا ضرورت تھی یہ ڈیٹ ارینج کرنے کی۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔" وہ ناگواری سے بولا۔ حبہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تابش! میں کوئی ڈیٹ پر نہیں گئی تھی۔ میں یونیورسٹی میں اتنے لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہوں۔"

"وہ اور بات ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "لیکن یوں ریسٹورنٹ میں جا کر لڑکوں سے ملنا۔"

"لڑکوں نہیں لڑکا" وہ بھی جس سے میرا کوئی واسطہ نہیں

تھا۔" وہ ایک دم مشتعل ہو کر بولی۔ "ابھی تمہارا اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا تو تم ملنے چلی گئیں اور اگر ہوتا تو۔" وہ بھی بھڑکے ہوئے انداز میں بولا۔ حبہ کچھ لمحوں کے لیے بول نہیں سکی۔

"تم مجھ پر شک کر رہے ہو۔"

"شک نہیں کر رہا صرف یہ بتا رہا ہوں۔ مجھے پسند نہیں یہ سب۔ تمہیں ضرورت کیا ہے پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی۔" حبہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تابش بھی خاموش ہو گیا۔ "چلتا ہوں اگر جانے سے پہلے ٹائم ملا تو مل کر جاؤں گا۔ اللہ حافظ۔" حبہ کا دل اتنا خراب ہو گیا تھا کہ وہ اسے اچھے طریقے سے اللہ حافظ بھی نہ کہہ سکی۔

☆ ☆ ☆

منظور صاحب نے اضطرابی انداز میں پہلو بدلا تو ساتھ بیٹھے حمید اللہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں دلاسا دیا۔ "اللہ پر بھروسا رکھو یار! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جواب دینے کے بجائے وہ سرہلا کر رہ گئے۔ "منظور اسلم! آپ کو ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں۔" ریسیپشن پر کھڑے لڑکے نے انہیں اندر جانے کے لیے کہا تھا۔ جب وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

"آیئے منظور صاحب بیٹھیے۔" انہیں دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے کہا تو وہ اور حمید اللہ ڈاکٹر کی میز کے آگے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ "ہوں" ڈاکٹر نے ہنکارا بھرا اس کی نظریں اپنے سامنے رکھی فائل پر تھیں "آپ کی جو رپورٹ شوکت خانم بھیجی تھی۔ وہ آگئی ہے اور مجھے جو اندیشہ تھا۔ وہ صحیح ثابت ہوا۔" منظور صاحب کی دھڑکنیں ست ہونے لگی تھیں۔ "آپ کو کینسر ہے۔"

منظور صاحب کے کان سائیں سائیں کرنے لگے ڈاکٹر کے کمرے میں لگے اے سی کی خنکی انہیں اپنے جسم میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر نے منظور صاحب کا چہرہ دیکھا تو گہرا سانس لے کر بولے۔

"حوصلہ کریں منظور صاحب! اگر بیماری اللہ کی طرف سے آتی ہے تو شفا دینے والی ذات بھی اسی کی ہے۔ اگرچہ آپ کا کینسر کافی پھیل چکا ہے لیکن میں پھر بھی ناامید نہیں۔ آپ کو جلد از جلد اسپتال میں ایڈمٹ ہونا ہوگا۔"

منظور صاحب جیسے بالکل بت بن کر رہ گئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! خرچا کتنا ہوگا۔" حمید اللہ نے سوال کیا تھا۔

"آپ تو جانتے ہیں۔ یہ بہت مہنگا علاج ہے۔ خرچ تو لاکھوں میں ہوگا۔ آپ انہیں ایڈمٹ کروائیں چارجز' آپ کو ریسیپشن سے پتا چل جائیں گے۔" کہنے کے ساتھ انہوں نے دوبارہ منظور صاحب کو دیکھا۔

"او کے ڈاکٹر صاحب! ہم رقم کا بندوبست کر کے آپ کو اطلاع کرتے ہیں۔" حمید اللہ نے ڈاکٹر سے مصافحہ کرنے کے بعد منظور صاحب کو کھڑا کیا۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلے تو انہیں واضح طور پر اپنی ٹانگیں کانپتی محسوس ہوئیں۔ وہ اسپتال کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہیں نڈھال ہو کر بیٹھ گئے اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ حمید اللہ ان کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ "یار تم تو میرے اتنے بہادر دوست ہو' بیماری کا مقابلہ کرنے کے بجائے تم ہمت چھوڑ کر بیٹھ گئے ہو۔"

منظور اگر تمہیں حبہ سے پیار ہے تو تمہیں اس کی خاطر علاج کروانا پڑے گا تم نے سنا نا ڈاکٹر نے کہا کہ وہ ناامید نہیں۔

"یار! مرنا تو جانا ہے تو وہ پیسہ کیوں نہ حبہ کے کام آئے۔"

"کیسی فضول باتیں کرتے ہو حبہ کے لیے تم اہم ہو' پیسہ نہیں اگر تم اسپتال میں ایڈمٹ نہ ہوئے تو میں حبہ کو سب بتا دوں گا۔"

"نہیں۔" وہ بے ساختہ بولے۔

"تو بس اب اٹھو اور ہمت سے کام لو۔" انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے ان کا چہرہ صاف کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں اترنے لگے۔

☆ ☆ ☆

ندیم قریشی نے ابرداچکا کر ان کا چہرہ دیکھا جو چہرہ جھکائے مغموم بیٹھے تھے "مجھے بہت افسوس ہوا آپ کو اتنی خطرناک بیماری ہے۔ آپ کے گھر میں کون کون ہے۔؟"

"میں ہوں اور میری بیٹی۔"

"ہوں۔" وہ ہنکارا بھر کر بولا "یقیناً" آپ اپنی بیٹی کی وجہ سے پریشان ہوں گے۔ آپ کے بعد اس کا کون ہے۔"

"یہی تو ساری پریشانی ہے سر۔"

"آپ کی یہ پریشانی میں دور کر سکتا ہوں اگر آپ چاہیں

تو۔" منظور صاحب نے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ جو اپنی کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں آپ کو ابھی اسی وقت سات لاکھ دینے کو تیار ہوں اور واپسی کی بھی ضرورت نہیں' لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ کو اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرنا ہوگی۔" منظور صاحب کے کانوں میں دھماکہ ہوا تھا ان کا دماغ جو انہیں خطرے کا سگنل دے رہا تھا وہ صحیح ثابت ہوا تھا۔

"سوچ کیا رہے ہیں منظور کریں فائدے کا سودا ہے۔ آپ کی بیٹی کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی اور آپ کا علاج بھی ہو جائے گا۔"

"ندیم صاحب میری بیٹی کی منگنی ہو چکی ہے اور کچھ عرصے میں اس کی شادی بھی ہونے والی ہے۔" وہ اٹک اٹک کر بولے۔

"ہونے والی ہے نا' ہوئی تو نہیں اور مجھ جیسا داماد آپ کو کہاں ملے گا جو لینے کے بجائے دے رہا ہے۔ بہت خوش رکھوں گا آپ کی بیٹی کو۔" منظور صاحب نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اسے تر کیا۔

"ندیم صاحب! ہم غریب لوگ ہیں اور ہمارے ہاں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ منگنی ہو چکی ہے میں انکار نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ رشتہ میری بیٹی کی پسند سے ہوا ہے اور پھر آپ شادی شدہ ہیں' تین بچوں کے باپ ہیں۔"

ندیم نے زور سے ہاتھ ٹیبل پر مارا "یہ آپ کا مسئلہ نہیں کہ میں شادی شدہ ہوں میں آسانی سے دوسری شادی افورڈ کر سکتا ہوں اور جو چیز پسند آجاتی ہے' میں اسے حاصل کر کے چھوڑتا ہوں اور آپ کی بیٹی تو پہلی نظر میں میرے دل کو بھا گئی تھی۔" منظور صاحب کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"پھر کیا کہتے ہیں؟" وہ اب ٹہلتا ہوا واپس جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں ایسا ممکن نہیں۔" ندیم قریشی کے چہرے کی مصنوعی شرافت یک دم غائب ہوئی تھی۔

"ناممکن کو ممکن کرنا مجھے آتا ہے۔ ابھی تک میں نے شرافت سے بات کی ہے لیکن لگتا ہے تمہارے بوڑھے دماغ میں گھسی نہیں' یہ تو تم بھول جاؤ کہ میں تمہیں کوئی پیسہ دوں گا۔ دوسرا تمہاری بیٹی کو اٹھوانا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں اور تیسرا اس دن جو میں نے فارم سائن کروائے تھے' وہ لون کے لیے نہیں تھے بلکہ اس میں لکھا تھا کہ تم نے مجھ سے بیس لاکھ ادھار لیے ہیں جو ادا نہ کرنے کی صورت میں میں تم سے تمہاری بیٹی کا رشتہ لے سکتا ہوں۔" وہ مکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ جبکہ منظور صاحب کا خون بالکل خشک ہو کر رہ گیا۔

"اتنا بڑا دھوکا۔" وہ دکھ اور حیرت کے مارے اتنا ہی بول سکے۔

"اسے دھوکا نہیں عقل مندی کہتے ہیں۔ میں تمہیں ایک ہفتے کا وقت دیتا ہوں۔ اس کے بعد جو ہوگا' تم اس کے خود ذمہ دار ہوں گے۔" منظور صاحب جب وہاں سے نکلے محاورتاً "نہیں حقیقتاً" ان کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ساری بات سن کر حمید اللہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ حیرت سے منظور صاحب کو دیکھ رہے تھے جنہوں نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام رکھا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا حمید اللہ! کیا کروں اگر آگے کنواں ہے تو پیچھے کھائی ہے۔ میں علاج کے لیے پیسوں کا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ یہاں عزت کے لالے پڑ گئے ہیں۔ اس دن جب مال میں یہ خبیث آدمی ملا تھا' حبہ پر جمی نظروں سے مجھے پریشانی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اس حد تک گرے گا یہ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اوپر سے تابش بھی چلا گیا۔ جو میرے پاس رقم تھی وہ بھی تابش کو دے دی۔"

حمید اللہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ "کیوں؟"

"اسے دبئی والی جاب کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی۔ وہ جب آیا تو میں انکار نہیں کر سکا کیونکہ میرا جو بھی ہے وہ حبہ کا ہی ہے۔ تابش حبہ کا فیوچر ہے حبہ کے کام آئے گا۔"

"حبہ کو بتایا ہے۔"

"نہیں۔" منظور صاحب نے سر نفی میں ہلایا "میں اس کو بتاؤں گا بھی نہیں' وہ بہت جذباتی ہے سوچے سمجھے بغیر ری ایکٹ کردے گی۔ تابش کا ہی تو سہارا ہے۔"

"خیر سہارا اللہ کی ذات کا ہی ہوتا ہے۔ بہر حال تم کل سے جاب پر مت آنا۔"

"ہاں میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ حمید اللہ تم میرا ایک کام کرو گے۔"

"ہاں بولو یار!"

"جتنا عرصہ میں اسپتال میں رہوں حبہ کو اپنے پاس رکھنا اور اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میرا مکان بیچ کر رقم حبہ کے حوالے کر دینا اور اسے اس کی خالہ کے گھر چھوڑ آنا۔"

"کیسی باتیں کررہے ہو منظور! تمہیں کچھ نہیں ہوگا تم اپنے ہاتھوں سے حبہ کو رخصت کروگے۔"

"اللہ کرے ایسا ہو۔" وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولے۔

☼ ☼ ☼

"یہ ایسا کون سا کام نکل آیا جو آفس والے آپ کو اتنی دور بھیج رہے ہیں۔" وہ ان کا بیگ پیک کرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل بول رہی تھی۔

"بس بیٹا! مجبوری ہے۔"

"پاپا آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں رہتی۔ آپ جاب چھوڑ دیں۔ ہمیں ضرورت نہیں۔ پہلے آپ کی صحت ہے۔"

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو بس یہ آخری ٹور ہے پھر اس کے بعد آرام ہی آرام ہوگا۔" وہ اس پر نظریں جما کر بولے۔

"تم بھی اپنا سامان پیک کرلو جب تک میں باہر رہوں گا۔ تم حمید اللہ کی طرف رہوگی۔ تم یہاں اکیلی رہوگی تو میں ادھر پریشان رہوں گا۔"

حبہ نے بیگ سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔

"ٹھیک ہے پاپا! لیکن آپ جلدی آجانا۔ میں زیادہ دن آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس کے کہنے پر وہ مسکرا کر رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"یہ تمہارا منہ کیوں سوجا ہے موڈ تو ٹھیک کرو۔" حبہ نے بے زاری سے نادیہ کی شکل دیکھی۔

"حبہ! تم جانتی ہو نا۔ ابو نے تمہیں گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا تھا۔ اب اگر انہیں پتا چلا کہ تم باہر گئی ہو میرے ساتھ تو انہوں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہنا۔ میری شامت آجائے گی۔"

"ایک تو مجھے اس روک ٹوک کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ جب سے تم لوگوں کے گھر آئی ہوں قید ہو کر رہ گئی ہوں۔" اب کے وہ جھنجلا کر بولی۔

اس سے پہلے نادیہ اس کو کوئی جواب دیتی 'ایک گاڑی تیزی سے ان کے قریب آکر رکی تھی۔ نادیہ نے چونک کر اور حبہ نے سرسری سی نظر گاڑی سے اترنے والے تین لمبے چوڑے آدمیوں پر ڈالی۔ اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر نادیہ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر حبہ کا بازو تھاما اور بھاگنا شروع کردیا جبکہ اس افتاد پر حبہ بوکھلا کر اس کے ساتھ بھاگنے لگی۔

اتنے رش میں دو بھاگتی لڑکیاں کچھ لوگوں کے لیے حیرت اور کچھ لوگوں کے لیے انجوائے منٹ کا باعث بنی تھیں۔ نادیہ کو چھپنے کے لیے جو جگہ ٹھیک لگی تھی وہ ایک گارمنٹس شاپ تھی وہ اسی طرح حبہ کا بازو کھینچتی کاؤنٹر کے پیچھے چھپ گئی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے مجھے کچھ بتاؤ گی۔" حبہ پھولی سانسوں کے ساتھ بولی جبکہ نادیہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ کا اشارہ کیا اور خود وہ کاؤنٹر کی آڑ سے باہر جھانکنے لگی۔

"کیا کوئی کتا پیچھے لگ گیا تھا؟" حبہ سے مزید چپ نہیں رہا جا رہا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" نادیہ بھنچی ہوئی آواز میں بولی۔

"کوئی مسئلہ ہے مس جی؟" دکاندار جو کب سے ان دو لڑکیوں کا تماشا دیکھ رہا تھا آخر کار بول پڑا۔

"دراصل ہمارے پیچھے کچھ لوگ لگے ہیں ان سے چھپنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اب شاید وہ چلے گئے ہیں۔" نادیہ نے ایک بار پھر باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بہت مہربانی ہوگی اگر آپ کوئی ٹیکسی یا رکشہ ہمارے لیے ارینج کردیں۔"

"کون لوگ ہیں وہ؟" دو مجبور لڑکیوں کو دیکھ کر دکاندار کا پاکستانی خون کھول اٹھا تھا۔

"ان کو دفع کریں بس ہمارے جانے کا انتظام کردیں اور دیکھیں پلیز بندہ آپ کا اعتماد والا ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں یہاں بیٹھیں میں ابھی آتا ہوں۔"

حبہ تو بس حیرانی سے نادیہ کی باتیں سن رہی تھی جبکہ پریشانی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"یہ کیا اسٹوری ہے نادیہ! کون ہمارا پیچھا کررہا تھا۔"

"بتاتی ہوں لیکن گھر جاکر۔" سارا راستہ بھی ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ گھر کے آگے پہنچتے ہی حبہ نے پھر سے اپنا سوال دہرایا تھا۔

"تم ندیم قریشی کو جانتی ہو؟"

"ندیم قریشی؟" اس نے کچھ حیرت سے دہرایا۔

"اوہاں!" پھر یاد آنے پر بولی "پاپا کا ایم ڈی۔"

"ہاں وہی۔ یہ اس کے آدمی تھے۔"

"کیا؟" وہ حیران ہوئی اس سے پہلے وہ مزید سوال کرتی دروازہ کھل گیا تھا دروازے میں نادیہ کی بہن پریشان چہرہ

لیے کھڑی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" اس کو دیکھتے ہی وہ دونوں بے ساختہ بولی تھیں۔

"باہر سے آتے ہوئے کسی نے ابو پر حملہ کیا ہے۔" وہ دونوں تیزی سے اندر داخل ہوئی تھیں۔ نادیہ تو تیزی سے حمید اللہ کے کمرے میں داخل ہوگئی لیکن وہ باہر رک گئی اسے اندر جانا مناسب نہیں لگا۔

"یہ کیا ہوا ابو آپ کو؟" اسے نادیہ کی پریشان آواز سنائی دی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا نا کہ حبہ باہر نہ جائے اور تم اسے لے کر چلی گئیں۔" حمید اللہ کی غصیلی آواز پر حبہ نے پریشانی سے دروازہ کو دیکھا۔

"اس ندیم قریشی کو شک تھا کہ حبہ ہمارے گھر میں ہے اور میں نے ہمیشہ یہ ماننے سے انکار کیا وہ نظر رکھے ہوئے تھا ہمارے گھر پر۔ آج اس نے تمہیں اور حبہ کو ساتھ گھر سے نکلتے دیکھ لیا۔ ظاہر ہے اس کے شک کی تصدیق ہوگئی کہ حبہ ہمارے پاس ہے۔ اس نے نہ صرف مجھے جاب سے نکال دیا بلکہ میرا یہ حال کروایا ہے۔ مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر حبہ کو اس کے حوالے نہ کیا تو وہ میری بیٹیوں کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"نادیہ کے ابو! میں نے آپ سے کہا تھا۔ کسی کی مصیبت آپ گلے نہ ڈالیں۔ یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ ہمارے گھر خود تین جوان بیٹیاں ہیں۔ وہ گھٹیا آدمی اپنے پیسے کے بل بوتے پر کچھ بھی کرسکتا ہے اگر آج اس نے آپ کے ساتھ یہ کیا ہے کل وہ ہمارے گھر بھی گھس سکتا ہے۔ کیا کریں گے آپ۔"

حبہ مزید خود کو نہیں روک سکی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ ان تینوں نے چونک کر اسے دیکھا جبکہ حبہ حمید اللہ کو دیکھ رہی تھی جن کے بازو اور ماتھے پر پٹی باندھی تھی اور چہرے پر بھی زخموں کے نشان تھے۔

"انکل! کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ ندیم قریشی کیوں میرے پیچھے پڑا ہے اور کیوں اس کے آدمیوں نے آپ پر حملہ کیا؟"

حمید اللہ نے نادیہ کی طرف دیکھا۔

"دراصل اس نے انکل سے تمہارا رشتہ مانگا تھا لیکن انکل نے انکار کردیا کیونکہ اس کا کریکٹر اچھا نہیں۔ لیکن اس نے انکل کو بلیک میل کرنا شروع کردیا۔ کسی پیپر پر سائن کروالیے جس کے مطابق وہ اس کے مقروض ہیں۔ اس نے انکل کے خلاف کیس کردیا ہے کہ وہ رقم دیں یا اپنا مکان اس کے نام کردیں۔ اور ہم نے تمہیں پاس رکھا ہے اس لیے وہ اب ابو کے پیچھے پڑگیا ہے۔"

"مجھے پاپا سے بات کرنی ہے۔" ساری بات سن کر وہ ایک جملہ بولی تھی۔

"حبہ"

"پلیز انکل!" اس نے ملتجی انداز میں حمید اللہ کو دیکھا۔ حمید اللہ نے فون نکال کر منظور کا نمبر ڈائل کیا وہ فون لے کر باہر آگئی۔ بیل جارہی تھی۔ ساتویں بیل پر اسے منظور صاحب کی آواز سنائی دی تو آنسو بڑے بے ساختہ انداز میں اس کی آنکھوں سے نکلے تھے۔ "حمید اللہ خیریت ہے اس وقت فون کیا؟" وہ شاید سو رہے تھے۔

"پاپا!" وہ بمشکل اتنا بول سکی۔

"حبہ؟" وہ جیسے حیران ہو کر بولے "تم ٹھیک ہو نا؟" اب حیرانی کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی۔

"آپ نے میرے ساتھ ٹھیک نہیں کیا پاپا! اتنا کچھ ہوگیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ میں آپ کے لیے اتنی پرائی ہوگئی تھی کہ مجھے دوسروں سے پتا چل رہا ہے کہ آپ کتنی بڑی مشکل میں ہیں۔" وہ ایک ہی سانس میں ان سے کتنے شکوے کرگئی تھی۔

"کیا بتایا ہے تمہیں حمید اللہ نے؟" ان کی آواز میں لرزش اتر آئی تھی۔

"جو آپ کے ایم ڈی نے آپ کے ساتھ کیا۔ پاپا آپ مجھ سے تو بات کرتے اس نے دھمکی دی اور آپ ڈر گئے' کیا وہ میری مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کرسکتا ہے۔"

"تم نہیں جانتیں حبہ! میں کتنا مجبور ہوں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولے۔

"لیکن میں کچھ نہیں جانتی پاپا' اب مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔ آپ بتائیں۔ آپ کہاں ہیں۔" وہ دونوں گالوں پر پھیلے آنسو صاف کرتے ہوئے تیزی سے بولی۔

"حبہ! جذباتی مت ہو۔ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں یہاں جگہ نہیں۔" وہ گھبرا کر بولے۔

"میں آپ کے ساتھ ہر جگہ پر رہ سکتی ہوں۔ آپ نہیں جانتے پاپا! انکل کی فیملی کو ہماری وجہ سے کتنی پرابلم ہو رہی ہے اور میں اب انہیں مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی اگر آپ مجھے اپنا پتا نہیں دیں گے تو میں گھر چلی جاؤں گی لیکن

اب میں یہاں نہیں رہوں گی میں یہ فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"حبہ! میری جان!" وہ بے بس ہو کر بولے۔

"مجھے کچھ نہیں سننا پاپا!"

"فون حمید اللہ کو دو۔" وہ فون لے کر انکل کے پاس آگئی اور ان کو فون دے کر کمرے میں آکر اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد حمید اللہ اس کے کمرے میں آئے تھے۔

"حبہ بیٹا! یہ سراسر تمہارا جذباتی فیصلہ ہے۔ منظور اس وقت پہلے ہی پریشان ہے۔ تم اس کی مشکل کو اور نہ بڑھاؤ۔"

"انکل میں آپ کی مشکل کو ختم کرنا چاہتی ہوں اور پاپا اس وقت اکیلے سب برداشت کر رہے ہوں گے' میرا ان کے پاس ہونا بہت ضروری ہے۔ پلیز آپ مجھے مت روکیں۔" وہ خاموش ہو گئے تھے جبکہ وہ تیزی سے سامان پیک کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ٹیکسی اسپتال کے سامنے رکی تو اس نے حیرت سے سامنے دیکھنے کے بعد حمید اللہ کی طرف دیکھا جو اس سے نظریں چرا کر ٹیکسی سے اتر گئے تھے وہ بھی جلدی سے دروازہ کھول کر باہر آگئی۔

"انکل! ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" اس نے پریشان نظروں سے ارد گرد جاتے لوگوں کو دیکھا۔ حمید اللہ کوئی جواب دیے بغیر تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

"انکل! پاپا ٹھیک ہیں نا؟" انہیں اپنے پیچھے حبہ کی کانپتی آواز سنائی دی تو انہیں اثبات میں سر ہلانا پڑا لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل تیز دھڑکنے لگا تھا۔ کسی انہونی کے احساس سے۔ حمید اللہ کے پیچھے چلتے ہوئے وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ سامنے بستر پر کوئی لیٹا تھا۔ وہ پہلی نظر میں اسے پہچان نہیں سکی۔ لیکن جب اس شخص نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو اپنی چیخ روکنے کے لیے اس کے ہاتھ بے ساختہ اپنے ہونٹوں تک گئے تھے۔ جبکہ آنکھوں کے سامنے کا منظر دھندلا گیا تھا۔

سامنے بستر پر لیٹا وہ لاغر شخص جسے وہ پہلی نظر میں پہچان نہیں سکی تھی وہ اس کا باپ تھا۔ صرف ایک ماہ پہلے جب اس نے آخری دفعہ انہیں دیکھا تھا وہ ایسے تو نہ تھے یہ تو کوئی اور ہی تھا' سر پر کہیں بالوں کا نشان نہ تھا' ہڈیوں کا ڈھانچہ' سیاہ رنگ یہ کیا ہو گیا تھا۔

"حمید اللہ! میں نے تمہیں منع کیا تھا نا۔" اس نے اپنے باپ کی آواز سنی لیکن اس میں بھی فرق تھا۔ وہ نحیف اور کانپ رہی تھی۔

"میں مجبور تھا۔ حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے۔" منظور صاحب کی حالت کے پیش نظر انہوں نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا۔

"حبہ!" حمید اللہ نے قریب جا کر اسے پکارا جو دروازے کو اتنی مضبوطی سے تھامے کھڑی تھی کہ اگر اس کا سہارا نہ ہوتا تو کب کی زمین پر گر چکی ہوتی۔ حمید اللہ اس کی حالت سمجھ رہے تھے' انہوں نے اسے کندھوں سے تھام کر سہارا دیا' اسی سہارے کے ساتھ اسے بیڈ تک لے آئے۔

"حبہ! میری جان! ناراض ہے اپنے پاپا سے؟" وہ ان کے بازو اور ہاتھ پر لگی ڈرپس کی پروا کیے بغیر ان کے سینے سے لپٹ گئی اور اس کے بعد اتنی شدت سے روئی کہ پاس کھڑے حمید اللہ بھی اپنے آنسو نہ روک سکے۔ شور کی آواز سن کر اندر آتی نرس یہ منظر دیکھ کر رک گئی اتنے دن سے داخل اس مریض کے صرف دو وزیٹر آئے تھے' آج پہلی بار اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ حمید اللہ کو اسے خاموش کروانے کا اشارہ کر کے باہر نکل آئی۔

"حبہ بیٹا! چپ کر جاؤ۔ تم اس طرح روؤ گی تو منظور کی طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔ دیکھو وہ بھی رو رہا ہے۔" حبہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے سر اٹھا کر باپ کا چہرہ دیکھا جو روتے ہوئے مزید بے بسی کی تصویر لگ رہا تھا۔

"پاپا کو ہوا کیا ہے؟" وہ کینسر وارڈ میں کھڑی تھی لیکن پھر بھی دل کو بہلانے کے لیے اس نے حمید اللہ سے پوچھا تھا۔

"کیمو ہو رہی ہے' ڈاکٹر سے روز میری بات ہوتی ہے۔ ان کو امید ہے منظور ٹھیک ہو جائے گا۔" حمید اللہ سے سننے کے بعد اس نے باپ کی طرف دیکھا۔

"پاپا! اتنا کچھ ہو گیا لیکن آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ آپ کی تکلیف' آپ کی پریشانی میں میرا کیا کوئی حصہ نہیں۔ آپ نے میری ساری پریشانیاں اپنے سر لے لیں اور مجھے ایک پریشانی نہیں بتائی۔ کیا آپ کو لگتا ہے آپ کی بیٹی اتنی بزدل ہے کہ مصیبت کا سامنا نہیں کر سکتی۔ میرے ہوتے ہوئے آپ یوں اکیلے یہاں تھے اور میں وہاں آرام سے تھی۔ کون آپ کا یہاں دھیان رکھتا ہو گا۔"

"حبہ!"

"پلیز پاپا! بولنے دیں مجھے۔" اس نے گالوں پر تیزی سے بہتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "وہ گھٹیا آدمی آپ کو دھمکیاں دیتا رہا اور آپ سنتے رہے۔ کیا اتنا آسان ہے کسی سے زبردستی شادی کر لینا۔"

"عزت کا پاس عزت داروں کو ہوتا ہے بیٹا! شادی کرنی ہوتی نا تو میں سوچتا بھی' وہ تو صرف عزتوں سے کھیلتا ہے۔ اور ہمارے پاس سوائے عزت کے ہے بھی کیا اور اس کے لیے بڑا آسان ہے تمہیں نقصان پہنچانا کیونکہ اس کے پاس پیسہ ہے' طاقت ہے۔"

اب کے حبہ چپ کر گئی تھی اس بازار والے واقعے کے بعد وہ خود بھی ڈر گئی تھی لیکن باپ کو تسلی دینا بھی تو ضروری تھا۔

"بہرحال اب میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گی اور پلیز پاپا مجھے خود سے دور نہ کریں۔" وہ آنسو جو چند لمحوں کے لیے رکے تھے پھر سے برسنے لگے۔

وہ حمید اللہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔ "انکل آپ مجھے گھر کی چابی دے سکتے ہیں۔ مجھے وہاں سے کچھ چیزیں لینی ہیں۔"

کچھ لمحوں کے لیے حمید اللہ بول ہی نہیں سکے "کیا ہوا انکل! چابی آپ کے پاس نہیں۔" ان کی اتنی لمبی خاموشی سے وہ یہی سمجھی۔

"بیٹا اس گھر پر ندیم قریشی نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اب یہ معاملہ عدالت والا ہو گیا ہے لیکن ابھی سمجھ نہیں آرہا کیا کروں پہلے ہی بہت مصیبت میں پھنسے ہیں۔ اس سے مزید دشمنی مول نہیں لے سکتے اور تم یہ بھی جانتی ہو یہ علاج کتنا مہنگا ہے۔ جتنی جمع پونجی تھی اس میں خرچ ہو رہی ہے۔ جو تمہارا زیور تھا وہ بھی میں نے اصرار کر کے بیچ دیا۔ کیونکہ منظور کی زندگی زیادہ ضروری ہے۔ زندگی ہوگی تو سب کچھ بن جائے گا اور جو مزید کچھ رقم تھی۔ وہ اس نے تابش کو دے دی۔"

وہ جو صدمے کے مارے زمین کو دیکھے جا رہی تھی چونک کر انہیں دیکھنے لگی' اس کے یوں دیکھنے پر حمید اللہ کو اپنے جملے کا احساس ہوا جو وہ روانی میں بول گئے تھے۔

"تابش!"

"پلیز بیٹا مجھ سے مزید کچھ نہ پوچھو۔ منظور نے مجھے کچھ بھی بتانے سے منع کیا ہے۔" وہ شرمندہ شرمندہ بولے۔

"انکل اب اور چھپانے کو رہ ہی کیا گیا ہے۔" وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی۔

"اچھا اب تم منظور کے پاس جاؤ۔ میں رات کو آؤں گا کھانا لے کر۔" وہ منع کرنا چاہتی تھی لیکن سر ہلا کر رہ گئی کیونکہ منع کرنے سے پہلے کوئی بندوبست کرنا بھی ضروری تھا۔ وہ ڈھیلے قدموں سے چلتی اندر آئی۔ ڈاکٹر جا چکا تھا اور پاپا آنکھیں بند کیے لیٹے تھے' وہ سوئے تھے یا جاگ رہے تھے وہ نہیں جانتی تھی' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی اور دیر تک ان کا چہرہ دیکھتی رہی اور بے آواز روتی رہی۔

"السلام علیکم انکل!" وہ نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھی جب اجنبی آواز پر حیرت سے پلٹی۔

"وعلیکم السلام! کہاں تھے تم' دو دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اب کے اس نے حیرت سے اپنے باپ کو دیکھا جو اس اجنبی کو دیکھتے ہی بولنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ اسے دیکھ نہیں سکی کیونکہ وہ اس کی طرف پشت کیے میز پر پھل اور جوس رکھ رہا تھا۔

"بہت معذرت چاہتا ہوں انکل! ضروری کام نہ ہوتا تو میں ضرور آتا۔" وہ کہتے ہوئے مڑا تو اس پر نظر پڑتے ہی جہاں وہ حیران ہوئی وہاں وہ بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

"حبہ! تم نے پہچانا یہ دراب ہے۔ میں جب سے یہاں ہوں تب سے یہ آرہا ہے۔ بہت خیال رکھا ہے اس نے میرا۔" منظور صاحب نے بڑے پیار سے اس کا ذکر کیا جبکہ وہ اسی پر نظر لگائے مسکرا رہا تھا۔

حبہ کی نظروں میں اب حیرت کی جگہ ناراضی اور غصے نے لے لی تھی۔

"ظاہر ہے جب آپ اپنی تکلیف غیروں کو بتائیں گے اور اپنوں سے چھپائیں گے تو ایسا ہی ہو گا۔"

"ایسا کچھ نہیں' میں تو اتفاقاً یہاں آیا تھا تو انکل سے ملاقات ہو گئی۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی۔" حبہ نے بڑی بدتمیزی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

اس سے پہلے وہ تینوں آپس میں مزید کوئی بات کرتے' دراب کا فون آگیا وہ معذرت کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"حبہ! یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا۔ تم نہیں جانتیں اس بچے نے میرا کتنا خیال رکھا ہے' محسن ہے وہ ہمارا۔" اب کے اس کا غصہ بے بسی میں بدلا تو آنسو نکل آئے۔

"پاپا! کیا آپ نے سوچا کہ آپ کا محسن کیا سوچتا ہوگا' ہر ایرا غیرا یہاں آتا ہے سوائے آپ کی بیٹی کے کیسی بے حس بیٹی ہے جیسے باپ کی پروا ہی نہیں حالانکہ کوئی نہیں جانتا۔ میرے پاپا نے مجھے غیر کردیا ہے۔"

"حبہ!" منظور صاحب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بار بار ایک بات کرکے مجھے تکلیف مت دو اور دراب ایسا نہیں اور نہ ایسا سوچے گا۔ میں نے اسے سب بتادیا تھا۔" آنسو صاف کرتے حبہ کے ہاتھ وہیں رک گئے تھے۔

"سب کیا بتادیا تھا؟"

"اپنی بیماری کا۔ ندیم قریشی کی حرکت کا۔"

"او میرے اللہ! پاپا اس کی کسر رہ گئی تھی' ایک اجنبی کے سامنے آپ نے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا۔ کیا سوچتا ہوگا وہ۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔

"وہ ایسا نہیں۔"

"آپ کو کیا پتا وہ ایسا نہیں۔ کیا پتا وہ بھی ندیم قریشی کا بندہ ہو۔"

"اتنا پاگل نہیں حبہ! عمر گزاری ہے ان آنکھوں کو لوگوں کی پہچان ہے۔" کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کرلیں یہ ان کی ناراضی کا اظہار تھا۔

☆ ☆ ☆

اسے یہاں پاپا کے ساتھ رہتے دو ہفتوں سے زیادہ ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا تھا۔ وہ کچھ دنوں کے لیے پاپا کو گھر لے کر جاسکتی ہے اور وہ اسی سوچ میں تھی کہ کہاں جائے۔ حمید اللہ انکل کتنے دنوں سے نہیں آئے تھے اور وہ دراب روز آجاتا تھا اور اسے جتنا برا لگتا تھا۔ پاپا اسے دیکھ کر اتنے خوش ہوجاتے تھے۔ اب تو وہ بھی غصہ نہیں کرتی تھی۔ ایک تو وہ ڈاکٹر کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھا۔ دوسرا وہ ہر زحمت سے بچی تھی۔ کھانا دوائی و پھل جو سب وہ لے آتا تھا۔ ایک دن اس نے پیسے دینے چاہے تو اس نے یہ کہہ کر منع کردیا وہ انکل سے حساب کرے گا اور وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی بحث کا مطلب بات کرنا جو اسے پسند نہیں تھا۔

ایک رات پاپا کی طبیعت پھر اچانک خراب ہوگئی ساری رات اس کی آنکھوں میں کٹی تب بھی وہ سوئی جاگی کیفیت میں تھی' جب حمید اللہ انکل اندر آئے تھے "سورہی تھیں بیٹا؟" اس کی مندی مندی آنکھوں کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"بس انکل کل اچانک پاپا کی طبیعت خراب ہوگئی تو سو نہیں سکی۔ آپ کو بہت فون کیا لیکن آپ نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔"

"سوری بیٹا مجھے پتا نہیں چلا ہوگا پچھلے دنوں مصروفیت بہت رہی' نادیہ کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے نا تو گھر میں شادی کی تیاریاں ہورہی ہیں۔"

"اچھا" وہ ایک دم خوش ہو کر بولی "آپ کو بہت مبارک ہو انکل! اور نادیہ' اس نے مجھے ایک کال تک نہیں کی۔" وہ ایک دم بولی تو حمید اللہ صاحب نظریں چرا گئے۔

"وہ شاپنگ میں مصروف تھی نا' میں کہوں گا اس سے جاکر۔" وہ ان کی نظریں چرانا محسوس کرگئی تھی سو سہلا کر رہ گئی۔ اس گریز کی وجہ وہ سمجھ گئی تھی اور وہ جو انکل سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی کہ پاپا کو کچھ دن ان کے گھر لے چلے۔ اس نے وہ ارادہ ترک کردیا۔ "منظور کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"ویسی ہی ہے انکل۔" وہ بجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"بیٹا یہ طبیعت میں اونچ نیچ تو اب چلتی رہے گی تم کتنی دیر یہاں اسپتال میں رہو گی۔ تھوڑے دن اپنی خالہ کے گھر چلی جاؤ۔ کتنی کمزور ہوگئی ہو۔ یوں تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔ میں تمہیں گھر لے چلتا لیکن وہاں شادی کی وجہ سے کافی مہمان آئے ہیں اور حالات بھی ابھی سنبھلے نہیں۔ وہ ندیم قریشی کے لوگ ابھی بھی۔"

"ٹھیک ہے انکل! میں سمجھتی ہوں آپ کو اتنی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں۔" حمید اللہ صاحب خاموش ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ تب ہی اس کے ہاتھ میں پکڑا فون بول اٹھا۔ انٹرنیشنل کال تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"کیسی ہو؟" تابش کی کال تھی "ٹھیک ہوں اور انکل کیسے ہیں؟"

"پاپا ٹھیک نہیں اسپتال میں ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"تم کیسے جانتے ہو؟" وہ حیران ہوئی

"میں نے گھر فون کیا' بند جارہا تھا تو انکل کے سیل پر کیا تو انکل حمید نے انکل کی کنڈیشن کے بارے میں بتایا۔ سچ مجھے سن کر بہت دکھ ہوا۔ جب میں گیا تھا تو انکل اچھے بھلے تھے۔"

حبہ نے ہونٹ بھینچ لیے کیونکہ آنسوؤں نے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔

"پر تم یہاں 'انکل تو بتا رہے تھے کہ تمہیں نہیں پتا۔"

"ہاں' وہ آنسو صاف کرکے بولی اور پھر اس پر جو گزری تھی اس نے سب تابش کو بتادی۔"

"تم بتاؤ' اب میں کیا کروں۔ میں حمید اللہ انکل کی طرف بھی نہیں جاسکتی' میری وجہ سے وہ کہیں مزید مشکل میں نہ آجائیں' میں سوچ رہی تھی خالہ کی طرف چلی جاؤں۔"

"نہیں تم وہاں مت جاؤ جو آدمی اتنا طاقت ور ہے کہ حمید انکل کے گھر پہنچ سکتا ہے' بازار میں اتنے رش میں غنڈے پیچھے لگا سکتا ہے۔ وہ میرے گھر بھی پہنچ سکتا ہے اور وہاں میری ماں' میری بہن اکیلی ہیں' میں نہیں چاہتا کہ تمہاری غلط حرکت کی وجہ سے میری ماں مشکل میں آئے یا میری بہن کے نام پر تہمت لگے۔"

حبہ کو لگا کسی نے اس کے وجود کو آگ لگادی ہو۔ اس کے کان کی لویں جل اٹھی تھیں۔

"یہ تم نے میری میری کی کیا گردان لگار کھی ہے' وہ تمہاری عزت ہیں اور میں کیا ہوں اور دوسرے مجھے یہ بتاؤ میں نے کیا غلط حرکت کی ہے۔"

"پلیز حبہ! اتنی بھولی مت بنو میں تمہاری پنگا لینے والی عادت سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں۔ دوست کو لے کر ریسٹورنٹ نہیں پہنچ گئی تھیں تم' اس آدمی کو تم نے شہہ دی ہوگی ورنہ وہ اتنی جرأت کرسکتا تھا' تمہاری سپورٹ کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے حبہ!"

"تم ہوش میں تو ہو نا تابش! تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم مجھ پر تہمت لگارہے ہو۔ شک کررہے ہو۔" وہ ارد گرد کی پروا کیے بغیر چیخ اٹھی تھی۔

"اتنی دور بیٹھ کر شک نہ کروں تو اور کیا کروں۔" وہ بڑبڑایا لیکن بڑبڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ اسے صاف سنائی دی۔

"ہیلو!" اس کی طویل خاموشی پر وہ چیخ کر بولا۔

"بولو' وہ بے سوت انداز میں بولی۔

"مجھے پتا ہے۔ انکل کو اور تمہیں میری ضرورت ہے اگلے ہفتے میں آرہا ہوں۔"

"اس احسان کے لیے شکریہ۔"

اتنا کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ وہ اس وقت کتنی بے بس تھی کہ ایک شخص جس نے اس کے کردار پر انگلی اٹھائی تھی لیکن وہ پھر بھی اس کے ساتھ کی محتاج تھی۔

وہ پلٹی تو کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی سامنے کھڑے دراب نے بغور اس کا سرخ چہرہ اور آنکھیں دیکھیں اور کچھ کہے بغیر مڑ گیا جبکہ وہیں کھڑی سوچتی رہی کہ کیا اس نے کچھ سنا ہے یا نہیں اگر سنا تھا تو۔ وہ ہونٹ چبا کر رہ گئی۔ اور پھر جتنی دیر وہ منظور صاحب کے کمرے میں رہا وہ باہر کوریڈور میں بینچ پر بیٹھی رہی۔ جاتے ہوئے اس نے اسے اپنے قریب رکتے دیکھا تھا۔ لیکن وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تو وہ آگے بڑھ گیا۔

"کہاں چلی گئی تھیں بیٹا؟" اسے دیکھتے ہی منظور صاحب تیزی سے بولے۔ "باہر تھی۔" وہ سر جھکا کر ان کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

"کیا بات ہے کوئی بات ہوئی ہے۔" انہوں نے بغور اس کی اتری ہوئی شکل دیکھی۔

"پاپا تابش کا فون آیا تھا۔" وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

"اسے لگتا ہے کہ۔" کہنے کے ساتھ اس نے باپ کی شکل دیکھی تو باقی الفاظ منہ کے اندر دبا لیے۔

"وہ تمہیں ہی غلط کہہ رہا ہوگا۔" انہوں نے جیسے اس کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ حبہ نے آنکھوں میں آنے والے آنسو تیزی سے صاف کیے۔ منظور صاحب نے گہرا سانس لیا۔

"مجھے لگتا ہے جلدی میں مجھ سے غلط انتخاب ہوگیا۔ تابش وہ نہیں جیسا جیون ساتھی میں نے تمہارے لیے چاہا تھا۔ افسوس دراب مجھے بہت دیر بعد ملا۔" حبہ نے چونک کر باپ کی شکل دیکھی۔

"وہ تعلیم یافتہ ہے۔ جاب نہ ملنے کی وجہ سے ٹیکسی چلا رہا ہے۔ پھر اتنا نیک اور شریف ہے۔ اس نے اشارتاً تمہارا رشتہ بھی مانگا تھا لیکن تابش کی وجہ سے میں جواب نہ دے سکا۔"

"آپ کے نزدیک "وہ" شخص میرے لیے بہترین انتخاب تھا۔" اس کا سارا زور "وہ" پر تھا۔

"ہاں کیونکہ وہ مطلب پرست اور لالچی نہیں۔"

"ہنہ' آج کل کے دور میں اپنا اتنا نہیں کرتا تو وہ کیوں اتنا کررہا ہے۔ مطلب ہے اس کا اور وہ اس نے ظاہر بھی

کردیا۔"

"کیا مطلب؟" منظور صاحب نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ آپ آرام کریں۔ میں ذرا باہر کا چکر لگا کر آتی ہوں" اور اسے واقعی تازہ ہوا کی ضرورت تھی کیونکہ اس کا دماغ آگ کی بھٹی کی طرح جلنے لگا تھا۔ ایک طرف تابش کی باتیں دوسری طرف اس دراب کی جرأت۔۔۔ اور بری قسمت دراب کی وہ سامنے سے ہی آرہا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رخ موڑ گئی۔

"خیریت۔ یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

"کیوں' میں یہاں کھڑی نہیں ہو سکتی۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی جواباً" وہ کچھ یاد کر کے مسکرایا۔

"تم تو کہیں بھی کھڑی ہو سکتی ہو۔" یہ کہہ کر وہ سنجیدہ ہوا۔

"میری ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انکل کی کیمو میں کچھ دن ہیں تو اگر ہم چاہیں تو انہیں گھر لے کر جا سکتے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو انکل میرے گھر رہ سکتے ہیں۔" اس نے احتیاطاً" اس کا نام نہیں لیا تھا۔

"ایک منٹ' آج ذرا سب باتیں کلیئر ہو ہی جائیں۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹ کر بولی۔ "آپ نے کیا ہمیں لاوارث سمجھ رکھا ہے' ہیں کون آپ ہمارے جو ہم آپ کے گھر جائیں اور کیوں آپ دن رات میرے پاپا کی عیادت کو آجاتے ہیں۔ میں حیران تھی۔ ہم سے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ بھی پتا چل گیا۔ کب سے پیچھا کر رہے ہیں میرا' آپ کو کیا لگتا ہے یوں میرے پاپا کی خدمت کر کے آپ مجھ سے شادی کر لیں گے' کیا ہیں آپ' ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور۔"

"تو ٹیکسی ڈرائیور انسان نہیں ہوتے انہیں شادی کرنے کا حق نہیں ہوتا۔" وہ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"ہوتا ہوگا' لیکن کسی اپنی جیسی کے ساتھ' آپ ہیں کیا؟ میں یہ پوچھتی ہوں آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھ سے شادی کی خواہش بھی بیان کرنے کی' میری منگنی ہو چکی ہے۔" اس نے بایاں ہاتھ اٹھا کر تیسری انگلی میں پہنی انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا" اور وہ بھی میری پسند سے' وہ ایم بی اے ہے' اچھی پوسٹ پر ہے وہ بھی دبئی میں' اس کا فیوچر برائٹ ہے۔ خود کو دیکھیں۔ کیا ہے آپ کا فیوچر اور کیا دے سکیں گے اپنی بیوی کو' میں ڈبل ماسٹرز ہوں۔ میرے پاپا ایک بڑے عہدے پر ہیں' ہمارا ایک لیونگ اسٹائل ہے اگر میری منگنی نہ بھی ہوئی ہوتی تو میرے ابھی اتنے برے دن نہیں آئے کہ میں آپ جیسے تھرڈ کلاس آدمی سے شادی کروں۔ سو برائے مہربانی اپنی یہ جھوٹی ہمدردی اور مہربانی کا ٹوکرا اٹھا کر یہاں سے تشریف لے جائیں اور آئندہ میں آپ کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتی۔"

وہ جو منہ میں آیا کہتی گئی اس نے غور ہی نہیں کیا کہ سامنے والے کا کیا حال ہوا ہے اور نہ وہ یہ دیکھنے کے لیے رکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"حبہ!" وہ جو اپنے دھیان میں سیب کاٹ رہی تھی چونک کر دیکھنے لگی۔

"دراب نہیں آیا؟" وہی سوال جو وہ پچھلے ایک ہفتے سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں پاپا!"

"پتا نہیں کیا بات ہے' وہ تو ایک دن بھی ناغہ نہیں کرتا۔ اب پورا ہفتہ وہ بھی بنا بتائے' تم ذرا کال کر کے پتا تو کرو۔" اس نے چھری زور سے پلیٹ میں پٹخی۔

"پاپا! میں آپ کے پاس ہوں پھر بھی آپ بار بار اسے کیوں یاد کر رہے ہیں۔ وہ ہمارا نوکر تو نہیں اور نہ کوئی رشتہ دار ہے۔"

"ولیکن رشتہ داروں سے بہت بہتر ہے۔"

وہ ان کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ تابش کو پاکستان آئے تیسرا دن تھا اور وہ صرف ایک دن چند منٹوں کے لیے آیا تھا۔ اسے تو اس دن پتا چلا۔ اسے اسپتال سے دوائیوں کی بدبو سے الرجی ہے اور کل نادیہ کی شادی تھی اور انکل نے اتنا رسمی سا انوائٹ کیا تھا کہ اس کا دل مزید برا ہو گیا تھا۔ اوپر سے پاپا کی دراب دراب کی گردان اسے مزید جھنجلاہٹ میں جلا کر رہی تھی۔

"حبہ!"

"جی پاپا!" وہ پلیٹ پکڑ کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"تم نے تابش سے بات کی تھی کہ میں چاہتا ہوں کہ فوری نکاح اور رخصتی ہو جائے۔"

حبہ نے گہرا سانس لیا' یہ وہی جانتی تھی کہ اس نے کیسے اپنی انا کو پس پشت ڈال کر تابش سے بات کی تھی۔

"جی!"

"تو کیا کہا اس نے؟" انہوں نے چھت پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"بقول اس کے خالہ نہیں مان رہیں۔ ایک تو وہ نورین کی شادی پہلے کرنا چاہتی ہیں۔ دوسرے ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔ جس کی شادی کے ان کو بہت سے ارمان ہیں۔"

"لیکن حبہ! وہ دیکھ نہیں رہے۔ ہماری مجبوریاں' میری زندگی کا کچھ بھروسا نہیں اور وہ ندیم قریشی کسی آسیب کی طرح دن رات میرے حواسوں پر سوار رہتا ہے اگر کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو کون ذمہ دار ہو گا۔"

"پاپا!" اس نے منظور صاحب کا ہاتھ بڑی آہستگی سے تھاما۔

"آپ وہم بہت کرنے لگے ہیں' آپ ان شاء اللہ ضرور ٹھیک ہو جائیں گے اور یہ ندیم قریشی کچھ نہیں کر سکتا' اتنے دن ہو گئے۔ میں آپ کے سامنے ہوں۔ کچھ ہوا۔"

"وقت کا پتا نہیں چلتا۔ کچھ ہو بھی ہو سکتا ہے' میں جلد از جلد تمہیں محفوظ ہاتھوں میں سونپنا چاہتا ہوں۔ تم تابش کو بلاؤ۔ میں خود بات کرتا ہوں۔"

"سنیں۔" تب ہی نرس اندر داخل ہوئی تھی۔

"یہ انجکشن اور ڈرپ ہیں پلیز ڈاکٹر کے راؤنڈ پر آنے سے پہلے یہ لے آئیں۔" حبہ نے پرچی تھامنے کے بعد منظور صاحب کو دیکھا۔

"پاپا! پیسے کہاں رکھے ہیں؟" منظور صاحب نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔

"پاپا دوائی کے لیے پیسے چاہئیں؟"

"میرے پاس تو نہیں ہیں۔"

"کیا؟" اسے جھٹکا لگا "تو اتنی ڈھیری دوائیاں کہاں سے آرہی ہیں۔"

"دراب لاتا تھا۔" اس نے اپنا سر تھام لیا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

"آپ نے اس کو پیسے دیے تھے؟" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"نہیں' ڈاکٹر اور اسپتال کے بل کے بعد جو پیسے بچے تھے' وہ میں نے حمید اللہ کو دیے تھے۔ باقی تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیے تھے کہ دوائیوں کا جو خرچ ہو' وہ تم سے لے لیا کرے۔"

"مگر مجھ سے تو کسی نے پیسے نہیں مانگے۔" وہ تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

باہر نکلتے ہی اس نے تابش کو فون کر کے آنے کو کہا تھا۔ میڈیکل اسٹور پر کافی رش تھا وہ باہر کھڑے ہو کر رش کے کم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"تم کہاں ہو؟" تابش کا میسج آیا تھا وہ اسے میڈیکل اسٹور کا پتا بتا کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ تب ہی وہ اس کو دور سے آتا دکھائی دیا۔ اس کو دیکھتے ہوئے اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کوئی اس کے قریب آکر کھڑا ہوا ہے۔ اس نے تابش کو حیران اور پھر رکتے دیکھا تھا' وہ ابھی کچھ بھی نہیں پائی تھی جب اپنے قریب اسے آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے امید تھی بہت جلد ہماری ملاقات ہو گی۔" وہ تیزی سے مڑی اور اس خبیث چہرے کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔

"ابھی ابھی میرے بندوں نے مجھے اطلاع دی کہ آخر کار محترمہ بل سے باہر نکل آئی ہیں تو سوچا کہ جا کر خود مل کر آؤں۔"

"سنا تھا کہ دنیا میں گھٹیا اور ذلیل لوگوں کی کمی نہیں پر آج تمہیں دیکھ کر یقین بھی آگیا۔" وہ نفرت انگیز انداز میں نڈر ہو کر بولی۔ جواباً قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"صورت کے ساتھ تمہارا انداز بھی تیکھا ہے۔ پسند آیا مجھے۔" وہ اسے نظر انداز کر کے تابش کی طرف بڑھنا چاہتی تھی' لیکن اس کا بازو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسے تو جیسے کرنٹ لگا تھا' بڑے بے ساختہ انداز میں اس کا ہاتھ گھوما تھا اور اس کے منہ پر اپنا نشان چھوڑ گیا۔ ایک پل کے لیے وہ اور اس کے ارد گرد کھڑے اس کے گن مین سب ہکا بکا رہ گئے' وہ شاید اس کی توقع نہیں کر رہے تھے یا آج سے پہلے اس آدمی کو ایسے تھپڑ کا تجربہ نہیں ہوا تھا' لیکن اس سے اگلا پل اس سے بھی زیادہ حیران کن تھا۔ ندیم قریشی نے ایک اور پھر دوسرا تھپڑ اس کے دونوں گالوں پر جڑ دیا تھا اور وہ کھڑے کھڑے ہل گئی تھی' اسے لگا اس کا جبڑا ٹوٹ گیا ہے۔ اس نے تڑپ کر تابش کو آواز دی تھی جو بت بنا دیکھ رہا تھا۔ میڈیکل اسٹور سے بھی لوگ باہر نکل آئے' لیکن کوئی اس کی مدد کو آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ سب کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ پرائے پھڈے میں کون ٹانگ اڑاتا ہے۔ وہ اس کو گھسیٹ کر لے جا رہا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح تابش کو آوازیں دے رہی تھی جو بہرہ اور اندھا بھی بن گیا تھا' یہی وہ وقت تھا جس سے اس کا باپ ڈرتا تھا پر وہ سمجھی نہیں تھی۔

اس کے زور لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا وہ جنگلیوں کی طرح اسے گھسیٹ رہا تھا۔ اس کی چپل دوپٹہ وہیں مٹی میں رل گئے تھے۔ دور کھڑے شخص نے پہلے معاملہ سمجھنے کی کوشش کی اور لڑکی پر نظر پڑتے ہی جیسے ہی اس نے پہچانا اس نے تیزی سے ایک نمبر ڈائل کیا تھا وہ اسے گاڑی میں دھکیل چکا تھا اور ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی۔

"پاپا!" وہ اب پاپا کو پکار رہی تھی اس کی چیخوں کے جواب میں ایک زوردار تھپڑ پڑا تھا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا درد کی شدت سے وہ دوہری ہو کر رہ گئی۔ تب ہی گاڑی جھٹکے سے رکی اور تیز تیز آوازیں آنا شروع ہو گئیں گاڑی کے چاروں دروازے کھلنے کی آواز آئی اس کے ساتھ بیٹھے ندیم قریشی کو کسی نے گھسیٹ کر باہر نکالا وہ دیکھ نہیں سکی' وہ سوچ رہی تھی پتا نہیں اب کیا ہونے والا تھا۔

"ڈالو ان کو گاڑی میں۔ تھانے میں نکلتی ہے ساری غنڈہ گردی۔"

"انسپکٹر تم جانتے نہیں میری پہنچ کہاں تک ہے۔" ندیم قریشی کی اونچی' لیکن ڈری ہوئی آواز سنائی دی۔

"سنا بھئی۔ کلیا کہہ رہا ہے' بچو تو ہم بھی نہیں جانتا۔ تیری پہنچ کی ایسی کی تیسی' ایسی چھترول کروں گا نا ساری مردانگی نکل جائے گی۔" انسپکٹر کچھ زیادہ پہنچ والا لگ رہا تھا۔

"پلیز نو پکچرز۔ ایک عزت دار گھر کی باپردہ لڑکی ہیں آپ اس پہنچ والے کی لیں نا" کسی نے فوٹو گرافر کو روکا تھا۔

یہ آواز۔ یہ آواز اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔ وہ پشت کیے کھڑا تھا' لیکن پھر بھی وہ اسے پہچان گئی تھی۔ رش چھٹتے ہی وہ مڑا تو اسے احساس ہوا کہ وہ اسے چھپانے کے لیے یوں کھڑا تھا جب وہ مڑا تو اس نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ دوسری گاڑی کی طرف مڑ گیا تھا جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی چادر تھی جو اس نے اس کی طرف بڑھائی پر وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی تو وہ گہرا سانس لے کر جھکا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے باہر نکالا اور چادر کو اس کے سر پر ڈال کر پاؤں تک اسے ڈھانپ دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا کوئی اور وقت ہوتا تو اس کے یوں ہاتھ پکڑنے پر وہ شور مچا دیتی' لیکن یہ ہاتھ تو اب رہبر کے بن گئے تھے' وہ نہیں جانتی تھی اس کی منزل اب کہاں ہے' لیکن وہ اس وقت اس کی ہم سفر بن چکی تھی۔

وہ ننگے پاؤں اس کے پیچھے چلتی جا رہی تھی منزل کا تعین کیے بغیر آخر وہ رکا تو وہ بھی رکی' جلتی زمین نے پیروں کو جھلسا دیا تھا لیکن یہ جلن اس جلن سے بہتر تھی جو زندگی کا ناسور بن جاتی۔ اس نے ایک گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے اندر دھکیلنے کے انداز میں پھینکا۔ اسے یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ گاڑی کی پچھلی نشست ہے' لیکن وہ دیکھ نہیں سکتی تھی وہ اس بڑی سی چادر میں پوری طرح ڈھانپ دی گئی تھی۔ اب پتا نہیں وہ اسے کہاں لے کر جا رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا۔ کوئی نقصان تو نہیں ہوا۔" یہ آواز اس کی نہیں تھی یعنی گاڑی میں کوئی اور بھی تھا۔

"نہیں' اللہ کا شکر ہے بچت ہو گئی۔ اس خبیث پر مجھے کافی دنوں سے شک تھا۔ روز انکل کو دھمکی بھرے فون کرتا تھا پر مجھ سے ٹریپ نہیں ہو رہا تھا۔ آج اگر تم مجھے فون نہ کرتے اور اپنے دوست کو نہ لے کر آتے تو۔" وہ رک گیا تھا۔

"چھوڑو یار! تمہاری عزت میری عزت ہے۔"

"میرا تو یار کچھ نہیں' جو کیا انکل کے لیے کیا' میں انکل کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔" یہ یقیناً" اسے جتایا گیا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ نہیں۔

آج وہ اسے اگر ہنٹر بھی مار لیتا تو بھی اسے برا نہ لگتا یہ تو معمولی بات تھی کہ وہ اس کے لیے کچھ نہیں۔

گاڑی رک گئی تھی' وہ اس کی طرف کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"تم اب باہر نکلو گی؟" وہ بڑے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ بھی کیا کرتی اس کو لگ رہا تھا۔ اس کے وجود میں جان ہی نہیں۔

"اف!" اس نے گہرا سانس لے کر اس کا بازو پکڑ کر اسے نکالا اور اب کی بار چادر کھسکا کر اس کے سر اور جسم کو اچھی طرح ڈھانپا اور اس کا ارادہ واپس جانے کا تھا' لیکن نظر اس کے چہرے پر پڑی تو ٹھہر گئی' وہ نظریں جھکائے نیم مردہ کیفیت میں تھی۔ اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر بڑی آہستگی سے اس کے ہونٹ سے نکلتا خون صاف کیا اور اب کی بار اسے درد ہوا تھا اس نے آنسو سے بھری نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اس کے دیکھنے پر اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"جاؤ' انکل انتظار کر رہے ہوں گے۔"

اس نے روتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"انکل پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"آپ بھی چلیں" وہ کسی ننھے بچے کی طرح بولی۔

"تم چلو میں آتا ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر دھیرے دھیرے چلتی اندر کی طرف بڑھنے لگی۔

"ابھی تمہیں فرق نہیں پڑتا تو اس کا خون دیکھ کر مرنے والے ہو رہے تھے۔" فیروز نے اسے طنز کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"بکواس بند کرو یار! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" وہ واقعی پریشان لگ رہا تھا۔

"پریشانی کا حل ہے تمہارے پاس 'اپنے نام کرلو۔"

"وہ کوئی چیز ہے جسے اپنے نام کرلوں۔ وہ مجھے اچھا نہیں سمجھتی۔"

"تو اسے بتا دو کہ تم کتنے اچھے ہو۔" فیروز کو اب بھی مذاق سوجھ رہا تھا۔

"اچھا پلیز زیادہ باتیں نہ کرو اس ندیم قریشی کا پکا بندوبست کرو' آئندہ یہ حبہ کے آس پاس بھی نظر نہ آئے ورنہ تم پٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں۔"

"کمال ہے یار! حبہ تمہاری اور میری کٹ خواہ مخواہ لا اینڈ آرڈر کی اتھارٹی میں نے نہیں لے رکھی۔ کوشش ہی کرسکتا ہوں۔"

"کوشش نہیں پکا کام۔"

"پکا کیا مروا دوں؟"

"ہاں مروا دو۔" فیروز نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"بالکل ہی اندھا ہو گیا ہے تو یار محبت میں۔ صحیح کہتے ہیں یہ عورت ہوتی ہی فساد کی جڑ ہے۔" وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اگر بک چکے ہو تو جاؤ۔" وہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ فیروز مسکراتے ہوئے بشیر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

جب تک وہ اندر داخل ہوا وہ کوریڈور تک پہنچی تھی۔ شاید اسے کہیں اور بھی چوٹ لگی تھی وہ اس کے قریب پہنچ کر اس کے ہم قدم ہوا اور پھر رک کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

"کہاں رہ گئی تھیں حبہ۔" اس کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی منظور صاحب بے تابی سے بولے اور اس پر نظر پڑتے ہی جیسے ان کا رنگ سیاہ سے نیلا پڑنے لگا۔

"یہ کیا ہوا حبہ!" ان کا لہجہ کانپ رہا تھا دراب نے اسے اشارہ کیا جسے وہ سمجھ نہیں سکی اور ایک بچی کی طرح سسکتی ہوئی ان کے سینے سے لگ کر اونچی آواز میں رونے لگی۔

"کچھ تو بولو حبہ میرا دل' میرے دل میں عجیب سا درد محسوس ہو رہا تھا۔"

"پاپا! وہ ندیم قریشی وہ زبردستی مجھے لے کر جا رہا تھا۔"

"آہ! میں ڈرتا تھا! اسی وقت سے ڈرتا تھا' یہی خوف تھا۔ لٹ گیا' برباد ہو گئے ہم' برباد کر دیا اس نے میری بچی کی عزت۔" وہ ایک دم رونے کرلانے لگے اور ساتھ ہی ان کی سانسیں بھی اکھڑنے لگیں۔ حبہ اپنا صدمہ بھول کر باپ کو سنبھالنے لگی۔

"پاپا! پاپا!" دراب ڈاکٹر کو بلانے کے لیے بھاگا۔

"پاپا میں ٹھیک ہوں' پاپا میں آپ کے سامنے ہوں۔" وہ رو رو کر کہہ رہی تھی پر وہ اس وقت کچھ نہیں سن رہے تھے۔ ڈر کے مارے حبہ کے آنسو منجمد ہو کر رہ گئے۔

"پاپا! پاپا!" وہ زور زور سے ان کو آواز دینے لگی۔ دراب ڈاکٹر کے ساتھ بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔

"ڈاکٹر پاپا بول نہیں رہے۔" اس کی حالت اس وقت بالکل پاگلوں جیسی لگ رہی تھی۔

"آپ پلیز باہر چلیں۔"

"نہیں میں پاپا کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"پلیز۔ آپ انہیں باہر لے جائیں۔" نرس نے اب دراب سے کہا تھا۔ وہ اسے زبردستی باہر لے آیا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر دیوار سے جا لگی جبکہ دراب دوسری دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خود پریشان ہو گیا تھا۔

تین گھنٹے گزر گئے تھے منظور صاحب کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی۔ تابش' خالہ اور نورین بھی آگئے تھے۔ حمید اللہ کو اس نے اطلاع کر دی' وہ بھی پہنچ گئے۔ وہ اب تنہا نہیں تھی' اس کے سب اپنے وہاں موجود تھے۔ تو وہ وہاں سے چلا آیا تھا۔ تابش دو تین مرتبہ اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا۔ "تم ٹھیک ہو۔ یہ زخم کیسے آئے؟" اس کے دل اور زبان پر شک تھا۔

"کہاں گئی تھیں۔ کہاں لے کر گیا تھا' واپس کیسے آئیں؟" اس کے پاس یہ سوال تھے اور جواب میں اس کے پاس ایک ہی چپ تھی' وہ صرف اپنے باپ کی زندگی کے لیے دعا گو تھی۔ دس گھنٹے گزرنے کے بعد ڈاکٹر نے خوش خبری دی کہ اس کے پاپا ہوش میں آگئے ہیں لیکن ان کو روم میں شفٹ نہیں کیا جا رہا ہے۔ وہ ان سے ملنے آئی

تھی۔

"پاپا!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو انہوں نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"پاپا!"

"دُرّاب!" اس کی دوسری پکار پر انہوں نے اس کا نام لیا تھا۔

"پاپا پلیز! مجھ سے تو بات کریں۔" وہ ان سے التجا کر رہی تھی۔

"دُرّاب!" وہ دوبارہ بھی یہی بولے۔

پاپا کے موبائل سے اس نے دُرّاب کا نمبر ڈائل کیا اور دوسری بیل پر اس کی حیران آواز سنائی دی۔

"میں ہوں۔" وہ بہت دھیمی اور شرمندہ آواز میں بولی' جواباً" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"پاپا بار بار آپ کو یاد کر رہے ہیں اگر آپ آجائیں تو آپ کا بہت احسان ہوگا۔" اس نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ اگر وہ نہ آیا تو وہ پاپا کو کیا جواب دے گی۔

"حبہ! میں کب سے تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اب کی بار تابش غصے سے اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے انداز پر خاموش کھڑے حمید اللہ' خالہ اور نورین نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بولی۔ "جواب تو تمہیں دینا ہوگا۔ ایک آدمی تمہاری نظروں کے سامنے تمہیں لے گیا اور تم بے غیرتوں کی طرح تماشا دیکھتے رہے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ ایک لڑکی جو چند گھنٹے بھی گھر سے باہر رہ آئے اس کی عزت مشکوک ہو جاتی ہے اور بجائے اس کے کہ تم صفائی دو۔ تم ہمیں اکڑ دکھا رہی ہو۔ احسان مانو کہ ہم ابھی بھی یہاں کھڑے ہیں۔"

یہ اس کی خالہ تھیں جو منگنی کرتے وقت صدقے واری جا رہی تھیں۔ زبان اور آنکھوں سے شعلے اگلتا اس کا کزن تھا جو بچپن سے پسندیدگی کا دعوا کرتا تھا اور اس کی کزن جو اس کو آئیڈیل مانتی تھی وہ اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں کتنی داغ دار ہوں یا کتنی پاک دامن' یہ میں جانتی ہوں اور میرا رب جانتا ہے۔"

"اور تم حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ تو نہیں جن کی پاک دامنی کا ثبوت دینے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یا کوئی فرشتہ اترے گا۔ میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جس کا کردار مشکوک ہو۔"

حبہ نے ایک جلتی نظر تابش پر ڈالی اور ہاتھ میں پہنی انگوٹھی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ "میں بھی تمہیں اس قابل نہیں سمجھتی جو اپنی عزت کی حفاظت نہ کر سکے۔ تمہارے سامنے وہ شخص مجھے گھسیٹ کر لے جاتا رہا اور تم اندھے بہرے بنے دیکھتے رہے۔ خیر میرے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں' میں آپ لوگوں سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"ارے دیکھو ذرا اس لڑکی کی اکڑ۔" خالہ نے تو باقاعدہ اپنے گال پیٹے تھے۔ "چلو بھئی تمہیں کیا لڑکیوں کی کمی ہے۔ یہی رہ گئی ہے ہمارے لیے۔"

"اور ایک بات' جو پیسے تم نے میرے پاپا سے لیے ہیں' وہ مجھے چاہئیں وہ بھی پورے۔" وہ تینوں ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ لیکن وہ کمرے کے اندر داخل ہو گئی اور اس کے پیچھے حمید اللہ بھی۔

"پاپا! کچھ چاہیے۔" وہ ان کے قریب جھک کر پوچھنے لگی۔

"دُرّاب آیا؟" ان کا وہی سوال تھا۔

"میں نے فون کیا ہے پاپا۔" وہ ابھی اتنا ہی بولی تھی کہ وہ کمرے میں سلام کرتے ہوئے داخل ہوا اور سیدھا منظور صاحب کے قریب بیٹھ گیا' وہ اٹھ کر سائیڈ پر جا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے پتا تھا۔ تم ضرور آؤ گے۔" منظور صاحب اس کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔ "آج تم نے پھر بہت بڑا احسان کر دیا۔ حبہ نے بتایا مجھے۔"

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا انکل! میں آپ کی بیٹی کی پوری حفاظت کروں گا پھر آپ نے اپنی طبیعت کیوں خراب کر لی؟" وہ ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر بولا۔

"مجھے تم پر یقین تھا۔" وہ مسکرائے۔ "ایک مرتے ہوئے آدمی کی آخری خواہش پوری کرو گے؟"

"انکل!"

"مجھے کتنے دن بیٹا! زیادہ وقت نہیں میرے پاس۔" وہ بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ "میری بیٹی سے شادی کر لو۔"

حبہ کو حیرت نہیں ہوئی بلکہ آنسو تھے کہ گرتے جا رہے

تھے۔ اور اس نے انہیں روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ کیوں کہ وہ بھی اس کی طرح بے وقعت ہو چکے تھے۔

"انکل! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"یہ جواب نہیں بیٹا!" انہوں نے دراب کا چہرہ تھام کر کہا۔

"انکل! میں آپ کی بیٹی کے قابل نہیں۔" ایک تھپڑ تھا جو حبہ کے منہ پر لگا تھا۔

"تم کس قابل ہو۔ یہ میں جانتا ہوں' میری بیٹی نادان ہے پر دل کی بہت اچھی ہے۔ میں بہت تکلیف میں ہوں' لیکن میری سانسیں میرا وجود نہیں چھوڑ رہیں۔ میں حبہ اس کو مضبوط ہاتھوں میں سونپنا چاہتا ہوں' کہاں جائے گی' کون اپنا ہے' سارے نوچ کر کھا جائیں گے۔ میری بیٹی کو اپنا لو۔ بس اپنا نام دے دو۔ تھوڑا سہارا دے دو اور کچھ نہیں مانگتا۔" وہ گڑگڑا رہے تھے۔

اتنی بے کسی' بے بسی حبہ نے اپنے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر اپنی سسکیوں کو روکا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ سارے زمانے سے لڑجاتی۔ منظور صاحب کی سانس اکھڑنے لگی تھی' ایک افراتفری پھر پھیل گئی تھی' ڈاکٹر نے انجکشن لگایا تو وہ غنودگی میں چلے گئے تھے۔

"حبہ! کچھ کھالو بیٹا!" حمید اللہ اس کے لیے بسکٹ اور چائے لیے کھڑے تھے۔

"مجھے بھوک نہیں انکل! میں آتی ہوں۔" وہ ایک دم تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔ اس تک پہنچتے پہنچتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ اپنے پیچھے بھاگتے قدموں کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کو دیکھ کر وہ حیرت سے رک گیا۔ اس نے جو کہنا تھا' وہ اس کا چہرہ دیکھ کر نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے نظریں اس کے قدموں پر گاڑ دیں۔

"میں نے اس دن آپ سے جو کہا۔ میں اس کی معافی مانگتی ہوں حالانکہ میں معافی کے قابل نہیں' لیکن آپ مجھے معاف کردیں۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہاتھ جوڑ دیے۔

"یہ کیا کررہی ہیں۔" وہ یک دم بولا تھا۔

"آپ مت جائیں۔ پاپا اٹھ کر آپ کا پوچھیں گے' مجھ پر ایک احسان اور کردیں' مجھ سے شادی کرلیں۔"

یہ اس نے جس طرح بولا تھا' وہ سو دفعہ مری تھی' اس کی خاموشی پر اس نے بمشکل نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حبہ کو بچپن کا پڑھا ہوا محاورہ یاد آگیا۔

"غرور کا سر نیچا ہوتا ہے' بڑے بول نہ بولو۔"

"میں کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ بیوی کا حق بھی نہیں۔ آپ دوسری شادی کا پورا حق رکھتے ہیں' لیکن میرے پاپا کو سکون دے دیں۔" اس نے اپنے بندھے ہاتھوں پر اپنا سر لگا دیا تھا۔

"تمہیں یاد ہے' میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔" وہ کچھ نہیں بولی۔

"میرے پاس کوئی ڈگری' کوئی بینک بیلنس نہیں۔"

"آپ مجھ سے شادی کرلیں۔" اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے' اپنی طرف سے کسی کو بلانا ہے تو بلالو۔ میں اپنے چند دوستوں اور نکاح خواں کو لے کر آتا ہوں۔ نکاح ابھی انکل کے سامنے ہوگا۔" اس نے منٹوں میں فیصلہ کیا تھا اور مڑ گیا اور وہ بھی مڑ گئی منزل ایک ہونے کو تھی پر راستے الگ تھے۔

"پاپا! دراب قاضی کو لینے گئے ہیں۔"

اس نے باپ کے کان میں آہستگی سے کہا۔ وہ تو جیسے اسی جملے کے منتظر تھے' انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جیسے تصدیق چاہتے ہوں' وہ بمشکل مسکرائی۔ جب اس نے حمید اللہ کو بتایا تو وہ کافی حیران ہوئے' لیکن پھر فون پر پتا نہیں کس کس کو اطلاع دی تھی۔ نادیہ بھی اس کا کام دار جوڑا لے کر پہنچ گئی تھی۔ جو سامان ان کے گھر تھا اور یہ جوڑا شادی کے لیے ہی تھا' لیکن تب نام کسی اور کا تھا' اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود نادیہ نے زبردستی اسے سوٹ تبدیل کروایا تھا اور وہ حیران رہ گئی۔ پاپا اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ میرون دوپٹے میں ڈھلے ہوئے چہرے کے ساتھ بھی وہ دمک رہی تھی۔

منظور صاحب کتنی دیر تک اسے دیکھتے رہے۔ پتا نہیں کتنے ارمان تھے ان کے' دراب جن کپڑوں میں گیا تھا۔ ان ہی میں واپس آگیا تھا' اس کے ساتھ سوٹڈ بوٹڈ چار لوگ تھے جن کی حیرت ان کے چہروں سے ظاہر ہورہی تھی۔ یہ واحد برات تھی جس میں براتیوں کی جگہ اسپتال کے اسٹاف نے شرکت کی تھی۔ نکاح ہوتے ہی منظور صاحب نے دونوں کو گلے لگایا۔ دراب تو مل کر پیچھے ہٹ گیا' لیکن وہ اتنا روئی کہ وہاں موجود سب لوگ رنجیدہ ہوگئے۔ نادیہ نے بڑی مشکل سے اسے چپ کیا۔

"دراب! میرے بچے! تم فرشتہ بن کر میری زندگی میں آئے ہو۔ تمہارا احسان میں مر کر بھی یاد رکھوں گا۔ تمہاری یہ نیکی تمہارے کام آئے گی' میری بچی کا خیال رکھنا۔ یہ نادان ہے' جذباتی ہے پر بہت محبت کرنے والی اور نیک ہے۔ تمہارے حوالے کی میں نے اپنی زندگی۔"

انہوں نے پاس بیٹھی حبہ کا ہاتھ پکڑ کر دراب کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ دراب نے اس کی طرف دیکھا جو سر جھکائے رونے میں مصروف تھی۔

"حبہ! ہمیشہ دراب کا خیال رکھنا۔ کیوں کہ تمہارا باپ دراب کا احسان مند ہے اور تم کو بھی رہنا ہے۔"

"پلیز انکل!" دراب نے انہیں مزید بولنے سے روکا تھا۔

"اب تم جاؤ۔" حبہ نے حیرت سے ان کو دیکھا۔

"سعید اللہ آج میرے پاس رکے گا۔ اب میں بہت بہتر ہوں بلکہ آج مجھے سکون ملا ہے۔ لگتا ہے سارا درد ختم ہو گیا۔"

"نہیں پاپا! میں آپ کے پاس رکوں گی۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"انکل! اگر یہ آپ کے پاس رہنا چاہتی ہیں تو انہیں رہنے دیں۔" وہ تو پہلے ہی اسے یہاں چھوڑنے پر تیار تھا۔

"نہیں بیٹا! اب اس کا گھر ہے' یہ گھر والی ہے۔" یہ بولتے ہوئے ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

"جاؤ حبہ!" انہوں نے پیار سے اسے دیکھا تو وہ مزید انکار نہیں کر سکی۔

"یہاں ویٹ کرو' میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" وہ اسپتال کے گیٹ کے پاس اسے روک کر کسی کو فون کر رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر بنچ پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے پاس آیا۔

"چلو!" اس نے کہا اور وہ چل پڑی۔ گیٹ کے باہر گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے پہلے اس کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور اس کے بیٹھنے کے بعد خود پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم بھابھی! میں فیروز' دراب کا بیسٹ فرینڈ اس لحاظ سے آپ کا دیور بھی ہوا۔ میں نکاح میں بھی شامل تھا۔ آپ نے دیکھا ہی ہو گا۔ صبح بھی میں ہی آپ کو لے کر آیا تھا۔ دراصل اس گدھے نے اتنی ایمرجنسی میں فون کیا۔ میں اپنی فیملی کو بھی ساتھ نہیں لا سکا۔ چلیں۔ کوئی بات نہیں ولیمہ کی تقریب میں سب سے ملاقات ہو جائے گی۔ ویسے بھی اب آنا جانا تو لگا رہے گا۔"

"کتنا بولتے ہو تم؟" دراب نے گھور کر اسے ٹوکا۔

"کہاں چھوڑوں تمہیں؟"

"چھوڑ دو کہیں بھی' میرا کون سا گھر ہے۔" دراب کے کہنے پر اب کی بار فیروز نے اسے گھوری سے نوازا۔

"بک بھی چکو۔" فیروز نے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"سیدھے چلتے رہو۔" وہ بھی جگہ بتانے کے بجائے راستہ بتانے لگا جبکہ حبہ غائب دماغی سے باہر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھتی رہی۔ گاڑی رکی تو اس نے چونک کر باہر دیکھا۔ وہ کوئی درمیانے سے علاقے کے فلیٹس تھے وہ باہر نکل کر کھڑی ہو گئی۔ کیوں کہ وہ دونوں کچھ فاصلے پر کھڑے پتا نہیں کیا راز و نیاز کر رہے تھے۔ ان دونوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ ان پر سے نظریں ہٹا کر سامنے دیکھنے لگی۔

"اچھا بھابھی! اجازت۔ آپ آرام کریں۔ میں پھر آؤں گا اور کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے فون کر دینا۔ میں لیتا آؤں گا۔"

وہ جاتے ہوئے دراب کے گلے لگ کر بولا اس کے جاتے ہی وہ فلیٹس کی طرف بڑھنے لگا لفٹ کا بٹن دبا کر اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ سٹپٹا کر لفٹ کی طرف بڑھی۔ لفٹ تیسرے فلور کی طرف جا رہی تھی۔ وہ ایک کونے میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ اجنبیت کی دیوار پوری طرح ان کے درمیان حائل تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا چند گھنٹے پہلے وہ اتنے مضبوط بندھن میں بندھے ہیں۔ لفٹ کھلتے ہی وہ ایسے چل پڑا جیسے اس کے ساتھ کوئی اور ہو ہی نہیں۔ وہ اسی طرح سر جھکائے اس کے پیچھے ایک فلیٹ کے سامنے رکی جس کا لاک وہ کھول رہا تھا۔ وہ بہت کم کسی بات سے ڈرتی تھی لیکن اس وقت وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ جو کچھ وہ اس سے کہہ چکی تھی۔ اس کے بعد ڈرنا تو بنتا تھا اگرچہ وہ معافی مانگ چکی تھی۔ لیکن وہ اس وقت مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر تھی۔

"بیٹھو!" اس کو یونہی کھڑا دیکھ کر دراب کو اس سے کہنا پڑا تھا۔ اس سے کہہ کر وہ سائیڈ پر بنے دروازے میں غائب ہو گیا تھا۔

اس کے جاتے ہی اس کی نظریں گھر کا جائزہ لینے لگیں۔ وہ فل فرنشڈ فلیٹ تھا' ہر چیز کی قیمت کا اندازہ اس کی خوب صورتی دیکھ کر ہو رہا تھا۔ امریکن اسٹائل میں بنا

کچن اس کے آگے چھوٹا سا ڈائننگ ایریا آگے ٹی وی لاؤنج سامنے دیوار پر اتنا بڑا LED اور دائیں جانب دو دروازے تھے ایک میں وہ گیا تھا' پتا نہیں وہ بیڈ روم تھا یا کیا۔ گھر کا جائزہ لینے کے بعد پہلا سوال یہ ابھرا تھا کیا یہ شان دار فلیٹ اس کا اپنا ہے۔ اپنے خیالوں میں اس نے غور ہی نہیں کیا وہ کب سے نہ صرف کمرے میں آچکا ہے بلکہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ بھی لے رہا ہے۔

"جوس!" حبہ نے چونک کر دیکھا۔ وہ جوس لیے کھڑا تھا وہ شرمندہ ہو کر سر جھکا گئی۔

"مجھے بھوک نہیں۔"

"جانتا ہوں' لیکن یہ بھوک کے لیے نہیں پیاس کے لیے ہے۔" وہ گلاس سامنے ٹیبل پر رکھ کر خود اس کے سامنے والے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

"میں اکیلا ہی رہا ہوں۔ اس لیے کوئی ایک ٹھکانہ نہیں تھا۔ یہ فلیٹ فیروز نے ارینج کیا ہے۔" حبہ نے گہرا سانس لیا۔ اب اسے بھول جانا چاہیے کہ زندگی پھولوں کی سیج بنے گی اس کے لیے۔

"میں جلد ہی کسی مناسب جگہ پر جو میرے لیے افورڈ ایبل ہو' انتظام کرلوں گا۔ اور ہاں مجھے تم سے ضروری بات بھی کرنی ہے۔" حبہ کی دھڑکن ایک دم تیز ہوئی۔

"کیا کہنے والا تھا' پچھلی بات کا طعنہ دینے والا تھا یا نئے رشتے کے حوالے سے کوئی ڈیمانڈ کرنے والا تھا۔ لیکن وہ ذہنی طور پر اس رشتے کو اپنانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا' لیکن اس سے نظریں ملا نہیں سکی۔

"میں جانتا ہوں یہ نکاح تم نے مجبوری میں اور اپنے پاپا کی خواہش کی وجہ سے کیا ہے ورنہ مجھ جیسا ٹیکسی ڈرائیور غریب آدمی تمہارا اسٹینڈرڈ تو نہیں ہو سکتا تھا۔"

حبہ کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

"اور جہاں تک میری بات ہے تو میرے لیے بھی یہ رشتہ ایک مجبوری ہے۔ میں بھی انکل کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا سو۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں ہی اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں نہ ہمارے راستے ایک ہیں اور نہ منزل۔ تم جب چاہو' یہ رشتہ ختم کر سکتی ہو' میری طرف سے کوئی پرابلم نہیں ہوگی اور جب [illegible] اپنے ہم سفر کے ساتھ شروع کرنا چاہوں گا تو یقیناً" تمہیں بھی پرابلم نہیں ہوگی۔ کیوں کہ یہ دل کا رشتہ تو ہے نہیں کہ دور جانے پر تکلیف ہو' لیکن الگ ہونے کی صورت میں بھی تمہیں یہ جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہاری حفاظت اور خیال رکھنے کا ذمہ لے چکا ہوں۔"

بات کے اختتام پر اس نے اپنی باتوں کا ری ایکشن دیکھنا چاہا' لیکن جھکے سر کی وجہ سے دیکھ نہیں سکا تو دونوں گھٹنوں پر دباؤ ڈالتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "تم تھک گئی ہو گی' یہ سامنے بیڈ روم ہے' تم جا کر آرام کرلو۔ تمہارا بیگ بھی اندر ہے۔ حمید انکل نے دیا تھا۔" کہہ کر وہ خود صوفہ کم بیڈ پر لیٹ گیا اور ٹی وی آن کر دیا جس کا مطلب تھا' دفع ہو جاؤ۔"

وہ ان ہی بھیگی نظروں سے چلتی اس کمرے میں آگئی۔ جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظروں نے بے ساختہ درودیوار کو سراہا تھا لیکن یہ سب صرف چند سیکنڈ کے لیے تھا' اگلے ہی پل وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ اپنی شادی کے حوالے سے اس نے کتنے خواب دیکھے تھے' لیکن ان کی تعبیر اتنی بھیانک ہو گی یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کوئی اسے اپنانے کے بعد کہے گا وہ صرف ایک مجبوری ہے۔ گلے پڑا ڈھول جسے وہ بجانے کے لیے مجبور ہے۔ اس کی خوب صورتی' تعلیم' اسٹینڈرڈ کچھ بھی تو اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتا تھا جو کبھی اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتا تھا اور آج وہی سب کچھ بن بیٹھا تھا۔ یہ اس کے غرور کی سزا تھی یا اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش۔

"یہ آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا پاپا!" وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی باپ سے شکوہ کرنے لگی تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تو وہ یوں اچھلی جیسے بیڈ میں اسپرنگ نکل آئے ہوں۔ اس نے تھوک نگل کر دروازے کو دیکھا۔ دوسری دفعہ دروازے کی دستک میں شدت تھی وہ تیزی سے منہ صاف کر کے اٹھی۔ دروازے کے باہر وہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ اس نے بغور دیکھا اور کچھ کہے بغیر وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔ اندر سے اس نے ایک بیگ نکالا اور جانے سے پہلے اس کے قریب رکا۔

"رونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے اور نہ رونے سے میں بدل جاؤں گا۔" کہہ کر اس نے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔ یقیناً" وہ مسلسل نہ چاہتے ہوئے بھی اسے احساس دلا

رہی تھی کہ وہ اس کے لیے ان چاہا ہے۔ باتھ روم میں جا کر اس نے اچھی طرح منہ دھویا' کپڑے بدلے اور لیٹ گئی۔

وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ کب آنکھ لگی' پتا ہی نہیں چلا۔

صبح اس کی آنکھ زوردار دستک سے کھلی تھی۔ دستک کے ساتھ ہینڈل بھی گھمایا جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے دوپٹہ خود پر لیتی دروازے کی طرف بڑھی۔ باہر دراب کچھ پریشانی اور کچھ غصے کی حالت میں کھڑا تھا۔

"اتنی دیر لگا دی' میں سمجھا' کہیں خودکشی کر کے اللہ کو پیاری تو نہیں ہو گئیں۔"

اسے دیکھ کر بولتا ہوا وہ دوبارہ مڑ گیا اور حبہ نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی پشت کو گھورا۔ وہ چپ تھی خلاف عادت تو یہ شخص طنز کرتا ہی جا رہا تھا۔

"اب مجھے گھورنا بند کرو اور تیار ہو جاؤ۔ ہمیں انکل سے ملنے جانا ہے۔" حبہ نے گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدلا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے۔ منہ دھو کر الٹا سیدھا برش کر کے وہ باہر آگئی۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر کچھ رکھ رہا تھا۔

"ایسے جاؤ گی؟" دراب نے ناقدانہ انداز میں اس کے حلیے کا جائزہ لیا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا کپڑے چینج کرنے کو۔"

"بعض دفعہ انسان کو بہت سی چیزیں ایسی کرنی پڑ جاتی ہیں جن پر اس کا دل مان نہیں رہا ہوتا جیسے میں نے کس دل سے تم سے نکاح کیا' میں ہی جانتا ہوں۔" کہنے کے ساتھ اس نے توس پر جیم لگانا شروع کر دیا اور حبہ کا دماغ بالکل الٹ گیا۔

"کل سے دس دفعہ آپ مجھ پر احسان جتا چکے ہیں اگر اتنی تکلیف تھی تو نہیں کرنی تھی مجھ سے شادی۔"

"ناشتا کر لو۔" اس کے کہنے پر ایسا جواب۔ اسے رونا ہی آگیا۔

"نہیں کرنا مجھے۔"

"مرضی ہے تمہاری۔" وہ کہہ کر مزے سے کھانے میں مصروف ہو گیا جبکہ اس کی آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اسے کوستی کتنی بار چور نظروں سے چائے کے کپ اور آملیٹ کو دیکھ چکی تھی۔ جس کی مزے دار خوشبو اس کی بھوک کو مزید بڑھا رہی تھی۔

"خود پر جبر کرنا اچھی بات نہیں۔ کھالو' میں کچھ نہیں کہتا۔" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ مجھے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے اور نہ میں آپ سے ڈرتی ہوں۔"

دراب نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھا۔ "یہ تو وقت بتائے گا۔" وہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گیا جبکہ حبہ کے حواس مختل ہونے لگے۔

"اس بات سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" وہ اپنے سابقہ لہجے میں بات کرنا چاہ رہی تھی' لیکن چاہ کر بھی آواز میں وہ رعب نہیں آسکا۔

"اپنے ننھے سے ذہن پر زیادہ زور نہ دو' ناشتا کرو۔ انکل ہمارا ویٹ کر رہے ہیں۔"

کہہ کر وہ اس بیڈ روم میں چلا گیا جہاں رات کو اس کا بسیرا تھا۔ اس کے جاتے ہی اس نے جلدی جلدی جتنا ہو سکتا تھا۔ اپنے حلق سے نیچے اتارا جب تک وہ واپس آیا' وہ تین توس' ایک آملیٹ اور چائے کا ایک کپ ختم کر چکی تھی۔

"چلیں۔" اس کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی۔

"اپنا حلیہ درست کر کے آؤ۔ انکل تمہیں یوں دیکھیں گے تو انہیں افسوس ہو گا اور انہیں افسوس میں دیکھ کر تمہارا تو پتا نہیں پر مجھے افسوس ضرور ہو گا۔"

وہ ایک ناراض نظر اس کے صاف ستھرے حلیے پر ڈال کر بیڈ روم میں آگئی۔

"یہ آدمی جب تک بولتا نہیں تھا تب تک کتنا ٹھیک تھا۔ اب جب بھی منہ کھولتا ہے۔ آگ اگلتا ہے ڈائنا سور کہیں کا۔" وہ بیگ کھول کر کوئی مناسب جوڑا تلاش کرنے لگی اور جوڑے دیکھتے ہوئے جیسے پھر سے آنسوؤں کا ریلا آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ کس کے نام پر بنے تھے اور کس کے نام پر پہنے جا رہے تھے۔

"بیس منٹ ہو گئے ہیں جلدی کرو' مجھے اور بھی کام ہیں۔"

وہ باہر سے ہی چیخا تھا تو اس کے ہاتھوں میں تیزی سی آگئی۔ اس نے بلیو کلر کا سوٹ جس کے گلے پر ہلکے سلور کلر کا کام تھا نکالا۔ آئینے میں بال بناتے ہوئے اس نے بغور اپنا چہرہ دیکھا۔ وہ حبہ تو کہیں نہیں تھی جس کی چمک ماند نہیں پڑتی تھی۔ یہ تو کوئی اداس' بے رنگ' مایوس حبہ تھی۔ اس نے چہرے سے نظر ہٹا کر جلدی سے بالوں میں برش کیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنیں اور لپ اسٹک بھی لگائی۔ پاپا

خوش ہوں گے۔ اس نے نم آنکھوں کو کاجل سے سجاتے ہوئے خود کو سمجھایا جب وہ باہر آئی تو وہ مڑ کر کچھ بولنے والا تھا' شاید ڈانٹنے والا تھا پر اس پر نظر پڑتے ہی خاموش ہو گیا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" کچھ لمحوں کے بعد بولا۔

"پاپا کے لیے کیا ہے۔" حبہ نے جتانا ضروری سمجھا تھا۔

"تو میں نے کب کہا' میرے لیے کیا ہے۔" اس کی گہری نظر بھی ایک لمحے کے لیے تھی۔ سارا راستہ ان کے درمیان خاموشی رہی تھی جب وہ کار پارک کر کے آیا تو وہ اسی کے انتظار میں کھڑی تھی۔

"یقیناً" یہ دکھاوا بھی پاپا کے لیے ہو گا۔" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔ وہ اب کی بار بولی نہیں۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"حبہ!" بیڈ سے ٹیک لگائے منظور صاحب کی آنکھوں کے ساتھ جیسے چہرہ بھی روشن ہو گیا تھا۔ "کیسی ہے میری بیٹی؟" وہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"اچھی ہوں پاپا۔" وہ جھکی نظروں اور مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ بولی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اب کے اس نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"میں تو بہت بہتر ہوں۔ اب تو لگتا ہے' بہت جلدی ٹھیک ہو جاؤں گا۔" اور وہ انہیں واقعی پہلے سے بہتر لگے تھے۔

"اور دراب تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔" انہوں نے پیچھے کھڑے دراب کو دیکھ کر کہا۔ تو ان کے بیڈ کے قریب آگیا۔

"اچھا انکل! اب میں چلتا ہوں۔ کام ہے۔ شام میں چکر لگاتا ہوں۔" کچھ دیر بعد اس نے اجازت چاہی تھی۔

"ہاں ہاں بیٹا! جاؤ۔ تمہارے کام کا حرج ہو رہا ہو گا۔ میری وجہ سے پہلے ہی تمہیں بہت مشکل ہوئی ہے۔"

"انکل! بیٹا کہہ کر بھی ایسی باتیں کرتے ہیں۔" وہ مسکرایا تو انہوں نے اشارے سے اسے جھکنے کو کہا۔ اس کے جھکنے پر انہوں نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

"سدا خوش رہو' کامیابی تمہارے قدم چومے۔" وہ مسکرا کر سیدھا ہوا اور ایک نظر اسے دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اگر ضرورت ہو تو کال کر لینا۔" وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

منظور صاحب کب سے اسے دیکھ رہے تھے جو وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھی۔

"حبہ!"

"جی پاپا!" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"شام ہونے والی ہے' دراب کو فون کرنا تھا۔ تمہیں لے جائے۔"

"شام ہو گئی۔" وہ بے خیالی میں گھڑی کو دیکھنے لگی۔

"ادھر آؤ حبہ! میرے پاس۔" وہ اٹھ کر ان کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے جب سے آئی ہو' دیکھ رہا ہوں۔ چپ چپ ہو۔"

"نہیں تو پاپا! بس آپ کی طبیعت کی وجہ سے پریشان ہوں۔ پہلے آپ کے پاس تھی تو تسلی تھی۔ اب وہاں بھی مجھے آپ کا خیال رہتا ہے۔"

"اب تو میں پہلے سے بہتر ہوں۔ بات کو ٹالو نہیں۔ مجھے ٹھیک بتاؤ۔ تم خوش نہیں ہو کیا؟ دراب نے کچھ کہا ہے؟" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں جانتا ہوں' دراب کوئی دل دکھانے والی بات نہیں کر سکتا۔"

"پاپا آپ ایک اجنبی پر اتنا بھروسا کیسے کر سکتے ہیں اتنا کہ اپنی بیٹی ہی اسے دے دی' یہ جانتے ہوئے کہ لائف پارٹنر کے لیے میری سوچ کیا تھی۔ آپ نے بہت زیادتی کی میرے ساتھ۔" اب کی بار وہ اپنے آنسو نہیں روک سکی۔

"حبہ!" اس کے آنسو دیکھ کر وہ افسردہ ہوئے۔ "قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ تم خود دیکھو۔ حالات کیا ہوئے اور کیسے یہ رشتہ جڑا اگر اس مشکل وقت میں دراب ہماری مدد نہ کرتا تو سوچو۔ حالات کتنے بھیانک ہوتے۔"

"انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے پاپا! ٹھیک ہے اس نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ مجھے اس کے نکاح میں ہی دے دیتے۔"

"تم پریشان نہ ہو حبہ! وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

"کیسے پاپا! اس کے پاس کچھ نہیں۔"

"خوشی دولت کی محتاج نہیں ہوتی' بس محبت اور سکون ہونا چاہیے۔ سب بن جاتا ہے اور مل جاتا ہے۔" اس کو ان سے اتفاق نہیں تھا پر بحث کا فائدہ بھی نہیں تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر آنکھیں کھولیں تو پہلے تو اسے سامنے

کھڑا وجود الوژن لگا' لیکن اس کی خود پر جمی سرد نظریں اس کے ہونے کا احساس دلا گئی تھیں۔ وہ نظریں چرائی ہوئی سیدھی ہوئی۔ منظور صاحب نے بھی تب ہی اسے دیکھا۔

"دراب آؤ بیٹا! کب آئے۔ میں نے دیکھا ہی نہیں۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے انکل! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وہ منظور صاحب سے حسب معمول ملا تھا لگ نہیں رہا تھا اس نے کچھ سنا ہے' لیکن وہ دونوں باپ بیٹی اپنی جگہ خود کو چور محسوس کر رہے تھے۔

"اچھا انکل! آپ آرام کریں میں چلتا ہوں۔" اس کے یوں کہنے پر منظور صاحب نے گھبرا کر حبہ کو دیکھا۔

"حبہ! جاؤ تم بھی۔" انہیں لگا وہ حبہ کو چھوڑ جائے گا۔

"انکل! آپ اکیلے ہیں۔"

"نہیں بیٹا! سارا اسٹاف ہے اور پھر تھوڑی دیر میں حمید اللہ بھی آجائے گا۔ تم حبہ کو لے جاؤ اور روز روز بھی آنے کی ضرورت نہیں' جب تمہیں ٹائم ملے۔ تب حبہ کو لے آنا میں اب بہتر ہوں۔"

حبہ نے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا۔ اس کا باپ ڈر گیا تھا' کتنے مجبور ہو جاتے ہیں باپ بیٹیوں کی قسمتوں کے آگے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا موڈ ٹھیک نہیں۔ آخر وہ بول ہی پڑا۔

"کافی میٹریلسٹک ہو تم۔"

"کیا مطلب؟" حبہ نے باہر کے نظاروں سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"تمہارے نزدیک اچھی زندگی صرف روپیہ پیسہ ہے۔ اچھا انسان اچھا کردار اچھی سوچ ان کی کوئی حیثیت نہیں تمہارے نزدیک۔"

حبہ نے دبی دبی سانس خارج کی تو وہ سن چکا تھا۔

"اچھی زندگی گزارنے اور اسے حاصل کرنے کی چاہ کرنے کا ہر انسان کو حق ہے اور میرے نزدیک دولت ہی سب کچھ ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر تمہیں ندیم قریشی سے شادی کر لینی چاہیے تھی' اس کے پاس تمہاری مطلوبہ ہر چیز تھی' محبت اور شرافت کے سوا۔" حبہ کو اس سے اس جواب کی امید نہیں تھی۔ اس لیے کتنی دیر تک لاجواب ہو کر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"آپ ایک بدزبان اور بددماغ انسان ہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی تو وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"اور میرے خیال میں تم انتہائی بدتمیز خود پسند لڑکی ہو جس کو میں میں کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا حالانکہ اب جس سے' جیسے بھی تمہاری شادی ہوئی' تمہیں مان لینا چاہیے کہ یہ تمہاری قسمت ہے۔"

"نہت بری قسمت۔" وہ زہر خند انداز میں بولی۔

"چلو یہی سہی۔ سمجھ لو کہ تم بدقسمت ہو۔" آگے وہ کون سا کم تھا۔

یہ ان کی شادی کے دوسرے دن کی رومانٹک گفتگو تھی۔ دونوں نے باقی راستہ ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔ لفٹ سے فلیٹ تک کا سفر اس نے بڑے ضبط سے طے کیا تھا' اندر داخل ہوتے ہی وہ بیڈ روم میں جا کر بیڈ پر اوندھے منہ گر کر کھل کر روئی تھی۔ یہ ہمیشہ چپ رہنے' مسکرانے والا بندہ اتنی کڑوی باتیں بھی کر سکتا ہے۔ اسے اندازہ تک نہیں تھا۔ دروازے پر لگاتار دستک ہو رہی تھی اس کے سوا کون ہو سکتا تھا پر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

دراب اب جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے ہینڈل گھمایا۔ سامنے کا منظر اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"حبہ!" اس نے بیڈ کے قریب جا کر اسے آواز دی تو ہچکیاں لیتے وجود میں مزید تیزی آگئی تھی۔ دراب نے گہرا سانس لیا۔

"اٹھو کھانا کھاؤ' دیکھو اب اگر تم نہ اٹھیں تو مجبوراً مجھے تمہیں اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔" وہ ہلی تک نہیں تو دراب نے اس کا بازو تھاما ہی تھا کہ وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی اس کا چہرہ دیکھ کر دراب نے بے ساختہ ہونٹ بھینچ لیے۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم نے رو رو کر اپنا یہ حال کر لیا ہے۔" حبہ نے غصے اور ناراضی سے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"ابھی کچھ باقی رہ گیا ہے۔ مجھے آج تک کبھی کسی نے اتنا نہیں ڈانٹا اور آپ نے تو میری اتنی انسلٹ کی ہے۔ مجھے بددماغ' بدتمیز' دولت کی بھوکی اور پتا نہیں کیا کیا کہا ہے۔"

اس کے شکوے پر دراب نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں پر آنے سے روکا تھا۔

"اور جو تم نے مجھے اتنا کچھ کہا۔ میرا اسٹینڈرڈ نہیں۔ میں تمہارا آئیڈیل نہیں۔ میں تمہاری بری قسمت ہوں۔ ایسا

کہہ کر تم مجھے پھولوں کے ہار پہنا رہی تھیں۔"
اب کی بار وہ بولنے کے بجائے تیزی سے پلکیں جھپکنے لگی۔

"میں جیسا ہوں' مجھے پتا ہے اور میں مطمئن ہوں۔ مجھے برا یہ لگا کہ تم انکل کو پریشان کررہی تھیں۔ دیکھا نہیں وہ کتنے بستر لگ رہے تھے اور تمہارے رونے سے وہ پریشان ہو گئے تھے۔"

وہ میرے پاپا ہیں میں ان سے نہ کہوں تو کس سے کہوں اور کون ہے میرا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

دراب نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا "دیکھو حبہ! یہ بات میں پہلے بھی تمہیں کلیئر کرچکا ہوں۔ آج آخری بار پھر بتا رہا ہوں' تم پابند نہیں ہو۔ تم جیسا آئیڈیل' دولت والا واٹ ایور جیسا بھی چاہتی ہو جب بھی تمہیں لگے۔ تمہیں مل گیا ہے۔ تم جاسکتی ہو۔ میں کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔ تم جانتی ہو' میں نے یہ نکاح انکل اور تمہارے کہنے پر کیا۔ تم جب چاہو' اپنا راستہ الگ کرسکتی ہو۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا اور اگر اس سے پہلے میں اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہوں تو یقیناً" تمہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہم یہاں اچھے دوستوں کی طرح رہیں گے' بے شک باہر ہمیں لوگوں کے سامنے ہسبنڈ وائف کی طرح ایکٹ کرنا پڑے۔"

حبہ بہت دھیان سے اسے دیکھ اور سن رہی تھی' اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت اچھا بولتا ہے اور بہت اچھا دکھتا ہے۔ کچھ دیر پہلے والی رائے یکسر ذہن کی سلیٹ سے غائب ہو گئی تھی۔

"اور اگر تمہیں لگے ہم اچھے دوست ہیں تو مجھ سے باتیں شیئر کرسکتی ہو۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ حبہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی ہائیٹ بھی زبردست تھی۔

"چلو اب کھانا کھالو میں نے خود بنایا ہے حالانکہ سوچا تھا' تمہارے آنے سے کم از کم کھانا تو پکا پکایا ملے گا۔"

"مجھ سے کھانا نہیں بنتا۔ کوئی میڈ رکھ لیں۔ پاپا کے گھر تو عظمیٰ کھانا بنانے آتی تھی۔" وہ بے خیالی میں روانی سے بولی۔

"میری آمدنی اتنی نہیں ہے نوکر افورڈ نہیں کرسکتا۔"

دراب نے پھر وہی باتیں شروع کردی تھیں جو اس کا موڈ خراب کرجاتی تھیں پر آج اسے اتنا برا نہیں لگا تھا۔ دراب اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

"میں جاب کرسکتی ہوں۔ آپ کی ہیلپ ہو جائے گی۔ ویسے بھی ہماری وجہ سے آپ پر کافی بوجھ بڑھ گیا ہے۔"

"تم میرے لیے بوجھ نہیں ہو۔" دراب نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ کتنی دیر تک اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔

کھانا کھانے کے بعد وہ سستی سے جا کر کاؤچ پر لیٹ گئی اور ٹی وی آن کرلیا۔ جبکہ دراب برتن اٹھا کر نہ صرف رکھ آیا بلکہ دھو بھی آیا۔ جب واپس آیا تو وہ سو رہی تھی' ایک ہاتھ سینے پر رکھے اور دوسرا ہاتھ فرش پر گرا تھا۔ دراب نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر چلتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا۔ زیادہ رونے سے چہرے کا رنگ گلابی ہو گیا تھا۔ گورا اور گلابی رنگ مل کر عجیب بہار دکھا رہے تھے' پردہ سر جھٹک کر مسکرا دیا۔ اور اس کا دوسرا ہاتھ بھی اٹھا کر سینے پر رکھ دیا۔ لائٹ آف کرکے نائٹ بلب جلا کر وہ بیڈ روم میں آگیا۔ اسے خود شدید نیند آرہی تھی۔ اور کل اسے کام پر بھی جلدی جانا تھا۔

صبح وہ تیار ہو کر باہر آیا تو وہ بھی اٹھ چکی تھی۔

"سوری۔ تم سو گئی تھیں۔ میں نے تمہیں جگایا نہیں۔" وہ شرٹ کی آستین فولڈ کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں میں یہاں آرام سے تھی۔ آپ کو یہاں پریشانی ہوتی ہوگی' آپ بیڈ پر سویا کریں۔ میں یہاں ٹھیک ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بڑے مصروف اور ماہرانہ انداز میں آملیٹ کے لیے پیاز' مرچیں اور ٹماٹر کاٹ رہا تھا۔ دوسرے چولہے پر اس نے چائے کا پانی رکھا تھا۔

"لائیں میں بنادوں۔" بے انتہا شرمندہ ہوتے ہوئے حبہ نے اس کے پیچھے آکر کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں' ویسے بھی میں اپنا ہر کام خود کرنے کا عادی ہوں۔" آملیٹ کی خوشبو پورے کچن میں پھیل گئی تھی۔ توس بھی وہ سینک چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سب چیزیں ٹرے میں رکھ کر ٹیبل سجاتا۔ وہ جلدی سے سب چیزیں لے کر ٹیبل پر رکھ آئی۔ دراب نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کندھے اچکا کر فریج سے مکھن نکال کر لایا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور اس کو دیکھنے لگا جو خاموش کھڑی تھی۔

"کیا ہوا۔ ناشتا نہیں کرنا؟" وہ اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ "موتا" بھی نہ نہیں کرسکی کیونکہ اسے سخت بھوک لگی تھی۔ وہ بڑا جھجک کر کھا رہی تھی جبکہ اس کے برعکس وہ بڑی تیزی سے ناشتا ختم کررہا تھا۔ تب ہی ٹیبل پر

رکھے اس کے موبائل کی بپ بج اٹھی' اس نے اسی مصروف انداز میں اسکرین پر نظر ڈالی اور جلدی سے ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے فون آن کیا۔

"ہاں۔ بس نکل رہا تھا۔ تم بتاؤ پہلے کہاں جانا ہے۔ پولیس اسٹیشن یا کورٹ؟" اور منہ کی طرف جاتا توس اس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔ جو اب فون لے کر کمرے میں چلا گیا تھا۔

"کورٹ' پولیس اسٹیشن کیا یہ کوئی کریمنل ہے۔" توس اس نے واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔ وہ تیزی سے باہر آیا۔

"تم خود چلی جانا۔ میں آج شاید شام کو نہ آسکوں۔ انکل کو فون کردوں گا۔"

"آپ کہاں جارہے ہیں؟" یہ سوال بڑا بے ساختہ تھا اور اسی بے ساختہ انداز میں وہ مڑا تھا۔

"کیوں خیریت؟" وہ پورے کا پورا اس کی طرف مڑا' کیونکہ تین ہفتوں میں شاید پہلی بار اس نے اس سے متعلق کوئی سوال کیا تھا۔

"آپ پولیس اسٹیشن کا کہہ رہے تھے نا۔ کیوں جانا ہے؟" دراب نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو مشکوک انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"دراصل میں اسٹریٹ کرائم میں ملوث ہوں۔ ایک مرڈر کرچکا ہوں تو پولیس اسٹیشن آنا جانا رہتا ہوں۔" حبہ کے چہرے کا رنگ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔

"آپ مذاق کررہے ہیں۔"

"تو مذاق والی کیا بات ہے' یہ نہیں کروں گا تو ضرورتیں کیسے پوری کروں گا۔" وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ حبہ کو اس پر سچ کا گمان ہو رہا تھا۔ دراب کا ارادہ اسے مزید تنگ کرنے کا تھا لیکن اس کی حالت ایسی تھی کہ مزید پانچ منٹوں میں وہ بے ہوش ہو سکتی تھی' وہ چلتا ہوا اس کے قریب گیا اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔

"یہ صرف ایک مذاق تھا' ندیم قریشی کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔ اس سلسلے میں اکثر پولیس اسٹیشن جانا پڑتا ہے۔ میں شریف آدمی ہوں۔ یقین رکھو۔"

"ہوں!" اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارے۔

"تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے نا؟" دراب سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"ایسی بات نہیں۔ میں ڈر گئی تھی۔ پولیس اسٹیشن بھی آپ کو میری وجہ سے جانا پڑ رہا ہے۔"

"نیور مائنڈ۔ چلتا ہوں۔"

"کب آئیں گے؟" دوسرا سوال بھی بے ساختگی میں ہوا تھا۔

"خیریت ہے نا؟" وہ اب کرسی گھسیٹ کر بالکل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"وہ میں سوچ رہی تھی' رات کو کیا پکاؤں۔"

"یہ آج اتنی نوازش کیوں ہو رہی ہے مجھ پر۔ پہلے ناشتا اور اب کھانے کی آفر خیریت؟" حبہ جس جذبے کے زیر اثر تھی اس سے نکلنا چاہتی تھی اسی لیے ناراضی سے بولی۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے پاپا نے کہا ہے کہ آپ کا خیال رکھوں۔" اس کے انداز پر وہ بے ساختہ انداز میں دل کھول کر ہنسا حبہ نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"لطیفہ سنایا ہے جو اتنے دانت نکل رہے ہیں۔"

"یہ کیا لطیفے سے کم ہے کہ تم کسی کا خیال رکھنے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟" اب کے اسے واقعی بہت غصہ آیا تھا۔

"مطلب یہ کہ میں نے تمہیں ہمیشہ دوسروں سے خود کا خیال رکھواتے دیکھا ہے اور حیرت اس بات پر ہوئی کہ تم انکل کا کہنا بھی مانتی ہو۔"

"آپ پھر میری انسلٹ کررہے ہیں۔" اب کے وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"یہ بھی غلط کہہ رہی ہو۔ یہ حق بھی صرف تمہیں ہی حاصل ہے۔"

"اونہہ!" اب کے وہ پیر پٹختی ہوئی بیڈ روم کے ساتھ بنے اسٹڈی روم میں گھس گئی اور دھماکے کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"اکیلی آئی ہو؟" منظور صاحب نے اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے پاپا! مجھے اکیلے آتے

ہوئے پھر بھی آپ ہر دفعہ یہ سوال پوچھتے ہیں۔"

منظور صاحب ہنس پڑے "لگتا ہے میری بیٹی کا موڈ آف ہے۔" اس نے سر جھکا۔

"نہیں پاپا! ٹھیک ہے موڈ۔ آپ بتائیں۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"تم کو دیکھ لیا تو بالکل ٹھیک ہو گیا۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"ڈاکٹر سے میری اور دراب کی بات ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے اب آپ کو گھر لے کر جاسکتے ہیں۔ دراب بھی کہہ رہے تھے کل آپ کو گھر لے جائیں گے۔" منظور صاحب خاموش ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا پاپا؟" وہ ان کا خاموش ہو جانا محسوس کر گئی تھی۔

"بیٹی کے گھر رہنا اچھا لگتا ہے کیا حبہ؟ اور دراب کے پہلے بھی ہم پر بہت احسان ہیں۔"

حبہ نے گہرا سانس لیا "مجبوری ہے پاپا! اس کے علاوہ ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں' جہاں ہم رہتے ہیں' وہ بھی دراب کے دوست کا فلیٹ ہے۔ وہ کوئی اور گھر ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"کتنی مشکل میں پڑ گیا ہے بچہ۔"

"بچے کی زبان بھی بہت لمبی ہے۔" اس کو باپ کی ہمدردی ذرا نہیں بھا رہی تھی' جب سے وہ دراب سے نارمل بات کرنے لگی تھی تب سے موصوف کچھ زیادہ ہی پھیلنے لگے تھے۔ ابھی تو زبان کے تیر چلاتا تھا۔ آنکھوں سے معائنہ کرتا رہتا تھا۔ اتنا سا فلیٹ تھا کب تک اور کہاں تک چھپ سکتی تھی' اسے تو ڈر تھا' کسی دن اس کے اندر کا مرد شوہر کے روپ میں آکر کھڑا نہ ہو جائے۔

"السلام علیکم!" حمید اللہ کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا اور ان کے ساتھ نادیہ کو دیکھ کر وہ بے ساختہ خوش ہو گئی تھی۔

حبہ نے رشک سے نادیہ کا چمکتا چہرہ دیکھا "کیسی ہو؟"

"تمہارے سامنے ہوں۔" نادیہ مسکرا کر بولی "ابو کی طرف آئی ہوئی تھی۔ ابو آرہے تھے تو میں نے سوچا میں بھی انکل سے مل لوں۔ اس بہانے تم سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"چلو ابو کو انکل سے باتیں کرنے دو۔ ہم دونوں دوستیں اپنی باتیں کرتی ہیں۔" وہ دونوں کیفے ٹیریا میں آگئیں۔

"زندگی بہت بدل گئی ہے نا؟" نادیہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا جو دور درختوں پر نظریں جما کر بیٹھی تھی۔

"ہاں!" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "اتنی بدل گئی ہے کہ عجیب سے عجیب تر ہو گئی ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسے کمپرومائز کروں گی۔ تمہیں پتا ہے نا نادیہ! میں کیا سوچتی تھی۔ کیا سوچ تھی میری لائف پارٹنر کے لیے۔"

"اور تم جانتی ہو نا حبہ! میں کیا کہتی تھی کہ انسان کی سوچ ایک جگہ اور اللہ کا فیصلہ ایک جگہ' کیا وہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہے؟"

نادیہ کے پوچھنے پر اس نے سر نفی میں ہلایا "ایسی بات نہیں۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے لیکن میں اپنی سوچ کا کیا کروں۔ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے جب میں یہ سوچتی ہوں تو رونا آتا ہے' نہ اس کا کوئی گھر ہے اور نہ کوئی امید "کیا فیوچر ہو گا میرا۔" حبہ کو اس کی روہانسی شکل دیکھ کر ترس آیا۔

"حبہ! دنیا میں کچھ ناممکن نہیں اگر آج کچھ نہیں تو کل وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔"

"تم کیسی پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ آج کل لاکھوں کمانے والوں کے گھر نہیں بن پاتے۔ یہ تو پھر چند ہزار کمانے والا ہے پھر سارا دن خوار ہونے کے بعد۔"

"تم اگر اسے ناپسند کرتی تھیں تو منع کر دیتیں۔"

حبہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "کیا اس وقت منع کرنے والے حالات تھے۔ پاپا کی ایک ہی رٹ تھی۔ اس سے شادی کرو۔ پتا نہیں اس نے ان پر کیا جادو کر دیا تھا۔ آخری کوشش کے طور پر تابش کو بلانے کی کوشش کی۔ اس کی ہر کڑوی کسیلی بات برداشت کی جو میرے مزاج کا حصہ بھی نہیں' لیکن وہ شخص جو مجھے بچپن سے جانتا تھا۔ اس نے میرے کردار پر شک کیا۔ یہاں آکر میں ہار گئی۔ میں ہر چیز برداشت کر سکتی ہوں لیکن کردار پر الزام نہیں۔ میں کیسے اور کب تک اسے یقین دلاتی رہتی میں پاک ہوں۔"

"تو دراب مان گیا تھا؟" نادیہ کے سوال پر اس نے بے ساختہ انداز میں اپنے ہاتھوں سے دونوں آنکھوں کو رگڑا۔

"تم یقین نہیں کرو گی نادیہ! ایک سوال' ایک شکی نظر' کچھ بھی نہیں کہا یہاں تک کہ میری عزت اور جان بچانے والا وہ تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مجھ سے شادی کرنے سے انکاری تھا۔"

"کیوں؟" نادیہ حیران ہوئی۔

"کیونکہ میں نے اس کی بہت انسلٹ کی تھی۔ اس کی

غریبی کا مذاق اڑایا تھا۔ ظاہر ہے نادیہ! وہ بھی انسان ہے کوئی بھی انسان اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا لیکن صرف پاپا کے کہنے پر وہ مان گیا۔"

"ایک بات کہوں حبہ! ٹھنڈے دماغ سے سنو اور پھر سوچو۔ دراب نے ایک اجنبی ہو کر وہ کیا جو کوئی اپنا نہیں کرتا۔ اس نے ہر مصیبت وقت میں تمہارا اور انکل کا ساتھ دیا۔ ابو بھی اس کی ہر وقت تعریف کرتے ہیں اور تم غور سے دیکھنا۔ وہ ہینڈسم بھی بہت ہے۔ تابش سے بہت زیادہ اور اس کی گفتگو دیکھ لو' کہیں سے لگتا ہے۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ کسی کے منہ پر تو نہیں لکھا ہوتا اور میری مثال لے لو۔ میں کہتی تھی میں خوش نہیں رہوں گی لیکن دیکھو' میں کتنی خوش ہوں۔ قاسم کے سوا مجھے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ نکاح کے بولوں میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ یہ دو اجنبیوں کو اتنے قریب لے آتے ہیں کہ اس سے مضبوط رشتہ اور کوئی نہیں رہتا۔ محبت ہو تو دولت اسٹینڈرڈ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اتفاق' محبت ہونی چاہیے باقی چیزیں قسمت میں ہوں تو خود بخود مل جاتی ہیں۔" وہ کچھ نہیں بولی خاموشی سے کپ کی سطح پر انگلی پھیرتی رہی۔

"کیا دراب نے کبھی تم سے پیار نہیں کیا؟" حبہ نے چونک کر اسے دیکھا "میرا مطلب ہے وہ تمہارا شوہر ہے۔"

نادیہ نے بات ادھوری چھوڑ دی لیکن حبہ سمجھ گئی اور کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود اس کا چہرا ایک لخت دہکنے لگا تھا۔ نادیہ بے ساختہ مسکرائی۔

"اگر انکل نے یوں ہی کرنا ہوتا تو ندیم قریشی بھی تھا۔" پر نادیہ کبھی کبھی وہ بڑا مشکوک لگتا ہے یوں کوئی بغیر وجہ تو نہیں کرتا اتنا کچھ حالانکہ میں اسے بتا چکی ہوں' میں اسے پسند نہیں کرتی اور وہ بھی مجھے کہہ چکا ہے میں اسے پسند نہیں۔ ایک کمپرومائز ہے جو ہم پاپا کے لیے نبھا رہے ہیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے اجنبی ہیں۔ ہم نارمل بات چیت کر لیتے ہیں۔"

نادیہ نے جیسے افسوس سے سر تھام لیا۔ "ایسے کیسے زندگی گزرے گی حبہ! شادی ایک بار ہوتی ہے جب ہو ہی گئی ہے تو اسے نبھانے کی کوشش کرو' تم مقابلہ لگا کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔ اس کے احسانوں کا یہ بدلہ دے رہی ہو؟"

"تابش آیا تھا میرے پاس۔" نادیہ نے دھیرے سے کہا۔"

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"لیکن میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ اب جو بھی ہے جیسا بھی ہے بس وہ میری زندگی کا حصہ نہیں۔" اس کے انداز پر نادیہ خاموش ہو گئی اور اسے بتایا ہی نہیں کہ وہ تابش کو اس کے گھر کا ایڈریس دے چکی ہے۔ حبہ پاپا کے پاس آئی تھی۔

"اوکے پاپا! چلتی ہوں اپنا خیال رکھیے گا۔ میں صبح جلدی آجاؤں گی۔"

"اللہ تمہیں خوش اور آباد رکھے" اس کا منہ چومنے کے بعد کتنی دیر اسے سینے سے لگائے رکھا۔

"ہم آپ کو گھر لے جائیں گے۔" وہ ان سے الگ ہو کر گیلی آنکھوں کے ساتھ بولی۔

"ہاں اب گھر کو دل کرتا ہے۔ دراب نہیں آئے گا تمہیں لینے۔"

"پاپا! آج انہیں ضروری کام سے جانا تھا۔" وہ یہ بات چھپا گئی کہ آج اسے پولیس اسٹیشن جانا تھا۔ وہ بھی ہماری وجہ سے ورنہ اسے احسان مندی پر ایک اور طویل لیکچر ملتا۔

"حبہ!" وہ مڑنے لگی جب انہوں نے اسے دوبارہ پکارا۔

"جی پاپا!" وہ دوبارہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"تم خوش ہو نا؟" وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"جی!" وہ سر جھکا کر ایک لفظ بولی۔

"مجھ سے ناراض تو نہیں کہ میں نے تمہیں مجبور کیا اس شادی کے لیے۔ میں جانتا ہوں۔ یہ سب قبول کرنا تمہارے لیے بہت مشکل تھا۔ لیکن میری مجبوری تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بعد تم اکیلی رہ جاؤ میرے بعد جب اکیلی رہ جاتیں تو تمہیں ندیم قریشی جیسے کئی درندے ملتے تم نہیں لڑ سکتی تھیں اور تابش اگر ذرا بھی بڑے ظرف کا مظاہرہ کرتا تو میں کبھی تمہاری مرضی کے خلاف فیصلہ نہ کرتا۔ جو بات میں نے دراب سے کی تھی وہی بات میں نے تابش سے بھی کی تھی' لیکن میرا مان دراب نے رکھا اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ کر سکتا تھا نا' وہ تو تمہیں جانتا تھا نہ تمہارے ماضی کو۔ جبکہ تابش تو تمہیں بچپن سے جانتا تھا۔"

"میں سمجھتی ہوں پاپا۔"

"تو پھر تم خوش کیوں نہیں لگتیں۔ تمہارے اور دراب کے چہرے پر مجھے وہ رونق کیوں نظر نہیں آتی جو ہونی چاہیے میں دن رات اب تمہارے ساتھ ساتھ خود کو دراب کا بھی مجرم محسوس کرتا ہوں۔ وہ میرا محسن تھا اور میں نے اس کی اچھائی کا فائدہ اٹھالیا۔ اس سے کچھ بھی نہ پوچھا۔ اپنا مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ کیا پتا اس کی کہیں کمنٹمنٹ ہو۔ وہ کسی کو پسند کرتا ہو۔"

"پاپا آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں۔ دراب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ بہت اچھے ہیں۔" اور یہ دو باتیں اس نے واقعی دل سے کہیں تھیں۔

"اور کیا دراب تم سے خوش ہے۔" حبہ کچھ لمحوں کے لیے بول ہی نہیں سکی۔

"یہ بات میں اس کے منہ سے بھی سننا چاہتا ہوں۔ نہیں تو میرے دل پر بوجھ رہے گا۔" وہ سر جھکائے ان کے کمزور ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"اچھا اب تم جاؤ اور دراب سے کہنا، مجھ سے ملے۔"

"جی!" وہ افسردہ دل سے وہاں سے اٹھی تھی۔

پاپا کی باتوں نے اسے پریشان کردیا تھا۔ بمشکل ان کی طبیعت سنبھلی تھی اگر دراب نے ان سے کچھ کہہ دیا تو؟ یہی سوچ کر وہ سارا راستہ پریشان رہی۔ فلیٹ کی ایک چابی اس کے پاس تھی اس نے چابی گھما کر دروازہ کھولا تو اسے جھٹکا لگا۔ سب لائٹس آن تھیں ٹی وی چل رہا تھا "او میرے خدا!" وہ پریشان ہو کر آگے بڑھی اور اسٹینڈ میں سے سب سے بڑا چاقو اٹھا کر باہر نکلی۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ ہاتھ پاؤں بھی ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے صاف پتا چل رہا تھا کہ گھر میں کوئی گھس آیا تھا۔ وہ دبے قدموں سے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ الماری کے دونوں پٹ کھلے تھے۔

"او میرے اللہ!" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"چور آیا تھا۔" پہلا خیال یہی اس کے ذہن میں آیا۔ باتھ روم کے دروازے کے قریب ہل چل محسوس ہوئی تھی وہ ایک دم دیوار سے جا لگی اور چاقو کو مضبوطی سے تھام لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ حرکت میں آیا لیکن دوسری طرف شاید کوئی اس سے بھی زیادہ الرٹ تھا۔ اس نے نہ صرف اس کا چاقو والا ہاتھ اپنی گرفت میں لیا تھا بلکہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے مضبوطی سے جکڑ لیا۔ یہ سب اتنے اچانک اور تیزی سے ہوا کہ وہ کوئی مزاحمت کیے بغیر ہکا بکا اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پہلی بار اس نے اسے اتنے قریب اور غور سے دیکھا تھا، وہ شاید شاور لے کر نکلا تھا کندھوں پر تولیہ لٹکا تھا۔

"اچھا تو میرے قتل کے لیے یہ طریقہ سوچا گیا ہے۔" اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر اس نے اس کا چاقو والا ہاتھ مزید اونچا کیا۔ وہ کبھی بھی کسی چویشن میں اتنی نروس نہیں ہوئی جتنی اب ہو رہی تھی۔ ایک تو اس کی انتہائی قربت، دوسرا قتل کا الزام، وہ بولنے کی کوشش میں ہکلا کر رہ گئی۔

"نہیں میں تو یہ۔"

"کیا میں تو۔" وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ مزید اس کے چہرے کی طرف جھکا۔

"پلیز آپ مجھے چھوڑیں۔" پتا نہیں اس کی قربت نے اسے اتنا نروس کیوں کردیا تھا کہ وہ بات نہیں کر پارہی تھی۔

"نہیں۔ پہلے جواب دو۔ کیا پتا، میں تمہیں چھوڑوں اور تم چاقو سیدھا میرے پیٹ میں گھسا دو۔" وہ اس کے سینے پر ہاتھ مار کر اسے دھکیلنا بھی نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ شرٹ کے بغیر تھا اسے کچھ اور سمجھ نہیں آیا تو اس نے رونا شروع کردیا۔ دراب کی مسکراہٹ سکڑ گئی اور ہونٹ بھینچ گئے تھے اس نے اس کی کمر کے گرد سے بازو ہٹانے کے ساتھ اس کا بازو بھی چھوڑ دیا تھا۔

"سوری۔ میں مذاق کر رہا تھا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا بیڈ روم میں چلا گیا اور اس کے یوں چھوڑ کر جانے پر نا جانے کیوں اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ چند منٹوں بعد جب وہ واپس آیا تو ٹی شرٹ کے ساتھ بال بھی سیٹ ہوچکے تھے، وہ ابھی تک وہی کھڑی تھی۔ وہ ایک نظر اسے دیکھ کر کچن کی طرف مڑ گیا۔

حبہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے چلتی ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی ہوگئی۔

"میں جب گھر آئی تو سب لائٹیں آن تھیں جبکہ میں بند کر کے گئی تھی اور آپ بھی اتنی جلدی نہیں آتے۔ میں سمجھی گھر میں کوئی گھس آیا ہے۔"

"تو تمہیں لگا تم چاقو سے اسے ڈرا لوگی۔" وہ شرارتی انداز میں بولتا ہوا اس کی طرف مڑا اور چائے کا مگ اس کی طرف بڑھایا "تم روئی کیوں تھیں۔" وہ کپ تھامے پوچھ رہا تھا اور اس کا جواب تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"بولو۔" اس نے اب بھی کپ کا سرا نہیں چھوڑا تھا۔

"میں ڈرتی تھی۔" حبہ کی نظریں بے ساختہ اٹھی تھیں اور اس کا یوں دیکھنا اس کے سوال کا جواب دے گیا تھا۔ اس نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کپ چھوڑ دیا اور کاؤچ پر بیٹھ کر ٹی وی آن کرلیا اور وہ کتنی دیر یونہی کھڑی رہی۔

"آجاؤ حبہ! ڈرنا تو مجھے تم سے چاہیے اور ڈر تم رہی ہو۔" اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو اتنی دیر میں وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ مگ لے کر اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"پاپا آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"میں انکل سے مل کر ہی آیا ہوں۔" وہ بھی ٹی وی پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔ فون رنگ پر اس نے موبائل اٹھایا اور اٹھ کر بیڈ روم میں چلا گیا کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو کہیں باہر جانے کے لیے تیار تھا۔

"گھر میں کھانا پکا ہے پھر بھی اگر کچھ اور منگوانا ہے تو بتادو۔" وہ گھڑی کی چین بند کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔"

"ہوں!" اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جانے کیوں اس کے چہرے مسکراہٹ دوڑ گئی "مجھے آنے میں دیر ہوجائے گی' فکر کرنے کی ضرورت نہیں' یہاں باہر گارڈز ہیں۔ کوئی یونہی اندر نہیں آسکتا۔ تم کھانا کھا کر سوجانا میں لیٹ آؤں گا۔"

"کتنا لیٹ۔؟" وہ دروازہ کھولتے ہوئے رکا۔

"تم کہو تو نہیں جاتا۔" بات ایسی تو نہیں تھی پر ایک سنسنی سی اس کے سارے وجود میں دوڑ گئی۔

"آپ جائیں۔"

"مجھے پتا تھا۔ تم مجھے نہیں روکو گی۔" دراب کی مسکراہٹ گہری تھی۔

"اوکے اللہ حافظ!" وہ دروازہ بند کرکے نکل گیا۔

وہ کتنی دیر تک بے مقصد ٹی وی دیکھتی رہی یہاں تک کہ آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ ایک دفعہ تو اس نے سوچا فون کرکے پوچھ لے لیکن پھر خود ہی اس خیال کو جھٹک دیا اور کشن صوفے پر رکھ کر لیٹ گئی۔ اتنی رات کو وہ کہاں اور کس کے ساتھ ہوگا' یہ آخری خیال تھا اس کے بعد اس کی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔ آنکھ تب کھلی جب دراب اس کو آواز دینے کے ساتھ کندھے سے بھی ہلا رہا تھا۔ وہ گھبرا کر تیزی سے اٹھی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم منہ ہاتھ دھولو' ہمیں جانا ہے۔" وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ اب بھی نیند میں تھی۔

"بتاتا ہوں' تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔" وہ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں الٹا سیدھا برش کرکے باہر آگئی۔ دراب نے اس کے کپڑوں کو دیکھ کر ٹوکنا چاہا۔ لیکن پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ اور وہ بھی تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے آئی تھی۔ نیچے اس کا دوست فیروز گاڑی میں ان کا منتظر تھا' وہ منہ بند کیے مسلسل ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو بے حد سنجیدہ تھے۔

"آپ مجھے کچھ بتائیں گے ہم کہاں جارہے ہیں۔"

"ہم اسپتال جارہے ہیں۔" آخر دراب کو کہنا پڑا اور وہ جو پہلے ہی کچھ عجیب سے احساس سے دوچار تھی' اس کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔

دراب نے مڑ کر اسے دیکھا "پریشانی والی بات نہیں انکل کی طبیعت کچھ خراب ہے تو اسپتال سے فون آیا ہے۔" اب کے وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسپتال آنے پر وہ یونہی گم صم گاڑی سے اتری تھی۔

حمید اللہ انکل وہاں پہلے سے موجود تھے۔ دراب اور فیروز تیزی سے ان کی طرف بڑھے تھے۔

"ان کو اچانک انٹرنل بلیڈنگ شروع ہوگئی ہے اور بہت کوشش سے بھی بند نہیں ہورہی۔ ہم کوشش کررہے ہیں لیکن امید کم ہے۔" ڈاکٹر نے باہر آکر بتایا تھا۔ دراب اور حمید اللہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس کی شکل دیکھ کر اسے اندازہ ہوگیا وہ سب سن چکی ہے وہ اس وقت اسے جھوٹی تسلی دینے کی ہمت نہیں کر پارہا تھا وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

صبح سے دوپہر ہوچکی تھی وہ یونہی گم صم بینچ پر بیٹھی تھی۔

"حبہ! تھوڑا سا جوس پی لو۔" دراب اس کے پاس آیا تھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"دل یہاں کسی کا دل نہیں چاہ رہا۔ لیکن چلنے اور کام کرنے کے لیے کچھ کھانا ضروری ہے۔ انکل ٹھیک ہوجائیں گے۔ تم شاباش ہمت کرو۔"

اس نے کہہ کر جوس کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا تین گھونٹ لینے کے بعد اس نے گلاس ہٹا دیا تھا۔ اس نے ٹرے رکھ کر بینچ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ حبہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ نے کچھ کھایا؟"

"ہوں۔" اس نے یونہی آنکھیں بند کیے جواب دیا لیکن اس کے چہرے کی تھکن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے بھی کچھ نہیں کھایا۔

"آپ پاپا سے ملے تھے۔ انہوں نے آپ سے کچھ کہا تھا؟" دراب نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"وہ بہت خوش تھے میں نے ان سے کہا تھا' میں انہیں کل گھر لے چلوں گا اور بس یہی کہا تمہارا بہت خیال رکھوں۔"

"تو آپ نے کیا کہا؟" وہ ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ دراب نے گہرا سانس لیا۔

"یہی کہ میں نے حبہ کی ذمہ داری لی ہے تو اسے ضرور نبھاؤں گا۔ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" حبہ خاموش ہو گئی۔

وہ دونوں ہی کتنی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر دوبارہ حبہ ہی بولی تھی "پاپا ٹھیک ہو جائیں گے نا۔"

دراب نے اس پر سے نظریں ہٹالیں "ڈاکٹر کوشش کر رہے ہیں۔"

"اور اگر وہ ٹھیک نہ ہوئے تو۔" اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ دراب نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

اس نے ڈاکٹر نرس کو بھاگتے دیکھا وہ دونوں گھبرا کر ICU کی طرف بڑھے۔ منظور صاحب کی ساری چادر خون سے بھری تھی "راستہ دیں۔" نرس کے ساتھ تین ڈاکٹرز اور اندر داخل ہوئے تھے۔ ڈاکٹر کے باہر آتے ہی سب کی نظریں ڈاکٹر پر ٹھہر گئیں" آئی ایم سوری۔" ڈاکٹر کے تین لفظ ان کو بتانے کے لیے کافی تھے کہ کیا ہو گیا ہے۔

دراب کی نظریں حبہ کی طرف اٹھی تھیں جسے سکتہ ہو گیا تھا۔ سب رو رہے تھے سوائے اس کے' سب سے پہلے نادیہ نے اسے گلے لگایا اور ساتھ لگتے ہی وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ حمید انکل کے گھر تھی۔ بس وہ اور خالہ کی فیملی رہ گئی تھی۔ دراب نے صبح سے اس کا چہرہ نہیں دیکھا اور پتا نہیں کیوں اسے لگتا تھا کہ وہ اس کو ٹوٹا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔

"دراب بھائی!"

"ہوں۔" نادیہ کے پکارنے پر اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو کھولا۔

"آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں۔"

"نہیں۔"

"آپ تھوڑا آرام کرلیتے۔ کل رات سے جاگ رہے ہیں۔" نادیہ کو اس کی لال آنکھیں مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر ترس آیا تھا۔

"ہوں' حبہ ٹھیک ہے؟"

"نہیں' نہ کچھ کھاتی ہے اور نہ روتی ہے۔ آپ مل لیں ایک بار اس کو۔ بولی تو نہیں پر مجھے لگتا ہے' وہ آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔"

دراب نے گہرا سانس لیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ کمرے میں آیا تو اس کے ارد گرد اس کی خالہ' اس کی کزن اور نادیہ کی بہنیں تھیں اور دوسرے کونے میں تابش اور حمید اللہ انکل کھڑے تھے سب آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے جبکہ وہ ایک ٹک چھت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر داخل ہونے پر سب سے پہلے حمید اللہ انکل نے دیکھا تھا۔

"آؤ دراب۔" چھت کی طرف دیکھتی اس کی نظریں بے ساختہ دروازے کی طرف گئی تھیں' وہ بس اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ پہلے اس کی آنکھیں نم ہوئیں اور پھر ان سے آنسو قطرہ قطرہ گرنے لگے۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ دراب کی طرف بڑھایا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور بہت آہستگی سے اس کے گالوں پر گرتے آنسو صاف کیے بس اتنا احساس اور وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی تھی۔ غیروں کی بھیڑ میں بس وہی ایک اپنا لگا تھا۔ وہ کیوں بھول گئی وہ اکیلی' بے سہارا نہیں۔ پاپا اس کو مضبوط ہاتھوں میں سونپ کر گئے ہیں۔ تابش نے ایک ناگوار نظر دونوں پر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

دو ماہ گزر گئے تھے' لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کل کی بات ہو' کتنی حیرت کی بات ہے نا اس سے پہلے کبھی اس نے دراب کی پروا نہیں کی تھی۔ دھیان تو اب بھی نہیں رکھتی تھی

وہ ہی اس کی پروا کرتا تھا' لیکن اب اسے اس کا انتظار رہتا تھا۔ ان کے درمیان جو نوک جھونک رہتی تھی۔ وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ عجیب سی خاموشی تھی' ایسی خاموشی جو ہولا دیتی تھی ہر پل یہ خوف کہ ابھی وہ اس سے کہے گا کہ وہ جو کمٹمنٹ تھی۔ وہ تو ختم ہوئی اب تم آزاد ہو تو کیا وہ آزادی سے ڈرتی تھی۔ وہ تو اس لیے اس کا سامنا نہیں کرتی تھی تو وہ کیوں اس سے کترا رہا تھا۔ کیا وہ اس سے کہنے میں ہچکچا رہا تھا۔ ہاں اس میں موت بھی تو بہت تھی۔ اس نے گہرا سانس لے کر سوچا۔

"السلام علیکم!" وہ اپنے خیالوں میں اتنی مگن تھی کہ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی ہی نہیں۔

"کیا ہو رہا تھا؟"

"کچھ نہیں۔ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔" اس کے کہنے پر اس نے اسکرین کی طرف دیکھا جہاں ریسلنگ لگی تھی۔ دراب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

"ریسلنگ پسند ہے تمہیں؟" حبہ نے چونک کر اسکرین کی طرف دیکھا اور دو گینڈے کی جسامت والے آدمیوں کو آپس میں گتھم گتھا دیکھ کر وہ اچھی خاصی شرمندہ ہوئی۔

"میں یہ نہیں دیکھ رہی تھی۔" اس نے چینل بدل دیا۔ اگلا اس سے بھی زیادہ شرمندہ کردینے والا تھا۔ انگریزی موی کا رومانٹک سین چل رہا تھا۔

"اچھا تو یہ دیکھ رہی تھیں۔" دراب کو اس کی شکل دیکھ کر مزہ آیا تھا۔ حبہ نے ٹی وی ہی بند کر دیا۔

"چائے بناؤں؟" اپنی جھینپ مٹانے کے لیے وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں۔ ہم باہر چل رہے ہیں۔ آج کھانا باہر کھائیں گے اور شاپنگ بھی۔"

"میں نے کھانا بنایا ہے۔"

"لیکن میرا موڈ ہے آج باہر کھانے کا۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"میں تیار ہی ہوں۔" اس نے ہاتھوں سے کپڑوں کی سلوٹیں دور کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارے پاس اور کوئی کپڑے نہیں۔ ٹوٹل چار سوٹ ہیں جن کے رنگ اور ڈیزائن تک مجھے یاد ہو گئے ہیں۔ ہمیں ساتھ رہتے تین ماہ بیس گھنٹے اور اٹھارہ سیکنڈ ہو چکے ہیں پر تم نے کبھی کوئی اچھا سوٹ پہن کر میک اپ کر کے مجھے ویل کم نہیں کیا۔" حبہ تو اس کے حساب کتاب پر حیرت کے مارے کتنی دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں آتی ہوں۔" وہ تیزی سے پلٹی تھی۔ الماری کھول کر اس نے اپنی طرف سے بہترین سوٹ کا انتخاب کیا تھا شیشے کے آگے لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کے ہونٹ خود بخود مسکرا رہے تھے۔ اس نے بالوں کو برش کیا ایک تنقیدی نظر خود پر ڈالی اور باہر آگئی وہ اسی کے انتظار میں تھا۔

"گڈ!" اتنی تیاری کے بعد صرف یہ لفظ وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی اور ایسے تاثرات اس کے چہرے پر بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے دراب کو جھک کر چابی اٹھانی پڑی تھی۔

"چلو۔" اس کو رکا دیکھ کر وہ بولا تو وہ منہ بناتی ہوئی اس کے پیچھے چل پڑی۔ وہ لفٹ کھلنے کے انتظار میں کھڑے تھے' جب سامنے فلیٹ کا دروازہ کھلا تھا۔

"ارے لیڈ کلر!" وہ دونوں ایک ساتھ مڑے تھے۔

"سلمٰی آنٹی کیسی ہیں آپ؟"

"میں تو ٹھیک ہوں۔"

"انکل کیسے ہیں؟" وہ اسے انکل کی باتیں سنانے لگیں۔ کافی باتونی خاتون لگتی تھیں تب ہی انہوں نے حبہ کی موجودگی کو محسوس کیا تو ان کی زبان کو بریک لگے۔

"یہ پریٹی گرل کون ہے کوئی گرل فرینڈ؟" ان کے کہنے پر دراب نے دل کھول کر قہقہہ لگایا جبکہ حبہ نے کھا جانے والی نظروں سے دراب کو دیکھا۔

"ارے نہیں آنٹی! یہ مسز ہے میری۔"

"اوہ۔" انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔ "بڑی پیاری ہے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اسے پیار کیا۔

"بہت سی لڑکیوں کے دل ٹوٹ گئے ہوں گے۔"

"آج فیروز سے کہا اپنی گاڑی مجھے دے دو ہمیں کینڈل لائٹ ڈنر کے لیے باہر جانا ہے۔" وہ خاموش رہی تھی۔

گاڑی ایک بڑے ریسٹورنٹ کے آگے رکی تھی۔

"اندر چلیں یا باہر ہی بیٹھیں۔ ویسے تو باہر کا موسم بھی کافی اچھا ہے۔" دراب نے اوپن ایریا میں بیٹھے لوگوں پر نظر ڈال کر کہا تو حبہ نے سرسری سی نظر سامنے ڈالی جہاں ایک ٹیبل پر چند لڑکیاں بیٹھی دراب کو دیکھ رہی تھیں اور ان کی نظریں۔ حبہ کے ہونٹ بھینچ گئے۔ تب ہی اس کی نظر تابش پر پڑی جو وہاں ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھا اور اس

کی نظریں بھی ان پر تھیں یعنی اس نے ان کو دیکھ لیا تھا۔

"اندر چلتے ہیں۔" حبہ نے جیسے دراب کی مشکل آسان کردی تھی۔ کرسی پر بیٹھتے ہی دراب نے سکون کا سانس لیا۔

"دیکھو ہم نے کیا کھانا ہے۔" وہ کارڈ پر نظریں دوڑاتا ہوا بولا جبکہ وہ بڑے غور سے اس لیڈی کلر کو دیکھ رہی تھی' وہ واقعی اتنا ہینڈسم تھا کہ لڑکیاں اسے مڑ کر دیکھیں' لیکن اسے اتنا برا کیوں لگ رہا تھا۔ دراب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر چونک گیا۔

"کیا ہوا' زیادہ بھوک لگی ہے۔" وہ مسکرا کر بولا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"مجھے ایسے دیکھ رہی ہو جیسے کچا چبا جاؤ گی۔ کیا ہے حبہ! اتنی ناراضی سے کیوں دیکھ رہی ہو۔" آخر اسے اپنی مسکراہٹ کو سمیٹ کر پوچھنا پڑا۔

"آپ مجھے صاف بتائیں" آپ کی کتنی گرل فرینڈز تھیں۔"

"توبہ!" اس نے مینو کارڈ ٹیبل پر رکھا۔ "تم مذاق کو بھی اتنا سیریس لے لیتی ہو۔"

"پھر ان آنٹی نے کیوں کہا؟"

"وہ مجھے چڑا رہی تھیں حبہ بس اور یار! میری گرل فرینڈ کیسے ہو سکتی ہے میں نہرا غریب بندہ' بمشکل اچھی ہونے سے کیا ہوتا ہے' آج کل لڑکیاں امیر آدمیوں کو پسند کرتی ہیں جو انہیں عیش کروا سکیں۔ اپنی مثال لے لو' تمہیں بھی تو امیر لڑکا چاہیے تھا چاہے وہ تمہارے ساتھ نہ مخلص ہوتا نہ میری طرح تمہارا خیال رکھتا۔ تمہیں بھی تو میری قدر نہیں نا۔ کیوں کہ میرے پاس دولت نہیں' اعلا ڈگری نہیں۔ معمولی ٹیکسی ڈرائیور ہوں اور میں تو یہاں آنا افورڈ بھی نہیں کر سکتا۔ تمہاری خوشی کے لیے آیا ہوں۔ تمہیں پسند ہے نا اور اگر تمہاری شادی تابش سے ہوئی ہوتی تو وہ تمہاری ہر ضرورت پوری کر سکتا تھا۔"

حبہ اس کا چہرہ دیکھتی جارہی تھی۔ اس نے آنکھیں جھپک کر بہت کوشش کی' آنسو باہر نہ آئیں' لیکن وہ ضبط نہ کر سکی۔ سچ کڑوا ہوتا ہے اور اسی نے یہ سب دراب سے کہا تھا اور اب جب وہ یہ سب باتیں اسے لوٹا رہا تھا تو اس کے دل پر تیر کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ ایک دم کرسی دھکیل کر اٹھی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ ارد گرد لوگ اسے دیکھ رہے ہیں وہ تیز تیز چلتی جارہی تھی۔ آنسوؤں نے اس کا چہرہ بھگو دیا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے وہ اندر آتے تابش سے بری طرح ٹکرائی تھی اور وہ اسے یوں دیکھ کر بے حد حیران ہوا تھا۔ حبہ نے اسے دیکھا پر یوں جیسے پہچانتی نہ ہو اور تیزی سے اس کے قریب سے گزر گئی۔ دراب کو بالکل بھی اس کے اتنے شدید ری ایکشن کا اندازہ نہیں تھا وہ بھی اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ اس کو بھاگتے دیکھ کر حبہ کے پیچھے جاتا تابش بے اختیار رکا تھا۔

"حبہ!" اس نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"حبہ! یہ کیا حرکت ہے؟"

"چھوڑیں مجھے۔ بہت بری ہوں میں پتا ہے مجھے۔ آپ مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ صاف کیوں نہیں کہتے ایسے گھما پھرا کر طنز کیوں کرتے ہیں' اتنی انسلٹ کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔"

"چلو۔" وہ اسے کھینچتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔ تابش نے ان دونوں کو دور سے بحث کرتے دیکھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا حبہ کے رونے کی وجہ' لیکن اس کو ابھی اپنی ہونے والی منگیتر کے پاس جانا تھا جو اس کے انتظار میں بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

گاڑی میں صرف اس کے رونے کی آواز آرہی تھی جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روئے جارہی تھی۔ دراب کچھ دیر تو اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا' لیکن جب کافی دیر تک وہ چپ نہیں ہوئی تو اسے بولنا پڑا۔

"حبہ پلیز' چپ کر جاؤ۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولا پھر اس نے گاڑی ایک طرف روک دی۔

"اوکے۔ آئی ایم سوری۔ میری غلطی ہے' میں مذاق کر رہا تھا۔"

"یہ مذاق تھا۔" وہ یونہی منہ پر ہاتھ رکھے بھاری آواز میں بولی۔

"انسلٹ کی ہے آپ نے میری۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ تمہاری انسلٹ کروں۔ میں کیوں تمہیں چھوڑنا چاہوں گا' میں تو۔"

"پھر آپ نے وہ سب کیوں کہا؟" وہ منہ بسور کر بولی۔

"کیونکہ میں تمہیں وہ سب تو نہیں دے سکتا نا جو تمہاری خواہش تھی اور پھر تم ڈیزرو بھی کرتی ہو۔" وہ افسردہ ہو کر بولا۔

"میں نے کبھی آپ سے شکایت کی' میں نے جو کہا پہلے

کہا "کیونکہ پہلے مجھے پتا نہیں تھا۔ حقیقت کیسی ہوتی ہے۔"
"لیکن پھر بھی حبہ! اگر تم چاہو تو تمہیں سب مل سکتا ہے' لیکن۔۔۔" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"لیکن کیا؟" حبہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
"لیکن تمہیں مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔"
"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر بولی دراب نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جہاں مسکراہٹ تھی۔
"محبت تو نہیں کرنے لگی ہو مجھ سے؟" دراب کی آواز گاڑی کی خاموشی میں گونجی تو اسے لگا دل کے چاروں کونوں میں اس کی بازگشت سنائی دی ہے' اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا اس نے جواب دیے بغیر سی ڈی پلیئر آن کردیا اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ دراب نے اس پر ایک نظر ڈالی اور مسکرا دیا عجیب سے انداز میں۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ خاموشی سے نکل گیا تھا' اب رات ہو رہی تھی چل چل کر اس کی ٹانگیں سن ہو گئی تھیں۔ اسے خود پر غصہ آرہا تھا کہ اتنا اوور ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پتا نہیں کہیں ناراض ہو کر وہ اسے چھوڑ کر تو نہیں چلا گیا۔
یہ خیال اسے ڈرانے کے لیے کافی تھا۔ وہ اسے فون کرنے والی تھی جب لاک کھلنے کے بعد دروازہ بھی کھلا اور وہ کچھ شاپرز سمیت اندر داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔
"کہاں گئے تھے آپ؟ بتا کر نہیں جاسکتے تھے۔ پتا ہے میں کتنی پریشان ہو گئی تھی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپرز صوفے پر رکھے اور خود بھی گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔
"تم ناراض جو تھیں مجھ سے۔ تمہیں بلا کر اور باتیں سنتا۔"
"آپ تو ایسے بات کرتے ہیں جیسے دنیا کی ساری بدتمیزی مجھ میں ہے۔ میں ایک ظالم خون پینے والی چڑیل ہوں اور آپ معصوم مظلوم جن کے منہ سے صرف پھول جھڑتے ہیں۔ بڑا ظلم ہو رہا ہے آپ پر۔"
"اب اب دیکھو تم خود ہی اپنے آپ کو چڑیل کہہ رہی ہو۔"
"ہاں۔ آپ کو میں چڑیل ہی لگتی ہوں گی' حور پریاں تو وہ گرل فرینڈز ہی لگتی ہوں گی۔" اس کے جلے ہوئے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔
"کھانا لگا رہی ہوں۔ آجائیں۔" وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔
"میں نے کبھی کھانا نہیں بنایا۔ آج آپ کے لیے اسپیشل کھانا بنایا تھا۔ وہ بھی ٹی وی سے ریسپی نوٹ کرکے۔" وہ کھانا ٹیبل پر لگا چکی تھی۔ "اور آپ مجھے طنز کرتے ہیں۔"
وہ ہاتھ دھو کر ٹیبل تک آگیا تھا۔
"خوشبو تو بہت اچھی آرہی ہے۔" وہ چٹخارا لے کر بولا۔
"اتنی محنت سے بنایا ہے۔ دو دفعہ تو میرا ہاتھ جلا۔" وہ اپنا ہاتھ دکھا کر بولی۔
"دکھاؤ!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا جو واقعی سرخ ہو رہا تھا۔ "درد ہوا ہوگا؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
"ہوا نہیں تھا' ابھی بھی ہو رہا ہے۔" اس نے جتانا ضروری سمجھا تھا۔
دراب نے جھک کر اس کے ہاتھ کو چوما تھا۔ "اب نہیں کرے گا کیونکہ یہ پیار برنال سے اچھا کام کرتا ہے۔"
وہ تو کہہ کر پلیٹ میں سالن ڈالنے لگا جبکہ وہ وہیں ساکت کی ساکت رہ گئی۔
"تم بھی کھاؤ نا۔" وہ مصروف انداز میں کہتا ہوا شاید اسے نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جیسے سنبھل کر سالن ڈالنے لگی۔
"تم تو اتنا اچھا کھانا پکاتی ہو۔" وہ کھانا کھا کر بولا۔ "اس کا تو تمہیں انعام ملنا چاہیے۔" کھانا کھا کر وہ شرارتی انداز میں بولا۔
"نہیں' ٹھیک ہے۔" وہ ایک دم کرسی چھوڑ کر کچن کی طرف بھاگی تھی۔ وہ منہ بنا کر ٹی وی لاؤنج میں آگیا۔
"یہ تو دیکھ لو' جو تمہارے لیے اتنی خواری کے بعد لایا ہوں۔" اسے مسلسل کچن میں مصروف دیکھ کر اسے آواز لگانی پڑی اور حبہ جو فضول کی چیزیں چھیڑ کر بیٹھی تھی اسے باہر نکلنا ہی پڑا۔
حبہ نے شاپر میں جھانکا اس میں تین چار سوٹ تھے۔ وہ بھی ڈیزائنرز۔

"کیسے لگے؟" وہ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"بہت خوب صورت ہیں۔" اسے واقعی پسند آئے تھے۔ "لیکن یہ تو بہت مہنگے ہوں گے۔"

"اف!" دراب نے گہرا سانس لیا۔ "تم قیمت کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ، تمہیں پسند ہیں؟"

"پسند ہیں لیکن کیا ضرورت تھی' میرے پاس تھے۔"

"اوکے۔ میں کل واپس کر آؤں گا۔" وہ کہہ کر ٹی وی دیکھنے لگا۔

"اب اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے۔"

"خوشی والی بھی کوئی بات نہیں لڑکیاں تو خوش ہوتی ہیں جب ان کو کوئی تحفہ ملتا ہے۔"

"آپ کو بڑا پتا ہے لڑکیاں کب خوش ہوتی ہیں اور کب ناراض؟"

"کیا کروں۔ لڑکیوں سے واسطہ ہی بہت پڑتا ہے۔" وہ پھر اسے چڑانے لگا تھا۔

"اب آپ میرا موڈ آف کر رہے ہیں۔"

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے میں موڈ خراب کر رہا ہوں اور جو تم نے کیا وہ۔"

"میں نے کیا کیا؟" وہ مسکرا کر معصومیت سے بولی تو دراب کچھ لمحوں کے لیے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا ہی نہیں سکا۔

"کل فیروز کی طرف دعوت ہے۔ شام کو تیار رہنا اور یہ والا پہننا۔" اس نے میرون سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ دل کی آواز کو نظر انداز کرنے کے لیے وہ بات بدل گیا۔

"لیکن مجھے لگ رہا ہے یہ وائٹ زیادہ اچھا لگے گا۔" وہ سفید سوٹ کی قمیص ساتھ لگا کر اسے دکھاتے ہوئے بولی۔

"نہیں یہ میرون۔"

"نہیں یہ وائٹ۔"

"تم کبھی میرا کہنا نہیں مانتیں۔" دراب کو اس سے تکرار کرنے میں مزہ آتا تھا کیونکہ وہ بچوں کی طرح چڑتی تھی۔

"کب میں آپ کا کہنا نہیں مانتی۔" وہ ایک دم جذباتی ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اچھا کب مانا ہے؟" وہ ابرو اچکا کر پوچھنے لگا۔

"آپ نے ایسا کیا کہا جو میں نے انکار کیا؟"

"ہوں اچھا۔ اب میں جو کہوں گا' وہ تم مانو گی۔" دراب نے کہنے کے ساتھ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے تھے۔ جب دراب کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جس پر عجیب سے رنگ تھے' اک تپش جو اس کو حصار میں لے رہی تھی۔

"اگر ماننے والی ہوئی تو۔" وہ نظریں جھکا کر ہاتھ کھینچنے لگی۔

"تم تو ابھی سے مکر رہی ہو پھر کہتی ہو۔ بات مانتی ہوں۔"

دراب مزید اس کے قریب آگیا تھا۔ اس کی پیش رفت پر اس نے روکا نہیں تھا' لیکن یہ فسوں چند لمحوں کا تھا فون کی بیل پہلی بار دراب کو زہر لگی تھی جبکہ حبہ کا سارا چہرہ دہک اٹھا تھا وہ ایک دم تیزی سے کھڑی ہوئی تھی کیونکہ فون اس کا بج رہا تھا۔ اسکرین پر آنے والے نمبر نے اسے حیران کیا تھا۔ اس نے فون آف کر دیا تھا۔

"کون تھا؟"

"تابش کا فون تھا۔" چینل بدلتے دراب کا موڈ نہ جانے کیوں خراب ہو گیا۔

"تو کر لو بات۔"

"میرا موڈ نہیں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی' دراب جانتا تھا اس تابش کو کس چیز کی کھجلی ہو رہی ہے۔ اس دن ریسٹورنٹ میں اس نے حبہ کو روتے ہوئے دیکھ لیا تھا اب داستان سنی ہو گی۔ حبہ کا موڈ اچھا ہو گیا تھا' وہ اسے کل والے سوٹ کے ساتھ میچنگ کا بتا رہی تھی جبکہ وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

کچن سے فارغ ہو کر اس نے شاور لیا اور دراب کی پسند کا ہو سوٹ اٹھاتے ہوئے مسکرا دی' جب وہ تیار ہو کر آئینے کے آگے کھڑی ہوئی تو کتنی دیر تک خود کو دیکھتی رہی۔

"مسٹر دراب! آج جب آپ مجھے دیکھو گے نا تو ساری لڑکیاں بھول جاؤ گے۔ ابھی میرے جلوے دیکھے کہاں ہیں۔" کانوں میں ایئر رنگ پہنتے ہوئے وہ اس سے خیالوں میں باتیں کر رہی تھی۔ آئی لائنر اور میچنگ لپ اسٹک کے ساتھ اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا' خود کو دیکھتے ہوئے اس نے غور سے اپنی آنکھوں کو دیکھا اور مسکرا کر کاجل اٹھا لیا۔ کاجل لگتے ہی آنکھیں جیسے بول اٹھی تھیں' وہ بڑے ناز سے مسکرائی تھی۔

دراب کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس نے چائے کے ساتھ کباب اور نگٹس فرائی کیے اور ٹیبل پر سجا لیے۔ آج اس نے دراب پر حسن کے ساتھ اپنے سگھڑاپے کی بھی دھاک بٹھانی تھی۔ تصور میں وہ اس کا حیران چہرہ دیکھ

کر محظوظ ہو رہی تھی۔

بیل کی آواز پر وہ حیران ہوئی کیونکہ اس کے پاس چابی تھی' وہ چولہا بند کر کے دروازے کی طرف بڑھی۔ دوپٹا ٹھیک کر کے اس نے دروازہ کھولا لیکن سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔

"تم!" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولی جبکہ تابش اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔ حبہ نے ناگواری سے اسے دیکھا تو وہ چونکا۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی۔"

"نہیں' جو بھی بات کرنی ہے۔ یہیں بتاؤ۔"

"اتنی بے اعتباری حبہ! ہم کزن کے علاوہ منگیتر بھی رہ چکے ہیں اور پلیز بہت دور سے آرہا ہوں۔ گھر تو دشمن بھی آجائے تو اس سے ایسا سلوک نہیں کرتے اور میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

حبہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے راستہ دینا پڑا' لیکن دروازہ اس نے بند نہیں کیا۔

"ایک گلاس پانی ملے گا؟" صوفے پر بیٹھ کر اس نے کہا تو وہ کچن کی طرف مڑ گئی اور پانی کا گلاس لا کر اس کے سامنے رکھا۔ "اب جو کہنے آئے ہو جلدی کہو۔" وہ یونہی دوسرے صوفے کے پاس دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑی رہی۔

"تمہارا گھر کافی خوب صورت ہے۔"

"اطلاع دینے کا شکریہ۔" وہ بے مروتی سے بولی۔

"تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو۔"

"تم یہ پوچھنے آئے ہو؟" حبہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"امی نے میری منگنی کر دی ہے اور دو ماہ بعد میری شادی ہے۔"

"مبارک ہو۔"

"لیکن امی نے میرے ساتھ زبردستی کی ہے' میں اس رشتے سے خوش نہیں' میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور ہر آنے والا وقت مجھے یہ احساس دلا رہا ہے کہ میں تمہارے بغیر خوش نہیں رہ سکوں گا۔" وہ کچھ نہیں بولی۔

"جو ہوا اس میں میرا کیا قصور تھا؟" حبہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

"کیا قصور تھا۔ یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو' میں اور میرا باپ کس طرح ذلیل ہوئے ایک سہارے کے لیے۔ کیا تم نہیں جانتے۔ جس وقت ہمیں تمہاری ضرورت تھی تم کہیں منہ چھپا کر بیٹھ گئے تھے۔ تمہیں مجھ سے تعلق جوڑتے ہوئے اپنی عزت اور جان دونوں خطرے میں نظر آرہے تھے۔ آج تمہیں لگتا ہے۔ تم میرے بغیر خوش نہیں رہ سکتے۔ اس وقت میں تمہیں بدکردار نظر آرہی تھی۔ تم بزدلوں کی طرح ایک بدمعاش کے سامنے مجھے پھینک کر چلے گئے۔ لو بھائی لے جاؤ پر مجھ پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ میرا باپ تمہارے سامنے' تمہاری ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتا رہا' میری بیٹی سے نکاح کر لو۔ اس کو نام دے دو۔ سہارا دے دو۔ پر نہیں۔ اس وقت تم لوگ فرعون بن گئے تھے۔ آج کیسے محبت جاگی ہے۔ میں تو آج بھی وہی بقول تمہارے بدکردار ہوں۔"

اسے پتا ہی نہیں چلا اونچی اونچی آواز میں بولنے کے ساتھ اس کے آنسو بھی بہتے جا رہے ہیں۔ آنکھوں کا کاجل جو کسی کو دیوانہ بنانے کے لیے سجایا تھا' وہ کسی کی بے رحم یادوں کی وجہ سے بہہ نکلا ہے۔ "مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں' مر چکی ہیں میری ساری خواہشیں' اٹھ چکا ہے اعتبار اپنوں سے' میرا باپ مر گیا۔ اس کے ساتھ میں نے سارے رشتے دفنا دیے۔ میں بس ایک آدمی کو جانتی ہوں' وہ میرا شوہر ہے دراب' اس نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب کوئی نہیں تھا۔"

"وہ شخص تمہارے قابل نہیں ہے حبہ! تم خود سوچو کیا وہ ذرا بھی تمہارے آئیڈیل سے میل کھاتا ہے؟ کیا تمہیں وہ سب خوشیاں دے سکے گا جو میں دے سکتا ہوں؟ وہ جتنا اچھا ہے وہ میں نے اس دن دیکھ لیا تھا جب تم ریسٹورنٹ سے روتی ہوئی نکل رہی تھیں اور کیسے اس نے گھسیٹ کر جانوروں کی طرح تمہیں گاڑی میں ڈالا تھا۔ مجھے تو تم پہلے بھی خوش نہیں لگتی تھیں۔ اس دن میں ساری رات سو نہیں سکا' میں نے تمہیں کتنے فون کیے' لیکن تم نے میری بات تک نہیں سنی۔ میں تمہیں اس درندے کے چنگل سے بچانا چاہتا ہوں جس کے ہاتھ میں انکل نے زبردستی تمہارا ہاتھ تھما دیا۔ مجھے ایک ان پڑھ شخص کی ذہنیت کا اندازہ ہے' وہ کس طرح تمہیں ٹارچر کرتا ہوگا۔ اب بھی سمجھ جاؤ حبہ! وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ اس وقت اس نے ترس کھایا تھا یا پتا نہیں اس کا کیا منصوبہ تھا۔ تم جیسی لڑکی کو پا کر تو اس کی لاٹری نکل آئی ہوگی وہ کیوں تمہیں چھوڑے گا' لیکن تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں

ہوں ناں۔ تم نے بے شک ہمیں پرایا کردیا ہو' لیکن ہم آج بھی تمہیں اپنا سمجھتے ہیں۔ تمہاری پروا کرتے ہیں۔"

"تابش!" وہ چیخی۔ "ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ یہاں سے۔" اس نے انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ کھڑا ہوگیا۔

"تم جتنا مرضی مجھے دھتکار لو' لیکن میں بار بار آؤں گا' میں تمہیں اس ظالم انسان سے چھٹکارا دلا کر رہوں گا۔"

"تم نے سنا نہیں۔" وہ پھر چیخی۔

"چیخ کر تم چھپا نہیں سکتیں کہ تم آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

"دفع ہوتے ہو کہ کسی گارڈ کو بلاؤں۔" اب کی بار وہ نکل گیا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی پھر تیزی سے اٹھی اور باتھ روم میں جا کر اچھی طرح منہ دھویا' سارا کاجل پھیل کر اسے اچھا خاصا مضحکہ خیز بنا رہا تھا۔ اس نے ٹشو سے آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا۔ اور دوبارہ منہ دھو کر آئینہ دیکھا سرخ چہرہ اس کے رونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ منہ تھپتھپاتی ہوئی باہر نکلی تو دراب کو صوفے پر بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ!" وہ تھوک نگل کر بولی' اس کی کیفیت ایسی تھی جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

"ہاں میں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

"مجھے۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ تیزی سے کچن کی طرف گھومی اور پانی کا گلاس لے کر اس کے سامنے کیا جسے تھامتے ہوئے بھی اس کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"ایسا لگا ہے تم روئی ہو اور کافی روئی ہو۔" حبہ نے خود کو مزید رونے سے بمشکل روکا۔

"ایسا کچھ نہیں۔"

"ہوں۔" وہ پانی پی کر اٹھا' لیکن ڈائننگ ٹیبل کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"کوئی آیا تھا؟" حبہ یوں اچھلی جیسے کسی کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"کیوں؟"

"یہ کیا جواب ہوا' کوئی آیا تھا؟" اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں تو۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔ دراب نے گہرا سانس لیا۔

"تو یہ اتنا اہتمام؟" اس نے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کے لیے سب بنایا ہے۔"

"اچھا!" وہ مسکرایا۔

"پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔" اب کی بار حبہ نے اس کا سنجیدہ اور کھنچا ہوا انداز محسوس کیا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ کے لیے کچھ بناؤں۔"

"میں سمجھ رہا تھا' پتا نہیں کون خوش قسمت ہے جس کے لیے کھانے کا اہتمام ہوا ہے اور تم نے نیا جوڑا بھی پہنا ہے' یقیناً" میک اپ بھی کیا تھا جو میرے آنے سے پہلے صاف کردیا۔" حبہ نے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"دراب! آپ نے کہا تھا ناکہ آج فیروز بھائی کے گھر جانا ہے۔ آپ نے یہ میرون ڈریس سلیکٹ کیا تھا۔ میں آپ کے آنے سے پہلے ریڈی ہوگئی تھی۔ میک اپ بھی کیا تھا پر میرا کاجل پھیل گیا' اس لیے مجھے دوبارہ منہ دھونا پڑا۔"

حبہ کی خود سمجھ میں نہیں آیا' وہ کیوں اتنے آرام سے اسے وضاحت دے رہی تھی۔ اسے ایک بار خیال آیا کہ اسے بتادے کہ تابش آیا تھا' لیکن اس خیال سے کہ کل صرف اس کا فون آنے سے اس کا موڈ کتنا خراب ہوگیا تھا۔ وہ جو اس کے اتنے قریب آگیا تھا اس فون کے بعد اس کے انداز اور نظروں میں کتنی اجنبیت آگئی تھی۔ اب بھی کہیں پھر اس کا موڈ خراب نہ ہوجائے' اس نے بتایا نہیں پر اس کے باوجود وہ اس سے اتنا اکھڑا اکھڑا بات کررہا تھا حالانکہ وہ جتنے بھی خراب موڈ یا غصے میں ہو' اس سے ایسے بات نہیں کرتا تھا۔

وہ یونہی کھڑی رہ گئی جبکہ وہ بیڈ روم میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر وہ یونہی کھڑی رہی' ساری چیزیں ٹھنڈی ہوگئی تھیں اس کے جذبات کی طرح۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر اندر آگئی وہ آئینے کے آگے کھڑا شرٹ کے بٹن بند کررہا تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر جاکر کھڑی ہوگئی' پہلے اس نے لپ اسٹک اٹھائی دراب نے کن انکھیوں سے اس کے ہونٹوں پر ابھرتے میرون کلر کو دیکھا لپ اسٹک لگا کر حبہ نے دراب کی طرف دیکھا' لیکن تب تک وہ نظریں گھما چکا تھا' اس نے مایوس ہوکر آئی لائنر اٹھالیا۔ پہلے کھولا پھر بند کردیا۔ دراب کا سارا دھیان اسی کی طرف تھا۔ لائنر رکھ کر اس نے پرفیوم اٹھالیا۔ وہ پرفیوم لگا رہی تھی جب دراب بالوں میں برش کرنے لگا۔

"لائنر کیوں نہیں لگایا؟" وہ کوئی جواب دیے بغیر پھر آئینے کے سامنے آ گئی۔ اس کو اپنے ہاتھ کانپتے محسوس ہو رہے تھے۔

"مجھ سے ٹھیک لگے گا نہیں۔"

"میں باہر چلا جاؤں۔"

"ایسے کیوں کہہ رہے ہیں؟" وہ اس کے بیگانے رویے پر حیران تھی۔

"میں نے سوچا شاید میرے سامنے تم نہیں لگانا چاہتیں۔" حبہ نے افسوس سے سر ہلایا اور سر جھٹک کر بڑے انہماک کر ساتھ لائنر لگانے لگی۔

"اب ٹھیک ہے؟" اس نے دونوں آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ وہ مسکرا دیا تو حبہ کی جان میں جان آئی۔

☆ ☆ ☆

فیروز کے گھر میں اس کا والہانہ استقبال ہوا تھا۔ وہ لوگ کافی امیر تھے۔ دراب کی دوستی فیروز سے کیسے ہوئی؟ اس نے سوچا آج ضرور پوچھے گی۔ فیروز کی امی اور بھابھی اس سے منظور صاحب کا افسوس کر رہی تھیں جب اس کی شکل دیکھ کر فیروز نے ٹوک دیا۔

"امی! کوئی اور بات کریں۔ ندا تم نے بھابھی کو گھر دکھایا۔" فیروز نے اپنی بیوی سے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔" حبہ نے دل سے تعریف کی۔

"لیکن آپ کے گھر کے مقابلے میں تو کچھ نہیں۔ سچ دراب بھائی کی میں جتنی بھی تعریف کروں وہ کم ہے صورت کے ساتھ سیرت میں بھی یکتا ہیں، بہت نرم دل کے۔ آپ کے فادر سے بھی ان کی اچانک ملاقات ہوئی تھی۔ فیروز بتاتے تھے۔ آپ کے فادر کو لے کر دراب بھائی بہت سیریس تھے۔ بڑے سے بڑے ڈاکٹرز سے انہوں نے رابطہ کیا تھا۔ میں تو ہمیشہ فیروز سے کہتی تھی وہ لڑکی بڑی لکی ہوگی جسے دراب بھائی جیسا چاہنے والا کھرا شخص ملے گا۔ ہیرا ہیں ہیرا۔"

وہ دراب نامہ شروع کر چکی تھی اور اسے دراب کی تعریف سننا بہت اچھا لگ رہا تھا دراب کے لیے اس کے دل میں عزت اور بڑھ گئی تھی۔ اس کے باپ کے لیے اس نے ہر کام بنا کسی مطلب کے کیا تھا۔

"اور آپ بھی کم نہیں حبہ! بہت کیوٹ اور پیاری آخر دراب بھائی کی چوائس بھی ان کی طرح کی ہی ہوگی نا۔ دراب بھائی کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ بہت کم عمر تھے جب ان کے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو گئی' لیکن بہت اسٹرونگ ہیں' اکیلے سب کچھ ہینڈل کیا۔ ہمارے ساتھ تو ان کے فیملی ریلیشن ہیں فیروز اور دراب بھائی کو زیادہ تر لوگ بھائی سمجھتے ہیں۔ میری اور فیروز کی شادی بھی دراب بھائی نے کروائی تھی لو میرج ہے نا۔"

وہ تھوڑا شرما کر بولی تو حبہ مسکرا دی۔

"ہم سب کافی عرصے سے ان کے پیچھے پڑے تھے شادی کر لیں پر مانتے نہیں تھے۔ لڑکیوں سے ہیلو ہائے تو بہت تھی پر شادی کے لیے جیسی لڑکی چاہیے تھی وہ نہیں مل رہی تھی۔ پھر سنا تھا کسی سے انہیں محبت ہو گئی تھی' پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ خیر فیروز نے بتایا آپ سے شادی ہو گئی۔ اچھا ہے پھر جو قسمت میں ہوتا ہے۔"

حبہ کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔ اسے کچھ بھی یاد نہ رہا سوائے اس کے کہ وہ کسی سے محبت کرتا تھا اور اس نے صرف اس کے اور پاپا کے کہنے پر اس سے شادی کی۔

وہ دونوں لان میں چکر لگا رہی تھیں جب پورچ میں آ کر ایک گاڑی رکی اس میں سے ایک ماڈرن اسمارٹ سی لڑکی نکلی۔

"ہائے!" اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلایا۔

"آؤ ثمن! یہ ثمن ہے فیروز کی پھوپھو کی بیٹی اور ثمن! یہ دراب بھائی کی وائف۔"

حبہ بڑی مشکل سے مسکرائی' لیکن دوسری طرف یہ کوشش بھی نہیں کی گئی۔

"اچھا تو یہ ہے وہ جس پر دراب نے ترس کھا کر شادی کر لی۔" اس نے سر سے پیر تک اتنی حقارت سے حبہ کو دیکھا کہ حبہ کو اپنے سارے وجود میں آگ لگتی محسوس ہوئی۔ جبکہ تعارف کرواتی ندا اسٹپٹا گئی۔

"ثمن پلیز۔"

"اتنی توپ چیز تو نہیں ہو کہ دراب نے ساری لڑکیوں کو چھوڑ کر تم سے شادی کر لی۔"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا حبہ کا گلا دبا دے اور کچھ ایسی کیفیت حبہ کی تھی تب ہی فیروز باہر آ گیا۔ ندا نے شکر ادا کیا۔

"ندا اور ثمن! تم لوگ اندر چلو کھانا سرو کرو۔" ثمن نے ایک چبھتی نظر حبہ پر ڈالی اور ندا کے ساتھ اندر کی

طرف بڑھ گئی۔

اس نے سر اٹھا کر کھلے آسمان کو دیکھا اور گہری سانس لی۔ اس کے ذہن میں بہت سے سوال تھے تب ہی اس نے اپنے قریب دراب کی آواز سنی۔

"کیا ہوا یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ کھوجتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"ایسے ہی ٹھنڈی ہوا اچھی لگ رہی تھی۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"تمہارے چہرے سے تو نہیں لگ رہا۔ کسی نے کچھ کہا ہے؟" حبہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

"آپ میرے چہرے کو اتنے غور سے کیوں دیکھتے ہیں۔" اور اب کی بار خراب موڈ کے باوجود وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیونکہ تم جو نہیں دیکھتیں کبھی غور سے میرا چہرہ دیکھا ہے۔" حبہ نے نظریں اس کے چہرے پر جمادیں اور چند لمحوں بعد ہٹالیں۔

"میں آپ کی طرح چہرہ شناس نہیں۔" دراب نے صرف سرہلایا تھا۔

"چلو اندر سب ویٹ کررہے ہیں۔"

وہ گہری سانس لے کر چل پڑی ڈائننگ ہال کے اندر داخل ہونے سے پہلے دراب نے بالکل اچانک اس کا ہاتھ پکڑلیا تھا۔ اس نے حیران ہوکر اس کا چہرہ دیکھا، لیکن وہ مسکراتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ بیٹا! تم دونوں کا انتظار ہو رہا تھا۔" فیروز کی امی نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا۔

"ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے تم دونوں کی نظر نہ لگے۔"

دراب نے پہلے اس کے لیے کرسی کھینچی پھر اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ فیروز نے پہلے مسکرا کر دراب کو اور پھر کن انکھیوں سے ثمن کو دیکھا جو ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

"آنٹی! سورج کون اور چاند کون؟" دراب نے پہلے اس کی پلیٹ میں چاول ڈالے اور پھر اپنی۔ اتنی عزت افزائی پر حبہ حیران ہونے کے ساتھ پزل بھی ہو رہی تھی کیوں کہ سب کی نظریں ان دونوں پر جمی تھیں۔

"تم سورج اور حبہ چاند۔"

"آپ کا مطلب ہے میں زیادہ خوب صورت ہوں کیوں کہ سورج کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔"

"میرے خیال میں تو چاند زیادہ خوب صورت ہوتا ہے۔" فیروز نے بھی شرارت سے لقمہ دیا تھا۔

"حبہ سے پوچھ لیتے ہیں۔ بتاؤ حبہ! دراب بھائی خوب صورت ہیں۔" اب کے ندا نے شرارت سے اسے دیکھا کچھ دیر پہلے کی بے عزتی کو دراب نے عزت میں بدل دیا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ اس کے چہرے سے دل کی بات جان لیتا تھا۔ وہ جادوگر تھا۔ وہ اپنے دیے ہوئے نام پر خود ہی مسکرا اٹھی۔

"دراب سنا ہے شادی تو تم نے بڑی ایمرجنسی میں کرلی وہ بھی شاید اسپتال میں وہ تو سمجھ آتی ہے تم نے انوائٹ کیوں نہیں کیا، لیکن ولیمہ بھی نہیں کیا۔ کیا سارے پیسے وہیں خرچ ہوگئے تھے؟" ثمن زیادہ دیر خود کو کنٹرول نہیں کرسکی۔ سب نے افسوس سے ثمن کو دیکھا سوائے دراب اور حبہ کے۔

"تم افسوس کیوں کرتی ہو ثمن! مجھے پتا ہے میری شادی کا سب سے زیادہ ارمان تمہیں ہی تھا۔ ولیمہ ہوگا تو پہلا انوی ٹیشن تمہیں ہی جائے گا آخر تم فیروز کی بہن ہو تو میری بھی بہن ہوئیں۔"

ندا کی ہنسی نکل گئی تھی۔ جبکہ ثمن کا چہرہ بالکل لال پڑ گیا تھا اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

وہ واپس آنے لگے تو فیروز کی امی نے ایک ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ" وہ لیتے ہوئے ہچکچائی۔

"بیٹا! تم پہلی بار آئی ہو، دراب میرے لیے بالکل فیروز کی طرح ہے اگر دراب کی ماں زندہ ہوتی تو وہ بھی بالکل ایسے ہی تمہیں شگن دیتی۔ شگن سے انکار نہیں کرتے۔"

حبہ نے وہ پکڑ لیا۔ "دیکھو، تمہیں پسند آیا۔"

اس نے کھول کر دیکھا تو اس کو جھٹکا لگا۔ اس میں ایک بھاری گولڈ کا سیٹ اور اس سے میچنگ کڑے تھے۔

"آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"میں نے کہا نا حبہ! شگن کو انکار نہیں کرتے۔" اس نے پریشان نظروں سے دراب کو دیکھا۔

"لے لو۔" اس کے کہنے پر اس نے پکڑ لیا، لیکن وہ خاموش ہوگئی تھی۔

"فیروز! ہمیں یہیں اتار دو۔" اپارٹمنٹ سے کچھ فاصلے پر دراب نے گاڑی رکوادی تھی۔

جب اور فیروز دونوں نے اسے دیکھا۔
"میرا دل واک کرنے کو چاہ رہا ہے۔" فیروز ہنس پڑا تھا۔
"تمہارا دل بھی عجیب ہے۔" وہ دونوں اتر گئے۔ دراب جو وہاں بہت چہک رہا تھا۔ اب بالکل ویسا ہو گیا جیسا کل سے تھا۔ خاموش 'سوچتا ہوا۔ اتنی خاموشی سے جب کو وحشت ہونے لگی تھی۔
"ہمیں آنٹی سے اتنا قیمتی گفٹ نہیں لینا چاہیے تھا۔"
"کیوں؟"
"تحفہ وہ لینا چاہیے جو آپ لوٹا سکیں' ہمارے لیے یہ سب کرنا مشکل ہے۔"
"یہ تمہارا سر درد نہیں۔"
اس کے لہجے پر وہ ایک دم چپ کر گئی۔ دراب کو خود ہی جیسے احساس ہوا۔
"میں آنٹی کو منع نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں برا لگتا تم پریشان نہ ہو میں کروں گا۔"
"آپ سے ایک بات پوچھوں۔"
"پوچھو۔"
"آپ کسی بات سے مجھ سے ناراض ہیں۔" سامنے دیکھتا دراب تھوڑا چونکا تھا۔
"کیوں۔ تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟"
"آپ پہلے کی طرح بی ہیو نہیں کر رہے۔"
"مثلاً؟"
"مثلاً؟" وہ سوچنے لگی سب کچھ ویسا ہی تھا پھر بھی کوئی ڈور الجھی تھی "پتا نہیں پر مجھے لگتا ہے" آپ مجھ سے کسی بات پر خفا ہیں۔"
"اچھا۔ وہ مسکرایا" تو تمہیں کیا لگتا ہے تم نے کیا غلطی کی ہے جو میں ناراض ہوں۔"
"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔" وہ بہت سوچ کر بولی۔
"تو پھر تمہیں میری ناراضی کی پرواہ بھی نہیں کرنی چاہیے۔" جب رک گئی چار قدم چل کر اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں "اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ واپس آیا۔
"کیا میں نے تم سے کوئی شکایت کی۔؟"
"کردیں نا مجھے پتا تو چلے کہ میں نے کیا کیا ہے" اس کے آنسو باہر نکل آئے تو وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا اور وہ بھی اس کو دیکھنے لگی۔
"میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا۔" آخر میں وہ تھک کر بولا وہ پھر بھی نہیں ہلی۔
"جب! کیا ہوا اب؟" وہ اب جھنجلایا اس سے ناراض ہو کر جیسے وہ خود سے ناراض ہو گیا تھا۔
"ابھی بھی نہیں صحیح۔" اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔ دراب کچھ دیر الجھی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔ اس نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے اور اسے گلے لگالیا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔
"ہم گھر جا رہے ہیں جب پاکستان میں سڑکوں پر ایسے سین ممنوع ہیں۔" اس کے شرارتی انداز پر وہ جھینپ کر اس سے الگ ہوئی۔ وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔
چینج کر کے جب وہ واپس آئی تو وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا وہ اسے ڈسٹرب کیے بغیر کاؤچ پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔ لیکن تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اس پر بھی نظر ڈال لیتی تھی۔ یہ آٹھویں دفعہ تھا جب اس نے دیکھا اور دراب نے بھی اس کی چوری پکڑلی۔
"مجھے لگتا ہے جب تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے۔" وہ دونوں ٹانگیں صوفے سے نیچے لٹکا کر بیٹھ گیا اور وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔
"کہہ دو جو بھی دل میں ہے۔"
"میں کبھی بھی آپ کو سمجھ نہیں پاتی۔"
"کبھی بھی نہیں۔ تم مجھے کبھی نہیں سمجھیں۔" دراب نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی۔ لیکن وہ اپنی الجھن میں تھی۔
"جو آپ نے مجھے اپنے بارے میں بتایا اور جو لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ ان میں بہت فرق ہوتا ہے' میں سمجھ نہیں پاتی۔"
"ایسا کیا فرق ہے جو تمہیں لگتا ہے۔؟"
"آپ کی اور فیروز بھائی کی دوستی بہت بڑا فرق ہے' دوستی تو ایک جیسے لوگوں میں ہوتی ہے۔"
"دوستی کے لیے ذہنی ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ دولت دیکھ کر دوستی یا رشتے نہیں باندھے جاتے اگر ایسا ہوتا تو صرف مطلب ہی مطلب ہوتا' پیار کہیں نہ ہوتا۔"
"آج جب میں نے ندا بھابھی سے ان کے گھر کی تعریف کی تو انہوں نے کہا کہ آپ کا گھر تو اس سے بھی اچھا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"
دراب نے کندھے اچکائے "اس کا مطلب تو وہی بتا سکتی ہیں۔"

"اور وہ سمن، جو تھی اس نے بھی بہت عجیب باتیں کیں کہ میں آپ کے قابل نہیں تھی' کہاں آپ کی کلاس اور کہاں میں مڈل کلاس' پتا نہیں کون سی مظلومیت دکھا کر میں نے آپ کو پھانسا ہوگا' لاکھوں لڑکیاں آپ پر مرتی تھیں' وہ بھی آپ سے محبت کرتی تھی' آپ کی شادی اس سے ہونے والی تھی' لیکن آپ کو مجبوراً" مجھ سے شادی کرنی پڑی کیونکہ آپ بہت خدا ترس ہیں۔ کسی کا دکھ آپ سے دیکھا نہیں جاتا۔"

"ایسا اس نے کہا؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ ہنسنے والی بات نہیں' میں سیریس ہوں سب کیوں ایسا کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیا میں واقعی آپ کے لیے ایک مجبوری تھی۔"

دراب کتنی دیر سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"مجھے نہیں پتا لوگ کیا سمجھتے ہیں۔ مجھے اس بات سے فرق پڑتا ہے' تم کیا سمجھتی ہو اور مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم مجھے نہیں سمجھیں۔" اور حبہ ہکا بکا رہ گئی۔

"ہر وقت شک' ہر وقت طنز۔ میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں صفائیاں دیتے دیتے۔ میں نے کبھی تم سے کوئی سوال کیا۔ تمہارا ماضی کریدا' جبکہ تم ہر روز ایک نیا شک لے کر میرے سامنے کھڑی ہو جاتی ہو۔ میں نے کبھی دنیا کی پرواہ نہیں کہ وہ کیا کہتی ہے جبکہ تمہیں ساری دنیا کی پرواہ ہے۔ ایک مجھے چھوڑ کر۔ کیا کچھ نہیں کرتا۔ تمہیں خوش کرنے کے لیے بولو۔" وہ غضب ناک ہو کر بولا تو حبہ ڈر کے مارے کھڑی ہو گئی۔

"ایسا نہ کروں حبہ کو برا لگ جائے گا' یہ مت کروں حبہ ہرٹ ہو گی لیکن تمہیں کبھی خیال آیا۔ میں کیا چاہتا ہوں۔ تمہاری کتنی باتیں مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔ غور سے دیکھو مجھے۔" وہ ایک دم اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"انسان ہوں میں بھی ہرٹ ہوتا ہوں اور اس سے پہلے میں ایک مرد ہوں۔" اب کے اس کے قریب جا کر اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا جبکہ حبہ تو سکتے میں آ گئی تھی۔

"میں کیا چاہتا ہوں۔ کبھی تمہیں اندازہ نہیں ہوا۔ مجھ پر فرض ہے کہ میں تمہاری خواہشات کا احترام کروں اور تمہارا فرض؟ میں اگر تمہارا خیال رکھتا ہوں۔ تو تمہیں لگتا ہے ترس کھا رہا ہوں۔ بوجھ ہو تم سمجھ رہا ہوں۔ شوہر بن کر دیکھنے لگتا ہوں تو اچانک تمہیں احساس ہونے لگتا ہے میں زبردستی کر رہا ہوں۔ آٹھ ماہ ہونے والے ہیں ہماری شادی کو۔ لگتا ہے شادی ہے' تمہیں دیکھتا ہوں تو دل پاگل ہونے لگتا ہے' تمہاری خاطر کس طرح خود کو روکتا ہوں۔ کہیں تم ہرٹ نہ ہو جاؤ۔ میرے پیار کو زبردستی نہ سمجھ لو۔ میری محبت کو تاوان نہ سمجھ لو۔ تھک گیا ہوں خود کو روکتے روکتے۔ مجھے تو آج تک یہ ہی پتا نہیں چلا کہ تم نے مجبوری سے آگے بھی مجھے کچھ سمجھا ہے یا نہیں' شوہر کا درجہ بھی دیتی ہو یا صرف احسان کا قرض چکا رہی ہو' تمہارا کزن میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ حبہ اس شادی سے خوش نہیں' وہ صرف مجبور ہے کیونکہ وہ احسان فراموش نہیں بننا چاہتی' اسے دعویٰ ہے کہ تم اس سے محبت کرتی ہو' صرف مجبور ہو' تم میری بیوی ہو لیکن میں ایسا دعوا کیوں نہیں کر سکتا کہ مجھے تم سے محبت ہے' تم نے کبھی مجھے نہیں کہا۔ ہماری شادی کیسے ہوئی ہم دونوں جانتے ہیں تو پھر کیا واقعی سمجھوں تابش ٹھیک کہہ رہا ہے' تم میرے ساتھ رہ کر احسان کا بدلہ چکا رہی ہو۔ وہ کہتا ہے میں اس قابل نہیں کہ تمہیں ساری آسائشیں دے سکوں جبکہ وہ تمہیں سب کچھ دے سکتا ہے جو تمہاری خواہشات تھیں۔ میرے لیے آج بھی تمہاری خوشی سب سے زیادہ اہم ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ میں تمہاری خوشی چھینوں جبکہ ہم پہلے دن طے کر چکے ہیں سو تم آزاد ہو' میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو۔" وہ کہہ کر چل پڑا' دروازے کے پاس وہ ایک پل کے لیے رکا تھا۔

"اور ہاں سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس بات نے دی کہ تم نے مجھے مجھ سے جھوٹ بولا تابش اس دن آیا تھا اور تم نے میرے بار بار پوچھنے پر یہی کہا کہ کوئی نہیں آیا۔ تمہارے اس جھوٹ نے مجھے بہت تکلیف دی حبہ بہت۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا جبکہ حبہ تو جیسے کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی یہ ایک پل میں کیا ہو گیا تھا۔ اس کی تو دنیا ہل کر رہ گئی تھی۔ کتنی دیر تک وہ صدمے کے مارے ہل ہی نہیں سکی۔ کچھ دیر بعد جیسے اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا حقیقت تھی وہ جا چکا تھا وہ دروازے کی طرف بھاگی' کاریڈور بالکل خالی تھا' وہ ان ہی قدموں سے واپس آئی اس نے اس کا موبائل نمبر ٹرائی کیا وہ بند جا رہا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح بار بار نمبر ڈائل کرتی رہی لیکن وہ تو اس کی قسمت کی طرح بند جا رہا تھا۔

"خدا کے لیے دراب! مجھے صفائی کا ایک موقع تو دیں۔" وہ بند فون میں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ رو رو کر وہ

نڈھال ہو گئی تھی اُسے لگ رہا تھا وہ مرنے والی ہے اور پھر اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی تھی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو نادیہ کا چہرہ پہلے اسے دکھائی دیا۔ اس نے بے چینی سے اپنے اطراف میں دیکھا۔وہ نہیں تھا اس کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

"حبہ پلیز میری جان رو کیوں رہی ہو ہوا کیا ہے؟" وہ اس کا چہرہ سہلاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اس تابش نے میری ساری زندگی ہلا کر رکھ دی۔ زہر بو گیا دراب کے دل میں وہ گھر آیا تو میں نے دراب کو نہیں بتایا۔ مجھے لگا ان کو علم نہیں۔ میں نے تو صرف اس لیے نہیں بتایا کہ اس کے ذکر سے ان کا موڈ خراب ہو جائے گا بس ورنہ تم جانتی ہو میرے دل میں کوئی چور نہیں۔ دراب سے مل کر اس نے کہا ہے کہ میں دراب کے ساتھ خوش نہیں۔ مجبور ہوں اس احسان کی وجہ سے جو انہوں نے مجھ پر اور پاپا پر کیا اور میں ان سے نہیں تابش سے محبت کرتی ہوں۔ نادیہ! یہ غلط ہے میں دراب سے بہت محبت کرتی ہوں میں نہیں رہ سکتی ان کے بغیر اور وہ مجھ سے کچھ پوچھے بغیر مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔" وہ بچوں کی طرح شکایت لگا رہی تھی۔ نادیہ نے بے ساختہ اسے گلے لگا لیا۔

"وہ ایسے کیسے تمہیں چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ اتنی پیاری بیوی انہیں کہاں ملے گی۔"

"مجھے بہلاؤ مت نادیہ! میں نے انہیں آج تک کوئی خوشی نہیں دی۔ وہ میری آنکھیں میرا چہرہ تک پڑھ لیتے تھے اور میں کبھی اندازہ نہیں کر سکی وہ کیا چاہتے ہیں ان کا ہر الزام جائز ہے پر ایک موقع تو دیں۔"

"یہ تابش گھٹیا انسان خود تو شادی کر رہا ہے اور تمہاری بسی ہوئی دنیا اجاڑنے پر تلا ہے اور تم اتنی کمزور کیسے ہو گئیں حبہ! تم نے اس کا منہ کیوں نہیں توڑا۔"

"نادیہ! میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔ دراب تو ہر وقت میرے ناز ہی اٹھاتے تھے میں تو ان کے پیار کی عادی ہو گئی تھی۔ ابھی بھی انہوں نے آرام سے بات کی لیکن اس میں شکایت تھی ناراضی تھی۔ الزام تھا۔ وہ دو دن سے چپ چپ تھے مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا۔"

"تم نے فون کیا؟"

"رات سے کر رہی ہوں بند جا رہا ہے۔"

"اتنے غیر ذمہ دار تو کبھی نہیں رہے۔" نادیہ بھی پریشان

"تم کو کیسے پتا چلا۔"

"میں نے تمہیں فون کیا تو کسی سلمیٰ آنٹی نے اٹھایا انہوں نے بتایا تم بے ہوش ہو گئی ہو اور دروازہ کھلا ہے میں اسی وقت اسی حالت میں اٹھ کر آ گئی۔ مجھے تو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ یہاں یہ حالات ہیں۔" حبہ نے ایک بار پھر نمبر ڈائل کیا وہ اب بھی بند تھا۔ اس نے اب کے فیروز کا نمبر ملایا تھا۔

"السلام علیکم بھابھی! خیریت آج مجھے کیسے یاد کیا۔" دوسری طرف فیروز کی مسکراتی آواز سنائی دی۔

"فیروز بھائی! دراب آپ کے ساتھ ہیں۔"

"نہیں تو۔ خیریت۔" اب کہ وہ چونکا۔

"فیروز بھائی! وہ رات سے گھر نہیں آئے۔ آپ پلیز انہیں ڈھونڈیں اور جیسے ہی ملتے ہیں میری بات کروائیں۔"

"خیر تو ہے نا بھابھی" فیروز اب پریشان ہو گیا تھا۔

"فیروز بھائی۔" وہ اب رونے لگی تھی۔ "میری کوئی غلطی نہیں وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ ان سے کہیں ایک بار مجھے صفائی کا موقع تو دیں۔"

"اوکے بھابھی! آپ پلیز رونا بند کریں میں دیکھتا ہوں۔" وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ اس وقت کہاں ہو گا اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ وہیں تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ پتا ہے بھابھی کتنی پریشان ہو رہی ہیں اور فون کیوں آف کر رکھا ہے۔" فیروز نے غصے سے اسے دیکھا جو آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

"دراب! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"سن رہا ہوں۔"

"تو جواب دو تم بھابھی کا فون کیوں اٹینڈ نہیں کر رہے۔"

"کیونکہ مجھے اس سے بات نہیں کرنی۔"

"ہیں۔" فیروز حیران ہوا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو۔"

"ہاں میں کہہ رہا ہوں۔" اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جو لال ہو رہی تھیں۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے دراب! تم وہی دراب ہو جس نے حبہ کو پانے کے لیے زمین آسمان ایک کر دیے تھے۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور تک بن گئے تھے ایک فلیٹ میں رہنے لگے تھے۔"

"میں اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں فیروز! تم جانتے ہو۔

پر اسے آج تک وہ محبت محسوس کیوں نہیں ہوئی۔ وہ کیوں میری محبت کو احسان سمجھتی ہے۔ ایک رشتے میں میں ساری محبتیں ڈھونڈ رہا ہوں اور مجھے ایک محبت بھی نہیں مل رہی۔ کیا محبت پر میرا حق نہیں۔ پہلی نظر میں جو شدت مجھے اس کے اندر نظر آئی تھی اس نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ شدت میرے لیے کیوں نہیں اس کے پیار میں۔"

"دراب! پاگل وہ تمہیں بہت چاہتی ہیں۔" فیروز کا فون پھر بج اٹھا۔ اور آنے والا فون حبہ کا تھا۔

"یہ پندرہ منٹ میں دسواں فون ہے بھابھی کا جن کو محبت نہیں ہوتی' وہ یوں رو کر بے چین ہو کر فون نہیں کرتے تم ذرا سنو' وہ کیسے رو رہی ہیں۔" دراب کچھ نہیں بولا فیروز نے فون آن کر کے اسپیکر بھی آن کر دیا۔

"ہیلو فیروز بھائی پتا چلا وہ کہاں ہیں وہ؟ ٹھیک ہیں نا۔" وہ رو رہی تھی' دراب نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا۔

"بھابھی آپ فکر نہ کریں وہ ٹھیک ہے۔"

"فیروز بھائی! ان سے کہیں مجھے صفائی کا موقع تو دیں میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا جس کا میں جواب نہ دے سکوں' لیکن اگر انہیں لگتا ہے میں نے غلطی کی ہے تو میں معافی مانگنے کو تیار ہوں انہیں کہیں گھر واپس آجائیں میں اکیلی ہوں' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

اس کی آواز میں اتنا درد تھا کہ فیروز پریشان ہو گیا دراب بھی بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"تم نے کہا تھا نا اس لڑکی میں بڑی انا ہے غلطی پر بھی معافی نہیں مانگتی اور آج وہ بے قصور ہو کر بھی معافی مانگنے کو تیار ہے۔ صرف محبت کی وجہ سے' محبت میں انا نہیں ہوتی اب گھر چلو اس سے پہلے وہ کچھ کر لے اور تم پچھتاتے رہو۔" فیروز نے دراب کو غصے سے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کس کا فون تھا۔"

"بھابھی کی دوست نادیہ کا۔"

"کیوں؟" وہ پریشان ہو کر بولا۔

"ان کا بی پی بہت لو ہو گیا ہے وہ ان کو اسپتال لے کر جا رہی ہے۔" دراب ایک دم خاموش ہو گیا۔

وہ اسپتال پہنچے تو نادیہ کاریڈور میں ٹہل رہی تھی تیزی سے بڑھتے دراب کے قدم سست پڑ گئے تھے۔ نادیہ نے اسے جس طرح کی نظروں سے دیکھا تھا۔

"بہت افسوس کی بات ہے دراب بھائی میں آپ سے یہ امید نہیں کرتی تھی۔ میری دوست تو خالص ہے آپ نے اس پر شک کیا جو باپ کے مرنے پر اتنا نہیں روئی آپ کے جانے کے تصور سے مرنے والی ہو گئی اتنی محبت نہ کرتے کہ وہ آپ سے اتنی توقعات وابستہ کر کے بیٹھ جاتی۔ آپ نے ذمہ داری لی تھی نا اس کی۔ آپ کی بیوی ہے۔ آپ کو پتا ہے لاوارثوں کی طرح زمین پر بے ہوش پڑی تھی اگر کچھ ہو جاتا آپ ساری عمر پچھتاتے۔" دراب بالکل خاموش تھا۔ فیروز نے بھی اس کی حمایت نہیں کی۔

"کیا غلطی ہے اس کی کہ اس نے چھپایا کہ تابش آیا تھا۔ اس کی وجہ بھی وہ آپ کو بتائے گی فی الحال آپ اس پردے کے پیچھے چھپ جائیں' میں آپ لوگوں کو کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔" فیروز اور دراب نے نا سمجھی سے اسے دیکھا' لیکن وہ اندر چلی گئی تھی' دراب نے پردے کی اوٹ سے دیکھا اس کو ڈرپ لگی تھی اور کل اس کا چہرہ کتنا دمک رہا تھا اب بالکل سفید پڑا تھا۔ دراب نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اسی لمحے اس نے تابش کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ فیروز اور دراب نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا حبہ کو۔" وہ اچانک اسے یوں دیکھ کر حیران ہوا۔

"میں نے تمہیں فون کیا تھا' حبہ نے مجھے تمہیں بلانے کو کہا تھا۔" نادیہ نے جواب دیا۔ فیروز نے دراب کی طرف دیکھا جس کے ہونٹ سختی سے بند تھے۔

"حبہ! دیکھو کون آیا ہے۔" نادیہ نے اس کے کان کے پاس جا کر کہا۔

"دراب۔" وہ بند آنکھوں کے ساتھ بولی۔

"آنکھیں کھولو۔" نادیہ نے اس کا چہرہ زور سے تھپتھپایا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

"حبہ! میں ہوں تابش' کیا ہوا تمہیں؟" حبہ نے حیرت سے اسے دیکھا دراب کی دھڑکن تیز چلنے لگی تھی۔

"اٹھو نہیں۔" حبہ کو اٹھتے دیکھ کر تابش نے روکنا چاہا۔

"ہاتھ مت لگاؤ گھٹیا ذلیل انسان۔" وہ ایک دم چیخ کر بولی۔ تابش کے ساتھ دراب اور فیروز بھی دنگ رہ گئے۔ وہ بمشکل اٹھی تھی۔ اس کا سفید چہرہ یک لخت سرخ پڑ گیا تھا۔

"کیا بکواس کی تھی تم نے دراب سے میرے بارے

میں۔" تابش تو اس کا انداز دیکھ کر ہکلا کر رہ گیا۔

"جو کہنا تھا میرے سامنے کہتے۔ میری پیٹھ پیچھے میرے شوہر سے میرے خلاف باتیں کرتے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو' تمہاری اس حرکت سے دراب کا مجھ پر اعتماد ختم ہو جائے گا۔ ہماری محبت کم ہو جائے گی۔"

"اگر ایسا نہیں تو تم یہاں کیوں ہو؟ وہ تمہارا عاشق کہاں ہے۔" تابش نے جیسے اس کے غصے کا مزہ لیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں جیسا تم نے چاہا تھا۔ میں تو اس لمحے کی شکر گزار ہوں جب دراب میری زندگی میں داخل ہوئے' میں اپنے باپ کی احسان مند ہوں جنہوں نے دنیا کا بہترین انسان میرے لیے پسند کیا۔ میں دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں کیونکہ میں دراب کی بیوی ہوں۔ دنیا میں پیسہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ میری سوچ دراب نے غلط ثابت کی ہے۔ محبت ہوتی ہے سب کچھ' تمہیں کیا لگتا ہے' مجبوری میں یہ رشتے نبھائے جاتے ہیں۔ محبت کرتی ہوں میں اپنے شوہر سے بے انتہا۔ سمجھے۔" کہنے کے ساتھ اس نے ڈرپ والی سوئی کھینچ دی۔ خون کی تیز دھار نکلی تھی۔

"حبہ! کیا کر رہی ہو۔" نادیہ گھبرا کر آگے ہوئی جبکہ فیروز نے دراب کا بازو مضبوطی سے پکڑا جو بے چین ہو کر باہر نکلنے لگا تھا۔

"تم نے مجھے سمجھا کیا تھا۔" وہ پوری آنکھیں کھول کر اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی اور کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے گال پر مارا وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"بھول گئے میں کیا ہوں۔ میں اپنے دشمنوں کو بھی معاف نہیں کرتی اور جو میرے اور میرے شوہر کے درمیان آنے کی کوشش کرے گا' اس کی میں ہستی مٹا کر رکھ دوں گی۔" دوسرا تھپڑ اس سے بھی زیادہ زور سے اس نے مارا تھا اس میں پتا نہیں اتنی طاقت کیسے آگئی تھی۔

"جواب تمہیں مل گیا آئندہ اپنی منحوس شکل مت دکھانا ورنہ تم مجھے جانتے ہو۔" اس نے مڑ کر میز سے قینچی اٹھالی۔

"یہ تمہارے جسم کے آر پار ہو گی۔"

"پاگل ہو تم شروع سے' میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر۔" تابش نے دوڑ لگادی تھی جبکہ حبہ کا سانس بری طرح پھول گیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے حبہ! کول ڈاؤن۔"

"نہیں ہو رہا۔ میں بہت تکلیف میں ہوں۔ دراب کو بلاؤ۔ میں ان سے فائنل بات کرلوں۔"

"تم لیٹ جاؤ حبہ۔"

"نہیں نادیہ! مجھے گھر لے چلو۔"

"چلتے ہیں پہلے یہ خون تو بند ہو۔" وہ جھنجلا کر بولی اس نے پردے کے پیچھے جھانکا وہ دونوں جا چکے تھے' نادیہ کو حیرت ہوئی سب سن کر بھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"بھابھی کے پاس چلو۔"

"نہیں۔" دراب تیزی سے بولا۔

"دیکھ نہیں رہے وہ کتنی پریشان ہیں اب تو سب کلیئر ہو گیا وہ تو جانتی بھی نہیں تھی تم وہاں ہو۔"

"تم نے دیکھا نہیں غصے میں وہ کیسی ہو جاتی ہے اگر اس نے مجھے چھوڑ دیا' نہیں مجھے اس کے غصہ کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا ہے۔" فیروز قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"قسم سے چوہے لگ رہے ہو۔"

"جو بھی کہہ لو۔" دراب کو لگا' وہ بہت عرصے بعد مسکرایا ہے۔

"نادیہ سے رابطے میں رہنا پڑے گا۔" وہ فیروز سے کہہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یار! کوئی ٹیکسی بھی نہیں مل رہی۔" نادیہ جھنجلا کر بولی۔ اسے حبہ کی فکر تھی جو کب سے کھڑی تھی' حبہ نے غور سے اس ٹیکسی کو دیکھا یہ نمبر تو اسے زبانی یاد تھا۔

"نادیہ' دراب۔" وہ ایک دم خوشی سے بولی۔

"رکو حبہ۔" نادیہ نے اسے ٹوکا جو پاگلوں کی طرح ٹیکسی کی طرف بھاگی تھی اور پیچھے پیچھے نادیہ تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بوڑھے آدمی کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا۔

"جی بیٹا! کدھر جانا ہے۔" وہ الٹے پاؤں پلٹی تھی نادیہ آگے بڑھی۔

"یہ ٹیکسی کا ڈرائیور کہاں ہے۔"

"جی میں ہی ہوں۔" وہ بوڑھا حیران ہو کر بولا۔

"کیا یہ ٹیکسی دراب کی نہیں۔" حبہ نے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! میں تین سالوں سے یہ ٹیکسی چلا رہا ہوں۔" حبہ کو ایک دم چکر آیا تھا اگر نادیہ اسے نہ تھامتی تو وہ یقیناً گر جاتی۔

"سب ٹھیک تو ہے نا۔" وہ ٹیکسی ڈرائیور پریشان ہو کر پوچھنے لگا۔

"انکل! کیا آپ نے کبھی اس لڑکے کو یہ گاڑی رینٹ پر دی تھی۔" نادیہ نے جلدی سے حبہ کا موبائل نکال کر دراب کی تصویر دکھائی۔

"یہ۔" وہ بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "بیٹا! یہ تو کوئی بہت بڑا صاحب ہے۔ اس کی گاڑی سے کچھ ماہ پہلے میری ٹیکسی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ بڑی مدد کی اس نے یہ میری ٹیکسی کچھ گھنٹوں کے لیے لے جاتا تھا بدلے میں دس ہزار دیتا تھا دن کے 'بڑا نیک لڑکا ہے' اب ٹیکسی تو نہیں لیتا پر میرے بچوں کی فیس دیتا ہے پر تم لوگ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"آپ جانتے ہیں 'یہ کہاں رہتا ہے۔" حبہ کے سارے آنسو سوکھ گئے تھے جبکہ نادیہ تو شاکڈ رہ گئی تھی۔

"گھر کا تو نہیں پر آفس کا پتا ہے۔"

"آپ ہمیں لے کر جاسکتے ہیں۔" ٹیکسی ڈرائیور نے ایک نظر دونوں لڑکیوں کو دیکھا اور سر ہلا دیا۔

سارا راستہ خاموشی میں کٹا۔ حبہ کو لگتا تھا 'وہ اب بول نہیں سکتی جبکہ نادیہ سوچ رہی تھی۔ لوگوں کے کتنے روپ ہیں۔ ایک بہت بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کے سامنے ٹیکسی رکی۔ حبہ نے سر اٹھا کر عمارت کو دیکھا۔ نادیہ کرایہ دے کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے 'وہ یہاں جاب کرتا ہے۔" نادیہ نے حبہ کو دیکھ کر کہا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ اس کے ساتھ اندر بڑھتے ہوئے اس کے قدموں میں مضبوطی تھی۔

"کیا مسٹر دراب یہاں کام کرتے ہیں؟" نادیہ کے سوال پر ریسپشن پر کھڑی لڑکی نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔

"جی نہیں۔" نادیہ نے گہرا سانس لیا۔

"وہ اس کمپنی کے مالک ہیں۔" نادیہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔ اس نے حبہ کو دیکھا جس کا چہرہ بالکل پتھریلا ہو گیا تھا۔

"ہمیں ان سے ملنا ہے۔"

"آپ کی اپائنٹمنٹ ہے؟" نادیہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"سوری سر بغیر اپائنٹمنٹ کے نہیں ملتے۔"

"تمہارے سر سے ملنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔" حبہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا تو وہ لڑکی گھبرا کر گارڈ کو آواز دینے لگی۔

"حبہ پلیز سنو' رکو' سب دیکھ رہے ہیں تماشا بن جائے گا۔" نادیہ دھیمے انداز میں اسے سمجھاتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی جبکہ وہ بس چلتی جارہی تھی۔

"میڈم رک جائیں۔" تین گارڈز ان کے پیچھے تھے۔

"دراب صاحب کا آفس کہاں ہے۔" حیران کھڑے اسٹاف میں سے اس نے ایک سے پوچھا اس نے گھبرا کر دائیں طرف اشارہ کیا۔ وہ تن فن کرتی آگے بڑھی تھی پیچھے منمناتی ہوئی نادیہ۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا۔ کمرے میں موجود پانچ نفوس نے حیرت سے مڑ کر دیکھا جبکہ ان میں سے دو کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے۔

"سوری سر! یہ میڈم زبردستی اندر آگئیں۔" گارڈ گھبرا کر صفائی دے رہے تھے۔

"تم لوگ جاؤ۔" فیروز نے کہا۔

"سرفراز صاحب پلیز ایکسکیوز می۔" فیروز نے ان تین لوگوں سے معذرت کی جو حیران نظر دونوں لڑکیوں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے۔

"آئیے بھابھی۔" فیروز نے سب سے پہلے خود کو سنبھالا تھا۔ حبہ کی نظریں دراب پر جمی تھیں۔ سرد' غصیلی۔

"اس سے زیادہ بھی آپ کا کوئی روپ دیکھنا باقی رہ گیا ہے۔" حبہ نے دراب سے کہا۔

"میں پاگل تھی۔" اس کا غصہ بے چارگی میں بدلنے لگا۔ "کھونے سے ڈر رہی تھی' اپنی صفائی دے رہی تھی کس کو جو خود دھوکا ہے۔"

"حبہ۔" دراب آگے بڑھا۔

"پلیز میں آپ کو نہیں جانتی۔ کون ہیں آپ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور یا ایک ملٹی نیشنل کمپنی کے مالک۔"

"حبہ پلیز' میری بات سنو۔"

"میں نے کہا نا میں نہیں جانتی کون ہیں آپ۔ حبہ کو سب نے مذاق بنا دیا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی اور مڑی۔ دراب اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

"آپ بتا تو دیتیں۔" فیروز نے نادیہ سے کہا۔

"میں کیا بتاتی' سب اتنی اچانک ہوا میں تو خود حیران ہوں۔ دراب بھائی واقعی اتنے امیر ہیں۔"

فیروز نے منہ بنایا۔ "آپ کی سوچ سے زیادہ۔"

نادیہ نے بے اختیار حبہ پر رشک کیا۔

سارے اسٹاف نے پاگلوں کی طرف اپنے ڈیسنٹ صاحب کو ایک پاگل کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا۔

"رک جاؤ حبہ پلیز۔" دراب نے اسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

"پلیز میرا ہاتھ چھوڑ دیں ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔"
اس کا چہرہ اس وقت واقعی جنونی ہو رہا تھا۔

"ہم گھر چل کر بات کرتے ہیں۔"

"میرا کوئی گھر نہیں۔"

"یہ فیصلہ تم بعد میں کرنا۔" دراب بھی اس کی بات سننے کو تیار نہیں تھا اس کو کھینچتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔ مودب کھڑا ڈرائیور حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

"تم جاؤ میں خود ڈرائیو کروں گا۔" اس نے دروازہ کھول کر زبردستی حبہ کو اندر دھکیلا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا حبہ اس کے خیال کے برعکس بالکل خاموش ہو گئی تھی۔

اس نے ہارن دیا تو بلند بالا گیٹ کھل گیا اور گاڑی ڈرائیو وے سے ہوتی ہوئی پورچ میں آکر رک گئی۔ وہ یونہی بیٹھی رہی۔ دراب نے جلدی سے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا' لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"حبہ ادھر دیکھو ہمارا گھر آگیا۔" وہ گم صم ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ ہارن سن کر تین چار ملازم باہر نکل آئے تھے۔ دراب نے اس کی چپ کو غنیمت جانا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کو گاڑی سے اتارا۔ ایک ملازم نے تیزی سے دروازہ کھولا تھا۔ باقی حیران پریشان پیچھے پیچھے تھے۔

"زرینہ اماں! یہ آپ کی بہو ہے ابھی ناراض ہے' میں اسے منانے کے لیے لے جا رہا ہوں کمرے سے توڑ پھوڑ کی آواز آئے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں اور تھوڑی دیر بعد جوس لے آیئے گا غصہ کرنے کے بعد اس کو کمزوری ہو جاتی ہے۔" سب ملازم لگتا ہے زیادہ ہی لاڈلے تھے کھی کھی کرنے لگے۔

وہ اسے بازو سے پکڑے گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے آیا تھا اور بیڈ پر اسے بٹھا کر سب سے پہلے اس نے دروازہ لاک کیا تھا۔

"یہ ہمارا بیڈ روم ہے۔" اس نے شاہانہ انداز میں سجے بیڈ روم کی طرف اشارہ کیا۔ حبہ نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو ذرا بھی شرم آرہی ہے۔"

"کیا بتاؤں اس وقت مجھے تم پر کتنا پیار آرہا ہے۔" وہ اس کے قریب جا کر بولا۔

"دراب! میں اس وقت کسی فضول بات کے موڈ میں نہیں۔ مجھے جواب چاہیے کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا؟ کوئی اتنا بڑا ڈرامہ کرتا ہے کسی کے ساتھ۔ غریب فقیر بن کے آپ مجھے آزماتے رہے۔ آپ نے تابش کو لے کر مجھ پر شک کیا۔ کیا میں آپ کو اتنی گئی گزری لگتی تھی کہ شادی آپ سے کر کے دولت کے لیے کسی اور سے محبت کی پینگیں بڑھاؤں گی' میرے باپ نے بڑے نیک انداز میں میری تربیت کی تھی۔ ہاں ٹھیک ہے' میں نے شادی سے پہلے آپ سے کچھ کڑوی باتیں کی تھیں' لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ آپ میرا امتحان لیتے۔ آزمائش کا حق اللہ کے پاس ہے انسان کے پاس نہیں۔ اللہ نے تو مجھے آزمایا۔ آپ نے کیوں آزمایا۔ کیا آپ کے نکاح میں آنے کے بعد آپ نے مجھے کوئی خیانت کرتے دیکھا۔ کیا میں نے کبھی آپ سے کسی بھی چیز کی ڈیمانڈ کی۔ آپ کو کسی چیز کے لیے تنگ کیا۔ میں تو پہلے آپ کی احسان مند تھی پھر آپ سے محبت کرنے لگی اتنی محبت کہ مجھے لگا کہ آپ نہیں تو میری سانسیں بند ہو جائیں گی' لیکن نہیں اب کئی باتیں میری سمجھ میں آرہی ہیں کیوں لوگ امریکا' دبئی کی بات کرتے تھے' کیسے آپ نے میرے پاپا کے علاج پر ہزاروں خرچ کیے' کیسے آپ لاکھوں کے فلیٹ میں رہتے تھے کیوں لوگ آپ کے اسٹینڈرڈ کا حوالہ دیتے تھے' کیوں لڑکیاں مری جارہی تھیں آپ سے شادی کرنے کے لیے' میں اتنی پاگل کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔ اتنا اندھا اعتماد کر لیا تھا آپ پر' جو آپ نے کہا میں نے وہی مانا دوسری طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ آپ نے کہا' آپ کو دکھ ہوا میں نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ آپ اتنے ماہ سے میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں مجھے دھوکا نہیں دے رہے؟ تابش آیا میں نے نہیں بتایا میری غلطی تھی پر میری نیت میں کھوٹ نہیں تھا۔ مجھے پتا تھا۔ آپ کو وہ اچھا نہیں لگتا' میں آپ کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے خود ہی سب فرض کر لیا۔ میری شرم کو آپ گریز سمجھتے تھے۔ کیا کبھی آپ کے چھونے پر میں نے بے زاری کا اظہار کیا تھا جو آپ نے اس دن مجھے اتنی بڑی بڑی باتیں سنا دیں۔" اس کا چہرہ پوری طرح بھیگ چکا تھا۔ دراب کچھ نہیں بولا وہ پوری خاموشی سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا۔

"خیر ان باتوں کی ضرورت بھی نہیں' آپ نے کہا تھا مجھے حق ہے کہ میں جو چاہوں فیصلہ کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ اب نہیں رہنا چاہتی صرف اس لیے کہ آپ بہت امیر ہیں میں آپ کے قابل نہیں۔" وہ ایک دم کھڑی ہوئی تھی۔ اور اسی تیزی سے دراب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا تھا۔

"میں اگر اتنی دیر سے سب سن رہا ہوں تو اس کا مطلب

یہ نہیں کہ جو تم کہو گی میں مان لوں گا چھوڑنے اور جانے کی بات کرنے کا سوچنا بھی مت ورنہ تم نے ابھی میرا پاگل پن نہیں دیکھا۔" دراب کے انداز میں اتنی سختی تھی کہ وہ اندر ہی اندر ڈر کر رہ گئی۔

"تمہاری ساری باتیں اتنے تحمل سے اس لیے سنی ہیں کہ زیادہ غلطی میری ہے۔ میں نے کبھی تم پر شک نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہوں۔ مجھے تم پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے۔ اگر شک ہوتا تو شادی نہ کرتا مجھے صرف غصہ تھا کہ تم مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہی ہو اور اس کے بعد تابش نے جو باتیں مجھ سے کیں مجھے بس غصہ تھا اور کچھ نہیں۔"

"غصہ ہونا اور بات ہوتی ہے "آپ نے تو مجھے سزا دی گھر سے چلے گئے مجھے اکیلا چھوڑ کر۔" وہ پھر رو پڑی تھی۔

"حبہ! میری جان۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیا۔

"نہیں ہوں میں جان وان۔" اس کے انداز پر وہ ہنس پڑا تھا۔

بنئے خوب ہنسے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے آپ تو آرام سے تھے پاگلوں کی طرح تو میں نے رات گزاری۔ اسپتال میں گئی یہ دیکھیں۔" اس نے ڈرپ کا نشان دکھایا۔ دراب نے مسکرا کر اس کا بازو چوما۔

"اب مجھے فرق نہیں پڑتا۔" وہ منہ پھیر کر بولی۔

"واقعی!" دراب نے ابرو اچکا کر پوچھا اور اس کے چہرے کی طرف جھکا۔

"کیا ہے آپ کو۔" اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر وہ گھبرا کر بولی۔

"اوکے۔ پہلے بات کر لیتے ہیں ٹھیک ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں نے تم سے کبھی نہیں کہا کہ میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں تم نے خود تصور کر لیا تھا۔ ایک بات۔ دوسری بات ٹیکسی ڈرائیور بھی میں تمہارے لیے بنا' دیکھو میرا پاگل پن۔ کروڑوں کی میٹنگ چھوڑ کر میں آوارہ لڑکوں کی طرح کالج کے باہر ہزاروں لڑکیوں میں تمہیں ڈھونڈ رہا ہوتا تھا۔ تم شاید پہلی نظر کی محبت کو نہیں مانتیں پر مجھے تم سے پہلی نظر میں محبت ہو گئی تھی۔ تمہارا انداز تمہارا اتیکھا پن بہت اچھا لگا تھا مجھے پھر انکل سے ملاقات اتفاقاً" ہوئی۔

میں نے جب انکل کی مدد کی میں جانتا بھی نہیں تھا وہ تمہارے پاپا ہیں' میں بہت چھوٹا تھا جب میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی۔ میری مدر نے بزنس کو سنبھالا میں امریکا میں پڑھتا تھا۔ میں گریجویشن کر رہا تھا جب پتا چلا ماما کی کنڈیشن سیریس ہے میں سب چھوڑ کر آ گیا' لیکن وہ سروائیو نہیں کر سکیں میں ہمیشہ کینسر کے مریضوں کی مدد کے لیے جاتا رہتا تھا اس دن بھی ڈاکٹر نے مجھے تمہارے پاپا کے بارے میں بتایا میں نے تو ہمیشہ کی طرح مدد کی' لیکن جس دن میں نے تمہیں دیکھا تب میں نے تمہارے لیے انکل کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ میں نے انکل سے بڑے جھجک کر اپنے دل کی بات کی تو انہوں نے بتایا کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے پتا ہے اس رات میں کتنا رویا تھا۔ تم مجھے اتنی اچھی لگنے لگی تھیں کہ تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا پھر تم نے ایک دن اتنی کڑوی باتیں کیں کہ مجھے غصہ تو بہت آیا تھا' لیکن کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ تو میرا جذبہ اللہ کو سچا لگا' میری چاہت میں طاقت تھی اللہ نے تمہیں مجھے دے دیا' لیکن میں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ تھوڑا تمہیں تنگ کرنا میرا حق بھی بنتا ہے۔ بس اس لیے تنگ کرتا تھا اور جہاں تک آزمانے کی بات ہے میں نے آزمایا نہیں صرف تم سے اپنی اصلیت چھپائی۔ باقی تمہارے ساتھ میں جیسا ہوں' میری اصلیت وہی ہے۔ میری محبت میں کوئی دوہرا پن نہیں' وہ تمہارے لیے بالکل پیور ہے۔ اب کچھ کہو گی نہیں۔"

اسے یونہی خاموش دیکھ کر وہ بولا۔ وہ پھر بھی خاموش رہی۔

"مجھے پتا ہے حبہ میں نے تمہارا دل دکھایا ہے میں خود بھی بہت تکلیف میں رہا ہوں' اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو تو مجھے معاف کر دو' میں کان پکڑ کر سوری کرتا ہوں تم جو چاہے مجھے سزا دے دو' لیکن مجھے چھوڑ کے جانے کی بات مت کرنا۔" حبہ نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اتنی محبت۔" اس نے گہرا سانس لے کر سوچا" وہ اتنی خوش قسمت تھی" وہ سر جھکا کر مسکرائی۔

"ٹھیک ہے' لیکن میں سزا ضرور دوں گی۔" دراب نے منہ لٹکا لیا۔

"آپ کو جتنے مرضی پاگل پن کے دورے پڑیں' آپ اب تین دن تک میرے قریب بھی نہیں آئیں گے۔"

"حبہ۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہ میں نہیں کر سکتا اب۔" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔

"میں تین دن روتی رہی ہوں۔" اس نے جیسے یاد دلایا۔

"میں سارا حساب پورا کر دوں گا۔" وہ پیار سے بولا۔

"دور رہے۔" وہ کھلکھلا کر بولتی ہوئی بیڈ کے دوسری طرف چلی گئی تھی۔

عنبرین ولی

میں اور تم

سیاں چھوڑ کے نہ جا' دل توڑ کے نہ جا
تجھ کو میری 'ہاں میری جوانی کی قسم

دیوار پر ٹنگے ہوئے ریڈیو سے گانے کے یہ بول نکل نکل کر پورے صحن میں چیختے چنگھاڑتے گھوم رہے تھے اور کہکشاں بی بی گلوکارہ کے ساتھ ساتھ اپنے "ذاتی" سُر ملانے میں بھی مگن تھیں۔ اس قدر بے ہودہ شاعری' با آواز بلند گنگنانے پر اور ساتھ ہی ساتھ

Downloaded From
Paksociety.com

اس کے ناچتے وجود کو دیکھ کر انہیں سخت تاؤ چڑھا۔

وہ صحن میں رکھے لکڑی کے بڑے سے تخت پر بیٹھی تھیں۔ نیچے پڑی چپل اٹھا کر انہوں نے وہیں سے ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ چپل اڑتی ہوئی آئی اور وائپر لگاتی' ناچتی گاتی کہکشاں بی بی کی کمر پر جا کر لگی۔

وہ بڑے مگن انداز میں یہ سارے کام انجام دے رہی تھی۔ اسی لیے جب اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر "اماں" نے حملہ کیا تو اس اچانک حملے سے معصوم "وجود" بلبلا اٹھا۔

وہ بری طرح ہڑبڑائی وائپر ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا تھا۔ اس لیے کافی جلالی انداز میں پیچھے مڑ کے دیکھا مگر اماں کی انتہائی غصیلی نگاہوں کو دیکھ کر لبوں سے نکلنے والی ہائے بھی واپس حلق میں لوٹ گئی۔

"آج مجھے بتا دے کہ میں تجھے کس زبان میں سمجھاؤں کہ میری بات تیری موٹی عقل میں سما جائے؟ بول۔ کتنی بار منع کیا ہے کہ ان بے ہودہ گانوں کو نہ سنا کر اور نہ ہی گایا کر۔ نہ کسی آئے گئے کا لحاظ' نہ ماں سے شرم۔ کب سدھرے گی تو؟" وہ دھاڑ رہی تھیں۔

ان کی ہزار بار کی اس گرج دار نصیحت کو ایک بار پھر سن کر اس کے صبیح چہرے کے زاویے مزید بگڑ گئے مگر وہ اس وقت "مصلحت" کے موڈ میں تھی' نسوان کی اس ظالمانہ روش پر کچھ نہ بولی۔ غصے کو بمشکل جھٹکا اور پھر سے وائپر اٹھا لیا۔

اب ریڈیو پر ایک اور گیت بج رہا تھا' لیکن اسے علم تھا کہ اب اگر اس نے سُر ملانے کی کوشش بھی کی تو اس کی پیاری اماں جان صرف چپل پر ہی اکتفا نہیں کریں گی۔ وہ ان کے تمام ہتھیاروں سے بہت اچھی

طرح واقف تھی اور وہ اس وقت "پٹنا" نہیں چاہتی تھی۔ کام سے فارغ ہو کر اس نے ریڈیو دیوار سے اتارا اور کمرے میں لے آئی۔ اسے سیٹ کر کے اپنا پسندیدہ چینل لگانے کے بعد حسب عادت وہ بیڈ پر دراز ہو گئی۔

"گھر صاف کر لیا ہے تو منہ بھی صاف کر لو۔ پانچ منٹ ہی لگیں گے۔ گندا منہ لے کر پھرے بستر پر گر جانے والی عادت نہ جانے کہاں سے آگئی اس میں۔" اماں کی آواز نے پھر سے اس کا پیچھا کیا۔ وہ بدمزہ ہوئی۔ اماں بھی جانتی تھیں کہ اس حوالے سے اس پر چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ دن میں صرف صبح کے وقت منہ دھونا پسند کرتی تھی۔ اس کے بعد صابن کا چہرے پر لگنا جرم ہو جاتا تھا جیسے۔ سو انہوں نے اپنی توانائی ضائع ہونے سے بچالی۔

کہکشاں اب مکمل آرام کے موڈ میں تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے موبائل نکالا اور فیس بک کھول کر دیکھنے لگی۔ اب وہ بستر پر نیم دراز گانے سنتے ہوئے اسٹیٹس اپ ڈیٹ کر رہی تھی۔ "فیلنگ پرسکون انجوائنگ میوزک" ابھی اسے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کا موبائل بجا۔ موبائل دیکھا تو شاہ زیب کا میسج تھا۔ اس نے میسج کھولا۔ شاہ زیب نے کہکشاں کا ہی تازہ ترین اسٹیٹس کاپی کرنے کے بعد اسے ان بکس کیا۔ وہ سمجھ گئی کہ یقیناً "شاہ زیب کے شیطانی دماغ میں کچھ نیا چل رہا ہو گا اور اب وہ پوری تیاری سے موجود ہے۔ اس لیے وہ چوکنی ہو گئی کیونکہ جب وہ بھی "موڈ" میں ہوتا۔ شرارت کی پہل اس کی جانب سے ہوتی اسے وہ اتنا زچ کر دیتا کہ کہکشاں کا بس نہ چلتا وہ اسے بارود سے ہی اڑا دے۔ لیکن اب اسے جواب تو دینا ہی تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟ مجھے میرا اسٹیٹس کیوں بھیجا ہے؟" اس نے انتہائی غصے سے پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ لوگ موسیقی سے محظوظ ہونے کے لیے بھی کیسے کیسے طریقے ڈھونڈتے ہیں۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی میں نے ایک لائیو سین دیکھا تھا جہاں میوزک انجوائے کرتے ہوئے لوگوں کو اڑتی ہوئی چپل آ آ کر سلامی دے رہی تھی۔ ویسے کمال کا نشانہ ہے چچی جان کا۔" اسکرین پر چمکتے الفاظ پڑھ کر اس کا سانس رک گیا۔

"یہ بدتمیز کب آیا وہاں؟" وہ حیران تھی۔ اب امی کا جملہ اس کی سمجھ میں آیا کہ نہ آئے گئے کا لحاظ ہے' نہ ماں سے شرم۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ اف..... وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی اسے شاہ زیب ہنس ہنس کر دوہرا ہوتا دکھائی دے گیا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اس نے جو دیکھنا تھا وہ... وہ بھی دیکھ چکا تھا۔ کہکشاں نے محض ہونہہ لکھا اور کمنٹس دیکھنے لگی۔ اس کے دوستوں کی فہرست طویل تھی۔ اکثر اس کی پوسٹس پر لائیکس اور کمنٹس کرتے تھے۔ شاہ زیب بھی اس کام میں پیش پیش ہوتا تھا۔ اس کے کمنٹس 'کمنٹس' کم اور آگ لگانے والی تیلی زیادہ ہوتے تھے۔ یہی کام کہکشاں بھی سرانجام دیتی تھی لیکن اس کا داؤ ذرا کم ہی چلتا تھا۔ اب بھی شاہ زیب نے کمنٹ کیا۔ نوٹیفکیشن میں اس کا نام دیکھ کر اس کا دل بے چارہ سینے میں پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ شاہ زیب کا کیا بھروسا... کیا خبر اس نے حقیقت ہی بیان نہ کر دی ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے چیک کیا تو درج تھا۔

"کہکشاں تم کتنی خوش قسمت ہو کہ اپنی مرضی سے بھی میوزک انجوائے کر سکتی ہو۔ ایک بے چارہ میں ہوں جو—— اگر گھر میں موسیقی کا نام بھی لے لے تو اماں چپل اٹھائے پیچھے دوڑتی ہیں اور کبھی بھولے سے گنگنا لوں تو میری اماں جان ایسے تاک تاک کر چپل سے نشانے مارتی ہیں کہ میری نازک کمر نیل و نیل ہو جاتی ہے۔" اس طویل کمنٹ کے اختتام پر اس نے چڑانے کے لیے شکل بھی بنائی ہوئی تھی۔ کہکشاں کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ شاہ زیب کے اس بے ضرر اور طنز سے پاک کمنٹ کو دھڑا دھڑ لائیکس مل رہے تھے۔ کہکشاں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ موبائل میں گھس کر ہی اس کی ناک پر گھونسا جڑ دے۔ وہ غصے سے ان بکس کی طرف آئی۔

"دیکھو شاہ زیب میرے پروفائل سے دور رہا کرو' ورنہ بہت ہی برا ہوگا۔" وہ جانتی تھی کہ اس کی دھمکیاں بے اثر ہیں' لیکن پھر بھی بڑائی مارنے میں آخر حرج ہی کیا تھا اور خالی برتن اگر آواز بھی پیدا کرے تو کیا برا۔

"تمہاری پروفائل نہ ہوئی عزیز سہیلی ہوگئی جس کے پیچھے میں پڑا ہوں اور تم دھمکیاں دے رہی ہو۔" وہاں سے شدید برا مان کر کہا گیا۔

"تم کسی لڑکی کے پیچھے ہی پڑ جاؤ۔ کم از کم میری پروفائل تمہارے شر سے محفوظ رہے گی۔ بدتمیز کہیں گے۔" وہ انتہائی حد تک چڑ چکی تھی اور شاہ زیب یہی تو چاہتا تھا۔

"میں تو باز نہیں آؤں گا' کیا کرو گی؟"

"میں تمہیں بلاک کردوں گی۔" ایسی قاتل دھمکی۔ شاہ زیب کا قہقہہ گونجا۔ کہکشاں کو لگا اس کا منحوس قہقہہ موبائل سے نکل کر اس کے کانوں میں گونجنے لگا جیسے۔

"شوق سے بلاک کرو۔ ابھی کرو' بلکہ ابھی کے ابھی کرو۔" اس کی یہ بات کہکشاں کو لگ گئی اور وہ بلبلا اٹھی۔

"تم مرجاؤ۔" اسے بددعا دے کر وہ لاگ آؤٹ ہوگئی۔

کہکشاں نے شاہ زیب سے ہی اپنی ای میل آئی ڈی بنوائی تھی جس کا پاس ورڈ شاہ زیب کے پاس موجود تھا۔ تبدیل کرنے کی زحمت اس نے نہیں کی تھی۔ البتہ فیس بک کی آئی ڈی کا کوڈ وہ تبدیل کرتی رہتی تھی۔ ایک بار شاہ زیب کے یوں ہی چڑانے پر وہ شدید غصے میں آئی اور اسے بلاک کردیا۔ جوابی کارروائی کے طور پر اس نے کہکشاں کی آئی ڈی ہتھیالی تھی۔ پورا ہفتہ اس سے منتیں کروانے کے بعد پھر کہیں جاکر اس نے کہکشاں کو اس کی آئی ڈی واپس کی۔ شاہ زیب کے پاس اگر پاس ورڈ نہ بھی ہوتا تو بھی اس کے لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔ وہ کمپیوٹر انجینئر تھا۔

اس ایک سبق کے بعد اس نے شاہ زیب کو دوبارہ بلاک کرنے کا بالکل نہیں سوچا تھا۔ اب بھی وہ صرف دانت کچکچا کر رہ گئی۔ دل ہی دل میں اسے کوستی' اپنی تمام توجہ ریڈیو پر چلنے والے گیتوں کی طرف موڑلی۔ چند منٹ بعد وہ ساری تلخی بھول چکی تھی۔ اس کا موڈ بالکل ٹھیک ہوگیا تھا۔ وہ ایسی ہی تھی۔ پاگل سی۔

کہکشاں۔ جس کی فطرت میں سارے جہان کا لاابالی پن آن سمایا تھا۔ وہ ہمہ وقت اماں کے نشانے پر رہتی۔ اماں اسے پیار سے بھی سمجھاتیں۔ نصیحتیں گھول گھول کر پلاتیں۔ سختی بھی کرجاتیں' لیکن اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی۔

گھر کے کاموں میں اس کی دلچسپی صفر تھی۔ پڑھائی کے معاملے میں بھی وہ ڈھیلی۔ اماں سر پر ڈنڈا لے کر کھڑی ہوتیں تو امتحانات کی تیاری ہوتی۔ امتحانات کے دنوں میں اس کی شکل دیکھنے والی ہوتی تھی۔ امتحانات کے بعد اماں نے سوچا کہ اس پر گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کی ذمہ داری ڈالی جائے۔ اسے صرف چند چیزوں میں دلچسپی تھی۔ گانے سننے' ٹی وی اور فلمیں دیکھنے' ناچنے' فیس بک استعمال کرنے اور کھانے پینے میں اور ہاں یاد آیا سونے میں بھی!

اس نے کھا کھا کر' سو سو کر اپنا وزن بڑھالیا تھا۔ اماں نے پورے گھر کی صفائی کا ذمہ اسے دیا۔ اس نے رو' رو کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ پھر اماں نے اس کے لیے آسان کام چنا' یعنی کہ باتھ روم کی صفائی' دھلائی۔ یہ سنتے ہی اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ اماں کے ڈر سے اس نے روتے دھوتے یہ کام کیا' پھر اماں آہستہ آہستہ ایک ایک کرکے کام کی تعداد بڑھاتی گئیں۔ اس نے بھی انہیں بے تحاشا تنگ کیا۔ کمرے میں جھاڑو لگاتی تو بیڈ شیٹ جھاڑ کر بچھانا بھول جاتی یا ڈسٹنگ ہی نہ کرتی۔ کبھی یہ دو کام کرتی تو اس کا معصوم ذہن پونچھا لگانا بھول جاتا اور کبھی نہ جانے کیا' کیا لیکن اس بار اماں نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ ثابت کرکے رہیں گی کہ وہ کہکشاں کی ڈھٹائی سے بھی زیادہ مستقل مزاج خاتون ہیں۔

اب اتنا تو ہوگیا تھا کہ وہ ذمے لگائے گئے تمام کام وقت پر کردیتی۔ باقی اگر کوئی اضافی کام ہوتا تو وہ گونگی بہری

اندھی کمائی سب کچھ ہو جاتی یا پھر ردا کے متھے لگا دیتی۔
ردا اس سے بڑی تھی۔ وہ ماسٹرز کر چکی تھی اور جاب کر رہی تھی۔

وہ کہکشاں سے بالکل الٹ، سلجھی ہوئی، سمجھ دار، معاملہ فہم تھی اور تب سے ہی وہ اپنی اماں کی مدد کرتی تھی۔ انہیں یہ خوش فہمی تھی کہ کہکشاں بیگم بھی اپنی بڑی بہن جیسی ہوں گی لیکن وہ تو اس دنیا کا پہلا اور آخری نمونہ تھی۔ اسے زبردستی جگا کر کالج بھیجا جاتا تھا۔ ان دنوں اس کی چھٹیاں تھیں۔ کلاسز ختم ہو چکی تھیں۔ امتحانات میں ڈیڑھ ماہ تھا لیکن ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ کتابوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کی ان ہی بگڑی ہوئی حرکتوں سے اماں سخت عاجز تھیں اور شاہ زیب اس کی درگت بنتے دیکھ کر خوب ہی مزے لیتا۔

شاہ زیب اس کے تایا جی کا بیٹا تھا فطرتاً" بے انتہا شریر۔ اس سے پورے چار سال بڑا اور ردا سے فقط چار ماہ بڑا۔

شاہ زیب اور کہکشاں۔۔۔ یہ دونوں بچپن سے ہی چونچیں لڑاتے آئے تھے۔ کہکشاں کو تو اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ بیر ہوتا بھی کیوں نا۔ وہ ایک نمبر کا موقع پرست۔ تاک تاک کے اس پر زبانی حملے کرتا۔ وہ انتہائی جذباتی جبکہ صاحب بہادر شیطانوں کے ابا' دونوں کی کیسے بنتی بھلا؟ شاہ زیب کہکشاں کی ہر کمزوری سے واقف تھا اور وہ اپنی باتوں سے فائدہ اٹھاتا۔ اسے بہت تنگ کرتا۔ وہ غصے سے پاگل ہو جاتی۔

شاہ زیب کی آمد عموماً" اس وقت ہوتی جب اسے اماں سے جھاڑ پڑ رہی ہوتی۔ کہکشاں کو تو اس ڈانٹ پھٹکار کی عادت تھی مگر وہ آج تک شاہ زیب کے مزہ لیتے چہرے کی عادی نہ ہو پائی تھی۔ چوبیس سے چودہ گھنٹے وہ حالت جنگ میں رہتی۔ باقی کے گھنٹوں میں وہ سوئی جو رہتی تھی۔

یہ اتفاق تھا یا خدا جانے کیا تھا۔ ویسے تو گانوں کے معاملے میں اس کی پسند بہت اچھی تھی لیکن جب بھی کوئی ایسی ویسی شاعری والا گانا وہ سن یا لہک لہک کر گا رہی ہوتی تو اماں کے کانوں میں فوراً" ہی اس کی آواز پہنچ جاتی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی یہی ہوا۔ کوئی پرانا سا گانا تھا لیکن اس کی سماعتیں پہلی بار ان الفاظ اور اس آواز سے مستفید ہوئی تھیں۔ اس لیے بار بار اس کی زبان پر وہی گانا چڑھ جاتا تو اس میں کہکشاں کی تو کوئی غلطی نہیں ہوئی نا؟ گانا گنگناتے آواز بھی ذرا زیادہ ہی اونچی ہو گئی۔ گانے کے بول کچھ یوں تھے۔

"میں ہوں لڑکی کنواری تو کنوارہ لڑکا۔"

آہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ آوچ۔۔۔

"تجھے پیار کا لگا دوں میں پنجابی تڑکا۔"

"آہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ آوچ۔۔۔"

یہ آہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ آوچ اسے کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا تھا۔ وہ جھاڑ پونچھ کرتی اور ساتھ ہی ساتھ مکمل جذبات سے پر ہو کر یہ گانا گنگنا رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح مگن ہو گئی۔ اتنی کہ اماں کی موجودگی بھی فراموش کر گئی۔ ایسی شاعری سن کر تو اماں کے دل کو کچھ ہو ہی گیا۔

"یہ کیا بکواس گا رہی ہے تو۔۔۔؟" وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ کرنٹ کھا کر اٹھیں اور دھاڑ کر بولیں۔

"اماں۔۔۔ یہ تو گانا ہے۔" وہ منمنائی۔

"تجھے ایسے گانے ہی ملتے ہیں گانے کو؟ اب اگر میں نے یہ آہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ آوچ سنی تو حشر نشر کر دوں گی تیرا۔" وہ غضب ناک ہو گئیں۔ ان کا لہجہ واقعی ایسا تھا کہ وہ یک دم چپ کر گئی۔ جیسے چلتی گاڑی کو ایک دم بریک لگ جائیں۔ اماں اسے ڈانٹ پھٹکار کے پھر سے لیٹ گئی تھیں۔ جھاڑ پونچھ سے فارغ ہو کر وہ باہر آئی۔ احتیاط سے کمرے کا دروازہ بند کیا۔

گانے کے "کرارے" اور "چٹخارے" بول اسے پھر سے تنگ کرنے لگے۔ اماں کے کمرے کا دروازہ وہ اسی لیے بند کر آئی تھی کہ آواز نہ جائے اور اب وہ صحن میں کھڑی باآواز بلند گلوکاری کا شغل فرما رہی تھی۔ وہ گانے کے ساتھ ساتھ ایکٹنگ کا شوق بھی آج ہی پورا فرما رہی تھی۔ "آہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ آوچ" پر اسے تین تین جھٹکے لگتے۔ اس کے اندر اتنا جوش بھر گیا تھا کہ وہ ہوش کھو گئی اور فرش پر پھیلے پانی کی طرف بھی

اس کا دھیان نہیں گیا۔ اس کا پیر پھسلا اور وہ دھڑام سے نیچے گری۔ اس کے گرنے سے دھم کی آواز آئی اور کہکشاں کے لبوں سے بے ساختہ اوف۔ آہ نکل گئی۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ہی شاہ زیب صاحب سینے پر ہاتھ باندھے کسی ہیرو کا سا "پوز" مارے کھڑے تھے۔ اسے یوں ایستادہ دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ گرنے سے جو درد ہوا سو ہوا۔ شرمندگی نے بہت بری طرح اس پر حملہ کیا۔

زمین بوس ہونے سے زیادہ اسے شرم اس بات پر آئی کہ وہ کیسے کیسے بول ادا کر رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کیسے کیسے جھٹکے بھی مارے تھے۔ کاش زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی' لیکن یہ تمام جذبات فقط لمحوں کے محتاج تھے۔ شاہ زیب انتہائی سنجیدگی سے آگے بڑھا۔ ذرا سا جھک کر ہاتھ بڑھایا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ تھامتی۔ شاہ زیب نے کہا۔

"اسے کہتے ہیں اصلی والا آہ۔ اوہ۔ آؤچ۔"

اس کے بعد اس کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں اور جناتی قہقہے برآمد ہوئے۔ کہکشاں کو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھنا پڑے۔ ہنسنے کے بعد اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو کہکشاں نے درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"دفع ہو جاؤ تم۔" وہ انتہائی غصے سے بولی تھی۔ تکلیف میں ایک دم ہی اضافہ ہوا تھا۔ اس نے اپنی مدد آپ کے تحت کھڑے ہونے کی کوشش کی' لیکن ناکام ہو گئی۔ کراہ کر پھر سے بیٹھ گئی۔ پاؤں میں موچ آ گئی تھی۔

شاہ زیب کے قہقہے نے اماں کو جگا دیا تھا۔ اس کے بعد کہکشاں کی آواز سن کر وہ سمجھ گئیں کہ پھر سے ان کے درمیان کوئی معرکہ ہوا ہو گا لیکن وہاں کا منظر انہیں حیران اور پریشان کرنے کو کافی تھا۔ کہکشاں رو رہی تھی جبکہ شاہ زیب اب اسے اٹھانے پر تیار تھا۔

"کیا ہوا اسے؟" وہ گھبرا کر پوچھنے لگیں اور نیچے بیٹھ گئیں۔

"آپ کی لاڈو گر گئی ہیں۔ کب سے کہہ رہا ہوں اٹھنے میں مدد کروں لیکن محترمہ مان ہی نہیں رہی ہیں۔" شاہ زیب نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے بیان داغا۔ کہکشاں نے انتہائی غصے سے اسے گھورا۔ اماں نے اسے روتا دیکھا تو دل پسیج گیا۔ اس کے آنسو صاف کیے اور سہارا دینے لگیں۔ شاہ زیب بھی آگے بڑھا۔ دونوں اسے کمرے میں لے آئے۔ اماں اس کے پاؤں پر آیوڈیکس سے مالش کرنے لگیں۔

"میں میڈیکل اسٹور سے درد کی کوئی دوا لے کر آتا ہوں۔" وہ بھی اٹھ گیا۔ کہکشاں درد سے کراہ رہی تھی اسے جاتا دیکھ کر اس نے شاہ زیب کو پکارا۔ وہ رک کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اماں بھی مالش کر کے اٹھ کر ہاتھ دھونے چلی گئی تھیں۔

"یہ رائٹنگ ٹیبل پر فون رکھا ہے۔ وہ اٹھا کر دے دو۔" اس نے حتی الامکان لہجے کو سرسری بنانے کی کوشش کی۔ شاہ زیب کو لگا وہ اپنی ہنسی روک نہیں پائے گا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں اور ہنسی کو برداشت کرنے سے بھنچتے جبڑوں کو دیکھ کر بھی وہ ایسے ہو گئی جیسے دیکھا ہی نہیں۔ اسٹور جا کر اس نے دوا لی۔ اسے جو شک تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے موبائل نکالا اور نیوز فیڈ میں جھانکا۔ اس کی توقع کے عین مطابق کہکشاں کا تازہ ترین درد بھرا اسٹیٹس نیوز فیڈز میں سب سے زیادہ نمایاں تھا۔

"فیلنگ پین۔ پاؤں میں موچ۔ اُف۔" اور ساتھ ہی آیوڈیکس سے لتھڑے پاؤں کی تصویر بھی موجود تھی۔ شاہ زیب کی انگلیاں اب تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ اس کا کمنٹ تھا۔

"آہ۔ اوہ۔ آؤچ۔"

یہ سب تو جیسے اس کی زندگی کا حصہ تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں فیس بک پر شیئر کرتی۔ کمنٹس انجوائے کرتی۔ شاہ زیب کی حرکتوں اور الٹے سیدھے کمنٹس پر اسے غصہ آتا' لیکن بعد میں جب وہ پھر سے ہر بات یاد کرتی تو وہ بھی ہنس پڑتی۔

اس کی تائی اماں کی خواہش تھی کہ کہکشاں ان کی بہو بنے۔ ردا کا رشتہ طے ہو جانے کے فوراً" بعد ہی

انہوں نے اس کا ہاتھ مانگ لیا تھا، لیکن فی الحال کہکشاں اس بات سے ناواقف تھی۔ اماں نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ اس کے امتحانات ختم ہو جائیں تو اس کے بعد ہی وہ اس سے رشتے کی بات کریں گی۔ البتہ شاہ زیب اس بات سے واقف تھا۔ اسے وہ پسند تھی۔ دونوں کزنز تھے۔ اس کی اوٹ پٹانگ حرکتیں شاہ زیب کے لیے کشش کا باعث بن رہی تھیں۔ ایسا آج تک نہ ہوا تھا کہ وہ کہکشاں کے بارے میں سوچے اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ نہ بکھرے۔ شاہ زیب کا رویہ رشتے کی بات ہوتے ہی بدل گیا تھا۔ وہ اس سے پکی والی دوستی کرنا چاہتا تھا اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ کہکشاں کے دل میں اپنی محبت اجاگر کرنا جبکہ وہ۔ وہ ابھی تک ویسی کی ویسی ہی تھی۔ اس کے جذبات بدلے تھے تو اس کی خواہش تھی کہ کہکشاں بھی اسے دیکھ کر میٹھا سا مسکائے، شرمائے، لیکن وہ اسے دیکھ کر ایسے ایسے منہ بناتی کہ شاہ زیب کا دل چنے منے ٹکڑوں میں ہی بٹ جاتا (محاورتاً)

☆ ☆ ☆

صبح سے ہی موسم ابر آلود تھا۔ امکان تھا کہ بارش ہوگی۔ کہکشاں کو آج ہی اپنا ایڈمٹ کارڈ لینے کالج جانا تھا۔ اس نے پڑوس میں جھانکا۔ شاہ زیب موجود تھا۔ اسے منا کر وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی کہ اگر بارش شروع ہوگئی تو اس کی موجودگی سے تسلی رہے گی۔ جبکہ شاہ زیب سوچ رہا تھا کہ آج وہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالے موسم اتنا حسین تھا تو یقیناً" اس کی باتیں کہکشاں پر اثر کرتیں۔ اب وہ دونوں گھر سے باہر آگئے تھے۔

"ارے۔ اپنی بائیک تو لے آؤ۔" اسے اچانک یاد آیا تو وہ بولی۔

"آج موسم بے حد قاتل ہے کزن۔ چلو پیدل ہی چلتے ہیں۔" وہ ترنگ میں بولا۔ گھر سے کالج کا پیدل فاصلہ پچیس منٹ میں طے ہوتا تھا۔ اگر موسم ایسا خوشگوار نہ ہوتا اور فضا میں ٹھنڈک نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی اتنی شرافت سے اس کی بات نہ مانتی۔ خود اس کا اپنا دل بھی بادلوں سے گھرے آسمان تلے چلنے کو ہو رہا تھا۔ سو دونوں نے قدم بڑھائے۔ ابھی کالج پہنچنے میں تین چار منٹ باقی تھے کہ بارش کے ننھے منے قطروں نے زمین کو چھوا۔ بوندا باندی شروع ہوگئی۔

"اوہ۔" کہکشاں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"شاہ زیب جلدی جلدی چلو نا۔ بارش شروع ہونے سے پہلے کالج پہنچنا ہے، ورنہ میرے ڈاکومنٹس خراب ہو جائیں گے۔" اس نے گھبرا کر کہا اور فائل سینے سے لگالی۔ وہ دوڑتے ہوئے کالج پہنچے۔ بوندا باندی ہلکی پھوار میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اندر پہنچ کر اسے لائن میں لگنا نہیں پڑا۔ دس منٹ میں ہی اس کا کام ہوگیا کیونکہ ابھی رش نہیں بڑھا تھا۔ اس کی کچھ دوستیں بھی وہاں موجود تھیں۔ وہ ان کے پاس رک گئی۔ بارش اب بھی برس رہی تھی۔ لیکن شدت سے نہیں۔

بارش کے ذرا تھمنے پر وہ باہر آگئی۔

شاہ زیب کالج کے سامنے والی فوٹو اسٹیٹ شاپ کے شیڈ کے نیچے بیٹھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا ______ اور وہ دونوں چلنے لگے۔ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا جو خود سے بھی بے نیاز تھی۔

"اُف۔ اتنا حسین موسم، کاش کوئی حسینہ میرے ہمراہ ہوتی۔ موسم اور سفر دونوں کا مزہ دوبالا ہو جاتا۔" اس کی آہیں سن کر وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔ یہ آج اتنا شوخا کیوں ہو رہا ہے۔ اس نے سوچا لیکن کچھ نہ بولی۔ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ شاہ زیب اتنا ہی سلو موشن میں چل رہا تھا اور تب ہی شاہ زیب کی نگاہ سامنے سے آتی دو حسیناؤں پر پڑی۔ شاہ زیب کے دماغ میں اچانک ہی ایک خیال کوندا جس پر اس نے عمل بھی کر ڈالا۔

"سنو۔ یہ جو سامنے سے دو پریاں خراماں آرہی ہیں، اگر ان میں سے ایک کے ساتھ میں چلوں تو

بتاؤ جوڑی کیسے لگے گی؟" اس نے اسٹائل مار کر پوچھا' کہکشاں ورطہ حیرت میں تھی کہ ایسی چھچھوری باتیں تو اس نے کبھی نہیں کی تھیں۔ کہکشاں نے فوراً" اپنے تاثرات قابو کیے' جبکہ شاہ زیب تو یہ سب صرف اس لیے کہہ رہا تھا کہ کہکشاں کے دل میں چھپی "مخفیہ محبت" تک پہنچ سکے۔ اگر اس کے دل میں محبت ہوئی تو وہ جل بھن جائے گی لیکن۔

"تمہاری اور اس کی جوڑی۔ یہ تو بہت سادہ سا سوال ہے۔ حور کے پہلو میں لنگور کی مثال فٹ آئے گی۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"ہونہہ۔ تم تو میرے حسن سے جلتی ہو۔ میری حسین آواز کے جادو سے گھبراتی ہو' میں تو ایسا ہوں کہ اگر گانا گاؤں تو لڑکیاں تو لڑکیاں یہ تیرتے بادل بھی تھم جائیں۔" کہکشاں کی طرف سے ایسی مثال ملنے پر اس کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے لیکن پھر اس نے بھی حد درجہ مبالغہ آرائی کی تھی۔ کہکشاں نے اس کی بات سنی اور اس کی آنکھیں چمک گئیں۔ کاش کہ یہ چمک شاہ زیب دیکھ لیتا۔ وہ اس بلی جیسی لگ رہی تھی جس نے اپنا شکار "تاڑ" لیا ہو۔

"اچھا۔ ایسی حسین آواز ہے تمہاری کہ اسے سن کر لڑکیاں تھم جائیں گی؟ میں کیوں مانوں یہ بات؟ اور بھلا بنا ثبوت کے کیوں مانوں؟" اس نے اسے چیلنج کیا۔ کہکشاں کے ہاتھ بھلا ایسا موقع دوبارہ کب آتا۔ وہ تو قسمت کی دھنی تھی کہ شکار خود شکار ہونے کو تیار تھا۔ وہ بھی جی جان سے۔ شاہ زیب تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لمحے بھر میں اس کے شیطانی دماغ نے پورا پلان ترتیب دے دیا اور تو اور۔ آج تو قدرت بھی اس کا ایسا ساتھ دے گی کہ وہ دیکھتا رہ جائے گا۔

جبکہ کہکشاں سوچ رہی تھی کہ ہمیشہ وہ جلتی اور روتی ہے لیکن آج شاہ زیب صاحب روئیں گے اور وہ ہنسے گی۔ شاہ زیب کو جوش آیا۔

"دیکھنا اب۔ یہ جو دو لڑکیاں آرہی ہیں نا۔ میری گنگناہٹ سن کر تھم نہ گئیں تو کہنا۔" وہ کالر کھڑے کرتا ہوا بولا۔ شاہ زیب کی آواز واقعی خوب صورت تھی اور وہ جانتی تھی کہ جو شاہ زیب نے کہا ہے ایسا ہی ہو گا اور وہ یہی چاہتی تھی۔

"دلبی لمبی بعد میں چھوڑنا۔ پہلے ثبوت پیش کرو۔ جاکر انہیں اپنے آواز کے جادو سے پتھر بننے پر مجبور کرو۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اوکے۔" وہ جذباتی ہو کر آگے بڑھا۔ اس کے آگے بڑھتے ہی کہکشاں نے موبائل نکالا اور ویڈیو ریکارڈنگ کا بٹن دبا دیا۔ شاہ زیب آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ لڑکیاں قریب آرہی تھیں۔ اس نے گانا گنگنایا۔

"تیرے قدموں میں بکھر جانے کو جی چاہتا۔"

اچانک ہی کچھ ہوا۔ شاہ زیب کی ہلکی سی چیخ گونجی اور سب ساکن ہو گیا۔ حتیٰ کہ کہکشاں بھی۔ وہ دونوں لڑکیاں بھی۔ جبکہ شاہ زیب کے منہ میں مصرعہ دم توڑ گیا تھا۔ یہ کیا ہوا تھا بھلا۔ اچانک ہی۔ بالکل ہی اچانک۔ روڈ کے بیچوں بیچ بنے گڑھے میں اس کا پاؤں اٹکا۔ توازن بگڑا۔ اور وہ زمین بوس ہوا۔ وہ بھی دونوں لڑکیوں کے قدموں کے عین درمیان۔ چند لمحے کے لیے جیسے سب ٹھہر گیا اور پھر شاہ زیب کو لگا کہ شاید قہقہوں کا طوفان آگیا ہو۔ وہ دونوں لڑکیاں واقعی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھیں۔

شاہ زیب اب تک حق دق تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ایسا کیسے ہو گیا؟ اتنا بڑا صدمہ تھا آخر۔ اس کے ہوش و حواس سلب ہو گئے۔ وہ یوں ہی پڑا رہا۔ شرمندگی اتنی تھی کہ اس کا جسم سن ہو گیا تھا۔ وہ لڑکیاں اب بھی پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھیں۔ شاہ زیب کو وہ "پریاں" نہیں بلکہ خون آشام بلائیں محسوس ہوئیں۔ کہکشاں نے ویڈیو محفوظ کی۔ موبائل پرس میں رکھا اور جلدی جلدی اس کے پاس آئی۔ بڑی شرافت سے اس کے سامنے ہاتھ بڑھایا۔ شاہ زیب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

☼ ☼ ☼

اس انتہائی قسم کی بے عزتی کے بعد وہ بے چارہ کئی دن تک اس سے منہ چھپاتا رہا۔ کہکشاں کے بھی

امتحانات شروع ہو گئے تھے اور حیرت انگیز طور پر اس بار اماں کو اس کے لیے خصوصی "ڈنڈا" نہ منگوانا پڑا تھا اور نہ ہی اس کے سر پر کھڑا ہونا پڑا۔ کہکشاں نے انتہائی شرافت سے امتحانات کے دنوں میں پڑھائی کو مکمل وقت دیا تھا۔ موبائل بھی آف کر کے الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھ دیا۔ فیس بک، گانے وانے سب کچھ جیسے دنیا سے ہی ختم ہو گئے ہوں، اس طرح سے وہ ان سے دور ہوئی تھی اور یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس قدر سنجیدہ ہوئی۔ اماں تو خوشی سے نہال ہو گئی تھیں۔ سب ہی حیران تھے کہ یہ کایا پلٹ کیسے۔ لیکن کہکشاں نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ پڑھائی کو سیریس لے کر رہے گی۔

آخری پیپر اس کے لیے آزادی کی نوید لایا۔ کالج سے واپسی پر اس نے اس جوش سے سلام کیا کہ الامان۔ پھر کمرے میں جا گھسی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے سر سے کئی من بوجھ اتر گیا ہو۔ کچھ دیر بعد اس نے آف پڑے ہوئے موبائل کو اٹھایا۔ موبائل ہاتھ میں تھامتے ہی اسے بہت کچھ یاد آگیا۔

"اب آئے گا مزہ۔" وہ چمکتی آنکھوں سے بولی اور ہنس پڑی۔ سب سے پہلے اس نے ریکارڈ شدہ ویڈیو دیکھی اور پھر سے ہنسنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے؟ ایسا کیا ہے اس میں جو یوں ہنس رہی ہو؟" ردا نے جو ابھی کمرے میں آئی تھی۔ پانی کا گلاس۔ کہکشاں کو تھماتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"آؤ۔ آؤ۔ تم بھی تو دیکھو کہ اس میں ایسا کیا ہے۔" اس نے فوراً ردا کو بلایا۔ وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس نے ویڈیو چلائی۔ شاہ زیب کا لہک لہک کر چلنا، لڑکیوں کو دیکھ کر گانا گانا اور پھر زمین بوس ہونا۔ ردا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ شدید حیرت میں تھی۔

"یہ۔ یہ شاہ زیب کو کیا ہو گیا ہے؟ ایسی حرکتیں۔" وہ حیرت سے باہر ہی نہیں آرہی تھی۔ کہکشاں نے اسے پورا واقعہ سنایا۔ پوری داستان سن کر ردا بھی ہنس دی۔

"تم بہت بدتمیز ہو گئی ہو۔ اب اس ویڈیو کو ڈیلیٹ کردو۔ بری بات ہوتی ہے۔ بے چارہ شاہ زیب۔" اسے پھر سے ہنسی آگئی۔

"ارے واہ۔ ایسے کیسے ڈیلیٹ کردوں۔ بہت ہنستا تھا نا مجھ پر۔ اب دیکھنا۔ ایسا بلیک میل کروں گی کہ یاد رکھے گا۔" ردا بے چاری ڈر گئی۔ اس کی ایسی ویسی حرکت ان کے نئے بننے والے رشتے پر اثر انداز ہو سکتی تھی لیکن کہکشاں کو کچھ علم نہیں تھا۔ ردا خود سے اسے کیسے بتادیتی؟

"تم ہنس لیں۔ میں نے بھی انجوائے کرلی اس کی درگت۔ اتنا بہت ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسی ویڈیو کسی کے ہاتھ لگ گئی تو اس کی بہت بے عزتی ہو جائے گی۔ جھگڑے، شرارتیں اپنی جگہ۔ لیکن۔"

"ارے تم نے کیا سمجھا ہے کہ میں اس ویڈیو کو آگے بڑھانے کا ارادہ رکھتی ہوں؟ پاگل ہو تم۔ ہمارے جھگڑے بھلے سنگین نوعیت اختیار کر جائیں لیکن میں ایسی حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ میرا کزن ہے۔ میرے تایا کا بیٹا۔ میرے ابو کا بھتیجا۔ ہماری عزت سانجھی ہے۔ لیکن اگر شاہ زیب کزن نہ بھی ہوتا تو بھی میں یہ کام کبھی نہ کرتی۔ لاابالی ضرور ہوں میں۔ بے حس نہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ردا کے لبوں سے پرسکون سانس خارج ہوئی۔

"البتہ۔ اتنی آسانی سے تو میں اسے نہیں بخشنے والی۔ دیکھنا سر کے بل آئے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے شاطرانہ لہجے میں بولی۔ ردا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"آداب عرض ہے شاہ زیب صاحب۔ ان دنوں اپنا رخ روشن کہاں چھپائے پھر رہے ہیں آپ؟" اس کے موبائل پر آنے والا میسج شاہ زیب کی توجہ مانگ رہا تھا۔ اس نے پیغام پڑھا اور سوچنے لگا۔ اس کہکشاں کی تقریباً روز ہی درگت بنتی ہے اور میں روز ہی اس کی دھلائی، ڈرامے اور ہنگامہ آرائیاں دیکھتا آرہا ہوں۔ کئی بار میرے سامنے گری بھی ہے۔ پھر بھی کتنی کانفیڈنٹ رہتی ہے اور ایک میں ہوں۔ ذرا سی بات پر ہی دل ہار بیٹھا۔ پورے ایک مہینے سے اس کی

موجودگی میں ان کے گھر کا رخ نہیں کیا۔ وہ نہ جانے کیا سمجھ رہی ہوگی کہکشاں کی عظیم الشان ڈھٹائی کے چند گھونٹ اس نے اپنے اندر اتارے اور پیغام لکھنے لگا۔

"تم چائے سموسوں کا انتظام کرو۔ میں آتا ہوں۔" یہ لکھ کر اس نے میسج بھیجا۔ اور کپڑے تبدیل کرنے چل دیا۔ دل لگا کر تیار ہوا۔ اس نے موبائل اٹھایا تو وہ کہکشاں کے پیغامات سے بھر چکا تھا۔ چائے اور سموسوں کا اہتمام ہو گیا تھا۔ وہ اسے بلا رہی تھی۔

"جلدی سے آجاؤ۔" میسجز پڑھ کر وہ بے چارہ خوش فہم ہو گیا۔ ردا نے اسے بتایا تھا کہ اس کی اماں نے کہکشاں سے رشتے کے حوالے سے بات کی ہے اور اس نے انکار نہیں کیا۔ اتنا اندازہ تو اسے بھی تھا کہ وہ انکار نہیں کرے گی لیکن کوئی مثبت اشارہ بھی اس کی جانب سے موصول نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی منفی رویہ ظاہر کیا گیا۔

اور اب اس کی انتہا درجے کی شرافت اور محبت دیکھ کر وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنے دل کو شاہ زیب کے ساتھ کے لیے راضی کر لیا ہے۔ وہ جیسے ہواؤں میں اڑتا ہوا ان کے گھر پہنچا۔ ردا حسب معمول کتابوں میں الجھی تھی۔ چچی سبزی کاٹ رہی تھیں جبکہ کہکشاں اسے دکھائی نہیں دی۔ کچھ دیر بعد وہ آئی۔ دوپٹا دونوں کندھوں کے گرد اچھی طرح پھیلا رکھا تھا لیکن ادا سے مسکرائی۔ شاہ زیب کا دل وہیں لوٹیاں لگانے لگا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اٹھ گئی۔ کہکشاں نے آج اچھی میزبان بننے کے سارے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ اس نے چائے پر ٹھیک ٹھاک اہتمام کر لیا تھا۔ آخر وہ اتنے دن بعد ان کے گھر آیا تھا۔ ردا یوں تو کتابیں سنبھالے بیٹھی تھی لیکن اس کی ساری توجہ ان دونوں پر تھی۔ اس سے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ شاہ زیب کے جذبات سے وہ آگاہ تھی۔ کہکشاں کو وہ انتہائی میٹھی نظروں سے تک رہا تھا جبکہ وہ۔ اس کی آنکھوں کی شرارت بھلا اس غریب معصوم کو کیسے سمجھ آسکتی تھی۔ اس کی آنکھوں پر تو نئی نئی محبت کے نرم گرم سے خمار نے پٹی باندھ لی تھی نا۔ بے چارہ اندھا ہو گیا تھا۔ اب بس تھوڑی ہی دیر کے بعد شاہ زیب کی جو درگت بننی تھی وہ سوچ کر ہی کہکشاں سرخ ہو رہی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ مچل مچل جاتی۔

انتہائی خوشگوار ماحول میں چائے پی گئی اور یہ پہلی بار ہی ہوا تھا کہ وہ دونوں آمنے سامنے موجود تھے اور پھر بھی شرافت سے بیٹھے تھے۔ کہکشاں کی اماں جان بھی اسی مغالطے میں جا چکی تھیں جس میں شاہ زیب ڈوبا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں۔ کہکشاں نے چائے ختم کی اور اس سے مخاطب ہوئی۔

"شاہ زیب میرے لیپ ٹاپ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ پلیز دیکھ لو۔" وہ انتہائی شرافت سے بولی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں آکر وہ اس کے اور ردا کے مشترکہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ کہکشاں لیپ ٹاپ لے آئی۔ سائیڈ ٹیبل پر اس کا موبائل بھی پڑا تھا۔ جس پر شاہ زیب کی نگاہ پڑی۔

"اف... کہکشاں تم کس زمانے کا فون استعمال کر رہی ہو؟ آج کے دور میں بھی کوئی کی پیڈ والا فون استعمال کرتا ہے بھلا؟" شاہ زیب نے جیسے حیرت سے کہا۔ وہ اس کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا کہ اس بات کے بعد وہ اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑتی ہے کہ نہیں' لیکن وہ خاموش رہی۔ اس کی خاموشی پر وہ پہلی بار ٹھٹکا۔

"تم اسے ٹھیک کر دونا۔ فون کے بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔" وہ لیپ ٹاپ آن کرتے ہوئے بولی۔ آن ہو جانے کے بعد ڈیسک ٹاپ پر ہی 'شاہ زیب کے نام' سے ایک ویڈیو موجود تھی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی شاہ زیب نے غور سے کہکشاں کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرارت کے اتنے رنگ بکھرے تھے کہ وہ خوف زدہ ہو گیا اور تب ہی اس نے ڈرتے ڈرتے اس ویڈیو پر کلک کیا۔ یکے بعد دیگرے ڈھیر سارے بم اس کے ارد گرد پھٹے' اس کے ہوش ہی اڑ گئے۔

"تم... تم..." انتہائی غصے اور صدمے سے اس

کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

"کیا میں؟ بولوں نا شاہ زیب؟" اس نے انتہائی دلربا انداز سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس ادا پر سو بار فدا ہوتا لیکن اس وقت وہ زہر لگی۔

"اب سمجھا میں۔ تم شیطان کی خالا اتنی نیک پروین کیسے بن گئیں۔" وہ غصے سے بولا۔ سارے ارمانوں اور حسین خوش فہمیوں نے دھڑ دھڑ خودکشی کو گلے جو لگا لیا تھا۔ اتنا غصہ تو بنتا تھا نا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ شیطان کی خالا نیک پروین ہی بنی رہے تو میں جو کہوں گی وہ سب تمہیں ماننا پڑے گا۔" اس کی بات سن کر وہ ٹھٹکا۔

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ اگر تم چاہتے ہو میں یہ ویڈیو اماں 'ابا' تایا' تائی جان کی نظروں سے دور بہت دور رکھوں تو تمہیں میری ڈیمانڈز پوری کرنی ہوں گی۔" وہ لہجے میں خباثت بھر کر بولی۔

"ڈیمانڈ تو میں ایک بھی پوری نہیں کروں گا۔ اسے میں ابھی ڈیلیٹ کرتا ہوں۔" اس نے چڑ کر کہا اور اس کے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔ کہکشاں نے فوراً ہی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ میں اسے بہت ساری جگہوں پر محفوظ کر چکی ہوں۔ کہاں کہاں سے ڈیلیٹ کرو گے؟ بہتر ہے کہ میری بات مان لو۔" وہ چہرے کے ایسے زاویے بنا بنا کر بول رہی تھی کہ کیا کسی فلم میں کوئی ولن یا بلیک میلر بولتا ہوگا۔ شاہ زیب نے خود کو نارمل کیا۔

"پھو تو کیا چاہیے؟" وہ اس کے چہرے سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ان کے درمیان جو ذرا سا فاصلہ تھا۔ کہکشاں نے وہ بھی ختم کر دیا۔ وہ جوش میں تھی۔ لیپ ٹاپ اپنی طرف کھسکانے کے بجائے وہ خود ہی اس کے پاس کھسک گئی تھی۔ وہ گوگل پر کچھ سرچ کر رہی تھی۔ شاہ زیب سے اس کی توجہ ہٹ چکی تھی۔ جبکہ شاہ زیب کی ساری توجہ اس پر تھی۔

کچھ ہی دیر میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ایک خوب صورت موبائل کی تصویر تھی۔

"دیکھو۔ تم نے کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ آج کے دور میں کون کی پیڈ والے موبائل استعمال کرتا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں بھی آج کے دور سے مطابقت رکھتا موبائل لے لوں' اب بتاؤ کب گفٹ کر رہے ہو مجھے؟" وہ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ کہکشاں کے انداز آج کل کچھ زیادہ ہی اثر انگیز ہو رہے تھے۔ وہ گھبرا سا گیا۔ فوراً" نگاہ چرائی۔ غصہ تو جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ پورے وجود میں عجیب سی سنسناہٹ بھر گئی تھی۔

"ہاں۔ کروں گا گفٹ۔" اس نے حواس یکجا کرتے ہوئے کہا۔ وہ اتنی شرافت سے مان جائے گا' کہکشاں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر سے اس کے سر پر سوار تھی لیکن شاہ زیب نے خود کو نارمل کر لیا تھا۔

"سنو۔ اب میں تمہیں بلیک میل نہیں کر رہی۔ فرمائش کر رہی ہوں۔ میرا گول گپے کھانے کو بہت جی چاہ رہا ہے' لے جاؤ نا۔" اس وقت وہ معصوم سی شکل بنا کر کہہ رہی تھی۔ شاہ زیب نے اس کی فرمائش کبھی رد نہیں کی تھی تو آج کیسے کرتا۔

"چلو پھر۔ ردا سے بھی کہو کہ وہ آ جائے۔ میں بائیک نکالتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ کہکشاں خوش ہو گئی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ تینوں گول گپوں کی ایک مشہور دکان کے اندر تھے۔ اس نے تین پلیٹیں بنوائیں۔ جب وہ تیار ہو کر آ گئیں تو شاہ زیب نے اپنی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ارے رکو بھی۔" وہ بے اختیار چلا کر بولی تھی۔ کہکشاں کی آواز نے کسی کو ان کی جانب متوجہ کیا۔

"کیا ہوا؟" شاہ زیب نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے تصویر تو کھینچنے دو نا۔ اپ لوڈ بھی تو کرنی ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ ردا ہنس پڑی۔ شاہ زیب سر پکڑ کر رہ گیا۔ وہ مزے سے تصویریں کھینچنے لگی۔ اردگرد کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ کوئی بہت غور

سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہکشاں نے اسٹینس اپ لوڈ کرکے موبائل پرس میں رکھا اور اپنی پلیٹ اٹھالی۔ جتنی دیر وہ وہاں موجود رہے کوئی اور بھی رک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے۔ وہ اپنے رزلٹ کے انتظار میں تھی۔ آج بھی وہ سو کر اٹھی تو عجیب سی سستی نے اسے اپنے حصار میں لے کر رکھا تھا وہ کچھ دیر بستر پر پڑی رہی۔ آج کل ردا بھی فارغ تھی۔ سو دونوں مل کر گھر کا کام کرتیں۔ ردا اسے کچن میں بھی اپنے ساتھ لگائے رکھتی۔ وہ کمرے سے باہر آئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ان کے ہاتھ میں بہت خوب صورت سا کارڈ تھا۔

"ہائے اماں۔۔۔ اتنا پیارا کارڈ۔۔۔ کس نے بھیجا؟" اس نے جوش سے کارڈ الٹ پلٹ کرکے دیکھا۔

"تمہارے ابا اور تایا کے کوئی پرانے جاننے والے ہیں۔ پہلے کبھی آنا جانا تھا' اب تو بس فوتگی اور شادیوں تک ملنا ملانا رہ گیا ہے۔" ان کی اس تفصیل سے وہ سمجھ گئی کہ اماں کا اس تقریب میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جبکہ کارڈ دیکھ کر ہی اس کا دل مچل اٹھا تھا۔ کہکشاں شوخ مزاج تھی۔ اسے تقریبات میں جانے اور لوگوں سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ اگر وہ اماں سے اصرار کرتی کہ وہ بھی جائیں تو وہ اس کی اچھی خاصی عزت افزائی کردیتیں۔ سو وہ چپ رہی۔

اگر یہ ابا اور تایا کے مشترکہ جاننے والے ہیں تو یہی کارڈ ان کے گھر بھی آیا ہوگا۔ کیا خبر۔۔۔ ان کا ارادہ ہو جانے کا۔ اس نے سوچا اور تایا کے گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی توقع کے عین مطابق بالکل ویسا ہی کارڈ تائی اماں کے پاس بھی تھا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اصل مقصد کی طرف آئی۔

"تائی اماں۔۔۔ آپ لوگ شادی میں جائیں گے؟" اس نے ان کی آنکھوں کے سامنے کارڈ لہراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ جانا تو پڑے گا۔ یہ کارڈ تمہارے تایا ابا کے دوست کی بیٹی کی شادی کا ہے۔ کسی زمانے میں اچھے خاصے مراسم تھے لیکن مصروفیات کے باعث آنا جانا بالکل ہی کم ہوگیا۔ اب اگر پھر سے تعلقات استوار ہو جائیں تو اچھی بات ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"لیکن اماں کا تو ارادہ نہیں اور ردا بھی اماں جیسی ہی ہے اس معاملے میں۔" وہ منہ بنا کر بولی' تائی اماں اس کی بات کے پیچھے چھپے مقصد کو سمجھ گئیں۔ "تو کوئی بات نہیں۔ اگر وہ نہ گئیں تو تم ہمارے ساتھ چلی چلنا۔" انہوں نے پیار سے کہا۔

"اوہ۔۔۔ تھینک یو تائی اماں۔۔۔ یو آر گریٹ۔" وہ خوشی کے مارے ان سے لپٹ گئی۔

"اے لڑکی۔۔۔ میری اماں پر کیوں ڈورے ڈال رہی ہو۔ (مجھ پر ڈالو نا' میں تمہیں دکھائی نہیں دیتا کیا؟)" آخری جملہ شاہ زیب نے دل ہی دل میں کہا' نہیں تو امن کے درہم برہم ہونے کا خدشہ تھا۔

"مجھے ایسی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ تائی اماں تو پہلے سے ہی مجھ پر فدا ہیں۔ کیوں تائی اماں۔۔۔!" اب وہ ان سے تائید چاہ رہی تھی۔ انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ یہ لڑکی انہیں شروع سے ہی بہت پسند تھی۔ کہکشاں کے لاابالی پن سے اس کی اپنی اماں بے حد گھبراتی تھیں جبکہ ان کا ماننا تھا کہ یہ عمر کا تقاضا ہے۔ انہیں تو صرف اس کی خوبیاں یاد رہتی تھیں۔ وہ ایک اچھے اور صاف دل کی مالک لڑکی تھی اور ایسے لوگ ہر رشتے کے لیے مخلص ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ایسی ہی لڑکی چاہیے تھی۔ وہ اس پر نثار ہونے لگیں۔

"بس کردیں اماں۔۔۔ اس چڑیل پر اتنا پیار مت لٹائیں۔" وہ اسے چھیڑنے کو بولا۔ وہ ہنس کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا رخ کچن کی طرف تھا۔ کہکشاں نے شاہ زیب کو گھورا۔

"چپ کرو۔۔۔ یہ بتاؤ کہ جیب کب ڈھیلی کرو گے؟" کہکشاں نے دھمکی آمیز انداز میں پوچھا۔

"تم ذرا میرے کمرے میں آؤ۔" وہ اسے اشارہ

کرتے ہوئے بولا۔ کہکشاں فوراً" ہی اس کے پیچھے ہولی۔ کمرے میں پہنچتے ہی وہ الماری میں گھس گیا۔

یقیناً" یہ اب موبائل نکال کر کے گا۔ دیکھو میں تو تمہارا ہی منتظر تھا۔ وہ خوشی سے سوچنے لگی اور عین اس کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ شاہ زیب اچانک پلٹا تھا اور تب ہی اس نے نقلی چھپکلی اپنے پیچھے کھڑی کہکشاں پر اچھال دی۔ وہ اسے اصلی سمجھی۔ چلاتی ہوئی باہر بھاگی۔ اس کا رنگ بالکل زرد ہوگیا تھا اور دھڑکنیں خوف سے بے قابو۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ تائی اماں دوڑتی ہوئی آئیں۔ کہکشاں اب رونے لگی تھی۔ اسے روتا دیکھ کر وہ شرمندہ ہوگیا۔ اس سمیت سب ہی واقف تھے کہ وہ چھپکلی سے بے تحاشا خوف کھاتی ہے۔ کسی سائنسی کتاب میں صرف تصویر دیکھ کر ہی وہ کانپ اٹھتی تھی۔

"شاہ زیب کیا کیا ہے تم نے؟" انہوں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ شاہ زیب نے شرافت سے نقلی چھپکلی ان کے سامنے لہرا دی۔ انہیں بے تحاشا غصہ آیا۔

"حد ہوتی ہے بدتمیزی کی۔ ایسے بے ہودہ مذاق کرنے کی ضرورت کیا ہے تمہیں۔" وہ اسے ڈانٹ رہی تھیں۔ پھر کہکشاں کو دلاسا دے کر وہ کچن میں آگئیں۔ شاہ زیب شرمندہ سا اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"آئی ایم رئیلی سوری یار۔" وہ سچ مچ شرمندہ تھا۔ کہکشاں اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کر جانے لگی۔

"پلیز رکو نا۔" اس نے فوراً" اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ تو لے لو۔" اس نے موبائل اس کے سامنے لہرایا۔ کہکشاں نے قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی لیکن موبائل جھپٹ لیا۔ وہ ہنس پڑا۔

"دانت مت دکھاؤ۔ جاؤ' میرے لیے جوس لے کر آؤ اب۔ ساری جان ہی نکال دی۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور پھر سے بیٹھ گئی۔ اب وہ تھی اور موبائل تھا' جس میں وہ گم ہوگئی۔ شاہ زیب اسے دیکھنے لگا۔ روپا روپا سا چہرہ۔ گلابی ناک۔ کتنی حسین لگی تھی وہ اسے۔ تائی اماں جو کہکشاں کے لیے کھانے کو کچھ لا رہی تھیں۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی مسکرا اٹھیں۔ ان کے دل سے دونوں کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عازم ہاؤس میں روشنیاں اتری ہوئی تھیں۔ محبت کی روشنی۔ وہ سب لاؤنج میں موجود تھے۔ باتوں میں مصروف تائی اماں کے پاس ایک شاپر رکھا ہوا تھا۔ اتنی دیر سے انہوں نے اسے کھولا تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ بات کی تھی۔ کہکشاں کے دل میں کھدبد ہو رہی تھی کہ اس میں کیا ہوگا۔ اس کی بے چینی دیکھ کر شاہ زیب اسے کئی بار چھیڑ چکا تھا۔ لیکن آج اس پر اثر نہ ہوا۔ وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور شاپر کو تاڑ رہی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد جب چائے کا دور چلا تو کہکشاں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔

"تائی اماں۔ اس شاپر میں کیا ہے؟" اس نے لہجہ حتی الامکان سرسری بنایا اور شاہ زیب کی طرف دیکھنے سے گریز کیا جو ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ردا کو بھی ہنسی آگئی۔

"اوہ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ شکر ہے کہ تم نے یاد کروا دیا۔" وہ بے اختیار بولیں اور شاپر میں سے جوڑا نکالا۔ جوڑا دیکھ کر کہکشاں کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"ہائے اللہ تائی اماں! اتنا پیارا جوڑا۔" اس نے بے اختیار تعریف کی اور پھر اسے دیکھنے لگی۔

"اس کا کپڑا کتنا اچھا ہے اور ڈیزائن تو اُف۔ لیکن یہ ہے کس کا؟" تعریفوں کے پل باندھنے کے بعد اسے بالآخر خیال آ ہی گیا۔

"یہ تمہارے لیے لائی ہوں میں۔ شادی میں پہن کر جانا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن ہم تو شادی میں نہیں جا رہے۔" صاعقہ (کہکشاں کی اماں) نے جلدی سے کہا۔ کہکشاں ماں کی طرف دیکھ کر رہ گئی لیکن سوٹ اٹھا کر ردا کے پاس

آگئی۔ وہ اور شاہ زیب ایک طرف بیٹھے تھے۔

"کیوں بھئی۔۔۔ آپ لوگ کیوں نہیں جائیں گے؟" حسن صاحب نے بھی حیرت سے دریافت کیا۔

"آپ کو علم تو ہے بھابھی کی عادت کا۔ شروع سے ہی وہ ان کے ہر فنکشن میں جانے سے انکاری ہو جاتی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولیں۔ عازم صاحب بھی مسکرا دیے۔

"جانے کو میں چلی بھی جاؤں لیکن آپ تو جانتی ہیں کہ یہ لوگ کتنے نمائشی ہیں۔ بناوٹی سے لوگوں کو میں بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ بے چارگی سے بولیں۔ اسی لیے ان کا ملنا ملانا بہت کم تھا۔

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے' لیکن ہر جگہ ہمیں ہمارے مزاج کے لوگ تو نہیں مل سکتے۔ کہکشاں کا کتنا دل چاہ رہا ہے جانے کا۔ بچوں کی خوشی کے لیے خلاف مزاج کام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" نزہت بیگم نے انہیں سمجھایا۔ وہ مسکرا کر رہ گئیں۔

شادی والے دن اس کی توقع کے عین مطابق صاعقہ بیگم نے جانے سے منع کر دیا تھا اور ردا ان کی وجہ سے گھر میں رک گئی لیکن کہکشاں کی تیاری میں اس نے بھرپور مدد کی تھی۔ عام حالات میں وہ سر جھاڑ' منہ پہاڑ والے حلیے میں گھومتی تھی۔ آج جب نہا دھو کر اس نے وہ سرخ لباس پہنا تو صرف جوڑا پہن لینے سے ہی وہ کھلی کھلی لگنے لگی۔ ردا نے اس کا میک اپ کیا۔ کہکشاں کے چہرے کی دلکشی میں ایک دم ہی اضافہ ہوا تھا۔ اسے اپنا آپ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ بار بار آئینے میں خود کو دیکھتی جا رہی تھی ہارن کی آواز پر وہ خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر آگئی۔

حسن صاحب' شاہ زیب اور نزہت بیگم گاڑی میں بیٹھے تھے۔ گاڑی حسن صاحب کی تھی اور ان کے ہی استعمال میں تھی۔ شاہ زیب کو گاڑی چلانے کا موقع کبھی کبھار ہی میسر آتا تھا' جیسے آج۔۔۔ وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر براجمان تھے۔ جبکہ شاہ زیب ڈرائیونگ سیٹ پر۔ سب کو مشترکہ سلام کر کے وہ آگے بیٹھ گئی۔ اسے دیکھ کر حسن صاحب اور نزہت دونوں نے بے اختیار ہی ماشاء اللہ کہا تھا۔ وہ جھینپ گئی۔

اپنے ابا کی موجودگی میں شاہ زیب شریف ہی بنا رہتا تھا۔ کہکشاں کو یوں سجا سنورا دیکھ کر اس کا دل پھڑپھڑانے لگا۔ زبان تھی کہ کوئی شوخ جملہ' کوئی نازک سا جذبہ اس پر اچھالنے کو بے تاب تھی' لیکن بڑوں کی موجودگی نے اسے باز ہی رکھا۔ البتہ نگاہوں پر وہ قابو نہیں رکھ سکا۔ نظروں ہی نظروں میں وہ کتنی بار اس کی بلائیں لے چکا تھا۔ کہکشاں پہلی بار اس کی نگاہوں سے گھبرائی۔ وہ اس کی توجہ خود پر محسوس کر رہی تھی۔ بار بار اس کے چہرے پر پھسلتی نگاہوں کے مفہوم نے اس کی دھڑکن کو بڑھا دیا تھا لیکن اس نے ساری توجہ باہر کے مناظر کی طرف کر دی' پورا راستہ خاموشی سے گزرا۔

وہ ہال میں پہنچے تو بہت سی نگاہوں نے انہیں دیکھا' لیکن کوئی اسے دیکھ کر چونک ہی گیا تھا۔ حسن صاحب اور نزہت بیگم آگے تھے جبکہ وہ دونوں ایک ساتھ ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ شاہ زیب نے سیاہ سوٹ پہنا تھا اور وہ سرخ لباس میں' دونوں ایک ساتھ' ان دونوں کو یوں محسوس ہوا جیسے کہیں کوئی بھی کمی نہیں رہی' سب پورا ہو گیا' سب مکمل۔۔۔ شاہ زیب تو خیر کئی مہینوں سے اس پر فدا تھا لیکن کہکشاں نے پہلی بار اپنے اور اس کے درمیان کچھ بہت انوکھا محسوس کیا۔ ان ہی احساسات کی وجہ سے اس کی زبان بھی خاموش تھی۔

حسن صاحب کسی سے مل رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان دونوں کا تعارف بھی کروا رہے تھے۔ وہ کہکشاں کو "یہ میری بھتیجی ہے" کہہ کر ملواتے رہے اور شاہ زیب کا دل چاہا کاش اس کے ابا کہیں "یہ میرے شاہ زیب کی ہونے والی دلہن ہے" اپنے اس خیال پر وہ خود ہی مسکرا اٹھا۔ بے چارہ عاشق۔

"شاہ زیب دیکھو یہاں ہر چیز کتنی پیاری ہے نا۔" کہکشاں نے آہستہ سے اس کے کان کے پاس جا کر کہا۔ لہجے میں اشتیاق ہی اشتیاق تھا۔

"مجھے تو صرف ایک ہی چیز سب سے بڑھ کر حسین لگ رہی ہے۔" اس نے لو دیتی نگاہوں کو اس کے

چہرے پر جما کر کہا، وہ گھبرا گئی۔

"کون۔۔۔" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا تھا۔

"وہ۔۔۔ سامنے دیکھو۔۔۔" شاہ زیب نے فوراً" ہی پینترا بدلا۔ "دیکھو کتنی حسین ہے۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"اب کیا تم پھر سے اپنی آواز کا جادو جگا کر اسے پتھر کی مورت بنانے والے ہو؟" وہ بھی کہکشاں تھی۔ شاہ زیب کھسیا گیا۔

"بہت تیز ہو تم۔ بندہ ادھار بھی رکھ لیتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ۔ آج کتنے کلو چونا تھوپا ہے چہرے پر' بڑی چمک رہی ہو؟" اس نے بتیسی دکھائی۔ کہکشاں کا منہ بن گیا۔

"ایسی سڑی ہوئی تعریف صرف تم جیسا سڑیل ہی کر سکتا ہے۔ اب اگر یہاں امرحہ کا عالیان ہوتا تو وہ اسے اس روپ میں دیکھ کر فریز ہی ہو جاتا۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ شاہ زیب ہنس پڑا۔

"امرحہ کے پاس اصلی حسن ہے' جبکہ تم نے تو۔۔۔"

"میں نے کیا۔۔۔ ہاں۔۔۔؟ دیکھو کچھ بھی نہیں تھوپا۔ میں نے تو صرف ڈریس چینج کیا تھا تو ہی اتنی پیاری لگنے لگ گئی تھی۔ قدرتی حسن ایسا ہی ہوتا ہے۔" اس نے اترا کر' اٹھلا کر کہا۔ وہ دل ہی دل میں صدقے واری ہونے لگا۔

یہاں حسن صاحب کے بہت سے جاننے والے نکل آئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی آجاتا۔ رسمی تعارف کے بعد باتیں۔ کہکشاں جب سے آئی تھی یہ تعارفی سلسلہ شروع تھا۔ وہ کھڑے کھڑے تنگ آگئی۔

"شاہ زیب۔۔۔ میں شادی میں انجوائے کرنے آئی تھی۔ کھڑے ہونے کے لیے نہیں۔ تھک گئی ہوں میں۔۔۔ چلو کہیں بیٹھتے ہیں۔" اس نے کوفت سے کہا۔ اس کوفت کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اس کے عین سامنے ذرا فاصلے پر ایک بے حد ہینڈسم سا لڑکا کھڑا تھا اور وہ کافی دیر سے اپنی نگاہیں کہکشاں پر ہی جمائے ہوئے تھا۔

پہلے تو وہ اسے اپنا وہم سمجھی تھی لیکن جب اسے کنفرم ہو گیا کہ موصوف اسے ہی تاڑ رہے ہیں تو اسے غصہ آگیا۔ اس کی تھکن کا سن کر شاہ زیب نے فوراً" ہی اس کی بات مانی اور ٹیبل کے پاس لے آیا۔ اب وہ مطمئن ہو چکی تھی۔

"شاہ زیب۔۔۔ میری تصاویر ہی بنا دو۔" اس نے مسکین شکل بنا کر کہا۔ وہ ایسی شکل نہ بھی بناتی تو بھی شاہ زیب نے اس کی بات مان لینی تھی۔ وہ اسے اتنی اچھی' اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے دل کا کیا کرے۔ شاہ زیب نے آرام سے اس کی ڈھیر تصاویر اتاریں۔

کھانا کھانے کے بعد وہ ایک ٹیبل پر آئی جہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ البتہ آثار بتا رہے تھے کہ یہاں کچھ دیر پہلے قیامت گزر چکی ہے۔ ٹیبل پر پلیٹوں کا ڈھیر اور آدھا چھوڑا ہوا کھانا پڑا تھا۔ وہ تصویریں اتارنے لگی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"دیکھ نہیں رہے' تصویریں اتار رہی ہوں' اپ لوڈ کرنی ہیں۔" جواب دے کر وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ کیونکہ اسے اب احساس ہوا کہ مخاطب کی آواز اجنبی ہے۔ شاہ زیب نہیں۔ وہ فوراً" پلٹی تو اسی لڑکے کو سامنے دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"آپ کو ہکس اپ لوڈ کرنے کا بہت شوق ہے شاید۔" مقابل مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"اور آپ کو یقیناً" دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کا بہت شوق ہوگا۔" وہ دوبدو بولی۔ یہ وہی لڑکا تھا جس سے چند گھنٹے پہلے اس کا تعارف ہوا تھا اور جو بعد میں بھی اس پر نگاہیں جمائے کھڑا رہا تھا۔ کہکشاں کی بات سن کر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"مس۔۔۔ کچھ روز پہلے میں نے آپ کو گول گپے کی دکان پر بھی تصویریں بناتے ہوئے دیکھا تھا اور اب یہاں اس لیے بے اختیار کہہ گیا۔" یقیناً" اسے کہکشاں کا انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وضاحت دینے کے

بعد اسے لگا کہ وہ چونکے گی اور کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی پوچھے گی لیکن اس کی سوچ کے برعکس ہوا۔

"گول گپوں کی دکان تو مریخ میں ہے نا جہاں مجھے دیکھ لیا تو اطلاع دینا ضروری ہو گیا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ اس کی بڑبڑاہٹ اتنی تیز ضرور تھی کہ اس نے سنی اور خوب سنی' وہ مسکرا اٹھا۔

"جو کوئی بھی ہو بہت دلچسپ ہو تم۔" اسے جاتا دیکھ کر وہ دھیمی مگر مسکراتی آواز میں بولا۔ کہکشاں کو کیا خاک سنائی دینا تھا۔ اس نے دیکھا اب وہ اپنی جھنجلاہٹ شاہ زیب پر اتار رہی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

تقریب سے واپس آنے کے بعد سے وہ شاہ زیب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کسی کے بارے میں سوچتے اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔ پہلی ہی بار اس نے شاہ زیب کو کزن سے زیادہ کچھ سمجھا اور بہت زیادہ محسوس کیا تھا۔ دل بار بار دھڑک اٹھتا۔ ہونٹوں پر بے وجہ ہی مسکان اتر آتی۔ اپنے جذبات اسے خود بھی سمجھ نہیں آ رہے تھے لیکن اتنا تو اسے ضرور ہی معلوم تھا کہ یہ ساری تبدیلی اسی لیے آئی ہے کہ اس کے گھر والے شاہ زیب کے ساتھ اس کا ایک نیا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

صاعقہ بیگم نے چند روز بعد اس سے دوبارہ اس حوالے سے پوچھا تو اس نے فوراً "ہاں" کہہ دی۔ اس کے اقرار پر وہ اندر تک پرسکون ہو گئیں۔ انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔ وہ بہت خوش تھی کہ۔۔۔

کہکشاں کے وہی شب و روز تھے البتہ ایک تبدیلی ضرور آئی تھی کہ اس کی سوچوں میں شاہ زیب شامل ہو گیا لیکن اس نے یہ تبدیلی کسی سے بھی ڈسکس نہیں کی۔ ردا کو اندازہ تھا کہ وہ بھی شاہ زیب کو پسند کرنے لگی اور یہ ایک اچھا اشارہ تھا۔

اب بھی وہ فیس بک پر الٹے سیدھے اسٹیٹس لگاتی۔ ہنستی' لڑتی' جھگڑتی' انجوائے کرتی' ان ہی دنوں اسے سید اسد رضا کے نام سے فرینڈ ریکویسٹ موصول ہوئی۔ کہکشاں نے پروفائل وزٹ کی۔ اسے معقول لگی تو اس نے کنفرم پر کلک کر دیا۔ ابھی اسے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ان ہی صاحب نے اسے میسج بھی کر دیا۔ کہکشاں جی بھر کر بد مزہ ہوئی اور جواب دیے بغیر موبائل رکھ دیا۔

دو تین روز لگاتار اسے پیغامات موصول ہوتے رہے لیکن اس نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ اب پھر اس کے ہیلو ہائے کے پیغامات دیکھ کر اس نے انہیں نظرانداز کر دیا۔ اور ٹی وی دیکھنے لگی۔ موبائل اس کے پاس ہی رکھا تھا۔ چینل سرچنگ کے دوران وہ ایک جگہ رک گئی۔ خبروں کا چینل تھا۔ اس کی نظر ہیڈ لائنز پر پڑی۔ انڈیا نے پھر سے اپنا گھٹیا پن دکھایا تھا اور پاکستانی بارڈر پر فائرنگ کی تھی۔ یہ خبر دیکھ کر اس کے اندر کا غیرت مند پاکستانی جاگ گیا اور وہ طیش سے پاگل سی ہو گئی۔ پہلے تو زبانی کلامی اس نے انڈیا کو سخت کوسا' کھری کھری سنائیں۔ پھر بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اب ظاہر ہے غصہ اسی وقت ٹھنڈا ہوتا تھا جب وہ فیس بک پر اپنا غصہ نکالتی' اس نے فوراً" ہی اسٹیٹس لکھا۔

"تم کب تک ایسی بزدلانہ حرکتیں کرتے رہو گے۔ آئی ہیٹ یو انڈین آرمی۔" لکھنے کے بعد اس نے چند فرینڈز کو ٹیگ بھی کر دیا جن میں ردا اور شاہ زیب شامل تھے۔ اب وہ کمنٹس کا انتظار کر رہی تھی کہ بات شروع ہو اور وہ دل کے پھپھولے پھوڑے۔ اس کی خواہش پوری ہوئی۔ چند سیکنڈز بعد ہی اس کی پوسٹ پر اسد رضا کا کمنٹ آیا۔ اس نے کمنٹ میں انڈیا کی حرکتوں پر غصے کا اظہار کیا تھا اور خوب تنقید بھی کی۔ پھر اگلے کمنٹ میں اس نے آئی لو یو پاکستان بھی لکھا تھا۔ اس کے پہلے کمنٹ کو اس نے لائیک کیا۔ دوسرے کمنٹ پر اس نے جواب میں لکھا۔

"آپ کے جذبے قابل ستائش ہیں۔" اسے ٹائپ کر کے وہ پہلے کمنٹ کی طرف آئی کہ اب باقاعدہ اس پہ بات ہو لیکن صاعقہ بیگم کے بلانے پر اسے

اٹھانا پڑا۔ وہ اسے کریلے کاٹنے کا کہہ رہی تھیں۔ کریلے اس کا منہ بن گیا لیکن وہ چپ چاپ کریلے کاٹنے لگی اگر انکار کرتی تو اسے اماں سے "فیس بک کی کیڑی" اور اسی قسم کے عجیب و غریب القابات ملتے اور یہ اتفاق ہی تھا کہ جب وہ بے عزت ہو رہی ہوتی شاہ زیب کسی منحوس جن کی طرح حاضر ہو جاتا اور اس وقت بلکہ جب سے ان کا رشتہ طے ہوا تھا وہ اپنی "بے عزتی" کے معاملے میں کافی محتاط ہو گئی تھی۔

کام سے فارغ ہو کر جب وہ آئی تو اس کے موبائل میں شاہ زیب کی ڈھیروں مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔ وہ مسکرا اٹھی۔ کل ہی تو ان کی بات پکی ہوئی تھی۔ کہکشاں کو لگا وہ اس سے یقیناً "کوئی میٹھی بات" کوئی خوب صورت جملہ بولے گا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ موبائل پھر سے بج اٹھا۔ اس نے فون ریسیو کیا۔

"تمہارا دماغ آج کل کچھ زیادہ ہی خراب نہیں ہو گیا؟" ابھی اس نے ہیلو کہا ہی تھا کہ شاہ زیب کی دھاڑتی آواز اس نے سنی۔

"کیا مطلب؟" وہ اتنی حیران تھی کہ اس کے اس لہجے پر غصہ بھی نہ ہو پائی۔ وہ زندگی میں پہلی بار یوں چیخا تھا۔

"ہر وقت فیس بک، فیس بک، اس کے علاوہ زندگی میں کچھ اور کرنا آتا بھی ہے تمہیں؟ جو جی چاہتا ہے لکھ لیتی ہو۔ جسے چاہتی ہو ایڈ کر لیتی ہو۔ وہاں ایک ہزار جاننے والے ہیں میرے۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ تمہارے بارے میں؟ بے عزتی کروادی ہے تم نے میری۔" وہ اب بھی چلا کر بول رہا تھا۔ اس سے زیادہ ضبط کہکشاں کے بس کی بات نہیں تھی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ ایسا کیا لکھ دیا ہے میں نے کہ ایک ہزار جاننے والوں میں تمہاری بے عزتی ہو گئی؟" وہ بھی مشتعل ہو گئی۔

"یہ بھی تم مجھ سے پوچھو گی؟ جاؤ جا کر اپنا اسٹیٹس دیکھو اور کمنٹ بھی۔ اگر یہی سب کرنا ہے تو مجھ سے مخاطب ہونے کی غلطی بھی مت کرنا۔" شاہ زیب نے زہر اگل کر کھٹ فون بند کر دیا۔ کہکشاں کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اس نے غصہ دباتے ہوئے اپنی وال دیکھی اور پھر غصے کی انتہائی شدید لہر اس کے وجود میں سرائیت کر گئی۔ سید اسد رضا کے جس کمنٹ کو اس نے لائیک کر کے ریپلائی کیا تھا۔ اب وہ کمنٹ تبدیل ہو چکا تھا اور اب وہاں آئی لو یو پاکستان کی جگہ آئی لو یو کہکشاں درج تھا۔ کہکشاں کو لگ رہا تھا۔ غصے سے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ وہیں بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

کچھ دیر بعد اس کا تنفس ذرا قابو میں آیا تو اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور کانپتے ہاتھوں سے پہلے اس نے اسٹیٹس مٹایا، پھر ان بکس کی طرف رخ کیا۔ سید اسد رضا اب بھی آن لائن تھا اور اس کے بہت سے میسجز موجود تھے۔ اس نے ایک بھی میسج نہیں پڑھا اور ایسی بے ہودہ حرکت کرنے پر اس کے جو دل میں آیا وہ اس نے ٹائپ کیا۔ وہ سب بھی جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد اس نے سید اسد رضا کو بلاک بھی کر دیا۔ اس سب کے بعد بھی اسے سکون نہ ملا۔ شاہ زیب کا رویہ، اس کا انداز جب جب اسے یاد آتا ایسا لگتا جیسے کوئی اسے ہتھوڑے سے ضرب لگا رہا ہو۔ وہ بے بس ہو کر وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ ابھی ابھی تو اس کے دل میں محبت کی کونپل پھوٹی تھی اور شاہ زیب نے بے دردی سے سب کچل دیا۔ کہکشاں نے اسے ہر سوشل ویب سائٹ سے بلاک کیا اور اپنی زندگی سے بھی۔

☆ ☆ ☆

فقط دو گھنٹے بعد ہی شاہ زیب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے کہکشاں کو فون کیے۔ کچھ دیر بعد اس نے موبائل سے بھی شاہ زیب کو بلاک کر دیا۔ پورے دن وہ کمرے میں بند رہی، نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اگلے دن اس نے اپنے آپ کو نارمل کر لیا لیکن وہ تہیہ کر چکی تھی کہ شاہ زیب کو وہ نہیں معاف کرے گی۔ شاہ زیب روز ہی ردا کے نمبر پر ہزاروں فون کرتا۔ اس کی منتیں کرتا لیکن کہکشاں نے اس سے بات نہ کی۔ ردا کو بھی وہ اپنی

غلطی کی داستان سنا چکا تھا۔ وہ چپ ہو کر رہ گئی۔ اسے بھی یہ بات بہت ناگوار گزری۔ لیکن اس نے فقط اتنا کہا کہ کہکشاں کو وقت دو۔

شاہ زیب گھر آکر اسے مناتا تو بھی اس سے بعید نہیں تھا کہ وہ چلا چلا کر پورا گھر سر پر اٹھالیتی۔ پھر یقینی بات تھی کہ یہ معاملہ سب کے علم میں آتا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن شاہ زیب کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ کہکشاں کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ اس نے شادی سے انکار کر دیا تھا اور صاعقہ بیگم سے صرف اتنا کہا کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ ماسٹرز مکمل ہو جانے کے بعد بھی وہ اس جھمیلے میں نہیں پڑے گی۔ کہکشاں کے انکار کے بعد صاعقہ بیگم نے پہلے تو اسے سمجھایا اور جب وہ نہ مانی تو انہوں نے غصے میں اس پر ہاتھ بھی اٹھایا۔ وہ مزید متنفر ہو گئی۔ اس سے بھی اور اب اپنی ماں سے بھی۔ وہ ہمیشہ سے ہی ان کی ڈانٹ سنتی آئی تھی اور کبھی ناراض بھی نہیں ہوئی لیکن اس بار اس کا رویہ انتہائی شدید تھا۔ اس نے بے تحاشا توڑ پھوڑ کرنے کے بعد اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔

یہ سب ردا کی غیر موجودگی میں ہوا تھا۔ گھر آنے کے بعد اسے غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے اماں سے پوچھا۔ وہ تو پہلے ہی سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ ساری روداد سنادی۔ ردا نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ جذباتیت میں تو دونوں ماں بیٹی ایک جیسی ہی تھیں۔

"اماں۔۔۔ یہ آپ نے کیا کر دیا؟" وہ سخت افسوس اور پریشانی سے بولی۔

"کیوں کیا۔۔۔ غلط کیا میں نے؟ وہ میرے منہ کو آنے لگی ہے۔ پہلے اقرار کیا اور اب انکار۔ اس نے رشتوں کو بھی مذاق سمجھ لیا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اگر یہ بات بھائی صاحب کے علم میں آئی تو وہ کیا سوچیں گے؟ رشتے خراب کرنے پر تلی ہوئی ہے یہ لڑکی۔ اپنی مرضی سے اس نے ہاں کی ہے۔ میں نے کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ اگر وہ پہلے انکار کر دیتی تو میں زبردستی تو نہ کرتی لیکن اب میری اور تمہارے ابا کی عزت کا سوال ہے۔ میں بیٹی کے ہاتھوں بے عزت نہیں ہونے والی۔" وہ غصے سے تیز تیز بول رہی تھیں۔ ردا دوڑ کر پانی لے آئی۔ معاملہ اس حد تک خراب ہو جائے گا اسے اندازہ ہوتا تو وہ پہلے ہی شاہ زیب کو کہکشاں کے سامنے کر دیتی۔ کہکشاں غصیلی اور جذباتی تھی لیکن سخت دل نہیں۔ وہ مان جاتی۔۔۔ لیکن اب۔۔۔

"اماں آپ پر سکون ہو جائیں پلیز۔۔۔" وہ ان کی پشت سہلانے لگی۔

"اب میری بات سنیں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا اور نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما۔

"اماں۔۔۔! کہکشاں، شاہ زیب کو ہی پسند کرتی ہے لیکن آپ جانتی ہیں اس کا مزاج کہ وہ کس قدر غصیلی اور جذباتی ہے۔ ان دونوں کا جھگڑا ہوا تھا اور اب وہ اسی بات کی وجہ سے یہ سب کر رہی ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک اس کا یہ ہی ایک حل ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"کیسا جھگڑا۔۔۔؟" وہ ٹھٹک کر پوچھنے لگیں۔ ردا نے ساری بات انہیں بتادی۔ کچھ لمحے تو وہ بھی کچھ بول نہ پائیں۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں۔" انہوں نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"اماں یہ کوئی معمولی بات نہیں اور وہ بھی ابھی جبکہ کچھ روز پہلے ہی ان کا رشتہ طے ہوا ہے۔ شاہ زیب اچھا خاصا عقل مند ہے۔ کیا اسے یہ دکھائی نہیں دیا کہ ساری غلطی اس لڑکے کی ہے۔ اس نے کمنٹ میں تبدیلی کی۔ اگر اسے برا لگا تھا تو وہ کہکشاں کو کہتا 'اسے سمجھاتا۔ اس لڑکے کو بے عزت کرتا۔ الٹا اس نے کیا' کیا۔۔۔ بالفرض اگر شاہ زیب کو کمنٹ ایڈیٹ ہوا دکھائی نہیں دیا تو کیا وہ کہکشاں سے واقف نہیں ہے۔ اسے سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے تھی۔

اور اب کہکشاں۔۔۔ اس نے بھی شاہ زیب کو معافی مانگنے کا موقع نہیں دیا اور اب آپ۔۔۔ آپ نے تو حد ہی کر دی اب اگر وہ اینٹھ گئی تو کیا کریں گی آپ۔۔۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اگر کہکشاں نے ابا کے سامنے انکار کیا اور اصل وجہ بتادی تو پھر وہ کسی کی نہیں سنیں

گے۔ وہ صرف کہکشاں کی بات مانیں گے۔
اگر آپ چاہتی ہیں کہ معاملہ مزید نہ بگڑے تو آپ جائیں اور جا کر اسے منائیں اور فی الحال اس قصے کو مت چھیڑیے گا۔" انہوں نے اس کی بات خاموشی سے سنی۔ کہکشاں کی ضد سے وہ اچھی طرح واقف تھیں اور اب انہیں اس پر ہاتھ اٹھانے پر بھی دکھ ہو رہا تھا لیکن غصے نے جو کچھ کروانا تھا وہ کروا چکا۔

ان دونوں کا شریر اور خوب صورت سا تعلق اس نہج پر پہنچ چکا تھا کہ وہ شاہ زیب کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ اب تو شاہ زیب کی طرف سے بھی خاموشی چھا چکی تھی۔ کہکشاں نے بھی چپ کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ نہ وہ پہلے کی طرح گانے سنتی، ناچتی، اچھل کود کرتی اور نہ ہی اب وہ موبائل کو زیادہ استعمال کرتی تھی۔

گھر کے کاموں کے بعد وہ کمرے میں بند ہو جاتی۔ کھانے کے وقت بھی وہ اپنی پلیٹ لے کر کمرے میں ہی آجاتی۔ اس نے لاتعلقی اختیار کر لی اور اس لاتعلقی نے ایسی شدت اختیار کی تھی کہ وہ کسی آنے جانے والے کے سامنے تک نہ آتی۔ سلام تو بہت دور کی بات ہے۔ کمرے سے انتہائی ضرورت کے علاوہ وہ باہر نہ آتی۔ اسی لیے اسے علم ہی نہیں تھا کہ گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ ایک دن ردا اس کے پاس آئی۔

"تم کسی سید اسد رضا نام کے لڑکے سے واقف ہو؟" ردا نے اس سے سرسری لہجے میں پوچھا۔ اس نے چونک کر ردا کو دیکھا۔ اسی منحوس نام کی وجہ سے ہی تو اس کی زندگی میں طوفان آیا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے فوراً پوچھا۔ ردا کو واقعے کا تو علم تھا، لیکن نام کا نہیں، کیونکہ اس نے تو سرے سے اسٹیٹس دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ کم ہی فیس بک استعمال کرتی تھی۔

"تم کریم صاحب کے بیٹے کی شادی میں گئی تھیں نا۔ وہاں تایا ابا نے بہت سے لوگوں سے تمہارا تعارف کروایا تھا۔ ان میں سے ایک یہ موصوف بھی تھے اور والدہ بھی۔ دونوں ماں بیٹے کو تم وہیں پسند آگئی تھیں۔ اب وہ تمہارا رشتہ مانگنے آئی ہیں۔"

"رشتہ۔۔۔" تو کیا اس کے انکار کا علم ہو گیا اور اسے پھر بھی فرق نہ پڑا؟ یہ سوچ آتے ہی اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن خود کو سنبھال کر اس نے دماغ پر زور دیا لیکن اسے یاد نہ آیا۔ کہکشاں اس رات بہت سے لوگوں سے ملی تھی اور پہلی بار میں اسے نام کبھی یاد نہیں رہتے تھے۔ البتہ چہرے یاد رہ جاتے۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے سادگی سے کہا۔ نام سن کر وہ ٹھٹکی ضرور لیکن اسے محض وہ ناموں کا اتفاق ہی سمجھی تھی۔ سید اسد رضا جو محض ایک ایف بی کانٹیکٹ تھا۔ اس نام کے ہزار لوگ ایف بی پر تھے لیکن اس لڑکے نے اپنی ذاتی تصویر نہیں لگائی تھی۔ اگر تصویر ہوتی تو وہ نہ الجھتی۔

"میں تصویر لے آتی ہوں۔ وہ مجھے تصویر دے کر گئی ہیں۔" ردا اٹھتے ہوئے بولی۔ اس نے تصویر لا کر اسے تھمائی۔

"ارے یہ تو وہی لڑکا ہے جس نے کہا تھا کہ وہ مجھے گول گپوں کی دکان پر بھی دیکھ چکا ہے۔" اسے یاد آگیا۔

"اب بتاؤ پھر کیا ارادے ہیں؟"

"کیا مطلب۔۔۔" وہ چونک گئی۔

"مطلب یہ کہ تم نے شاہ زیب سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب لائف میں آگے بڑھنا ہے کہ نہیں۔" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ کہکشاں کی رنگت ایک دم پھیکی پڑ گئی۔

"میں فی الحال کسی کے بھی ساتھ منسوب نہیں ہونا چاہتی۔ ماسٹرز کے بعد دیکھوں گی۔" اس کی آواز کانپ گئی۔ ردا کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ فوراً ہی اس کے قریب آئی۔

"کہکشاں۔۔۔ کب تک خود کو تکلیف پہنچاؤ گی؟ غصہ تھوک دو۔ یہ تمہارا دل اجاڑ دے گا۔" اس نے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"محبت اپنی جگہ۔۔۔ لیکن میں کسی ایسے شخص کے

ساتھ کیسے زندگی گزاروں جو اتنی معمولی بات پر ایسا رویہ دکھائے؟ جو یہ ظاہر کرے کہ وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتا؟" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم بات سمجھنے کی کوشش تو کرو۔ اس نے تم پر شک نہیں کیا۔ اس کے کسی دوست نے یہی بات مرچ مسالا لگا کر بتادی اور غصے میں ہی اس نے وہ سب کیا اور فقط تھوڑی ہی دیر بعد اسے احساس بھی ہو گیا۔ کتنی منتیں کی ہیں اس نے تمہاری۔ اگر اس نے غلطی کی ہے تو معافی بھی تو مانگی ہے نا۔ تمہیں منانے کی کوشش بھی تو کی ہے نا۔ تم صرف اس کی غلطی دیکھ رہی ہو۔ اس کی محبت بھی تو محسوس کرو۔" ردا نے پھر سے کوشش کی۔ وہ خاموش رہی۔

وہ خاتون کئی بار آئیں لیکن ہر بار انکار ہوا۔ بہت سارے دن بعد کہکشاں نے اپنی آئی ڈی دوبارہ کھولی۔ جس جس نے اسے آن لائن دیکھا اس کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کرنے لگا۔ وہ بے دلی سے بہانے بناتی رہی۔

اگلے ہی روز اسے سید اسد رضا کا میسج آیا۔ یہ اس اسد کا میسج تھا جس نے رشتہ بھیجا تھا۔ اس نے پروفائل پر لگی تصویر دیکھ کر اسے پہچانا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ اس سے ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ کہکشاں نے جواب دے دیا۔ اب وہ اس سے مخاطب تھا۔

"میں انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"یہ حق آپ کو کسی نے نہیں دیا۔"

"کبھی مقابل کا دل بھی رکھ لیا کریں۔"

"میں نے کسی کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا اور اب فضول میں میسجز کر کے مجھے پریشان نہ کریں۔" اس نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

"پلیز میری بات سنیں۔" وہ لاگ آف کرنے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن رک گئی۔

"کہکشاں۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا' تب ہی آپ نے مجھے اپنی طرف کھینچا تھا۔ اس کے بعد شادی میں آپ کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا لیکن وہاں آپ نے مجھ سے بالکل بھی اچھے طریقے سے بات نہیں کی۔ مجھے علم تھا کہ آپ فیس بک استعمال کرتی ہیں۔ اسی لیے میں نے دوسری آئی ڈی بنائی لیکن اپنی تصویر نہ لگائی کہ کہیں آپ مجھے دیکھتے ہی بلاک نہ کر دیں۔

ایڈ کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ میں آپ سے بات کر کے آپ کو تھوڑا بہت جاننا چاہتا تھا اور آپ کی مرضی کے بعد آپ کے گھر رشتہ بھیجتا لیکن آپ نے مجھے ایک بھی میسج کا جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے مجبوراً" وہ حرکت کی اور کمنٹ کیا کہ اب تو آپ ضرور ہی میسج کا جواب دیں گی۔ چاہے کھری کھری سنائیں' لیکن میں کم از کم اپنے دل کی بات تو آپ تک پہنچا دوں گا لیکن سب الٹ ہو گیا۔ آپ نے مجھے بلاک ہی کر دیا اور آئی ڈی بند کر دی۔

پھر مجھے مجبوراً" یہاں وہاں سے معلومات لے کر آپ کے گھر اپنی ممی کو ہی بھیجنا پڑا۔ میں مانتا ہوں کہ میرا انداز بہت ہی غلط تھا۔ مجھے ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن میری نیت صاف تھی۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔"

"آپ کے انکار نے مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے لیکن میں زبردستی نہیں کر سکتا۔ ہو سکے تو میرے لیے ذرا گنجائش نکال لیں۔" اتنا طویل میسج پڑھ کر وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"آپ کو علم ہی نہیں کہ آپ کے مذاق نے کیا کچھ کر دیا اور رہی گنجائش کی بات تو میں منگنی شدہ ہوں اور اپنے منگیتر سے بہت محبت کرتی ہوں' سو معذرت۔ اور آپ نے جو کیا' میں نے اسے بھی معاف کر دیا۔" میسج کر کے وہ بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں پھر سے بھر آئی تھیں۔

وہ کمرے سے باہر آئی تو گھر خالی تھا۔ کچھ دیر یہاں وہاں گھومنے کے بعد وہ نیچے کا دروازہ بند کر کے اوپر چھت پر آکر بیٹھ گئی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ اس کے اندر بھی اس کے باہر بھی۔ شاہ زیب کو دیکھے اس سے بات کیے نجانے کتنے دن گزر گئے تھے۔ اس نے دن

گننے کی کوشش کی۔ اسے لگا کہ وہ یہ پر اذیت لمحات شمار نہیں کر پائے گی۔ وہ مختلف سوچوں میں الجھی تھی۔ جب کوئی آہستگی سے اس کے پاس آکر بیٹھا۔ وہ جانتی تھی کہ کون ہے۔ دونوں گھروں کی چھتیں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ وہ اکثر دیوار پھلانگ کر آجایا کرتا تھا۔ آج بھی اس نے یہی حرکت کی تھی۔ کہکشاں نے اس کی سمت دیکھا تک نہیں۔

"کیسی ہو؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"تمہیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں اور اگر معذرت کرنے آئے ہو تو بھی اس کی ضرورت نہیں۔" کہکشاں نے تڑخ کر کہا۔

"میں صرف معذرت کرنے نہیں آیا یار۔ میں اپنا تعلق بھی استوار کرنے آیا ہوں۔" اس نے فوراً ہی کہکشاں کے ہاتھ تھام لیے اور عین اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

"آئی ایم رئیلی ویری سوری۔ مجھے اس وقت نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ میں آج بھی سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ شاید میں تمہارے معاملے میں زیادہ ہی حساس ہوں۔ تمہیں پتا ہے، جب ممی نے مجھ سے تمہارے بارے میں بات کی تو میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات آئی تھی اور وہ یہ کہ مجھے ہاں کرنی ہے۔ مجھے صرف کہکشاں سے شادی کرنے کے لیے ہاں کرنی ہے اور میں نے اگلے چند سیکنڈز میں ہی ہاں کر دی تھی۔

میری زندگی میں آنے والی تم پہلی اور آخری لڑکی ہو جس کے بارے میں، میں نے جب جب سوچا، ہر بار میرے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور تم ہی وہ لڑکی ہو کہ جس کے بارے میں، میں اب سوچتا ہوں تو میرا دل کٹ جاتا ہے۔ کیوں بدل گئی ہو تم؟" وہ دھیمے مگر جذبات سے پر لہجے میں بول رہا تھا۔ کہکشاں کے دونوں ہاتھ اس نے مضبوطی سے تھام رکھے تھے۔ وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔ آنسو گالوں پر پھسلنے لگے۔

"پہلے تم صرف مجھے اچھی لگتی تھیں۔ پھر مجھے تم سے محبت ہوئی اور اب۔ اب میں تم سے شدید محبت کرنے لگا ہوں۔" اظہار سن کر اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"میں تمہارا غصہ، انکار اب اور نہیں سہ سکتا۔ پلیز یار اب تو رحم کرو۔ میری غلطی سے زیادہ مجھے سزا دے چکی ہو تم۔" کہکشاں اب باقاعدہ رونے لگی تھی۔ اس نے بھی اسے رونے دیا۔ اتنے دن کی اذیت آنسوؤں کی صورت بہہ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں مطلع صاف ہو جاتا تھا اور وہی ہوا۔

"اب تو راضی ہو گئی ہو نا مجھ سے؟" وہ اس کے گال کو چھو کر بولا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن اگر دوبارہ ایسی حرکت کی تو میں صرف ناراض نہیں ہوں گی بلکہ بدلے کے طور پر تمہاری وہ ویڈیو اپ لوڈ کر دوں گی۔" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے اسے وارننگ دی۔ وہ ہنس پڑا۔

"میں نے وہ حرکت کی ہی اس لیے تھی کہ تمہارے جذبات جان سکوں لیکن بھلا ہو اس گڑھے کا جس نے بے عزت کروا دیا۔" شاہ زیب نے ایسی شکل بنا کر کہا کہ وہ ہنس پڑی۔ سرخ ناک اور لبوں پر مسکان۔ وہ نثار ہونے لگا۔ کہکشاں جھینپ گئی۔

"اچھا سنو۔"

"بولو۔"

"اب جبکہ تمہارا رشتہ طے ہو چکا ہے تم کیا اسٹیٹس اپ لوڈ کرو گی؟" اس نے شریر انداز میں پوچھا۔

"میں لکھوں گی۔ کل تک جو فیس بک استعمال کرنے سے روکتے اور لڑتے تھے وہی آج ریلیشن شپ اسٹیٹس میں "سیاں" ہو گئے۔" کہکشاں کا اتنا کہنا تھا کہ شاہ زیب کے منہ سے بے ساختہ قہقہہ ابلا جو دیوار کے اس پار بھی گیا۔ چھت پہ موجود تینوں خواتین نے سر نکال کر انہیں دیکھا اور رب کی مشکور ہوئیں۔ ان کے آنگن میں قہقہے اور مسکراہٹیں پھر سے لوٹ آئی تھیں۔

Downloaded From
Paksociety.com

صائمہ اکرم چوہدری

سیاہ حاشیہ

سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ "پچھتاؤ گی۔ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کر گئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔

☼ ☼ ☼

عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کر رہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔ عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔

عبداللہ پابند صوم و صلوۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کر رکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی

ناولٹ

ہو چکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔

عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔

شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پر واک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑ جاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔

ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارحم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل جاوید کا انتقال ہو چکا ہے۔

نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اورید اکے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اوریدا کو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوا دیا ہے۔ بیٹا ماہیران کے پاس لندن میں ہے۔

اوریدا اور ارحم کی بہت دوستی ہے جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔

عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔

سرمد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کر رہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔

شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور رباب کو

کسی مذہبی جنونی نے قتل کر دیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔

آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑ دی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں آجاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔

اوریدا ارحم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارحم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کر دے دیتے ہیں' آغا جی کو یہ بات بری لگتی ہے۔

ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہو کر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے جو کسی مرد کی ہے۔

ارحم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔

مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کر دیا تھا۔

عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔

عدینہ پر عبداللہ کی موت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بری طرح بدظن ہو جاتی ہے۔

شانزے جب بھی کوئی غلط کام کرنا چاہتی ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ رباب اسے سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غلط راستوں سے بچانا چاہتا ہے۔

ارسل' شانزے کو زخمی ہونے پر تسلی دیتا ہے' وہ بتاتا ہے کہ ایڈ میں کام کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ شانزے اسے اپنا بھائی سمجھے۔

ارحم بہت اچھے نمبروں سے ایف ایس سی کرلیتا ہے۔ ڈاکٹر بینش اس خوشی میں ڈنر دیتی ہیں۔

عدینہ فیصلہ سنا دیتی ہے کہ اسے ڈاکٹر نہیں بننا۔ یہ سنتے ہی آپا صالحہ شدید پریشان ہو جاتی ہیں۔

آٹھویں قسط

بختاور کے والدین اس خبر کو سنتے ہی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ اس کی والدہ نے اس کے کمرے کی ایک ایک چیز ادھیڑ ڈالی تھی اور پہلی دفعہ نیلم کو احساس ہوا تھا کہ وہ جاتے ہوئے اپنی سب اہم چیزیں ساتھ لے جا چکی تھی۔ اب وہاں اس کے چند کپڑوں' پرانے جوتوں اور کتابوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

نیلم خالی نظروں سے اس کی والدہ کو دیوانہ وار چیزوں کی تلاشی لیتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے وہ ایک سرد اور غصیلی نگاہ نیلم پر بھی ڈال لیتی تھیں۔ پورے ہوسٹل میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل چکی تھی اور کچھ لڑکیاں اب نیلم کو بھی مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ رہی سہی کسر تو وارڈن کی تفتیش نے پوری کر دی تھی۔

"دیکھو نیلم' اس کے والدین بہت اثر و رسوخ والے ہیں' تمہیں جو پتا ہے' سچ سچ بتادو۔" وارڈن کے سخت لہجے پر نیلم کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔

"میڈم! خدا کی قسم' اس نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ جا رہی ہے۔" نیلم کی بات پر وارڈن نے کھوجتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی' آپ ارد گرد کے کمروں کی لڑکیوں سے پوچھ سکتی ہیں کہ وہ دروازے پر جٹ لگا کر گئی تھی۔" اس کے لہجے کی سچائی پر وارڈن کو یقین آہی گیا تھا۔ تب ہی ان کے لہجے میں نرمی آگئی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے آفس میں رکھی ہوئی کرسی

پر بیٹھنے کا اشارہ کیا‘ ورنہ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے ان کے سامنے ڈری سہمی کھڑی تھی۔

”لیکن یہ بات اس کے والدین کو کون سمجھائے؟“ وہ خود بھی بختاور کے والدین کے شور مچانے پر زچ ہو چکی تھیں۔

”اس کے والدین کو یہ بات سمجھنی چاہیے‘ کیونکہ وہ ان کے سخت رویے کی وجہ سے ہی یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہوئی ہے۔“ نیلم کی بات پر وارڈن چونکیں۔

”نیلم! مجھے تفصیل سے بتاؤ‘ اصل معاملہ کیا ہے‘ پھر ہی میں اس مسئلے کا کوئی حل نکال سکتی ہوں۔“ وہ پریشان انداز سے گویا ہوئیں۔

”دیکھیں میڈم! اس کے والدین خوامخواہ آپ کو اور مجھے پریشان کر رہے ہیں‘ انہیں کچھ نہ کچھ تو اندازہ تھا ناں‘ تب ہی وہ اس طرح اچانک اسے لینے آگئے تھے۔“

نیلم نے ساری داستان وارڈن کو سنادی تھی کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

”الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے‘ میں اب دیکھتی ہوں‘ وہ کیسے بات کرتے ہیں۔“ وارڈن کو اپنے دفاع کے لیے کافی مواد مل گیا تھا‘ تب ہی انہوں نے نیلم کو بھی اپنے کمرے میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی نیلم کا دل بھر آیا‘ اس نے کب سوچا تھا کہ بختاور ایسا قدم اٹھائے گی اور اپنے ساتھ ساتھ اس کی پوزیشن کو بھی مشکوک بنادے گی۔

وہ تکیے پر سر رکھ کر بے اختیار رو پڑی۔ اور پتا نہیں وہ کب روتے روتے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی‘ کتنی ہی لڑکیوں نے اس کے دروازے پر دستک دی‘ وہ اس سنسنی خیز اسٹوری کا چٹ پٹا حصہ سننا چاہتی تھیں‘ لیکن نیلم نے جان بوجھ کر اس رات اپنے کان بند کر لیے تھے۔ وہ کسی کے اوٹ پٹانگ سوالوں کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی اور ویسے بھی اس کے پاس بتانے کے لیے تھا ہی کیا‘ لیکن لوگوں کی زبانوں کو کون پکڑ سکتا ہے۔ خلقت شہر تو کہنے کو فسانے مانگے۔

”ارے یہ بختاور نے کیا کیا‘ وہ ایسی لڑکی لگتی تو نہیں تھی۔“ صبح واش روم میں جب وہ اپنی سوجی ہوئی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی‘ اس کے برابر کے کمرے والی عمارہ نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

”تم سے کس نے کہا وہ ایسی ویسی لڑکی تھی۔؟“ نیلم کو ایک دم ہی غصہ آگیا۔ عمارہ بوکھلا سی گئی۔

”بھئی۔ سارے ہوسٹل میں مشہور ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔“ عمارہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

”کون کہہ رہا ہے ایسا۔؟“ نیلم نے کمر پر ہاتھ رکھ کر دوٹوک انداز میں پوچھا‘ اس کے لہجے اور آنکھوں سے چھلکتی برہمی نے عمارہ کو الجھن میں ڈال دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی‘ نیلم ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی۔

”جو جو یہ بکواس کر رہا ہے‘ اسے بتادو‘ وہ اپنی خالہ کے پاس سرگودھا گئی ہے‘ اس کا اپنے والدین کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔ سمجھیں تم۔“ نیلم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پہلی دفعہ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولا تھا۔ عمارہ گڑبڑا سی گئی۔

”اوہ سوری۔ ہم سمجھے شاید۔“ عمارہ نے شرمندگی سے بات ادھوری چھوڑی۔

”اگر تم لوگوں کی سمجھ چھوٹی ہے تو برائے مہربانی اپنی لمبی زبانوں کو بھی کنٹرول میں رکھو‘ ایسے ہی خوامخواہ کسی پر بہتان نہیں لگاتے۔“ نیلم نے عمارہ کو ٹھیک ٹھاک سنائیں اور اپنے کمرے میں آگئی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اس نے اپنی ہوسٹل فیلوز کو کیسے مطمئن کرنا ہے۔ بختاور نے خواہ کتنی ہی غلط حرکت کی تھی لیکن وہ اس کی دوست تھی اور وہ اس کے خلاف ایسی کوئی بات نہیں سن سکتی تھی جس سے اس کے کردار پر حرف آتا ہو۔

اس دن پہلی دفعہ نیلم نے ہوسٹل میں رہتے ہوئے یونیورسٹی سے چھٹی کی۔ سارا دن وہ کمرہ بند کیے بیٹھی رہی‘ اس کا خوش فہم دل اسے بار بار دھوکا دے رہا تھا کہ بختاور یہیں کہیں‘ اس شہر میں چھپ گئی ہوگی اور

کسی بھی لمحے واپس آجائے گی، لیکن وہ دن نیلم پر قیامت کی طرح گزرا تھا، ہر دستک پر اس کا دل اچھل کر باہر آجاتا اور ہر آواز پر اسے بختاور کی آواز کا گمان ہوتا لیکن مغرب کی اذان کے ساتھ ہی اس کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں، اسے یقین آگیا تھا کہ کچھ مسافر کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتے۔

☼ ☼ ☼

ٹرین، رات کی تاریکی کو کچلتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی اور یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کسی تاریک تخل پر روشنی کے تیر برسا رہی ہو۔ ڈبوں کی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر پٹری پر پڑتی تو ایسا لگ رہا تھا

جیسے کسی نے پٹڑیوں پر پارہ چھلکا دیا ہو۔

ٹرین کی بزنس کلاس میں بیٹھے دو مسافر اپنی ساری کشتیاں جلا کر نئے سفر کی طرف گامزن تھے، لیکن دونوں کے ہی چہروں پر بے شمار سوچیں اور آنے والے دنوں کا خوف رقصاں تھا۔ چھ لوگوں کی اس بوگی میں سے ایک شخص صادق آباد میں اور باقی تین سکھر اسٹیشن پر اترے تو ہاشم اور بختاور نے سکھ کا سانس لیا۔ اس وقت وہ دونوں اکیلے تھے۔ ہاشم نے لپک کر بوگی کا دروازہ اندر سے بند کردیا تھا۔ اسے خوف تھا، کہیں باہر گیلری میں کھڑے دو تین لڑکے اندر نہ آجائیں۔

سخت سردیوں کے دن تھے اور ہاشم اپنے ساتھ ایک کمبل بھی لے آیا تھا جسے اوڑھ کر بختاور اوپر برتھ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے ملتان سے لے کر سکھر تک کا سفر اسی برتھ پر ٹرین کی دیوار کی طرف منہ کرکے گزارا تھا۔ اسے ڈر تھا، کہیں اسے کوئی پہچان نہ لے، حالانکہ یہ محض اس کا واہمہ تھا۔

"نیچے آجاؤ، اب یہاں کوئی نہیں ہے۔" ہاشم نے ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے اترنے میں مدد دی۔ بختاور کا چہرہ اتنے سرد موسم میں بھی پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

"کیا ہوا...؟ پریشان ہو کیا...؟" ہاشم کو وہ اس وقت کسی ڈری سہمی ہرنی کی مانند لگی۔ اس کے ہونٹ بالکل خشک تھے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"مجھے پیاس لگی ہے۔" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہاشم سے کہا، تو اس نے فوراً سیٹ پر رکھی پلاسٹک کی بوتل اس کی جانب بڑھادی۔ بختاور نے جلدی سے بوتل منہ سے لگائی اور ایک ہی گھونٹ میں خالی کرگئی، اس کے انداز میں اس قدر بے تابی اور بے صبراپن تھا کہ کچھ پانی چھلک کر اس کے کپڑوں پر آن گرا۔

"دھیان سے۔" ہاشم نے اسے ٹوکا۔

"مجھے گرمی لگ رہی ہے۔" بختاور کی اگلی بات پر ہاشم کو اس کی ذہنی حالت پر شک گزرا۔ اس نے ایک لمحہ سوچ کر اس کا بازو پکڑا، وہ بخار کی شدت سے تپ رہی تھی۔

"بے وقوف لڑکی! تمہیں تو اچھا خاصا بخار ہے۔" وہ ایک دم پریشان ہوا۔

"ہاں شاید۔" اس نے غائب دماغی سے جواب دیا۔

"اچھا، تم یہاں آرام سے سیٹ پر بیٹھ جاؤ، میں اگلے اسٹیشن پر دیکھتا ہوں، شاید کسی اسٹال سے کوئی بخار کی ٹیبلٹ مل جائے۔" وہ فکرمند انداز سے بختاور کے بالکل پاس آن بیٹھا۔ بختاور کے ماتھے پر ہلکی ہلکی پسینے کی بوندیں تھیں۔

"تم پریشان ہو ناں؟" ہاشم نے ہلکی سی شرمندگی سے اسے مخاطب کیا، جو آنکھیں موندے ست انداز سے بیٹھی تھی۔ "آئی ایم سوری یار، یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" ہاشم کے شرمندہ انداز پر بختاور نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ آنکھیں جھکائے ـــــ سنجیدہ انداز سے بیٹھا ہوا تھا۔ بختاور کے دل کو کچھ ہوا۔

"ہاشم! میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔" بختاور نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ہر بات لفظوں میں کہنا ضروری نہیں ہوتی، بلعض دفعہ ان کہی باتیں انسان کی خاموشی سے بھی چھلکنے لگتی ہیں۔" ہاشم کا لہجہ گہری افسردگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس

وقت خاصا رنجیدہ اور پشیمان لگ رہا تھا۔

بختاور نے بے ساختہ اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا۔ وہ خود اپنے آپ سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی۔ ملتان سے سکھر تک اس نے اپنے آپ سے ایک طویل جنگ لڑی تھی۔ اس کے ذہن میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے چہرے آرہے تھے۔

"تھک گئی ہو ناں۔" ہاشم نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

"آپ کے ساتھ تو میں کبھی نہیں تھک سکتی' آپ کا ساتھ میری زندگی میں رنگ بھر دیتا ہے۔" اس کے چاہت بھرے انداز پر ہاشم کا دل طمانیت کے گہرے احساس سے بھر گیا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی بادل کی طرح ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔ اس کے دل کی کھیتی ایک دم ہی ہری بھری ہو کر لہلہانے لگی۔ اس نے نرم نگاہوں سے بختاور کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کیے اب پرسکون تھی اور اس کا سر ابھی بھی ہاشم کے کندھے سے ٹکا ہوا تھا۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں۔" ہاشم نے زندگی کے اس پہلے سفر کا پہلا وعدہ اس کے آنچل میں باندھا۔ بختاور کے دل میں خوشی کے بہت سے چھوٹے چھوٹے دیپ جل اٹھے۔

"اور میں ہر دکھ سکھ میں آپ کا ساتھ دوں گی۔" اس نے بھی جواباً ایک خوشنما وعدے کی ڈور اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔

"میں ایک بات سوچ رہا تھا بختاور۔" وہ دھیمے انداز سے گویا ہوا' بختاور نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کاش' تمہارے والد مان جاتے تو میں پورے عزت اور احترام سے تمہیں لے کر جاتا۔" ہاشم نے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"میں ساری زندگی بھی ان کی منتیں کرتی رہتی تو وہ نہ مانتے۔"

"کیا میں اتنا برا ہوں۔؟" اس کی بات پر بختاور کو دھچکا سا لگا۔ اس نے ہاشم کی آنکھوں میں جھانک کر پورے اعتماد سے کہا۔

"تم برے نہیں ہو' میرے بابا کی ضد اور انا بہت بری ہے۔"

"وہ تو خیر کسی بھی انسان میں ہو تو اچھی نہیں ہوتی۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں زندگی میں ایسا قدم اٹھاؤں گی۔" بختاور افسردہ ہوئی۔

"کوئی بھی نہیں سوچتا ایسا۔" ہاشم نے درمیان میں لقمہ دیا تو بختاور خاموش ہو گئی۔ "کیا سوچ رہی ہو تم؟" اس نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔

"میں نیلم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

بختاور کی بات نے ہاشم کو حیران کیا۔ "کیا سوچ رہی ہو اس کے بارے میں۔؟"

"پتا نہیں امی اور بابا نے نیلم کے ساتھ کیا سلوک

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

سوچ نگر کی رانی

رضیہ جمیل

قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

کیا ہوگا۔" بختاور کو اچانک اپنی پُرخلوص دوست یاد آگئی اور ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"نیلم بے چاری کا کیا قصور ہے۔؟ اور اسے وہ لوگ کیوں کچھ نہیں کہہ گے؟" ہاشم نے کہا۔

"اکثر لوگ اپنی غلطیوں کا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ غلط فیصلوں کا خمیازہ اکیلے بھگتنا آسان نہیں ہوتا ہے۔"

وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی' ہاشم خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ ایک دم ہی اپنی عمر سے دس سال بڑی لگنے لگی تھی۔ ہاشم مزید کچھ کہتا لیکن پھر کچھ سوچ کر چپ کر گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ سرد رات آپا صالحہ کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔ جسم بخار کی شدت سے تندور بنا ہوا تھا اور دماغ میں سوچوں کا جہنم روشن تھا۔ پچھتاوے ان کا دامن پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ بے بس انداز میں اٹھیں اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ باہر بادلوں کی گڑگڑاہٹ' رات کی خاموشی میں عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ ایک دم صحن میں لگے درختوں کی شائیں شائیں سے انہیں احساس ہوا کہ باہر سرد ہواؤں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ ایک دھماکے سے ان کی پلنگ والی سائیڈ پر لگی کھڑکی کا پٹ کھلا اور سرد ہواؤں کا ایک ریلہ اندر گھس آیا۔

آپا صالحہ نے خوف زدہ انداز سے کھڑکی کی طرف دیکھا' اس کی سلاخوں سے دور آسمان پر کوئی بجلی چمکی تھی۔ ٹھنڈی یخ ہوا کی وجہ سے آپا صالحہ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ بمشکل اٹھیں اور ننگے پاؤں فرش پر چلتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ سرد رات کی تاریکی میں ہونے والی یہ بارش ان کے کئی زخموں کے ٹانکے ادھیڑنے کا باعث بن رہی تھی۔ بہت سے ان کے دکھ سر اٹھا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ پتا نہیں ان کے دل میں کیا آیا کہ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اسٹور کی جانب چلی آئیں۔ اسٹور میں گھستے ہی انہیں ہلکی سی گرمائش کا احساس ہوا۔ انہوں نے کمرے کا زیرو واٹ کا بلب روشن کیا اور وحشت ناک نظروں سے کونے میں رکھے لوہے کے ٹرنک کو دیکھنے لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئی خاص خزانہ چھپا ہوا ہو۔ اس ٹرنک کے زنگ آلود تالے کو انہوں نے ایک خاص جگہ سے چابی اٹھا کر کھولا۔

صندوق کے کھلتے ہی اندر سے فنائل کی گولیوں کی بدبو چاروں طرف پھیلی۔ انہوں نے صندوق کے کونے میں رکھا ایک سیاہ رنگ کا بوسیدہ سا شاپر نکال کر کھولا۔ اس میں دو چھوٹے چھوٹے گلابی رنگ کے فراک' رومال' جرابیں اور ننھا سا بادامی رنگ کا ہاتھ سے بنا ہوا سویٹر تھا۔

وہ کچھ لمحے ان چیزوں کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھتی رہیں اور پھر ایک دم ہی ان پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ دیوانہ وار اسے چومنے لگیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو قطار کی صورت میں بہہ نکلے۔ ایک بارش آپا صالحہ کے اندر اور دوسری باہر صحن میں ہو رہی تھی۔ روتے روتے وہ تھک گئیں تو ان چیزوں کو دوبارہ اسی شاپر میں ڈال کر صندوق کے کونے میں احتیاط سے رکھ دیا۔ اچانک ان کی نظر کاسنی رنگ کی شفون کی ساڑھی پر پڑی' انہوں نے افسردہ انداز سے اسے اٹھایا اور آنکھوں کے قریب کر کے دیکھنے لگیں۔ ساڑھی خاصی پرانی تھی اور اس پر کیا ہوا دبکے کا کام اپنی رنگت کھو بیٹھا تھا اور اس میں فنائل کی گولیوں کی بدبو رچ بس گئی تھی۔

ایک دم ہی ان کے دل میں کوئی خیال آیا اور انہوں نے اس ساڑھی کو اپنے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہوں۔ عدینہ جو فریج سے بوتل نکالنے کے لیے اپنے کمرے سے نکلی تھی' اسٹور میں جلتی مدھم سی روشنی کو دیکھ کر ادھر نکل آئی۔ اسٹور کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا۔ وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کے پاس پہنچ گئی' حالانکہ اس کا دل اندر سے ڈر رہا تھا۔

جیسے ہی عدینہ نے تھوڑا سا جھانک کر اندر دیکھا' اسے دھچکا لگا۔ آپا صالحہ اپنے پرانے ٹرنک کے سامنے کھڑی' اپنے شلوار قمیص سوٹ کے اوپر ساڑھی لپیٹنے میں مگن تھیں۔ عدینہ کو ایسا لگا جیسے سامنے آپا صالحہ نہیں کسی قبرستان کی کوئی بھٹکی ہوئی روح کھڑی ہو۔ آپا صالحہ کے چہرے پر عجیب سی وحشت' اذیت اور دیوانگی تھی۔ وہ بالکل بھی اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھیں۔

"آپا کو کیا ہو گیا۔؟" عدینہ کا دل پریشان ہوا۔ اسی لمحے آپا صالحہ نے اپنا صندوق دوبارہ اسے کھولا اور اس میں سے کوئی چیز تلاش کرنے لگیں۔ ایک منٹ کے بعد ان کے ہاتھ میں وہی سنگ مرمر کا کتبہ تھا' جو ایک دفعہ عدینہ کے ہاتھ بھی لگا تھا۔ آپا صالحہ اس کتبے کو دیکھ کر پُر اسرار انداز میں مسکرائیں۔ خوف کی ایک لہر عدینہ کے سارے وجود میں دوڑ گئی' اس نے بے ساختہ دل ہی دل میں سورہ الناس اور سورہ الفلق کا ورد شروع کر دیا۔

آپا صالحہ کچھ لمحے اس کتبے کو دیکھتی رہیں اور پھر انہوں نے ایک عجیب سی حرکت کی' ایک پرانا سا تکیہ اٹھایا اور اسے زمین پر رکھا اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ کتبہ زمین پر کھڑا کیا اور پھر خاموشی سے زمین پر اس طرح لیٹ گئیں کہ کتبہ ان کی پشت پر عین سر کے پیچھے آگیا۔ عدینہ کا حلق خشک ہوا۔ اسے لگا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو' وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے زمین پر آنکھیں بند کیے لیٹی آپا صالحہ کو دیکھنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی قبر کا منہ کھل گیا ہو' اور آپا صالحہ اس میں لیٹی ہوئی ہوں۔

☼ ☼ ☼ ☼

"یہ آپ مجھے کون سی ڈراؤنی فلم کا سین بتا رہی ہیں۔" عدینہ نے ساری رات جاگ کر گزاری تھی فجر کی نماز کے لیے مونا اٹھی تو اسے جاگتے دیکھ کر حیران ہوئی اور اس کے پوچھنے پر عدینہ نے سارا قصہ اس کے سامنے دہرا دیا۔ مونا کو شاید یقین نہیں آیا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے' میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" عدینہ برا مان گئی۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا' لیکن آپا نے اس قسم کی مشکوک حرکت پہلے تو نہیں کی۔" مونا نے بے یقینی سے کہا۔

"تو میں نے یہ کب کہا کہ وہ شروع سے ایسی حرکتیں کرتی آئی ہیں' میں نے بھی تو پہلی دفعہ دیکھا ہے' اسی لیے پریشان ہوں۔" عدینہ نے جھنجلا کر کہا۔

"میں اب دیکھ کر آؤں آپا کو' وہ اسٹور میں ہیں یا اپنے کمرے میں۔؟" مونا تجسس بھرے انداز سے کھڑی ہوئی۔

"رہنے دو' وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وضو کرنے گئی ہیں۔" عدینہ کی بات پر مونا مایوس سے انداز سے بیٹھ گئی۔

"ایک بات کہوں عدینہ باجی! آپ برا تو نہیں مانیں گی۔" مونا نے ہلکا سا جھجک کر عدینہ کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"ہاں بولو۔" وہ لاپرواہ انداز سے گویا ہوئی۔

"آپ نے کہیں کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھ لیا رات میں۔" مونا کی بات پر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ہاں کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا خواب' تب ہی تو ساری رات ایک پل کو نہیں سو سکی۔" وہ باقاعدہ چڑ کر بولی۔

"آئی ایم سوری' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" مونا خفت کا شکار ہوئی۔

"تمہارا جو بھی مطلب ہو' اٹھو جا کر وضو کر کے آؤ' مجھے نماز پڑھنے دو۔" عدینہ بےزاری سے سر جھٹک کر کھڑی ہوئی اور الماری سے جائے نماز نکالنے لگی۔

"آپ خفا ہو گئی ہیں ناں۔" مونا گھبرا گئی۔

"میں کیوں تم سے خفا ہوں گی۔" عدینہ کے لاپروا انداز پر مونا نے اطمینان سے سانس لیا۔ عدینہ نماز کی نیت کر چکی تھی' تب ہی تو وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ بارش رک چکی تھی' لیکن سردی کی

شدت میں ایک دم ہی اضافہ ہوگیا تھا۔ مونا پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوئی۔ وہ دوڑ کر واش روم میں پہنچی' جہاں بے بے نے گرم پانی کی بالٹی بھر کر رکھی ہوئی تھی۔ ان کے ہاں گیزر نہیں تھا' اس لیے پانی گرم کرنے کا فریضہ بے بے بڑی باقاعدگی کے ساتھ سرانجام دیتی تھیں۔

وہ وضو کر کے فارغ ہوئی اور اپنی گرم شال اچھی طرح لپیٹ کر باہر نکلی تو عدینہ کو اس نے آپا صالحہ کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ حیران ہوئی تھی لیکن پھر سر جھٹک کر اپنے اور عدینہ کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا بات ہے عدینہ! ایسے دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔" سیاہ شال اوڑھے آپا صالحہ کا چہرہ افسردگی کا اشتہار بنا ہوا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔؟" عدینہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہی ان کی نبض کو چھوا۔ اس وقت بھی انہیں ہلکا سا بخار تھا۔

"بس آپ میرے ساتھ آج ہی لاہور چلیں' آپ کے سارے ٹیسٹ کروا کر آؤں گی۔" عدینہ نے تھرما میٹر سے ان کا درجہ حرارت چیک کیا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا' معمولی سا بخار ہے' خود ہی اتر جائے گا۔" انہوں نے رضائی اچھی طرح اوڑھتے ہوئے سستی سے جواب دیا۔

عدینہ کا موڈ خراب ہوا اور وہ جھنجلا سی گئی۔ "آپ کبھی تو میری بات مان لیا کریں۔"

"یقین مانو عدینہ! بہت سالوں کے بعد میں نے کسی کی باتوں کو ماننا شروع کیا ہے اور وہ تم ہو۔" انہوں نے اپنے بیڈ پر تھوڑا سا پرے ہو کر اس کے لیے جگہ بنائی۔ عدینہ جھٹ سے ان کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اب اکثر ہی آپا صالحہ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگی تھیں' ورنہ پہلے تو ان دونوں کے درمیان اجنبیت اور سرد مہری کی دیوار چین حائل تھی۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے' میرا آپ کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں' اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہوگیا تو میں کیا کروں گی۔" عدینہ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"جس کا کوئی نہیں ہوتا' اس کا اللہ ہوتا ہے اور جس کا اللہ ہوتا ہے' اسے کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔" انہوں نے آنکھیں موند کر آہستگی سے کہا۔

"آپا! ایک سوال پوچھوں۔" عدینہ نے بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے رنجیدگی سے کہا۔

"نہیں۔" آپا صالحہ کے جواب نے اسے حیران کیا۔

"وہ کیوں؟؟؟"

"کچھ سوالوں کے جواب صرف وقت دیتا ہے' انسان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا' تم بھی اس وقت کا انتظار کرو۔" آپا صالحہ کے لہجے میں بلا کا سکون تھا۔ عدینہ مزید مضطرب ہوئی۔

"وقت کا کیا بھروسا' چلتی سانسیں اللہ جانے کب رک جائیں۔" عدینہ نے انہیں افسردگی سے یاد دلایا۔

"میرے بارے میں بے فکر رہو' جب تک تمہیں اپنی آنکھوں سے مکمل ڈاکٹر کے روپ میں نہیں دیکھ لوں گی' میں نہیں مروں گی۔" آپا نے اس کے ذہن میں ابھرتی سوچوں کو پڑھتے ہوئے جواب دیا' وہ ایک دم شرمندہ ہوگئی۔

"اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔" عدینہ خفت زدہ لہجے میں اتنا ہی بولی تھی کہ آپا صالحہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اللہ نہ کرے' تم مجھے لمبی عمر کی بددعا مت دو' اس زندگی میں سوائے پچھتاووں اور ذلت کے میں نے کچھ نہیں پایا' میں طویل عرصے تک ضمیر کی عدالت میں روز کوڑے نہیں کھا سکتی۔ دعا کرو' اللہ مجھے معاف کردے اور میرا نامہ اعمال قیامت والے دن دائیں ہاتھ میں دے۔" آپا صالحہ کی آواز عدینہ کو کسی گہرے کنویں میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"آپا! ایسا کیا ہوگیا تھا آخر آپ سے۔؟" وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئی۔

"کوئی بھی سوال مت کرو عدینہ! مجھے سونے دو'

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" آپا صالحہ کی آواز میں شامل غنودگی کو محسوس کرکے وہ سست سے انداز سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل خاصا بوجھل ہوگیا تھا' لیکن وہ دل پر جبر کرکے اگلے ہی لمحے کمرے سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اوریدا کے رویے نے ارصم کو اچھا خاصا الجھا دیا تھا' وہ جو سمجھ رہا تھا کہ یہ چند روز کی ناراضی ہے اور اس کے بعد راوی چین ہی چین لکھے گا' اس دفعہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا' ہوائیں واقعی اپنا رخ بدل چکی تھیں۔ وہ بڑے ابا کی طرف جاتا تو اوریدا کئی کئی گھنٹوں تک اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلتی تھی۔ اس کے پاس چلا جاتا تو اس کے لہجے میں اس قدر اجنبیت اور بے رخی ہوتی کہ ارصم چاہتے ہوئے بھی اس سے بے تکلفی کا مظاہرہ نہ کرپاتا۔

"خیر ہے' آج کل تم نے بڑے ابا کی طرف حاضری دینا کم کردی ہے۔" ڈاکٹر بینش نے بہت جلد ہی اس کی روٹین کا مشاہدہ کرلیا تھا۔

"نہیں' جاتا تو ہوں۔" وہ جو ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا' اپنی ماما کے اس سوال پر ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"پہلے کی طرح تو نہیں جاتے۔" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئیں تو ارصم نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"پہلے تو صبح و شام وہاں کے پھیرے لگتے تھے' اور حاضری لگوائے بغیر تو تمہارا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔" انہوں نے اپنے مخصوص تیکھے انداز سے ابرو چڑھا کر کہا تو ارصم ہلکا سا چڑ گیا۔

"ماما! آپ کسی بھی حال میں خوش نہیں رہتیں' پہلے آپ کو میرے وہاں زیادہ جانے پر اعتراض تھا اور اب کم جانے پر۔"

"میں نے اعتراض تھوڑی کیا ہے۔" وہ بھی محتاط انداز سے گویا ہوئیں۔ "میں اس کی وجہ پوچھ رہی ہوں؟"

"کوئی وجہ نہیں ہے' اوریدا اپنی اسٹڈی میں اور ماہیر اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں مصروف ہوتا ہے اور بڑے ابا کا تو آپ کو پتا ہے' کتنے موڈی ہیں۔" اس دفعہ ارصم نے نہ چاہتے ہوئے بھی سنجیدگی سے جواب دیا' یہ اور بات کہ اس نے اپنا لہجہ دانستہ طور پر لاپروا رکھا ہوا تھا' اسے علم تھا کہ جب تک بینش مطمئن نہیں ہوں گی' ایسے ہی سوال جواب کا سیشن چلتا رہے گا۔

"خیر ایسی بھی بات نہیں' سرمد کے ساتھ خوب سیر سپاٹے کررہی ہوتی ہے اوریدا۔" ڈاکٹر بینش کا طنزیہ لہجہ ارصم کا دل جلا گیا۔

"آپ نے کہاں دیکھ لیا انہیں سیر سپاٹے کرتے ہوئے۔" اس نے حتی الامکان خود کو بے نیاز ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"سعید بک بینک پر۔" انہوں نے میز پر رکھا میگزین اٹھاتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔

"ماما' اب بک شاپ پر بھی کوئی سیر سپاٹے کرنے جاتا ہے' آپ بھی بعض دفعہ حد کردیتی ہیں۔" ارصم نے نادانستہ طور پر اوریدا کی طرف داری کی۔

"اس کے بعد ایک دفعہ میں نے اسے' ماہیر اور سرمد کو پی سی میں بھی لنچ کرتے دیکھا تھا۔" بینش بھی آج اسے خوب تپانے کے موڈ میں تھیں۔

"تو کیا ہوا۔؟" ارصم بے زاری سے کھڑا ہوا اور اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ بینش کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا موڈ خراب ہوچکا ہے۔

"تم کیوں منہ بنا رہے ہو' میں نے تو یونہی ایک عام سی بات پوچھی ہے۔" بینش کی بات پر وہ جھنجلا سا گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

"آپ خواہ مخواہ رائی کا پہاڑ بنارہی ہیں' میں تو ابھی بھی جارہا ہوں بڑے ابا کی طرف۔" وہ پاؤں پٹختا ہوا ٹی وی لاؤنج سے نکلا۔ ڈاکٹر بینش اس کے اس طرح تپ جانے پر حیران ہوئیں' اور پھر بے زاری سے سر جھٹک کر میگزین کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

ارصم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بڑے ابا کی پورشن کی طرف چلا آیا۔ بینش کی طنزیہ باتوں نے اس کا دماغ

خراب کر دیا تھا۔ اوائل سردیوں کے دن تھے اور شام کے وقت خنکی میں اچھا خاصا اضافہ ہو جاتا تھا۔ وہ بینش کے رویے پر دل ہی دل میں الجھتا جیسے ہی دوسرے پورشن کی طرف بڑھا لان کا منظر دیکھ کر اسے دھچکا سا لگا۔ سامنے پھولوں کی باڑ کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ماہیر‘ سرمد اور اوریدا بڑے مزے سے چائے پیتے ہوئے موسم کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ان سب کے درمیان کوئی دلچسپ ٹاپک ڈسکس ہو رہا تھا‘ تب ہی اسے دیکھ کر صرف ماہیر نے مصروف انداز میں ہاتھ ہلایا تھا‘ جبکہ اوریدا نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا‘ وہ خواہ مخواہ سرمد کے ساتھ مصروف نظر آنے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ ”ارصم! کم ہیر۔“ ماہیر نے مسکراتے ہوئے اسے وہاں آنے کی دعوت دی۔

”سوری یار! ٹائم کم ہے‘ مجھے بڑے ابا سے ملنا ہے۔“ ارصم اپنی بات کہہ کر فوراً ان کے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ اوریدا نے ناراض نگاہوں سے اسے اندر جاتے دیکھا تھا‘ وہ ایک دم بے چین سی ہو گئی تھی۔

ارصم داخلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ بڑے ہال کے صوفے پر بیٹھی بڑی اماں فون پر اپنی بیٹی طیبہ کے ساتھ کسی خاص موضوع پر بات کر رہی تھیں‘ تب ہی ان کا لہجہ پُرجوش اور انداز میں رازداری کا عنصر نمایاں تھا۔

”بھئی طیبہ! سچ پوچھو تو میں تیمور کی مرضی کے بغیر اوریدا کے رشتے کے لیے ہاں نہیں کہہ سکتی۔“ بڑی اماں کے منہ سے نکلنے والے لفظوں نے ارصم کے قدم جکڑ لیے۔ وہ بڑی اماں کی پشت کی جانب کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر تھیں۔

”ارے میں نے کب کہا کہ سرمد میں کوئی برائی ہے‘ سچ پوچھو تو میں بھی دل سے یہی چاہتی ہوں‘ چلو ہم دونوں بہن بھائیوں کے درمیان ہی رشتہ مضبوط ہو جائے گا۔ لیکن تم ابھی کچھ دن دم لو‘ میں موقع دیکھ کر تیمور سے اوریدا اور سرمد کے رشتے کی بات کروں گی۔“ بڑی اماں کی بات نے ارصم کا جیسے سارا سکون غارت کر دیا تھا۔

وہ جن قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا ان ہی قدموں سے پلٹ گیا۔ جیسے ہی اس نے ہال کا دروازہ کھولا‘ دوسری طرف تیزی سے اندر داخل ہوتی اوریدا سے ٹکرا گیا۔ اوریدا نے اپنے ماتھے کو سہلاتے ہوئے اسے خفا نگاہوں سے دیکھا تو ارصم کے انداز میں سرد مہری کا عنصر غالب تھا۔ اس نے بے رخی سے اوریدا کا بازو پکڑ کر ایک طرف کیا اور غصے سے باہر نکلا‘ لیکن سامنے ہی ماہیر آ رہا تھا۔

”ارے اتنی جلدی واپس کیوں جا رہے ہو۔؟؟“ ماہیر حیران ہوا۔

”بڑے ابا سو رہے ہیں‘ میں پھر آ جاؤں گا۔“ ارصم کی سپاٹ لہجے میں دی جانے والی وضاحت اوریدا نے اندر کاریڈور میں کھڑے سن لی تھی۔

”اچھا۔“ ماہیر کے انداز میں تعجب تھا۔ ”چلو بیٹھ کر اچھی سی چائے پیتے ہیں۔“

”نہیں یار‘ پھر سہی‘ ابھی میرا ایک کلاس فیلو کے ساتھ باہر جانے کا موڈ ہے۔“ ارصم نے ایک دفعہ پھر جھوٹ بولا۔

”چلو پھر ٹھیک ہے‘ ورنہ ہم لوگ تو تم سے ملنے ہی اندر آ رہے تھے۔ رات میں باہر ڈنر کا پروگرام ہے‘ اگر فری ہو تو ہمیں جوائن کر سکتے ہو۔“ ماہیر نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔ ”نو تھینکس۔“ وہ بڑے مصروف انداز سے اپنے پورشن کی طرف بڑھا تھا جبکہ ماہیر کو ارصم کی اس قدر بے رخی پر ہلکی سی حیرت ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے کندھے اچکا کر اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر ماہیر اندر داخل ہوا تو کاریڈور میں اوریدا کسی سوچ میں گم کھڑی تھی۔

”تم کیوں گوتم بدھ کی طرح یہاں ساکت کھڑی ہو۔؟“ ماہیر نے اسے چھیڑا۔

”میں ایک بات سوچ رہی تھی بھائی۔“ اوریدا نے الجھن بھرے انداز میں ماہیر کی طرف دیکھا۔

”یہی ناں کہ ارصم کو کیا ہوا؟“ اس نے جھوٹ بولنا

کیوں شروع کر دیا۔" ماہیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ حیران رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ماہیر اتنی سرعت سے اس کے ذہن میں ابھری سوچ کو پڑھ لے گا۔ وہ واقعی بہت ذہین تھا۔

"ہاں ناں، بڑے ابا تو جم گئے ہوئے ہیں، پھر اس نے کیوں کہا کہ وہ سو رہے ہیں؟" اوریدا نے ماہیر کے سامنے اپنی الجھن بیان کی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی کام یاد آگیا ہو، تم کیوں اتنی معمولی بات کو سیریس لے رہی ہو۔" ماہیر کے کھوجتے ہوئے انداز پر اوریدا فوراً" سنبھل گئی۔

"میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔" اوریدا نے دانستہ لاپروائی سے کہا۔

"جب انسان کسی کی اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی غور و فکر کرنے لگتا ہے تو سمجھو اندر معاملہ کچھ اور ہے۔" ماہیر کے جتاتے ہوئے انداز پر اوریدا برامان گئی۔

"مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے۔"

"ویسے ہی کہہ رہا تھا یار! تم اپنے نازک دماغ پر زیادہ بوجھ مت ڈالا کرو، خواہ مخواہ اپنا نقصان کرلوگی۔" ماہیر اسے چھیڑتے ہوئے سیل فون پر اپنے کسی دوست کا نمبر ڈائل کرنے لگا اور پھر سیل فون کان کے ساتھ لگا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اوریدا خالی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

"ارضم کے انداز میں آج اس قدر ناراضی اور سرد مہری کیوں تھی۔" اس کے دماغ میں کئی سوچیں ایک ساتھ ابھریں۔

"اس نے کس قدر رکھائی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے سائیڈ پر کیا تھا، جیسے مجھ سے اس کا کوئی تعلق یا واسطہ نہ ہو، یقیناً" زرش نے اسے مجھ سے دور رہنے کے لیے کہا ہوگا۔" اوریدا کا بدگمان دل ایک جواز ڈھونڈ ہی لایا تھا۔ اس سوچ نے اس کو مزید مضطرب کر دیا، اب اسے کئی گھنٹے اکیلے بیٹھ کر ارضم کے رویے پر کڑھنا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کل تو سنڈے ہے اور تم آج ہی ہاسٹل واپس جا رہے ہو۔" بینش ارضم کے لیے بادام کی کھیر بنا کر اس کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو وہ اپنا چھوٹا بیگ بیڈ پر رکھے اس میں اپنی چیزیں رکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور کسی حد تک بے زاری تھی۔ اس نے ایک لاتعلق سی نظر اپنی ماں پر ڈالی جو اس کے اس طرح اچانک ہاسٹل جانے پر پریشان ہو گئی تھیں۔

"میرے روم میٹ کا فون آگیا تھا، ہمارا کل کمبائن اسٹڈی کا ارادہ ہے۔" ارضم نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ بولا۔

"اسے گھر پر بلا لو ناں، میں اچھا سا لنچ تیار کروا دوں گی۔" ڈاکٹر بینش کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ چھٹی کا دن ہاسٹل میں گزارے۔

"گھر میں اسٹڈی والا ماحول نہیں بنتا ماما۔" ارضم نے وارڈ روب کھول کر اپنی ایک نئی شرٹ نکالی۔

"اسی گھر میں پڑھ کر تم نے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا۔" بینش نے اسے یاد دلایا۔

"میں اپنی نہیں اپنے فرینڈ کی بات کر رہا ہوں۔ وہ یہاں ایزی فیل نہیں کرے گا۔" اس نے فوراً" اپنے بیان کی تصحیح کی۔

"بہرحال کوئی ضرورت نہیں، کل شام کو چلے جانا۔" انہوں نے کھیر والا پیالہ سائیڈ میز پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں۔؟" وہ بے زار ہوا۔

"پورے پانچ دن کے بعد تو تم آئے تھے گھر اور آج پھر چل پڑے۔" بینش نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"ایک تو آپ میری سمجھ میں نہیں آتیں ماما۔" اس نے اپنی پریس کی ہوئی شرٹ کا گولا سا بنا کر بیگ میں پھینکا اور ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"پہلے آپ نے مجھے ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے زبردستی ہاسٹل بھجوایا اور اب خود ہی زیادہ وقت گھر پر گزارنے پر اصرار کرتی ہیں۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے زار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ بینش جھنجلاہٹ کا شکار ہوئیں۔

"بس! تم ہاسٹل چھوڑ کر گھر واپس آجاؤ۔" بینش کی بات پر اسے حیرانی کا جھٹکا لگا۔

"وہ کیوں بھلا؟"

"میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں ارصم۔" بینش کے اگلے جملے نے اسے حیران کم اور پریشان زیادہ کیا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ماما۔" وہ بھلا کہاں بینش سے ایسے جذباتی جملے کی توقع کر رہا تھا۔

"کہا ناں تم چھوڑو ہاسٹل کو' روز گھر سے چلے جایا کرنا اپنے کیمپس۔" وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ کر ضدی انداز میں بولیں۔

"سوری ماما' میں اب وہاں ایڈجسٹ ہو چکا ہوں۔" ارصم نے صاف انکار کیا اور ویسے بھی اب وہ یہاں بالکل بھی نہیں رہنا چاہتا تھا جہاں صبح شام اس کا دل جلانے کو کافی سامان موجود تھا۔

"ارصم! تم میری بات نہیں مانو گے۔؟" بینش نے خلاف توقع نرم انداز اپنایا۔

"ساری زندگی آپ کی باتیں ہی تو مانی ہیں ماما۔" اس نے اپنے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے زبردستی مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

"تو ٹھیک ہے' یہ بھی مان لو۔" وہ ضد پر اتر آئیں۔

"ماما! میں یہاں رہ کر نہیں پڑھ سکتا' آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔" ارصم نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیوں نہیں پڑھ سکتے' اس گھر میں تمہاری مدد کرنے کو تین تین پروفیسر ڈاکٹرز موجود ہیں' میں، تمہارے نانا' اور بڑے ابا۔" بینش نے اسے لاجواب کردیا۔

"اچھا' آج جانے دیں' نیکسٹ ویک اینڈ پر اپنا سارا سامان لے آؤں گا۔" ارصم نے بادل ناخواستہ ان کی بات مان لی تھی۔

"تھینک یو بیٹا' تھینک یو سو مچ۔" بینش نے بے ساختہ اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ ارصم زبردستی مسکراتے ہوئے اپنی چیزیں اٹھانے لگا' وہ اس گھر سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ بڑی اماں کی بات نے اسے پریشان کردیا تھا اور اوپر سے اوریدا کی بے رخی اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی۔ وہ بڑے بوجھل دل کے ساتھ اس دفعہ گھر سے گیا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے بینش' تم ارصم کو ہاسٹل سے واپس کیوں بلا رہی ہو۔" رات کو ان کی عزیز دوست صوفیہ کا اچانک ہی فون آگیا تو انہوں نے اس کے سامنے ذکر چھیڑ دیا۔ اس اطلاع پر صوفیہ کو غصہ ہی تو آگیا تھا۔

صوفیہ کی محبت اور خلوص پر بینش کو کبھی شک نہیں ہوا تھا' اس لیے وہ بڑے آرام سے اس کی کھری کھری باتیں بھی سن لیتی تھیں۔ ویسے بھی وہ ان کی اکلوتی دوست تھیں۔

"نہیں یار' اب مجھے کسی چیز کا خوف نہیں۔" وہ بڑے مطمئن انداز سے گویا ہوئیں۔

"کیا تیمور کی بیٹی اس گھر سے چلی گئی ہے؟" صوفیہ حیران ہوئیں۔

"نہیں یار' وہ اب یہاں رہے یا کہیں اور' مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" بینش نے مسکراتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

"صاف صاف بات کرو نا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" صوفیہ ہلکا سا تپ گئیں۔

"تیمور کی بیٹی ارصم سے مایوس ہو کر اپنی پھپھو کے بیٹے سعد کی طرف مائل ہو گئی ہے' آج کل تو ارصم کو گھاس بھی نہیں ڈالتی۔" بینش نے خوش گوار لہجے میں انہیں بتایا۔

"دیکھ لو' کہیں' تمہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو گئی ہو۔" صوفیہ کو یقین نہیں آیا تھا۔

"ارے نہیں نہیں' مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی' تم ٹینشن مت لو' اب تو دو' تین مہینے ہو گئے اس بات کو۔" بینش نے لاپروائی سے کہا۔

"حیرت ہے۔" صوفیہ کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں حیرت تو مجھے بھی بہت ہوئی تھی لیکن' پھر میں

نے سوچا خس کم جہاں پاک۔" بینش نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"ارحم کی کیا پوزیشن ہے۔؟" صوفیہ کو اچانک ہی خیال آیا۔

"شروع شروع میں تو وہ بھی مجھے کچھ پریشان پریشان سا لگا تھا لیکن اب اپنی میڈیکل کی اسٹڈی میں مصروف ہو گیا ہے۔" بینش نے مسکرا کر کہا تو صوفیہ بھی مطمئن ہو گئیں اور پھر دونوں کی باتوں کا سلسلہ اپنی ایک کولیگ کی بیٹی کی شادی کی طرف مڑ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سرمد بھائی ! اوریدا کیسی ہے۔؟" اس دن سرمد اسے ہاسٹل ڈراپ کرنے جا رہا تھا تو گاڑی میں بیٹھی ہوئی شانزے نے اچانک پوچھا۔ وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بڑے بے تکلف انداز سے فرنچ فرائز کھا رہی تھی۔ جب کہ سرمد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"میرے دل کا سکون غارت کر کے خود تو بڑے مزے سے رہتی ہے وہ۔" سرمد کا شرارتی انداز شانزے کو اچھا لگا تھا۔

"آپ اپنی امی سے بات کر کے اپنا پروپوزل کیوں نہیں بھجوا دیتے۔" شانزے نے جھٹ سے مشورہ دیا۔

"جناب ' آپ کے بھائی صاحب یہ بھی کر چکے ہیں لیکن تیمور ماموں کا کہنا ہے کہ اوریدا کو ابھی ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتے۔ اس کی اسٹڈیز کے بعد دیکھیں گے۔" سرمد نے منہ بنا کر اسے تفصیل سے جواب دیا۔

"انگیجمنٹ کرنے میں تو کوئی ہرج نہیں۔" شانزے کو' اوریدا کے پاپا کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"ہاں ہرج تو نہیں ' لیکن پھر میری امی نے بھی کہا کہ چلو ان کے کانوں میں یہ بات ڈال تو دی ہے ناں۔" سرمد مطمئن تھا۔

"آپ ماہیر سے کیوں نہیں اس موضوع پر بات کر لیتے۔" شانزے کی بات پر سرمد مسکرایا۔

"لڑکی ' کیوں تم مجھے مرواؤ گی ' وہ اوریدا کا بھائی ہے۔"

"لیکن آپ کا بیسٹ فرینڈ بھی تو ہے۔" شانزے نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"سچ بتاؤں تو ہم دونوں کے درمیان بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے ' لیکن اس کے باوجود یہ ایک ایسا ٹاپک ہے ' جس پر میں چاہتے ہوئے بھی ماہیر سے بات نہیں کر سکتا۔" سرمد نے صاف گوئی سے اعتراف کیا ' شانزے کو اس کی نازک پوزیشن کا احساس ہوا۔

"اگر آپ کہیں تو میں بات کر کے دیکھوں۔" شانزے کی بات پر وہ بے ساختہ بولا۔ "ہرگز نہیں۔"

"وہ کیوں۔۔؟" شانزے حیران ہوئی۔

"میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا اور میں یہ بالکل بھی افورڈ نہیں کر سکتا کہ ماہیر میرے بارے میں کچھ غلط سوچے۔" سرمد حد درجہ سنجیدہ تھا۔

"ویسے بھی میرے ساتھ اس کی چاہے جتنی مرضی دوستی ہو ' لیکن وہ اوریدا کا بھائی ہے اور کوئی بھی بھائی اپنی بہن کے بارے میں ایسی گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔" سرمد کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی ' تب ہی تو وہ ایک لمحے کو چپ کر گئی۔

"تم بتاؤ ' ماہیر کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے۔۔؟" سرمد کے اس سوال پر وہ حیران ہوئی۔

"میرا مطلب ہے کہ باس بن کر تم پر زیادہ رعب تو نہیں ڈالتا۔" سرمد کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"نہیں نہیں ' ایسا کچھ نہیں ' وہ تو بہت فرینڈلی اور نرمی سے بات کرنے والے انسان ہیں ' مجھے ہی ان کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی۔" اس نے فوراً ہی صفائی دی۔

"اسے تمہارے بارے میں غلط فہمی نہیں ' خوش فہمی ہو گئی ہے۔" یہ بات سرمد کے لبوں پر آتے آتے رہ گئی۔

"اکیلے اکیلے کیوں مسکرا رہے ہیں۔۔۔" شانزے فوراً مشکوک ہوئی۔ "کیابات ہے آخر۔۔۔؟"

"اکیلا کہاں ہوں تم میرے ساتھ نہیں ہو کیا؟"

سرمد کی بات پر وہ لاجواب ہوئی اور خاموشی سے اس کی میوزک کلیکشن دیکھنے لگی' ڈیش بورڈ میں کافی ساری نئی سی ڈیز رکھی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں کراچی کینٹ اسٹیشن پر اترے تو اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے اور روشنیوں کا شہر خاموشیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دونوں ٹیکسی کے ذریعے جناح ہسپتال کے پچھلی طرف بنے بزرٹا لائن محلے میں پہنچے تو بختاور کو ٹیکسی سے اترتے ہی دھچکا سا لگا۔ تنگ تنگ گندی سی گلیاں جہاں ٹیکسی والے نے بھی جانے سے انکار کر دیا تھا اور دونوں کو آگے کا سفر پیدل طے کرنا تھا۔

اس محلے کا سیوریج سسٹم انتہائی خراب تھا' کچھ نالیاں بند تھیں اور ان کی وجہ سے گندا پانی ابل کر گلیوں میں آگیا تھا' آس پاس رہنے والے لوگوں نے اینٹیں رکھ کر وہاں سے گزرنے کا راستہ بنالیا تھا۔ اس وقت کھڑے پانی کی بدبو سے وہاں ٹھہرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ بختاور نے اپنا دوپٹہ ناک پر رکھا تھا۔ وہ سخت ناپسندیدہ نگاہوں سے آس پاس کے ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ جگہ جگہ کچرا' خالی بوتلیں اور شاپر بکھرے ہوئے تھے۔

ہاشم' بڑے محتاط انداز سے ایک کندھے پر اپنا بیگ ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے بختاور کا اٹیچی کیس سنبھالے گندے پانی میں رکھی اینٹوں پر چل رہا تھا لیکن اس کا تمام تر دھیان بختاور کی طرف تھا۔ جو اس کی پیروی کرتے ہوئے بوجھل قدموں سے اس کے پیچھے آرہی تھی۔

"دھیان سے۔۔۔" چلتے چلتے ہاشم کے منہ سے یہ فقرہ بختاور کے لیے لاشعوری انداز میں نکل رہا تھا۔

"کہاں ہے آپ کے دوست کا گھر۔۔۔؟" وہ جھنجلا سی گئی۔

"بس اگلی گلی میں۔۔۔" ہاشم نے خفت زدہ انداز سے اسے تسلی دی۔

وہ اس وقت ملتان سے ایک لمبا سفر کرکے کراچی ہاشم کے ایک دوست کے پاس کچھ دن رہنے کے لیے آئے تھے۔ ہاشم کا خیال تھا کہ کراچی میں لوگوں کا ایک سمندر آباد ہے اور وہ دونوں بھی کچھ عرصے کے لیے اسی سمندر میں گم ہو جائیں' تاکہ اس واقعے پر جب گرد پڑ جائے اور لوگ بھول بھال جائیں تب وہ دونوں لاہور شفٹ ہو جائیں گے۔ اس وقت ان دونوں کو صرف بختاور کے والدین کی ٹینشن تھی۔ ہاشم کا خیال تھا کہ وہ لوگ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانیں گے۔ جب کہ وہ اپنے خاندان کی طرف سے بے فکر تھا کیونکہ وہ اسے کافی سال پہلے اپنے گھر سے بے دخل کر چکے تھے۔

"اف۔۔۔!" چلتے چلتے بختاور کو ایک زوردار ٹھوکر لگی۔

"کہاناں' ذرا سنبھل کر۔۔۔" ہاشم نے جلدی سے اٹیچی کیس ایک طرف رکھا اور فکرمند انداز سے بختاور کے انگوٹھے کا معائنہ کیا' شکر تھا کہ خون نہیں نکلا تھا۔ وہ کچھ لمحے اس کے ساتھ بیٹھا' اس کا انگوٹھا مسلتا رہا۔

"زیادہ درد تو نہیں ہو رہا۔۔۔" ہاشم کو اس کی بہت فکر تھی۔

"نہیں' بس چلیں' اردگرد کے لوگ عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔" بختاور فوراً کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں کچھ لوگوں سے ایڈریس پوچھتے ہوئے ہاشم کے دوست کے گھر تک پہنچ ہی گئے تھے۔ وہ کوئی دو ڈھائی مرلے کا ایک بوسیدہ' شکستہ اور بدحال سا مکان تھا' جس کی دوسری منزل پر ہاشم کا دوست صفدر کرائے پر رہتا تھا۔ راستے میں آتے ہوئے ہاشم ہی نے بختاور کو بتایا تھا کہ اس کی صفدر سے کالج کے زمانے سے بہت دوستی تھی اور صفدر کے کراچی شفٹ ہو جانے کے بعد دونوں کا فون پر ہی رابطہ رہتا تھا۔

"آپ کا دوست اس گھر میں رہتا ہے۔۔۔" بختاور

تنگ اور تاریک سی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے حیرانی سے بولی۔ سیڑھیوں کا فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا اور اس پر کبوتروں اور مرغیوں کا فضلہ جما ہوا تھا ' ایسا لگتا تھا جیسے ایک طویل عرصے سے کسی نے ان سیڑھیوں کی صفائی کرنے کی زحمت نہ کی ہو۔

"میں تو خود پہلی دفعہ اس کے ہاں آیا ہوں ہم اس سے پہلے تو وہ ملتان میں رہتا تھا۔" ہاشم نے شرمندگی سے وضاحت دی ' اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ صفدر کے معاشی حالات اس قدر کمزور ہوں گے۔ یونیورسٹی دور میں تو خاصا خوشحال لگتا تھا۔

ہاشم کے دوست نے ان دونوں کا بہت گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ چھوٹے سے برآمدے کے سامنے دو کمرے تھے۔ جو اس وقت صفائی کرنے کے باوجود بھی میلی دیواروں اور اکھڑے ہوئے فرش کی وجہ سے گندے ہی لگ رہے تھے ' گھر چھوٹا تھا اور اس میں کاٹھ کباڑ زیادہ جمع کر رکھا تھا۔ بختاور نے بے یقینی سے اس سارے گھر کا جائزہ لیا۔

"بس یار! فادر کی وفات کے بعد ہم لوگ بہت کرائسس میں آ گئے تھے ' مجبوراً مجھے ملتان چھوڑ کر کراچی آنا پڑا۔" ہاشم کے دوست نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خود ہی اسے بتایا۔

"تمہاری بھابھی آج کل چوتھے بچے کی ڈلیوری کے لیے ملتان گئی ہوئی ہیں ہم اس لیے میں نے تمہیں اپنے گھر رہنے کی آفر کر دی ' ورنہ تم نے میرا غریب خانہ دیکھ ہی لیا ہے ' جہاں میں اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ رہتا ہوں۔" وہ پلاسٹک کی پرانی سی ٹرے میں ان دونوں کے لیے بازار سے خریدا ہوا ناشتہ پلیٹوں میں ڈال کر لے آیا تھا اور اب ہاشم کے ساتھ محو گفتگو تھا۔

بختاور منہ ہاتھ دھونے کے بہانے کمرے سے نکلی تو اس نے گھر کا جائزہ لیا۔ برآمدے کے ایک کونے میں واش روم اور دوسرے کونے میں چھوٹا سا کچن تھا۔ صفدر بھائی کے کمرے کے ساتھ شاید بچوں کا کمرہ تھا جہاں بوسیدہ سے دو بستے ' پھٹی پرانی کتابیں اور پلاسٹک کے کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔ بختاور جلدی سے واش روم کے باہر لگے بیسن کی طرف بڑھ گئی جس کا نل خراب تھا ' پاس ہی پلاسٹک کی بالٹی میں پانی بھر کر رکھا ہوا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آئی تو ہاشم کا دوست کچن میں جا چکا تھا۔ اس دفعہ بختاور نے اس کمرے کا بھی غور سے جائزہ لیا۔ بیڈ پر ایک میلی سی بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی ' جس کا رنگ کثرت دھلائی کی وجہ سے جگہ جگہ سے اڑ گیا تھا اور شاید اسی بیڈ شیٹ پر بیٹھ کر کھانا بھی کھایا جاتا تھا اس لیے جگہ جگہ چکنائی کے بڑے بڑے داغ لگے ہوئے تھے۔ دو چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل یہ بوسیدہ سا چوبارہ بختاور کے گھر کی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر سے بھی چھوٹا تھا۔

"لگتا ہے بے چارے کے مالی حالات بہت خراب ہیں۔" ہاشم اپنا بیگ کھول کر صاف ستھرا سا تولیہ نکالتے ہوئے بولا۔

"تو کیا ضرورت تھی اس بے چارے کو تنگ کرنے کی۔" بختاور کو اس ماحول سے عجیب سی بیزاری محسوس ہو رہی تھی اور جو اس کے لہجے میں بھی اب خود بخود آ گئی تھی۔

"تو کہاں رہتے۔؟" ہاشم پرسکون انداز میں اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"کسی ہوٹل میں۔" بختاور کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا اس نے فوراً زبان سے ادا بھی کر دیا۔

"کسی اچھے ہوٹل کا ایک دن کا کرایہ معلوم ہے تمہیں۔" زمانے کی سفاک حقیقتیں اپنا منہ کھول چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی بختاور کا بھی منہ کھل گیا۔

"کچھ دن تو رہ سکتے تھے ناں۔" بختاور ایک دم شرمندہ سی ہوئی۔

"دیکھو بختاور! میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ساتھ زندگی اتنی آسان نہیں ہوگی۔" ہاشم نے اسے یاد دلایا لیکن بختاور بھول گئی تھی کہ اپنے کروڑپتی باپ کے بنگلے میں بیٹھ کر زندگی کی ایسی مشکلات کا اندازہ وہ کیسے کر سکتی تھی۔ اس لیے ہاشم کی بات پر وہ

افسردگی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ ہاشم کو اس کا افسردہ انداز تاسف میں مبتلا کر گیا۔
"تم ٹینشن مت لو، دو چار دن میں صفدر ہمارے لیے کسی کرائے کے گھر کا بندوبست کر دے گا۔ اس وقت تک یہاں رہنا ہماری مجبوری ہے۔" ہاشم نے اسے تسلی دی۔
"لیکن ان سے کہیے گا کہ ہمارے لیے اس محلے میں گھر مت ڈھونڈیں۔" بختاور نے ہلکا سا جھجک کر ہاشم کو مشورہ دیا۔
"چلو دیکھتے ہیں۔" ایک مبہم سی مسکراہٹ ہاشم کے لبوں پر ابھری اور پھر معدوم ہو گئی۔
"میں بھی ہاتھ منہ دھو آؤں، پھر بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں۔" ہاشم تولیہ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ بختاور نے پریشان انداز سے ٹرے میں رکھے ناشتے کو دیکھا، ٹھنڈی پوریاں، بے تحاشا تیل میں پکائے ہوئے سفید چنے اور کالی سیاہ چائے، جس میں دودھ کے شاید چند قطرے ہی ڈالے گئے تھے۔
"تم ناشتہ کیوں نہیں کر رہی ہو۔" ہاشم فریش ہو کر کمرے میں آیا تو بختاور کسی سوچ میں گم تھی۔
"آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ زبردستی مسکرائی اور پھر مجبوراً ہاشم کے ساتھ مل کر چھوٹے چھوٹے لقمے لینے لگی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہر محبت کی کہانی کے اختتام پر زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ قسمت صرف کانٹوں کا ہی فرش بچھا دیتی ہے۔ جس پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے۔

☆ ☆ ☆

بڑے ابا کی طبیعت اکثر ہی خراب رہنے لگی تھی۔ نہ تو ان کی شوگر کنٹرول میں آ رہی تھی اور نہ ہی بلڈ پریشر۔ ان کے جو بھی ڈاکٹر دوست ان سے ملنے آ رہے تھے، وہ انہیں سختی سے آرام کی تلقین کر رہے تھے۔ مجبوراً" انہیں کچھ دن گھر میں رہنا پڑ رہا تھا، اس لیے ان کا مزاج اکثر ہی برہم رہتا تھا۔ بڑی اماں ان کے لیے پرہیزی سوپ بنا کر لائیں تو انہوں نے پینے سے صاف انکار کر دیا۔
"تھوڑا سا تو لیں، اس کے بعد آپ نے میڈیسن بھی لینی ہے۔" ان کی بیگم نے اصرار کیا۔
"کہا ناں، دل نہیں کر رہا۔" ان کی ضد بڑی اماں کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔
"چھوڑ دیں اب دل کا ماننا، یہ انسان کو صرف خوار ہی کرتا ہے۔" وہ حد درجہ کوفت کا شکار تھیں۔ جس کا اندازہ ان کی باتوں سے ہو رہا تھا۔
"تو دماغ کی مان کر کون سا اکیس توپوں کی سلامی ملتی ہے انسان کو۔" وہ بھی طنزیہ انداز میں گویا ہوئے۔
ماہیر جو کسی کام کے سلسلے میں بڑی اماں کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آنکلا تھا۔ اندر کا منظر دیکھ کر مسکرایا۔ بڑی اماں نے ایک نیپکن، بڑے ابا کے گلے میں انکار رکھا تھا اور اب زبردستی انہیں سوپ پلانے کی مشقت کر رہی تھیں۔
"برا مت مانیے گا جلال صاحب، عمر گزر گئی آپ کی لیکن نخرے آپ کے ابھی بھی نوجوان لڑکوں کی طرح ہیں۔" بڑی اماں جل کر بولیں، ماہیر کو ہنسی آ گئی۔
"بڑی اماں، ادھر دیں یہ باؤل میں پلاتا ہوں انہیں ماہیر ان کی مدد کو آگے بڑھا۔
"میں نے کہا ناں، میرا دل نہیں چاہ رہا۔" ماہیر کو دیکھ کر ان کی آواز کچھ مدھم ہوئی۔ جب کہ بڑی اماں نے شکایتی نگاہوں سے ماہیر کی طرف دیکھا۔
"بڑی اماں ادھر دیں، میں پلاتا ہوں بڑے ابا کو، آپ اتنے غصے سے کہیں گی تو کس کا دل کرے گا۔" وہ فوراً" ہی ان کی مدد کو پہنچا۔ بڑی اماں نے فوراً" پیالہ ماہیر کی جانب بڑھا دیا۔
"بڑے ابا! چلیں شاباش فوراً" منہ کھولیں، جتنی جلدی پی لیں گے، بڑی اماں کے عتاب سے بچ جائیں گے۔" ماہیر کے ہلکے پھلکے انداز پر انہوں نے بے چینی سے پہلو۔
"نام تو میرا جلال ہے اور جلالی نگاہوں سے دیکھنے کا ٹھیکہ انہوں نے سنبھال رکھا ہے۔" وہ چڑ کر بولے تو بڑی اماں کے ساتھ ساتھ ماہیر کے لبوں پر بھی

مسکراہٹ آگئی اور کمرے میں داخل ہوتی بینش نے یہ منظر خاصی ناگواری سے دیکھا تھا۔

"السلام علیکم۔" انہوں نے بادل نخواستہ سب کو مشترکہ سلام کا فریضہ نبھایا۔

"وعلیکم السلام۔!" ماہیر نے بڑی خوش دلی سے جواب دیا۔ "بڑی اماں، آپ بینش پھپھو کے لیے بھی سوپ لے کر آئیں ناں۔" ماہیر کے معنی خیز لہجے میں چھپے طنز کو بینش نے فوراً" ہی محسوس کیا۔ اس نے پہلی دفعہ ان کے لیے "پھپھو" کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"میں تمہاری پھپھو نہیں ہوں۔" انہوں نے یہ جملہ خاصا چبا کر کہا تھا۔

"لیں، آپ میرے پاپا کی فرسٹ کزن ہیں اور اس حوالے سے میری پھپھو ہی ہوئیں ناں، کیوں بڑے ابا!" ماہیر کا جتاتا ہوا انداز بینش کو اندر تک سلگا گیا۔ یہ تو عافیت ہی رہی کہ بڑے ابا نے اس موضوع پر اظہار خیال کرنے سے اجتناب ہی برتا۔

"کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہا ماہیر۔" بڑی اماں ہمیشہ کی طرح فوراً" اس کی مدد کو لپکیں۔ "تم تیمور کی چچا زاد بہن ہو، اس حوالے سے رشتہ تو یہی بنتا ہے۔" بڑی اماں کو لفظ "بہن" کہنے میں خاصا لطف آیا تھا، تب ہی تو انہوں نے مسکراتی آنکھوں سے ماہیر کی طرف دیکھا، جو بڑی محبت سے بڑے ابا کو سوپ پلا رہا تھا۔

"تائی اماں! یہ بہن بھائیوں کے رشتے جب اللہ نے آسمانوں سے مجھے نہیں دیے تو میں نے بھی انہیں زمین پر بنانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔" وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزری تھیں۔

"خیر، ایسی بھی کوئی بات نہیں، بہنا پا تو تم نے بھی جوڑا تھا کسی سے۔" ان کے طنزیہ انداز پر بینش کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی، ماضی کی تلخ یادیں ذہن کے دریچوں پر روشن ہوئی تھیں۔ کمرے کا ماحول ایک دم ہی سرد ہو گیا۔

"بڑے ابا، یہ ایک پیشنٹ کی فائل ہے میرے پاس، جب ٹائم ملے اسے دیکھ لیجیے گا۔" بینش نے بہت جلدی خود کو سنبھالتے ہوئے فائل بڑے ابا کی جانب بڑھائی، جو ماہیر نے راستے میں ہی اچک لی۔

"ہرگز نہیں بڑے ابا! جب تک آپ ٹھیک نہیں ہو جاتے، کوئی کام شام نہیں چلے گا۔" ماہیر کی بات پر بینش کو آگ ہی تو لگ گئی۔

"یہ میرا اور بڑے ابا کا معاملہ ہے اس میں کسی تیسرے بندے کو بولنے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی فائل ماہیر کے ہاتھ سے تقریباً" کھینچی ہی تھی، ایک لمحے کو تو ماہیر کو بھی سانپ سونگھ گیا۔

"میں کوئی تیسرا بندہ نہیں ہوں، یہ بات اب تک آپ کو سمجھ آجانی چاہیے تھی۔" ماہیر کے جتاتے ہوئے انداز پر بینش کا چہرہ سرخ ہوا۔

"فائل مجھے دو بینش۔" بڑے ابا نے گفتگو میں مداخلت کی۔

"ہاں۔ آرام مت کیجیے گا، یہی کام کر کر کے تو حالت خراب کر رکھی ہے آپ نے۔" بڑی اماں جل کر بولیں۔

"خدانخواستہ اب ایسا بھی کوئی بستر مرگ پر نہیں ہوں۔" انہوں نے سائیڈ میز سے اپنا چشمہ اٹھا کر لگایا اور فائل میں لگی رپورٹس کو پڑھنا شروع کر دیا۔

بڑی اماں غصے سے کمرے سے نکل گئیں، بینش کو یقین تھا کچھ ہی لمحوں کے بعد ماہیر بھی میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا اس لیے انہوں نے جان بوجھ کر بڑے ابا کے ساتھ اپنے مریض کی ہسٹری ڈسکس کرنا شروع کر دی۔

ماہیر جو بڑے ابا کے بیڈ پر ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس نے اطمینان سے تکیے سے ٹیک لگائی اور اپنے سیل فون پر بڑے مزے سے کینڈی کرش کھیلنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر بینش دو گھنٹے تک میڈیکل کے مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو کرتی رہیں لیکن ماہیر نے بھی آج ڈھٹائی کے ریکارڈ قائم کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا، وہ بڑی دلچسپی سے اپنے سیل فون کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا، تنگ آکر بینش جانے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ جا رہی ہیں کیا؟" ماہیر نے معصوم بن کر پوچھا تو بینش ایک دفعہ پھر دل ہی دل میں تپ کر رہ گئیں۔

"ظاہر ہے۔۔۔ میں کئی کئی گھنٹے تایا ابا کے سر پر سوار ہو کر تو نہیں بیٹھ سکتی۔ انہوں نے آرام بھی کرنا ہوتا ہے۔" انہوں نے اس پر طنز کیا۔ جسے ماہیر نے بڑی خوش دلی سے سہا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں بینش کو چڑانے میں مزہ آتا تھا۔

"یہی بات میں بھی پچھلے دو گھنٹے سے سوچ رہا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے مزید گویا ہوا۔ "خیر۔۔۔ بڑے ابا میں ذرا بینش پھپھو کو ان کے پورشن تک چھوڑ آؤں، پھر آکر شطرنج کی بازی جماتے ہیں۔" اس کے ایک دفعہ پھر "پھپھو" کہنے پر بینش کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

"نو تھینکس۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔ ماہیر اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ جبکہ بڑے ابا خود بھی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ اس لیے ماہیر نے بھی مناسب یہی سمجھا کہ وہ ان کا کمرہ خالی کر دے۔

☼ ☼ ☼

شانزے اپنے آفس کے کام میں بری طرح الجھی ہوئی تھی، جب انٹر کام پر ماہیر نے اسے نئے پروجیکٹ کی فائل لانے کے لیے کہا۔

شانزے نے جلدی سے اپنے کمپیوٹر سے نگاہیں ہٹائیں اور سائیڈ میز سے مطلوبہ فائل نکال کر بڑے مصروف انداز سے اندر پہنچی۔ ماہیر اپنے کسی نئے پروجیکٹ کے حوالے سے اس کمپنی کے منیجنگ ڈائریکٹر سے میٹنگ کرنے میں مصروف تھا۔

شانزے جیسے ہی اندر داخل ہوئی، وہ دونوں باقاعدہ کسی بحث میں مگن تھے۔ ماہیر کے کلائنٹ کی پشت شانزے کی طرف تھی اور ماہیر کی تمام تر توجہ بھی اسی کی جانب مبذول تھی، جو ہاتھ میں کچھ تصویریں پکڑے ان کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے میں مگن تھا۔

"آئی ایم سوری ماہیر صاحب! اس میں سے کوئی بھی فیس مجھے اپنے ایڈ کے لیے مناسب نہیں لگ رہا۔" اس شخص نے ہاتھ میں پکڑے کچھ فوٹو بے زاری سے ماہیر کی میز پر رکھے اور اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر بڑی فرصت سے بیٹھ گیا۔

"دیکھیں یاور صاحب۔۔۔ میں آپ کو اس وقت ٹاپ کلاس ماڈلز کے فریش شوٹ تک دکھا چکا ہوں، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا، آپ کو کیسا چہرہ چاہیے۔" ماہیر بھی اس دو ڈھائی گھنٹے کی میٹنگ کے بعد جھنجلاہٹ کا شکار ہو چکا تھا۔

"میں نے تو آپ سے آتے ہی کہا تھا، مجھے ٹاپ کلاس ماڈل نہیں، ایک فریش اور حسین چہرہ چاہیے۔ ہم لوگ نئی لائن، مارکیٹ میں انٹروڈیوس کروانا چاہتے ہیں، کسی نئے فیس کے ساتھ۔۔۔" ان صاحب کی اپنی ایک منطق تھی۔ اسی دوران ماہیر، شانزے کی طرف متوجہ ہوا۔

"شانزے، تم ذرا یاور صاحب کو عینا صدیقی کا شوٹ دکھانا، یہ ایک نیا چہرہ ہے۔" ماہیر نے جیسے ہی شانزے کو مخاطب کیا، یاور صاحب نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر شانزے کی طرف دیکھا اور ان کی پہلی نظر ہی پلٹنا بھول گئی۔ ہلکے کاسنی رنگ کے نیٹ کے سوٹ میں شانزے کی شہابی رنگت دمک رہی تھی اور آنکھوں پر لگا بلیو کلر کا لائنر اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں کے تاثر کو مزید اجاگر کر رہا تھا۔ "مجھے بالکل ایسی ہی لڑکی چاہیے اس ایڈ میں۔۔۔" یاور صاحب کے پرجوش انداز پر شانزے پزل ہوئی اور ماہیر کے چہرے پر ناگواری کا تاثر بڑی قوت سے ابھرا۔

"یاور صاحب یہ میری اسسٹنٹ ہیں شانزے اور یہ ماڈلنگ نہیں کرتیں۔" ماہیر کو ان کی بے تکلفی سے زیادہ بے باکی کوفت میں مبتلا کر گئی۔ وہ ابھی تک اپنی پرشوق نگاہیں شانزے کے صبیح چہرے پر ٹکائے ہوئے تھے۔ جو کبھی پریشانی سے ماہیر کی طرف اور کبھی یاور صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا، ہم ان کو ان کی ڈیمانڈ پر پے کریں

گے۔" انہوں نے مجبوراً" اپنی نظریں شانزے سے ہٹا کر ماہیر کی جانب دیکھا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شانزے کو چٹکی بجا کر یہاں سے غائب کردے۔

"یاور صاحب پلیز ڈونٹ مائنڈ' ہر انسان کی اپنی کچھ ویلیوز اور لمٹس ہوتی ہیں اور ضروری نہیں ان کی کوئی قیمت ہو۔" ماہیر کو ایک دم ہی غصہ آیا۔

"پلیز آپ شانزے سے تو پوچھ لیں۔" یاور صاحب نے ملتجی نظروں سے شانزے کی طرف دیکھا۔

"جب میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔" ماہیر کا مزاج برہم ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ یاور کو مزید کچھ کہتا' شانزے نے اسے حیران کردیا۔

"میں ان کے ایڈ میں ماڈلنگ ضرور کروں گی۔" شانزے کی بات پر ماہیر کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا' اس نے حیرانی' بے یقینی اور صدمے سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو بڑے پُرجوش انداز سے اسے نظر انداز کیے یاور صاحب سے اشتہار کی تفصیلات پوچھ رہی تھی۔ ماہیر کے اندر کوئی آتش فشاں ہی تو پھوٹا تھا۔ اس کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں لال ہوگئیں۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور آفس سے نکل گیا۔ شانزے نے حیرانگی سے اسے نکلتے دیکھا اور پھر لاپروائی سے کندھے اچکا کر یاور صاحب کی طرف متوجہ ہوگئی۔

★ ★ ★

"یقین مانو' میرا دل کررہا تھا میں اسے شوٹ کردوں۔" ماہیر' اس وقت سرمد کے آفس میں تھا اور مسلسل ٹہل ٹہل کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کررہا تھا' جبکہ شانزے کی یہ حرکت سرمد کو بھی اچھی نہیں لگی تھی' لیکن اس وقت ماہیر کے سامنے کچھ کہنا اسے مزید مشتعل کرنے کے مترادف تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا نا' شانزے کو شوبز میں آنے کا کریز ہے۔" سرمد نے محتاط انداز میں اسے بتانے کی کوشش کی۔

"بھاڑ میں گیا ایسا فضول کریز' جب میں اسے کہہ رہا تھا' یہ ماڈلنگ نہیں کرے گی تو اس کے سامنے بکواس کرنا ضروری تھا کیا۔" وہ ایک دم بھڑکا۔

"ٹیک اٹ ایزی یار۔" سرمد نے اسے بازو سے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔

"وہ الو کا پٹھا۔ یاور میری طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی گدھا ہوں' جسے یہ اندازہ نہیں کہ پیسے میں کتنی طاقت ہے۔" وہ پتھریلے لہجے میں غرایا' سرمد نے پہلی دفعہ اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

"میں نے کہا نا یار۔ پیسہ اس کا پرابلم نہیں ہے۔ وہ صرف اپنا شوق پورا کرنا چاہ رہی ہے۔" سرمد نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"تو شوق پورا کرنے کے لیے اسے وہ گھٹیا انسان یاور ہی ملا تھا۔ جو گدھ کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔" ماہیر کی آنکھوں سے خون چھلکا۔

"میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" سرمد نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"ہاں۔ وہ تو جیسے سمجھ ہی جائے گی۔" ماہیر متنفر انداز میں گویا ہوا۔ اسی لمحے شانزے بڑے پُرجوش انداز میں سرمد کے آفس میں داخل ہوئی' وہ اسے یاور کے اشتہار کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ جیسے ہی اس نے سرمد کے آفس میں قدم رکھا' سامنے بیٹھے ماہیر کو دیکھ کر وہ جھجک کر رک گئی۔ ماہیر جو پانی کا گلاس منہ سے لگائے اپنے اندر بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ شانزے کو خوش دیکھ کر وہ الاؤ ایک دفعہ پھر بھڑک اٹھا۔ وہ غصے سے اٹھا' ایک سرد نگاہ شانزے پر ڈالی اور ہاتھ میں پکڑا گلاس میز پر اتنے زور سے رکھا کہ اس میں موجود پانی میز کی سطح پر چھلک گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سرمد کے آفس سے نکل گیا۔

"ان کو کیا ہوا؟" شانزے نے الجھ کر سرمد کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"تم نے یاور کے ایڈ میں کام کرنے کی حامی کس سے پوچھ کر بھری ہے؟" سرمد پہلی دفعہ اس سے ناراض ہوا۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ مجھے شوبز میں آنے کا

کتنا جنون تھا۔ اب موقع ملا تو میں نے ہاں کہہ دی۔'' شانزے نے گھبرا کر جلدی سے وضاحت کی۔

''تو ٹھیک ہے' پھر کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے مدد مانگنے مت آنا۔'' سرمد نے سرد انداز میں کہا اور اپنا والٹ اور سیل فون اٹھا کر ماہیر کے پیچھے ہی آفس سے نکل گیا۔ شانزے کو دھچکا سا لگا اور وہ کئی لمحے تک اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

☼ ☼ ☼

''میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سرمد بھائی مجھ سے ایسے خفا ہو سکتے ہیں۔'' وہ جب سے ہوسٹل واپس آئی تھی' رباب کا سر کھا رہی تھی۔

''تمہیں وہ آفر قبول کرنے سے پہلے ان سے مشورہ کرنا چاہیے تھا نا۔'' رباب نے مونگ پھلی کے دانے چھیلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں... ٹھیک کہتی ہو۔'' شانزے کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''صبح جا کر سرمد بھائی سے بات کر لینا۔'' رباب نے اسے مشورہ دیا۔

''اوپر سے وہ ماہیر مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔'' شانزے کو اچانک ہی یاد آیا۔

''سرمد بھائی کا غصہ کرنا تو بنتا ہے لیکن یہ ماہیر صاحب کی ناراضی میری سمجھ سے باہر ہے۔'' رباب نے مونگ پھلی کھاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

''نہیں تو اس بات پر غصہ آرہا ہوگا کہ ان کی اسسٹنٹ کو اتنی اچھی آفر کیوں مل گئی۔'' شانزے نے منہ بنا کر کہا۔

''خیر دیکھنے میں تو وہ ایسا کم ظرف بندہ نہیں لگا تھا مجھے' جب تم نے مجھے ان سے ملایا تھا۔'' رباب کو اچانک ہی یاد آیا کہ ایک دفعہ وہ شانزے کے ساتھ اس سے مل چکی تھی اور وہ اسے خاصا ڈیسنٹ اور سمجھ دار بندہ لگا تھا۔

''اب اتنی سی بات پر بھی کوئی خفا ہوتا ہے کیا۔'' وہ سخت الجھن کا شکار تھی۔

''اسی بات پر تو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اور مجھے لگتا ہے شانزے...'' رباب نے شرارتی انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑا۔

''کیا لگتا ہے تمہیں؟'' اس نے بے زاری سے اپنی سینڈل اتاری۔

''وہ جو ماہیر صاحب ہیں نا' انہیں تم سے کوئی محبت وحبت والا سین ہو گیا ہے۔'' رباب کے شوخ لہجے پر شانزے ٹھٹکی' اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کے بڑے فطری سے رنگ پھیلے۔

''مجھے تو ایسا کبھی نہیں لگا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور چپل پہن کر واش روم کی طرف بڑھی۔ جو کاریڈور کے اختتام پر تھا۔ رباب نے بہت غور سے اس کا سادہ اور بے ریا چہرہ دیکھا۔

''تم مانو یا نہ مانو' بات یہی ہے۔'' رباب کی ہنسی نے شانزے کے قدم روکے۔ اس نے پلٹ کر رباب کی طرف برہمی سے دیکھا۔ ''ایسے ہی فضول باتیں مت کیا کرو' سمجھیں۔'' اپنی بات کہہ کر وہ کمرے سے نکل آئی اور واش روم کی طرف جاتے ہوئے وہ رباب کی بات سر جھٹک کر اپنے دماغ سے نکال چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

بڑے ابا تو اکثر ہی بیمار رہنے لگے تھے لیکن یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آغا جی کو بیٹھے بٹھائے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔ دل کے دورے کی نوعیت تو معمولی ہی تھی لیکن اس نے پورے گھر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ خصوصاً'' بینش کو تو ایک دفعہ اپنا ضبط فضاؤں میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا تھا۔ آغا جی کو پورا ایک ہفتہ اسپتال میں رکھا گیا تھا اور ان ہی دنوں اوریدا کے سیکنڈ ایر کے پیپرز ہونے والے تھے۔ اس کے باوجود وہ روزانہ انہیں دیکھنے اسپتال جا رہی تھی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا ایک دفعہ بھی ارصم سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

''بھئی اپنے دادا سے کہو۔ مجھے اب گھر شفٹ کروے۔'' وہ اس دن بڑی اماں کے ساتھ ان کے لیے

پھل اور پرہیزی کھانا لے کر آئی تو آغا جی نے اسے دیکھتے ہی ہلکے پھلکے لہجے میں فرمائش کر دی۔

"ہاں۔ ہماری بات تو جیسے وہ مان ہی لیں گے۔" بڑی اماں کے ناک چڑھانے پر وہ مسکرائے۔

"آغا جی۔ پلیز جلدی سے ٹھیک ہو جائیں' میرے ایگزام ہونے والے ہیں۔" اوریدا نے محبت بھرے انداز سے ان کا ہاتھ تھام کر فرمائش کی۔

"تو تمہارے ایگزام کا مجھ سے کیا تعلق؟" وہ حیران ہوئے۔

"میرا سارا دھیان تو آپ کی طرف لگا رہتا ہے۔ پڑھائی کیا خاک کروں گی۔" اوریدا کو اپنے ہنس مکھ اور دوستانہ انداز رکھنے والے آغا جی سے خصوصی لگاؤ تھا۔

"ارے۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں' چلو کچھ کرتے ہیں۔" انہوں نے محبت بھرے انداز سے اسے تسلی دی۔

"یہ ارصم نظر نہیں آرہا' کہاں ہے وہ۔؟" بڑی اماں نے دائیں بائیں دیکھ کر پوچھا۔

"اس کی کوئی کلاس فیلو میری عیادت کے لیے آرہی تھی۔ اسے ہی ریسیو کرنے گیا ہے پارکنگ تک۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اوریدا کا سکون غارت کیا۔

"ایسی کون سی خاص کلاس فیلو تھی جسے ریسیو کرنے وہ پارکنگ میں پہنچ گیا۔" بڑی اماں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو آغا جی بے ساختہ ہنس دیے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے' دروازہ کھلا' ارصم کے ساتھ مسکراتی ہوئی زرش کو دیکھ کر اوریدا کو ہمیشہ کی طرح جھٹکا لگا۔ ان دونوں کے پیچھے ڈاکٹر بینش بھی مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ بڑی اماں اور اوریدا کو دیکھ کر وہ ہلکا سا ٹھٹکیں اور پھر لاپروائی سے سلام کر کے آغا جی کی میڈیسن کا چارٹ دیکھنے لگیں۔

"آغا جی۔ یہ میری کلاس فیلو ہے زرش' آج کل کنگ ایڈورڈ لاہور میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے۔" ارصم نے لاپروائی سے اس کا تعارف کروایا۔

"ہائے اوریدا۔ کیسی ہو تم؟" جبکہ بڑی اماں بڑی جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی جو بینش کے ساتھ چپکی جا رہی تھی۔

"زرش تم تو دن بہ دن بہت اسٹائلش اور خوب صورت ہوتی جا رہی ہو۔" آنٹی بینش کا مصنوعی لہجہ اوریدا کا دل جلا گیا۔ اس نے دانستہ طور پر زرش سے نظر ہٹائی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ کافی عرصے سے اس کے اور ارصم کے درمیان بات چیت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ ایک محسوس کی جانے والی اجنبیت اور بے رخی کی دیوار ان کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔

"بڑی اماں میں دیکھ کر آتی ہوں کہ گاڑی آگئی یا نہیں" وہ فوراً" کمرے سے باہر نکل گئی اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلے پانی کی چادر تن گئی۔

"ارے ارصم۔ دیکھ آئے گا نا۔" اس نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے آغا جی کا جملہ سنا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ رکی نہیں۔ ارصم کا دل مضطرب ہوا' وہ جانتا تھا کہ وہ کس وجہ سے اس کمرے سے نکلی ہے۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔" وہ بھی اوریدا کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھی اور وقفے وقفے سے آستین سے اپنی آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔ ارصم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

اسی دوران کوریڈور کے دوسری جانب سے آتی طیبہ آنٹی اور سرمد کو دیکھ کر اس کے پاؤں سست ہوئے اور وہ لوگ بھی اسے دیکھ چکے تھے لیکن اب اوریدا سے مل رہے تھے' جو خود کو سنبھال چکی تھی۔

"کیا آغا جی کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔" طیبہ' اوریدا کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوئیں۔

"نہیں پھپھو' ایسی تو کوئی بات نہیں' وہ بہت بہتر ہیں۔" اوریدا نے رنجیدہ لہجے میں جواب بھی دیا ارصم وہاں پہنچ چکا تھا اور اب سرمد سے مل رہا تھا۔

"پھر تم نے کیوں رو رو کر آنکھیں سرخ کر رکھی ہیں' پاگل نہ ہو تو۔" طیبہ نے بے ساختہ ہی اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"ماما آپ کو پتا ہے نا' چڑیا جتنا تو دل ہے اس کا۔" سرمد نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا اور ارصم نے کھڑے کھڑے کوفت بھرے انداز سے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری' اب اوریدا کے لیے طمانیت کا باعث بن رہی تھی۔

"سرمد بھائی پلیز۔ مجھے گھر چھوڑ آئیں' ڈرائیور تو پتا نہیں کب آئے گا۔" اوریدا نے کن اکھیوں سے ارصم کی طرف دیکھتے ہوئے فرمائش کی' سرمد کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔" سرمد کے بولنے سے پہلے ہی پھپھو طیبہ نے حامی بھرلی۔

"ارصم یار' تم ماما کو آغا جی کے کمرے میں لے جاؤ' میں اوریدا کو چھوڑ کر آتا ہوں۔" سرمد کی بات پر ارصم کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک سا ہوا۔ وہ خالی نظروں سے اوریدا کو سرمد کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے پہلی دفعہ خود سے تہیہ کیا تھا کہ وہ اب کبھی بھی اوریدا کے پیچھے نہیں جائے گا۔

☆ ☆ ☆

پچھلے دو دن سے سرمد اور ماہیر آفس سے غائب تھے۔ شانزے نے آفس کے لوگوں سے پوچھا تو پتا چلا کہ ماہیر کے آغا جی اسپتال میں داخل ہیں اور اس کے کئی کولیگ ان کی عیادت کے لیے جا چکے تھے۔ کچھ سوچ کر شانزے نے بھی پھولوں کا بکے اور پھل لیے اور اپنی کولیگ سے پتا پوچھ کر چلی آئی۔

وہ اسپتال آ تو گئی تھی لیکن تذبذب کا شکار ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح اپنا تعارف کروائے گی۔ اسی کشمکش و پیچ میں وہ کمرے کے باہر کھڑی تھی' جب سرمد اسے کوریڈور کے دوسری جانب سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

"تم یہاں۔۔۔؟ لیکن کیسے۔۔۔؟" سرمد خوشگوار حیرت کا شکار ہوا۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ شانزے سے خفا ہے۔

"وہ میں نے سنا تھا کہ آپ کے دادا بیمار ہیں شاید۔" اس نے جھجک کر کہا۔

"دادا نہیں میرے نانا کے چھوٹے بھائی' اس لحاظ سے میرے بھی نانا ہوئے وہ۔" سرمد نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی۔ "ویسے ہم سب انہیں آغا جی کہتے ہیں۔"

"میں ان سے مل سکتی ہوں۔" شانزے نے محتاط انداز سے پوچھا۔

"شیور۔۔۔ وائے ناٹ۔۔۔" وہ اسے ساتھ لے کر پرائیویٹ روم میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں بڑی اماں کے ساتھ اس کی والدہ موجود تھیں۔ وہ سرمد کے ساتھ آتی لڑکی کو دیکھ کر بے اختیار چونکیں۔ بڑی اماں نے بڑی خوف زدہ نگاہوں سے طیبہ کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بے چین ہوئی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں شانزے کے چہرے پر مقناطیس کی طرح جمی ہوئی تھیں۔

"ماما' یہ شانزے ہے' میری بہت اچھی اور کیوٹ سی بہن۔" وہ خوش دلی سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے بولا۔

"کیسی ہو بیٹا آپ؟" طیبہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے شانزے کا حال پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں آنٹی' آپ کے آغا جی کیسے ہیں؟" اس کا لہجہ بڑی اماں اور طیبہ دونوں کو ہی بے چین کر گیا۔

"وہ ٹھیک ہیں' نیند کا انجکشن لگایا ہے' اس لیے سو رہے ہیں' ورنہ میں آپ سے ضرور ملواتی۔" طیبہ پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا۔ پورا نام کیا ہے آپ کا؟" بڑی اماں سے زیادہ دیر تک صبر نہ ہوا تو پوچھ ہی بیٹھیں۔

"جی شانزے ابراہیم' ویسے میرے بابا کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" وہ بہت ہی میٹھی مسکان کے ساتھ گویا ہوئی۔ اس کے جواب پر بڑی اماں اور طیبہ دونوں کے چہروں پر بڑی بے ساختہ سی مایوسی پھیلی تھی۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی' اسی دوران ماہیر مصروف انداز میں اندر داخل ہوا۔ شانزے کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا لیکن

اس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا تھا۔

"آغا جی کی طبیعت کیسی ہے اب؟" وہ شانزے کو نظرانداز کر کے سرمد سے مخاطب ہوا۔

"ان کی طبیعت کا تمہیں زیادہ پتا ہو گا تم ہی تو ان کے ڈاکٹر سے مل کر آ رہے ہو۔" سرمد نے اس پر طنز کیا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

"ایسا کرو شانزے کو اس کے ہاسٹل چھوڑ آؤ۔ میں ذرا آنٹی بینش کو دیکھوں ماما لوگ گھر جانا چاہ رہے ہیں۔"

"میں ٹیکسی لے کر چلی جاؤں گی۔" شانزے کو ماہیر کے انداز سے چھلکتی ناراضی محسوس ہو گئی تھی۔

"ہرگز نہیں شام کے وقت اکیلی لڑکی کا ٹیکسی میں جانا مناسب نہیں۔" بڑی اماں نہ چاہتے ہوئے بھی ٹوک گئیں۔ ان کے محبت بھرے انداز پر شانزے نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ ایسے فکر مند لہجوں کی اسے کہاں عادت تھی۔

"نانو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں شانزے ماہیر تمہیں چھوڑ آئے گا۔" وہ ان دونوں کو کھل کر بات کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ شانزے ان سب سے مل کر ماہیر کے ساتھ کمرے سے نکلی تو سامنے سے آتے بڑے ابا کے ساتھ ٹکراتے ٹکراتے بچی وہ ارحم کے ساتھ ابھی ابھی اسپتال پہنچے تھے۔ شانزے نے بوکھلا کر انہیں سلام کیا اس سے پہلے کہ ماہیر اس کا تعارف کرواتا وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔

"یہ میرے گرینڈ فادر تھے۔" ماہیر نے خفت زدہ لہجے میں وضاحت دی اسے اندازہ نہیں تھا کہ بڑے ابا اس قدر رکھائی کا مظاہرہ کریں گے۔

"یہ لڑکی کون تھی۔؟" بڑے ابا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"بڑے ابا میرے اور ماہیر کے آفس میں جاب کرتی ہے آغا جی کی عیادت کرنے آئی تھی۔" سرمد نے بوکھلا کر وضاحت دی۔

"آپ لوگ کب جائیں گے گھر خواہ مخواہ سے اسپتال میں جمگھٹا لگا رکھا ہے۔" وہ بڑی اماں کی طرف متوجہ ہوئے انہیں نہ جانے کیوں غصہ آ رہا تھا۔ ان کی بات پر بڑی اماں جھنجلا کر گویا ہوئیں۔ "ہم کون سا اپنے شوق سے بیٹھے ہیں اگر نہ آتے تو آپ کی بھتیجی نے ہی منہ پھلا لینا تھا۔" بڑی اماں ارحم کا بھی لحاظ کیے بغیر بولیں۔

"اچھا اچھا اب آپ سارے لوگ جائیں میں اور ارحم رکیں گے یہاں۔" انہوں نے فوراً اگلا حکم صادر کیا۔

"ہاں خود تو بہت صحت مند ہیں جیسے..." بڑی اماں کی بڑبڑاہٹ سب ہی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کا باعث بنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ مجھ سے خفا ہیں ناں۔؟" ماہیر بڑی خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جب شانزے نے جھجک کر اسے مخاطب کیا۔ اس کا دھیان ایک لمحے کو شانزے کی طرف ہوا۔

"تمہیں کون سا اس سے فرق پڑتا ہے۔" وہ دل جلے انداز سے بولا۔

"فرق تو پڑتا ہے۔" شانزے کی بے ساختگی اس کو چونکانے کا باعث بنی۔

"وہ کیسے۔؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"آپ غصے میں مجھے جاب سے بھی تو نکال سکتے ہیں ناں۔" شانزے نے شرارتی انداز میں کہا۔

"یہی تو نہیں کر سکتا میں اور اسی چیز کا تم فائدہ اٹھاتی ہو۔" اس کے معنی خیز انداز پر شانزے کا دل بے اختیار دھڑکا اس نے الجھ کر ماہیر کی جانب دیکھا۔ وہ بلاشبہ ایک ہینڈسم نوجوان تھا لیکن اسے جب سے اس نے غصے کی حالت میں دیکھا تھا تب سے اس سے محتاط انداز میں بات کرنے لگی تھی لیکن وہ اس بات کو سمجھنے سے ابھی تک قاصر تھی کہ اسے دیکھ کر اس کی دھڑکنیں بے ترتیب کیوں ہونے لگتی ہیں۔

"ایسی کوئی خوش فہمی نہیں مجھے۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"لیکن مجھے یہ غلط فہمی ضرور تھی کہ تم مجھے سرمد کی طرح ایک اچھا دوست سمجھتی ہو۔" اس نے فوراً" گلہ کیا۔

"سرمد بھائی کو میں دوست نہیں اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔" اس نے فوراً" تصحیح کی۔ "اگر آپ کہیں تو...؟"

اس نے شرارت سے بات ادھوری چھوڑی۔

"نو تھینکس' میں ان منہ بولے رشتوں پر یقین نہیں رکھتا اور ویسے بھی اللہ نے مجھے ایک جذباتی اور لڑاکا سی بہن دے رکھی ہے۔" ماہیر نے منہ بناتے ہوئے وضاحت دی تو شانزے کی آنکھوں میں ایک دم کئی جگنو سے چمکے۔

"اوریدا کی بات کر رہے ہیں آپ...؟" شانزے نے مسکرا کر پوچھا تو وہ حیرانگی سے گویا ہوا۔ "تم کیسے جانتی ہو اسے...؟"

"سرمد بھائی نے ایک دو دفعہ ملوایا ہے مجھے' ان کا کہنا ہے' میری شکل اوریدا سے بہت ملتی ہے۔" اس کی بات پر ماہیر کو ایک دم جھٹکا سا لگا' اور اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ پہلی دفعہ اسے دیکھ کر کیوں الجھا تھا' کون سی ایسی مماثلت تھی جو اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ہاں تمہارا فیس کٹ اور آنکھوں کا کلر ایک جیسا ہے۔" وہ اب کھل کر مسکرایا تھا۔

"اچھا' اب بتائیں' آپ مجھ سے خفا کیوں تھے...؟"

شانزے کو اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ ملا۔

"اس لیے کہ تم یاور جیسے چیپ اور تھرڈ کلاس انسان کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہو گئی تھیں' حالانکہ میں اسے منع کر چکا تھا۔" ماہیر کو اس دن والا واقعہ یاد آیا تو پھر غصہ آگیا۔

"آپ بھی تو اس کے ساتھ کام کر رہے تھے۔"

شانزے کی زبان پھسلی تو ماہیر نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں نہیں' وہ میری ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا کلائنٹ تھا اور تمہیں ذرا بھی اندازہ نہیں کہ میں یہ بات کیوں کر رہا ہوں؟"

"تو یہ ایڈ بھی تو آپ کی ہی ایجنسی بنا رہی ہے' اس لیے میں نے کہہ دیا۔" شانزے کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ وہ اس کے غصے سے گھبرا رہی ہے۔

"بس میں نے کہہ دیا ناں' تم اس ایڈ میں بالکل بھی کام نہیں کرو گی۔" اس کے دھونس بھرے انداز پر شانزے جھنجلا سی گئی۔

"اس لیے کہ میں آپ کے آفس میں جاب کرتی ہوں اور آپ کی اسسٹنٹ ہوں۔" اس کی بے تکی بات پر وہ زچ ہو گیا۔ "ہرگز نہیں۔"

"تو پھر...؟" شانزے حیران ہوئی۔

"اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں پاگل لڑکی اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ کیمرے کی آنکھ تمہیں ایکسپوز کر کے تمہارے وجود کو اشتہارات پر سجا دے۔" اس نے محبت کا اظہار بڑے غصیلے انداز سے کیا۔ شانزے کو ایک دم کرنٹ لگا۔

اس نے پریشانی سے ماہیر کو دیکھا جو اس کے ہاسٹل کے سامنے گاڑی روک چکا تھا اور اب ناراضی سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

شانزے کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز سے گاڑی سے اتری تو اس کا سر گاڑی کی چھت سے ٹکرایا لیکن وہ اسے سہلاتے ہوئے اپنے ہاسٹل کی طرف روانہ ہو گئی' اسے لگ رہا تھا جیسے وہ مڑ کر دیکھے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔

☆ ☆ ☆

آپا صالحہ کی صحت خاصی گر گئی تھی لیکن اپنے ٹیسٹ کروانے پر وہ کسی صورت بھی آمادہ نہیں ہو رہی تھیں۔ تنگ آکر عدینہ نے بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ جلد از جلد قرآن پاک حفظ کرنے میں مگن ہو گئی لیکن جیسے ہی اسے فرصت ملتی تو ذہن کے دریچوں پر کسی دکھ کا دیا جل اٹھتا۔ عبداللہ کی محبت آج بھی اس کے دل میں پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھی۔

اس وقت وہ اور موناز دونوں دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آئی تھیں۔ موناز نے آتے ہی ڈائجسٹ اٹھا لیا تھا اور ایک ناول پڑھتے پڑھتے وہ اس میں ایسی گم

ہوئی کہ آدھے گھنٹے کے بعد ہی سر اٹھا سکی۔ عدینہ ' اپنے ہاتھ میں عبداللہ کی تصویر اٹھائے ' خالی نظروں سے دیکھنے میں مگن تھی۔ موتا نے ڈائجسٹ ایک طرف رکھ دیا۔

''عدینہ باجی! عبداللہ بھائی یاد آتے ہیں آپ کو...'' موتا نے جھجک کر پوچھا۔

''محبت کے چراغ کو کسی یاد کے تیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔'' اس نے ایک سرد آہ بھر کر تصویر ڈائری میں رکھی۔ ''چاہت کے دیے تو ہمیشہ ہی انسان کے دل میں روشن رہتے ہیں۔'' اس نے پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر رنجیدگی سے کہا۔

''اگر کسی دن عبداللہ بھائی سچ مچ آگئے تو...؟'' موتا نے اپنا نچلا لب دبا کر خود ہی اپنی بات کا مزالیا۔

''تو شاید میں خوشی سے مر ہی جاؤں...'' عدینہ نے آہستگی سے کہہ کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ موتا کے دل کو کچھ ہوا۔

''اللہ نہ کرے ' آپ کیوں مریں ' مریں آپ کے دشمن...''

''مجھے دشمنوں کے مرنے والی بات بہت عجیب لگتی ہے موتا۔'' عدینہ نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔

''وہ کیوں بھلا...'' موتا جھٹ سے اس کی پاس آ بیٹھی۔

''دشمن اگر مرجائیں تو ان کے ساتھ دشمنی نہیں ' ہمدردی کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔ موت کا احساس بہت طاقت ور ہوتا ہے تب ہی تو جن لوگوں کو ہم اپنی زندگی میں دیکھنا نہیں چاہتے ان سے نفرت کرتے ہیں ' ان کی موت کی خبر سنتے ہی ساری دشمنی ساری خطائیں بھلا کر آخری دیدار کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے لوگوں کے نزدیک زندگی کے بجائے موت کی زیادہ وقعت اور اہمیت ہے۔'' عدینہ افسردہ انداز سے گویا ہوئی۔

''ٹھیک کہتی ہیں آپ ' ہم جن لوگوں کی ' ہم زندگی میں قدر نہیں کرتے ' موت کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی ان کی اہمیت ثابت کروا ہی لیتی ہے۔'' موتا بھی افسردہ ہوئی۔

''اچھا ' جاؤ دیکھ کر آؤ آپا کیا کررہی ہیں ' پھر بے بے کے کمرے میں بیٹھ کر ڈرامہ دیکھتے ہیں۔'' عدینہ نے اس کا موڈ بحال کرنے کے لیے بات کا رخ بدلا۔

''آپا تو کچھ دیر پہلے اسٹور کی طرف گئی تھیں۔'' موتا کی اطلاع پر وہ چونک گئی۔

''فکر مت کریں ' وہ پرانے بستر نکلوانے گئی تھیں دھوپ لگوانے کے لیے۔'' موتا نے بہت تیزی سے اس کے دل میں ابھرنے والی سوچ کو پڑھا تھا۔

''اس دن والے واقعے کے بعد میں تو سچ پوچھو ' میں بہت ڈر گئی ہوں۔'' عدینہ نے صاف گوئی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''آپ نے ان سے پوچھا نہیں...'' موتا نے آہستگی سے پوچھا۔

''کیا پوچھتی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی قبر پر لگوانے کے لیے کتبہ کیوں تیار کروایا۔'' عدینہ کی بات پر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''پوچھ لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا...'' موتا وقت سے پہلے سمجھ دار ہوچکی تھی۔

''ضرور پوچھتی ' اگر مجھے ذرہ برابر بھی گمان ہوتا کہ وہ مجھے سچ بات بتادیں گی۔'' عدینہ کی بات پر وہ لاجواب ہوئی۔

''کسی دن ' ہم دونوں اسٹور کی اچھی طرح تلاشی لیں گے ' یقیناً کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔'' موتا کو اس دن سے بہت زیادہ تجسس ہورہا تھا کہ آپا نے ایسا کیوں کیا۔

''ہاں ضرور ' اگر آپا نے کوئی ثبوت چھوڑا تو...'' عدینہ کو ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی ' وہ اس سے زیادہ اپنی ماں کو جانتی تھی۔

''انسان جتنی بھی ہوشیاری سے کام لے ' وہ کوئی نہ کوئی ثبوت چھوڑ ہی جاتا ہے۔'' موتا اس معاملے میں پراعتماد تھی۔

''یہ بات ہے تو آج کی رات ہی یہ کام کر گزرتے ہیں...'' عدینہ نے موتا کو ہمت دلائی اور وہ تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔ پھر بھی اس نے احتیاطاً ''رات آپا کو دوا

کھلاتے ہوئے ساتھ نیند کی گولی بھی زبردستی کھلا دی تھی۔ اب وہ دونوں بے فکر تھیں۔

جیسے ہی گھڑی نے رات کے دس بجائے' وہ دونوں دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آئیں۔ سخت سردیوں کے موسم میں اس وقت آدھی رات کا سماں تھا۔ آپا صالحہ اور بے بے کے کمرے میں زیرو واٹ کے بلب جل رہے تھے اور دونوں ہی گہری نیند سو رہی تھیں۔ عدینہ اور مونا دبے قدموں اسٹور میں پہنچ چکی تھیں۔

"عدینہ باجی! اسٹور کا دروازہ اندر سے بند کردوں۔" مونا نے پریشانی سے پوچھا۔

"اس کی ضرورت نہیں' آپا گہری نیند سو رہی ہیں' اور بے بے کی تو ویسے ہی نیند بڑی پکی ہے۔" عدینہ اسے دلاسا دیتی ہوئی لوہے کی زنگ آلود الماری کی جانب بڑھی۔

"آپا کے بکسے کی چابی' الماری کی دراز میں ہے۔" مونا اس گھر کی ایک ایک چیز سے باخبر تھی۔ دونوں سیل فون کی روشنی میں اسٹور کا جائزہ لے رہی تھیں اور یہ روشنی اب دونوں کو ہی ناکافی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایسا کرو' دروازہ بند کرکے زیرو واٹ کا بلب جلا دو۔" عدینہ کے کہنے پر مونا نے دروازہ جھٹ سے بند کر دیا اور زیرو واٹ کی روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔ آپا پچھلے کچھ عرصے سے باقاعدگی سے یہاں کی صفائی کرواتی تھیں' اس لیے ہر چیز میں ترتیب اور نفاست کا عنصر نمایاں تھا۔

"عدینہ باجی یہ لیں چابی۔" مونا نے ایک زنگ آلود سی چابی اس کی جانب بڑھائی' یہ آپا کے بڑے اور سب سے پرانے بکسے کی چابی تھی۔ ٹین کی چادر کا بنا یہ ٹرنک بہت بوسیدہ اور پرانا تھا اور ان دونوں نے کبھی بھی اسے کھلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ عدینہ نے پورا زور لگا کر اس تالے میں چابی گھمائی' وہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد یہ تالا کھل گیا۔ دونوں کے چہروں پر تجسس ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"عدینہ باجی' جلدی کھولیں ناں۔" مونا نے پرجوش انداز میں کہا۔

"صبر تو کرو۔" عدینہ ہلکا سا جھنجلائی' اس نے جیسے ہی ڈرتے ڈرتے بکسے کا ڈھکن اوپر کیا' گرد کا ایک طوفان سا باہر نکلا۔ ڈسٹ الرجی کی مریضہ عدینہ کو چھینکیں آنا شروع ہوگئیں۔ مونا نے بے ساختہ اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ "خدا کا خوف کریں عدینہ باجی' آپا اٹھ جائیں گی۔"

"تو میں کون سا جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہوں۔" وہ چڑ گئی کچھ دیر بعد اس کا سانس بحال ہوا تھا' وہ اب ناک پر اپنا دوپٹہ رکھے اس بکسے میں جھانک رہی تھی' جو مختلف پرانی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ بکسا تو لگتا ہے صدیوں سے کسی نے کھولا ہی نہیں۔" مونا نے الجھن بھرے انداز سے اس کے اندر جھانکا۔ بہت سی بوسیدہ تصویریں' کاغذات' فائلیں اور ایک گھر کی رجسٹری کے کاغذات پڑے ہوئے تھے' کچھ کاغذوں کو دیمک کھا گئی تھی۔

"یہ کس کی تصویر ہے۔؟" عدینہ کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ سی تصویر تھی' جو کسی نوزائیدہ بچے کی تھی۔ اس نے پلٹ کر اس کی پشت پر دیکھا۔ جس پر بال پوائنٹ سے لکھا تھا "ام مریم"۔

"یہ ام مریم کون ہے۔؟" عدینہ نے سوالیہ نگاہوں سے مونا کی طرف دیکھا جو ایک اور تصویر کو دیکھ کر اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"عدینہ باجی' یہ تو اسی بندے کی تصویر لگ رہی ہے' جو ہمیں ایک کتاب میں سے ملی تھی۔" مونا کے الجھن بھرے انداز پر عدینہ نے جھٹ اس کے ہاتھ سے وہ تصویر لی' ایک ہینڈسم اور دراز قد نوجوان سیاہ گاؤن پر کیپ پہنے' ہاتھ میں ڈگری پکڑے کسی اسٹیج پر کھڑا تھا۔ یہ کسی کنووکیشن کی خاصی پرانی تصویر تھی۔

"ہاں لگ تو وہی رہا ہے۔" عدینہ کو اس کی آنکھوں میں موجود مخصوص قسم کی چمک سے اندازہ ہوا۔ "ولیکن یہ ہے کون؟"

"آپ اسے چھوڑیں اور یہ نکاح نامہ دیکھیں' کس

کا ہے۔۔۔؟" مونا کی جوش جذبات میں آواز بلند ہوئی۔ اس سے پہلے کہ عدینہ اس بات کا جواب دیتی' اسٹور کا دروازہ کھلا اور بوکھلاہٹ میں مونا کے ہاتھ سے نکاح نامہ چھوٹ کر عین آپا صالحہ کے قدموں میں جا گرا' جو شعلہ فشاں نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کوئی محبت کا اظہار بھی اتنے بے ہودہ طریقے سے کرتا ہے۔" شانزے کو نہ جانے کیوں ماہیر کی بات پر غصہ آئے جا رہا تھا۔ رباب کے بار بار پوچھنے پر اس نے یہ بات اسے بھی بتا دی تھی اور تب سے وہ اس کی شرارتی نظروں اور شوخ جملوں کی زد میں تھی۔

"دل کے سچے اور بات کے پکے لوگ ایسے ہی محبتوں کا اظہار کرتے ہیں۔" رباب نے اس کی طرف داری کی۔

"ہونہہ۔۔۔" شانزے نے تیکھے انداز میں ناک چڑھائی۔

"چلو تم دوبارہ سے محبت کا اظہار کروالینا۔۔۔" رباب نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

"اب پتا چلا' وہ کیوں اس ایڈ میں کام کرنے سے منع کر رہا تھا۔" رباب نے اسے یاد دلایا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں باز آجاؤں گی۔۔۔؟" شانزے کے لہجے میں کچھ تھا' رباب نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔۔۔؟" اسے ایک دم ہی غصہ آیا۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے شوبز میں آنا' میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے۔ میں ایک محبت کی خاطر اس سے کیسے دستبردار ہو سکتی ہوں۔" شانزے نے منہ بنایا۔ رباب غصے سے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ کے انداز میں بولی۔ "تم نے مزید کوئی بے وقوفی کی تو میں حقیقتاً" تمہارا منہ توڑ دوں گی۔" رباب کی بات پر شانزے ہکا بکا سی رہ گئی۔ جب کہ رباب غصے سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"اسے کیا ہوا۔۔۔؟" شانزے نے پہلی دفعہ اسے اس روپ میں دیکھا تھا اس لیے اس کی پریشانی فطری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر مزید کوئی غور و فکر کرتی' اس کے سیل فون پر آنے والی سرمد کی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" شانزے نے کال اٹینڈ کرتے ہی کہا۔

"تم مجھے چھوڑو یہ بتاؤ' ماہیر کے ساتھ تمہاری صلح ہوئی۔۔۔" سرمد کے خوشگوار لہجے میں کوئی شرارت چھپی ہوئی تھی۔ شانزے کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ ماہیر کے جذبوں سے بے خبر نہیں ہے۔ اس سوچ نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

"جی ہو گئی۔۔۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"کیا کہا اس نے۔۔۔" سرمد نے اسے چھیڑا۔

"کچھ خاص نہیں۔۔۔" وہ گڑبڑائی۔ ویسے بھی وہ سرمد کا احترام کرتی تھی' اس طرح کھل کر کیسے اس کے سامنے اس بات کا اظہار کر سکتی تھی۔

"چلو یہ تو اچھا ہو گیا' یہ بتاؤ' میری ماما اور نانو تمہیں کیسی لگیں۔۔۔؟" سرمد کے لہجے میں تجسس ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"سب لوگ اچھے تھے لیکن آپ کی نانو سے مجھے بہت اپنائیت سی محسوس ہوئی۔" شانزے نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہاں وہ مجھے بھی بار بار کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں دوبارہ اپنے گھر لے کر آؤں۔" سرمد نے اسے حیران کیا۔

"تو آپ نے کیا کہا۔۔۔؟" شانزے نے جھجک کر پوچھا۔

"میں نے کہا کہ اب ماہیر ہی لے کر آئے گا۔" اس کے ذومعنی انداز پر شانزے کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

"ماہیر کیوں۔۔۔؟" وہ بھی انجان بن گئی۔

"ظاہر ہے ایسی ہمت وہ ہی کر سکتا ہے' مجھے تو بڑے ابا سے بہت ڈر لگتا ہے' کیا پتا کسی دن تمہارے سامنے ہی بے عزت کر دیں۔" سرمد کھل کر ہنسا۔ شانزے بھی اس کی باتوں پر مسکراتے ہوئے اگلے دس منٹ تک بات کرتی رہی۔ فون بند کر کے اس نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں۔ ماہیر کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اس نے گھبرا کر فوراً" آنکھیں کھول لیں۔ وہ ساری رات اس نے بڑی مشکل سے کاٹی تھی' سوتے جاگتے وہ ناراض نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ رات ڈھائی بجے وہ جھنجلا کر بیٹھ گئی' رباب نے نیند بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے اس وقت۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے' مجھے بھی ماہیر تیمور سے محبت ہو گئی ہے۔" اس نے سر جھکا کر شرمندگی سے اعتراف کیا۔ رباب آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم کہیں خواب میں تو باتیں نہیں کر رہیں۔" رباب رات کے اس پہر بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔

"بکواس بند کرو' یہاں نیند کے لیے آنکھیں ترس گئی ہیں اور تمہیں چوچلے سوجھ رہے ہیں۔" شانزے کے لہجے میں کوفت اور بیزاری کا عنصر نمایاں تھا۔

"ویسے تم دونوں ہو ایک جیسے۔" رباب نے جمائی لیتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"وہ کیسے۔" وہ حیران ہوئی۔

"اس نے بھی محبت کا اظہار ایسے کیا تھا جیسے لٹھ مار رہا ہو اور تم بھی جواباً" ایسے اعتراف کر رہی ہو جیسے کسی سے لیا ہوا ادھار بادل نخواستہ واپس لوٹا رہی ہو۔" رباب کے طنزیہ انداز پر شانزے کھلکھلا کر ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا' وہ واقعی کچھ معاملات میں بالکل اس کے جیسی تھی۔ تب ہی تو دونوں کی کیمسٹری اتنی جلدی میچ کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بختاور کو ہاسٹل سے گئے پانچ دن ہو گئے تھے جب نیلم کو عام سی ڈاک میں ایک نیلے رنگ کا لفافہ موصول ہوا۔ اس پر بختاور کی لکھی تحریر وہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس نے انتہائی بے صبری سے لفافے کو کھولا تو اس کے ہاتھ میں دو کاغذ آگئے' ایک تو بختاور اور ہاشم کا نکاح نامہ تھا اور دوسرا بختاور کا مختصر سا خط' نیلم کی نگاہیں۔ بڑی تیزی سے اس کاغذ پر لکھے حروف پر دوڑ رہی تھیں۔

پیاری نیلم۔۔۔!

میں تم سے بہت زیادہ شرمندہ ہوں' نیلم! میں نے تمہیں آخری لمحے تک اندھیرے میں رکھا' لیکن میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ زندگی میرے لیے اتنی آسان نہیں ہے' اس کا اندازہ مجھے ابھی سے ہو گیا ہے۔ میرے لیے بہت زیادہ دعا کرنا۔ میں اپنا اور ہاشم کا نکاح نامہ اس لیے بھجوا رہی ہوں کہ تم مجھے غلط نہ سمجھو اور اگر مناسب سمجھو تو اس کی ایک کاپی میرے گھر کے ایڈریس پر بھی پوسٹ کر دینا۔

تمہاری بختاور۔

"کس کا خط ہے۔" نیلم کی نئی روم میٹ نایاب نے تجسس سے پوچھا۔

"میری ایک کزن کا۔" نیلم نے دانستہ لاپروا انداز اپنایا۔ بختاور کے والدین اس کا باقی سامان لے گئے تھے اور جیسے ہی اس کا کمرہ خالی ہوا تھا وارڈن نے فوراً" سوشیالوجی کی نایاب کو اس کے کمرے میں بھجوا دیا تھا۔

"تمہاری فرینڈ بختاور کا کچھ پتا چلا۔؟" نایاب نے اچانک ہی اس سے پوچھا' وہ ہلکا سا گڑبڑا سی گئی۔

"بتایا تو تھا میں نے وہ اپنی آنٹی کے گھر سرگودھا میں رہ رہی ہے۔" نیلم نے بختاور کا خط احتیاط سے اپنی فائل میں رکھتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"اگزام دے گی کہ نہیں۔؟" نایاب کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آیا' ویسے بھی بختاور کے بارے میں اس ہاسٹل میں ابھی تک کئی کہانیاں گردش کر رہی تھیں اور نیلم کو سب سے زیادہ حیرت اس کا نام ہاشم کے ساتھ لیے جانے پر ہوئی تھی۔ اسے پہلی دفعہ

احساس ہوا تھا کہ لوگ اتنے بھی بے خبر اور بے وقوف نہیں ہوتے۔

"پتا نہیں۔۔۔" نیلم نے مختصرا" جواب دے کر الماری سے استری کرنے کے لیے اپنے کپڑے نکالے۔

"میں نے تو سنا ہے اس نے کمپیوٹر سائنسز کے ہاشم کے ساتھ کورٹ میرج کرلی ہے' وہ بھی تو آج کل کیمپس میں نظر نہیں آ رہا۔" نایاب کی رپورٹ خاصی پکی تھی۔

"وہ کیسے نظر آئے گا یار' اس کے امتحان ہو چکے' اب تو رزلٹ آنے والا ہے۔" نیلم کے لہجے میں بیزاری تھی۔ جیسے وہ اس ٹاپک پر بات کرنا نہ چاہ رہی ہو۔

"تو شادی والی بات جھوٹ ہے کیا۔۔۔؟" نایاب کو خاصی مایوسی ہوئی۔

"ہاں۔۔۔" نیلم نے اس فائل کو اپنے بیگ میں احتیاط سے رکھتے ہوئے جھوٹ بولا' جس میں بختاور اور ہاشم کا نکاح نامہ موجود تھا۔

فائل رکھنے کے بعد اس نے بیگ کو تالا لگایا اور اسے چارپائی کے نیچے دھکیل دیا۔ ساری رات وہ بختاور کو دلہن اور ہاشم کو دولہا کے روپ میں دیکھتی رہی۔ صبح فجر کی نماز پڑھتے ہوئے اس نے خصوصی طور پر دونوں کے لیے دعا کی تھی کہ اللہ انہیں آسانیاں دے۔

☆ ☆ ☆

دوسری طرف کراچی میں ہاشم اور بختاور کے لیے مشکلات کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہاشم کی کل آمدنی اس کی دکانوں کا کرایہ تھا' جو اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتا تھا۔ فی الحال وہ بیروزگار تھا اور اپنی کمپیوٹر سائنسز کی ڈگری کے انتظار میں تھا۔

"گھر کا کچھ بنا۔۔۔؟" اس دن وہ تھکا ہارا اصفدر کے ساتھ گھر لوٹا تو بختاور نے جھجک کر اس سے پوچھا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے' دونوں کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی کیونکہ صفدر کی بیوی کسی دن بھی لوٹ کر آ سکتی تھی۔

"جو گھر اچھے علاقوں میں ہیں' ان کا کرایہ ہی بہت زیادہ ہے۔۔۔" ہاشم نے آلو شوربے کے سالن کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر یہیں کہیں کوئی گھر دیکھ لیں۔۔۔" بختاور نے ایک سرد آہ بھر کر مشورہ دیا۔

"یہ علاقہ تو تمہیں پسند نہیں۔۔۔" ہاشم نے افسردگی سے اسے یاد دلایا' وہ اپنی طرف سے بختاور کو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن معاشی حالات منہ کھولے دونوں کی خوشیاں نگلنے کو تیار تھے۔

"ہر چیز انسان کو اپنی پسند کے مطابق تھوڑا ملتی ہے۔۔۔" بختاور نے آہستہ آہستہ حالات سے سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا تھا۔

"میں تم سے بہت زیادہ شرمندہ ہوں بختاور۔۔۔" ہاشم نے کھانے کی پلیٹ ہاتھ سے پرے کر دی۔۔۔ بختاور ایک دم ہی پریشان ہو گئی۔

"مشکل وقت ہمیشہ تھوڑی رہتا ہے' ان شاء اللہ یہ وقت بھی گزر ہی جائے گا۔" بختاور نے اسے حوصلہ دیا۔ "آپ کھانا کھائیں پلیز' صبح سے گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔"

"مشکلات کا عرصہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو' اسے کاٹنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" ہاشم نے سست انداز میں نوالہ توڑا۔

"آپ ابھی سے ہمت ہار رہے ہیں۔۔۔" بختاور نے محبت اور نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"ہاں اور پتا ہے کیوں۔۔۔؟" ہاشم کی بات پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایک ہفتے میں تمہارے چہرے کی ساری تر و تازگی کہیں کھو گئی ہے' مجھے معلوم ہے تم اس گھر میں کمفرٹیبل نہیں ہو' یہ احساس میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔" ہاشم نے ٹرے ایک طرف رکھی اور لیٹ گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ہاشم' میں چاہتی ہوں' چاہے ایک کمرے کا سہی' اپنا گھر ہو' جہاں میں آزادی

سے گھوم پھر سکوں۔" بختاور نے پہلی دفعہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا' وہ جانتا تھا کہ بختاور' صفدر کی بیگم سے خائف تھی جو کسی بھی دن واپس آسکتی تھی۔

"ایک گھر آج دیکھا ہے لیکن وہ ایڈوانس بہت زیادہ مانگ رہا ہے' ہو سکتا ہے کل اس سے مذاکرات ہو جائیں تو ان شاء اللہ ہم لوگ پرسوں وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔" ہاشم نے اسے تسلی دی تو وہ مسکرا دی۔

"اچھا ایک کپ چائے کا تو بنادو۔" ہاشم کی فرمائش پر بختاور جلدی سے اٹھ کر کچن کی جانب آگئی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ واپس آئی تو ہاشم اپنے پیٹ کے ایک جانب ہاتھ رکھے تکلیف کے احساس سے دہرا ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا آپ کو؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو بالکل ٹھیک تھے۔" بختاور ایک دم گھبرا گئی۔ اس نے چائے کا کپ ایک طرف رکھا اور جلدی سے ہاشم کے قریب آئی۔

"لگتا ہے گردے میں درد ہو رہا ہے۔" اس کی درد سے لبریز آواز پر بختاور ایک دم پریشان ہو گئی۔ "کیا پہلے بھی ہوتا تھا؟"

"ہاں کبھی کبھار۔" وہ بمشکل بول رہا تھا۔

"میں صفدر بھائی کو بلا کر لاتی ہوں' یہاں پاس ہی تو جناح ہسپتال ہے' وہاں چلتے ہیں۔" بختاور کو اس کا زرد چہرہ دیکھ کر ہول اٹھ رہے تھے۔

"نہیں' بس رہنے دو' میرے بیگ میں ایک پین کلر پڑی ہے' وہ دے دو۔" ہاشم نے فوراً" ہی اسے منع کیا۔ ٹیبلٹ کھا کر وہ لیٹ گیا تھا اور بیس پچیس منٹ کے بعد جا کر اسے کچھ سکون آیا تھا۔

"ایکچوئلی میری کڈنی میں ایک دو اسٹون ہیں' جو کبھی کبھار تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔" ہاشم نے اس کے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے' اسے مطمئن کیا' وہ بہت زیادہ ڈر گئی تھی' لیکن اس سے بھی زیادہ وہ شام کو صفدر بھائی کی بیوی کے اچانک آنے پر خوف زدہ ہوئی تھی۔

بھاری جسامت اور گہری سانولی رنگت کی حامل وہ خاتون شکل سے ہی تیز طرار لگ رہی تھیں۔ بظاہر وہ اپنے میاں کے سامنے اس سے خوشدلی سے ملی تھیں۔ ان کے تینوں بچوں نے پورے گھر میں ایک طوفان بد تمیزی برپا کر دیا تھا۔ وہ ہاشم کے ٹرالی بیگ کو جھولا بنائے ادھر ادھر گھما رہے تھے۔ صفدر نے ان دونوں کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا تھا' جہاں دو جھلنگا سی چارپائیاں اور ایک میلی سی چٹائی پڑی تھی۔

"آخر کتنے دن سر پر سوار رہیں گے یہ شہزادہ سلیم اور انار کلی۔۔۔؟" رات ہوتے ہی صفدر صاحب کی بیگم رخسانہ پھٹ پڑیں۔ دونوں کمروں کے درمیان میں ایک کھڑکی تھی' جس کا ایک پٹ ٹوٹا ہوا تھا اور رات کی خاموشی میں صفدر صاحب اور ان کی بیگم کی آواز ان کی سماعتوں تک بالکل صاف پہنچ رہی تھی۔

ہاشم نے دوسری چارپائی پر لیٹے ہوئے بے ساختہ ہی بختاور سے نظریں چرائیں۔ جو شام سے رخسانہ کے بیزار انداز پر پریشان تھی۔ اس نے آج رات کا کھانا بھی ڈھنگ سے نہیں کھایا تھا کیونکہ رخسانہ بھابھی جب سے گھر واپس آئی تھیں' مہنگائی کا ہی رونا روئے جا رہی تھیں۔

"ادھر تو اپنا ہی پورا نہیں پڑتا' اوپر سے مہمان لا کر سر پر بٹھا دیے ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بڑبڑائیں۔

"آہستہ بکواس کرو' تمہاری پھٹے ہوئے ڈھول جیسی آواز دوسرے کمرے میں چلی جائے گی۔" صفدر نے ناراضی سے اپنی بیوی کو ٹوکا۔

"جاتی ہے تو جائے' میں کون سا کسی سے ڈرتی ہوں۔" بیوی نے بد تمیزی سے جواب دیا۔

"چپ کرتی ہو یا اٹھ کر لگاؤں ایک۔ آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔" صفدر کو بھی غصہ آگیا۔

"دونوں نے شام سے کمرے کی لائیٹ جلا رکھی ہے' بل ان کا باپ دے گا کیا۔" وہ خاصی بدلحاظ عورت تھی۔

"تمہیں کہا ناں' اپنا والیوم کم رکھو۔" صفدر جھنجلا کر بولا۔

"نہیں بھاگ واگ کر تو شادی نہیں کی انہوں نے"

کل کو کوئی پولیس کچہری کا چکر نہ شروع ہو جائے ہمارے ساتھ۔" رخسانہ نے اس دفعہ پہلے سے نسبتاً دھیمے لہجے میں پوچھا تھا لیکن آواز اتنی بھی کم نہ تھی کہ بالکل ساتھ والے کمرے میں بختاور اور ہاشم تک نہ پہنچتی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" صفدر نے جھوٹ بولا' ورنہ وہ تو ساری بات جانتا تھا۔

"تم بھی اپنا منہ سیدھا ہی رکھنا بختاور بھابھی کے ساتھ' کیونکہ ہاشم کے بہت احسانات ہیں مجھ پر۔" صفدر صاحب نے اس دفعہ ذرا التجائیہ انداز اپنایا۔

"اچھا اچھا' جتنی جلدی ہو سکے' انہیں اپنے گھر میں منتقل کرو' مہنگائی کے اس دور میں مہمان رکھنا کوئی آسان کام تھوڑی ہے۔" رخسانہ کی بات نے ان دونوں کو ہی شرمندہ کیا۔

بختاور نے بے اختیار ہاشم کی طرف دیکھا' اس کی آنکھ میں ایک خاموش دلاسا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک بھید بھری خاموشی کا دورانیہ چل رہا تھا۔ بختاور کے دماغ میں نہ جانے کن کن سوچوں نے بسیرا کر رکھا تھا' وہ ان سے لڑتے لڑتے سو گئی تھی' رات کا نہ جانے وہ کون سا پہر تھا جب اس کی آواز ہاشم کے کراہنے سے کھلی' اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا۔ وہ گھبرا کر ہاشم کے پاس پہنچی' اسے ایک دفعہ پھر گردے میں تکلیف شروع ہو چکی تھی۔ بختاور کے ہاتھ پیر پھول گئے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"صفدر بھائی کو اٹھاؤ' ہمیں ہسپتال جانا ہوگا۔" ہاشم کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلنے والے الفاظ نے بختاور کے اندر پارہ بھر دیا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ صفدر بھائی کے جاگنے اور ہاشم کو ہسپتال لے جانے کے دوران اس نے رخسانہ بھابھی کی آنکھوں میں واضح بیزاری دیکھ لی تھی۔ وہ نیند خراب ہو جانے کی وجہ سے کوفت کا شکار تھیں۔

بختاور ایک گھنٹے کے بعد صفدر بھائی کے ساتھ جناح ہسپتال پہنچی' جہاں ایمرجنسی میں ساری رات گزارنے کے بعد ہاشم کی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ ڈاکٹرز نے الٹراساؤنڈ کر کے بتا دیا تھا کہ اس کے گردے میں موجود پتھریوں کا سائز خاصا بڑا تھا اور انہیں اینڈو یورالوجی کروانے کا بھی مشورہ دے دیا تھا۔ جسے سن کر وہ کچھ پریشان ہو گئے تھے۔

صبح جیسے ہی سینئر ڈاکٹرز کا راؤنڈ شروع ہوا۔ ہاشم کی طبیعت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ اس لیے صفدر بھائی مطمئن ہو کر ناشتہ کرنے کے لیے گھر چلے گئے' انہوں نے بختاور کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی' لیکن بختاور ایک منٹ کے لیے بھی ہاشم کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"آپ ڈاکٹر حماد کی بھتیجی ہیں ناں' بختاور۔؟" بختاور جو کہ ہاشم کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے ایک دم بوکھلا کر اپنے سامنے کھڑے ڈاکٹر ظہیر کو دیکھا۔ وہ ان کو پہچان چکی تھی' اس لیے بوکھلاہٹ اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

"آپ تو پنڈی میں نہیں ہوتے تھے بھلا۔؟" اس کا دل ایک دم ہی پریشان ہوا۔

"جی بیٹا' ابھی پچھلے سال میری یہاں پوسٹنگ ہوئی ہے' یہ آپ کے ہسبنڈ ہیں کیا؟" وہ اسے دیکھ کر خاصے خوش ہوئے' ڈاکٹر ظہیر اس کے چچا کے بیسٹ فرینڈ تھے اور ان کے ہاں بھی خوب آنا جانا تھا۔ آج اتفاق سے بختاور کا ان سے سامنا ہو گیا تھا اور وہ اب دل ہی دل میں خوب پریشان ہو رہی تھی۔

"جی۔!" اس نے نظریں چرا کر کہا۔

"بہت بے مروت نکلا حماد' بھتیجی کی شادی میں بلایا ہی نہیں' آج ہی اس کی خبر لیتا ہوں۔" ڈاکٹر ظہیر کی بات پر بختاور نے بوکھلا کر ہاشم کی طرف دیکھا جو اس بات پر خود بھی خاصا بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کو لگ رہا تھا کہ وہ خاصے برے پھنس چکے ہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

For Next Episodes Visit
Paksociety.com

ناولٹ

تارکول کی لمبی سڑک پر پچھلے دو گھنٹے سے وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ راستہ تھا کہ کٹتا نہ تھا اور منزل جانے کہاں تھی۔ سخت زمین پہ اس کے پاؤں تیزی سے گھسٹ رہے تھے۔ چپل جانے کہاں رہ گئی تھی تاحد نظر کسی ذی روح کا شائبہ تک نہ تھا۔ سورج اپنی پوری تابناکی سے برس رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے آنکھوں پر چھجا سا بنایا کہ اسی اثنا میں درد کی ایک شدید لہر اس کے بائیں پاؤں کی ایڑی سے ہوتی ہوئی تمام جسم میں سرایت کر گئی۔ اس نے رک کر کنارے پڑے پتھر کو اپنی وقتی قیام گاہ بنایا اور ڈھیر ہو گئی۔ جھک کر

آہ بھری۔ پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے پیاس کی شدت کو محسوس کیا اور نظریں۔ پانی کی تلاش میں یہاں سے وہاں گھوم کر ناکام لوٹ آئیں اس کے تمام رشتے جو خون کے تھے سیلاب کی نذر ہو چکے تھے اور باقی ماندہ دور پرے کے رشتہ داروں کا جو بھیانک روپ اس کے سامنے کھلا تھا اسے دوبارہ ذہن میں دُہراتے ہوئے بھی جھرجھری سی آ گئی تھی۔ وہ انہیں سوچوں میں غلطاں تھی کہ ایک سیاہ پجارو زناٹے سے رکی۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں بچی تھی کہ وہ سر اٹھا کر دیکھ سکے کہ آنے والا کون ہے اور رکا کس لیے ہے۔

ہما چودھری

دل کی عید منائیں کس طرح

پاؤں کا جائزہ لیا تو جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔

آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ آخر تقدیر اسے مزید کیا سبق سکھانا چاہ رہی تھی۔ اب وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس سے مدد مانگے؟ کئی سوالات اس کے سامنے کھڑے تھے مگر جواب ندارد۔

دور دور تک سڑک خالی تھی ۔یعنی تعاقب میں آنے والے بہت دور رہ چکے تھے۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا اور شانوں پر ڈھلکی ہوئی چادر کو اپنے سر اور ارد گرد لپیٹ لیا۔ سر اٹھا کر کھلے آسمان کو تکنے لگی۔ جیسے بارگاہ ایزدی میں شکوہ کناں ہو کہ الٰہی! اب کون سی آزمائش باقی ہے۔ اب میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا آخر۔

آہ۔ لرزتے سرخ پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں نے

وہ اپنی چادر میں مزید سمٹی اور ایک خیال کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا۔ آنے والا اس کی مدد کی نیت سے رکا ہے یا پھر کوئی اور امتحان کوئی اور آزمائش اس کی منتظر ہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

"یہ کیا ہوا؟" ایک چیخ کی صورت اس کے حلق سے برآمد ہوا۔

"بس اتنا ہی ۔۔اب آگے کیا ہو گا؟" اس نے ڈائجسٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا۔

"مائرہ۔" پاٹ دار آواز گونجی اس نے آواز کی سمت دیکھا جہاں عائزہ خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تم نے میری اسائنمنٹ کا بیڑہ غرق کر دیا' خدا

تمہیں سمجھے۔" اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔

اس نے اپنی گود میں دھرا ہوا کاغذ کا پلندا دیکھا' جو کچھ دیر قبل عائزہ اسے نظرثانی کے لیے دے کر گئی تھی۔ مگر اب وہ آنسوؤں سے تربتر تھا۔ اس نے کسی قدر خفت اور خجالت سے چہرے پر آئے بالوں کو کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میں پوچھتی ہوں آخر تمہارا کون مرگیا ہے؟ جس کے لیے تم یوں نیر بہار ہی ہو۔" وہ دھاڑتے ہوئے اس پر جھپٹی۔ اس نے اپنے دفاع کے لیے اپنی نشست برخاست کی اور ڈائجسٹ یک دم زمین بوس ہوگیا جس میں کھو کر وہ دنیا و مافیہا کو بھولے بیٹھی تھی۔

"وہ... مم... میں اصل میں وہ۔" اس نے ہکلاتے ہوئے عذر تراشنے کی کوشش کی۔

"کیا۔ مم۔ مم لگا رکھی ہے۔ اب میں یہ دوبارہ کیسے کروں گی۔ کل سب مٹ کروانے تھے میں نے۔" اس نے جلالی انداز میں پوچھا۔

مائرہ کو بھی اندازہ ہوا کہ اب کچھ نہیں ہونے والا۔ اس نے ہمت دکھائی اور تن کر کھڑی ہوگئی اور کسی قدر رعب دار انداز اختیار کیا۔

"اچھا۔ اچھا ہوگئی غلطی! اب کیا جان لوگی۔ کروں گی تمہاری اسائنمنٹ تیار' تمہاری والی تو ایک دم بکواس تھی۔ میں نے پڑھ لی تھی۔ میں اس سے کہیں بہتر اسائنمنٹ تیار کرسکتی ہوں۔" اس نے گیلے صفحوں کا پلندہ اس کے سامنے لہرایا۔

اس کے یک دم جون بدلنے پر عائزہ حیران ہو کر رہ گئی پھر سنبھل کر بولی۔

"ہاں۔ ہاں صبح تک مجھے تیار چاہیے۔ ہر حالت میں اور کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" اس نے کہا اور چلتی بنی کیوں کہ اسے پتا تھا وہ یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتی ہے اور ویسے بھی اس نے اپنی آدھی سے بھی کم بنی ہوئی اسائنمنٹ اس کی گود میں اسی لیے تو دھری تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق صفحے بھیگ چکے تھے۔

آگے کی کہانی تو آسان ہے یعنی عائزہ اپنی مکارانہ سازش سے مائرہ جیسی معصوم سے کام نکلوانا جانتی تھی۔ لیکن ایک منٹ کیا... مائرہ واقعی اتنی معصوم ہے۔

مائرہ جبران احمد یونیورسٹی کی ٹاپر جس کی اسائنمنٹ پڑھے بغیر پروفیسرز جانتے تھے کہ "بہترین" ہے۔ وہ یہ اچھوتے آئیڈیاز کہاں سے لیتی ہے... تو معاملہ کچھ اس طرح ہے کہ جب عائزہ اپنی کام چوری کی وجہ سے اپنا آدھا ادھورا کام مائرہ کے سر تھوپ دیتی ہے تو اپنی دانست میں وہ اپنی ذمہ داری اس پر ڈال کر آزاد ہوجاتی ہے۔ تب مائرہ اس کے فضول سے آئیڈیے کو تراشتی ہے اور ایک شاہکار اپنے لیے تیار کرلیتی ہے۔ جو نہ تو عائزہ جیسی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی لحاظ سے جھول لیے ہوتی ہے کیونکہ جھول تو سارے عائزہ کی اسائنمنٹ میں رہ جاتے ہیں۔ سمجھا کریں نا... دھوکا تو ہے مگر حقیقی زندگی تو یہ ہی ہے... کچھ کھٹی کچھ میٹھی اور کچھ چٹ پٹی۔

☼ ☼ ☼

سارا دن اسے اس کی پسندیدہ مصنفہ کی دکھیاری ہیروئن نے پریشان رکھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اس بیچاری ہیروئن کو مزید بیچارہ ہونے سے بچالے۔ تقریباً آدھی رات کے قریب جب وہ دل میں دکھ اور افسوس کے جذبات لیے اسائنمنٹ تیار کرنے میں پوری طرح سے منہمک تھی کہ اچانک بیرونی گیٹ کے کھلنے کی آواز گونجی۔

"اس وقت کون آسکتا ہے۔" فوری خیال آیا۔ پھر مارے تجسس کے اس نے سب پھیلاوا ایک طرف کیا اور کھڑکی تک آئی۔ گیٹ سے سیاہ پجارو اندر داخل ہو رہی تھی۔

وہ کھڑکی کے پردے کے پیچھے چھپ گئی کیونکہ اس پجارو میں آنے والے کی شخصیت اس کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہ تھی۔ علاؤالدین اس کا تایا زاد ڈی ایس پی تھا اور تھانے سے زیادہ وہ یہ ڈیوٹی گھر پر کرنے

کے موڈ میں رہتا۔ ہر وقت شیر خاں بنا گھومتا رہتا۔

اس نے پردے کی اوٹ سے دیکھا۔ علاؤ الدین اپنے تمام جاہ و جلال اور طمطراق کے ساتھ برآمد ہوا اور پیچھے والا دروازہ کھول کر چادر میں لپٹی ہوئی شخصیت کو تقریباً" گھسیٹتے ہوئے باہر نکالا اور دھکیل کر اندر کی جانب لے جانے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر جیسے اس کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی۔ ایک عورت ہو کر دوسری عورت پر ہونے والی زیادتی وہ کیسے سہ جائے آخر کیسے۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے حکمت عملی تیار کرنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کچھ ہی دیر میں اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ اس کے ذہن میں خیال آیا۔

"میں نذیراں بی بی جی! بڑے صاحب نے آپ کو اور تمام گھر والوں کو لاؤنج میں بلوایا ہے۔"

"اس وقت۔ اس وقت کیوں بلوایا ہے؟" اس نے بند دروازے سے ہی آواز بلند کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں بتا سکتی بی بی جی! آپ جا کر پوچھیں۔" اس نے عاجزانہ کہا۔

"اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔" نذیراں کو بھیج کر وہ ہنوز ویسے ہی کھڑی رہی کیونکہ دماغ الجھا ہوا تھا۔ آخر وہ عورت کون ہو سکتی ہے۔ کیا علاؤ الدین نے اسے گھر سے اٹھوایا ہے یا پھر وہ خود بھاگ کر یہاں تک پہنچی ہے۔ یا پھر معاملہ کچھ اور ہے۔ علاؤ الدین جیسا بھی سخت گیر سہی مگر وہ شریف النفس تو تھا۔ اس بات کی قسم تو گھر کے ملازمین بھی اٹھا سکتے تھے مگر پھر وہ مظلوم آخر ہے کون۔ اس نے یہاں سے وہاں چکر لگاتے ہوئے سوچا۔

"کچھ بھی ہو مجھے اسے اس ظالم داروغے کے نرغے سے بچانا ہی ہو گا۔" اس نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کیا۔ اسی دوران دروازہ پھر سے کھٹکھٹایا گیا۔

"بی بی جی! جلدی چلیں نا' صاحب نے کہا ہے کہ سب کو بلا کر لاؤ۔" اس نے منت بھرے انداز میں استدعا کی۔

"اچھا تم چلو میں آئی۔" اس نے کہا۔ لیکن دماغ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی تھی اور فی الحال اس کی توجہ کا مرکز وہ کام ہرگز نہ تھا۔ جس کے لیے رات کے اس پہر سب کو اکٹھا کیا گیا تھا۔ ابھی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا کہ نظر چادر میں لپٹے' سمٹے وجود پر پڑی۔ وہ مظلوم ہستی سب کے بیچوں بیچ گٹھڑی کی صورت زمین پر ڈھیر تھی اور سب کروفر سے اس کے اردگرد اکٹھے تھے۔ بس یہ دیکھنا تھا کہ اس کے ذہن میں صبح کی کہانی کا منظر ایک دم سے تازہ ہو گیا اور دل میں، ہمدردی اور ترحم کا جذبہ قلانچیں بھرنے لگا۔

ابھی وہ کچھ بولنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ علاؤ الدین اس مظلوم ہستی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ میٹر کی تیزی سے ایک ہی جست میں اس کے آگے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"اس تک پہنچنے سے پہلے تمہیں میری لاش پر سے گزرنا ہو گا۔" علاؤ الدین ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا اور کچھ دیر کے لیے تو بھونچکا رہ گیا اور وہ ہی نہیں وہاں موجود سب افراد دم بخود تھے۔

"تم ہوش میں تو ہو۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟" اپنے حواسوں میں لوٹتے ہوئے اس نے گھور کر کہا۔

"میں تو ہوش میں ہوں لیکن آپ مجھے ہوش میں نہیں لگ رہے مسٹر علاؤ الدین خلیل احمد صاحب!" اس نے گردن اکڑا کر اور دانت پیس کر کہا۔

"اور اگر اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو آپ ہوش میں رہیں گے بھی نہیں محترم ڈی ایس پی صاحب!" اس نے چبا چبا کر کہتے ہوئے شیرنی کی طرح دھاڑ ماری اور ایسا کرتے ہوئے پنجابی فلموں کی یاد دلا گئی۔ اپنی بات میں مزید وزن پیدا کرنے کے لیے سینٹر ٹیبل سے گلدان بھی اٹھالیا اور سیدھا اس پر تان لیا۔

"کیا بے ہودگی ہے یہ۔ ایک انجان کے لیے تم مجھے نقصان پہنچاؤ گی؟" علاؤ الدین نے غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے پوچھا۔

"انجان نہیں ہے یہ میرے لیے اور اس وقت اس

بھری دنیا میں اس کا مجھ سے بڑھ کر اپنا کوئی نہیں ہے۔" اس نے ایک دفعہ پھر شیرنی کی دھاڑ لگائی۔

سارے لاؤنج میں یک لخت سناٹا چھا گیا۔ صورت حال یکدم سنگین ہوئی۔

"کیا۔ کیا کہا تم نے؟" کڑے تیوروں سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہی جو سنا ہے تم نے۔ میں اپنی جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کروں گی۔" اس نے مزید مستحکم لہجے میں کہا۔

"کب سے جانتی ہو تم اسے؟ کہاں ملی تھیں تم اس سے؟ کب سے شروع ہے یہ سب واہیات؟" اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے ایک ساتھ کئی سوال داغے اور جواب سننے کے بجائے ایک دم پیچھے مڑا۔

"لیجیے ملاحظہ فرمایئے! اپنی لاڈلی کے کرتوت!" وہ طنز سے پُر لہجے میں کاکا جانی سے مخاطب ہوا۔ "اور چڑھائیں سر پر۔ چکھ لیا مزا اپنی بلاوجہ کی آزادی اور بے جا لاڈ پیار کا۔ بچی ہے' سمجھ جائے گی۔ یہ بچی کے کارنامے ملاحظہ فرمائیں ذرا۔" اس نے غصے اور نفرت بھری نظر مائرہ پر ڈال کر کہا۔

"لڑکی! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیا اناپ شناپ بکے جا رہی ہو۔" اب کے تائی اماں نے اس کی طرف پیش قدمی کی۔

"ایک قدم بھی آگے مت بڑھایئے گا۔ تائی اماں!" اس نے گل دان کو ان پر تانتے ہوئے پورے جوش سے کہا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے اس طرح آپ اپنے بیٹے کے کرتوتوں پر پردہ ڈال لیں گی۔ ایسا سوچیے گا بھی مت۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کا کوئی بھی پراگندہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ سنا آپ نے۔" ڈائیلاگ مار کے وہ استہزائیہ ہنسی پھر سب پر دھاک بٹھانے کے لیے ہنسی کو بلاوجہ لمبا کیا اور کرسٹل کا گل دان جو ایک وائلن کی شکل کا تھا اور جس کی ایک چونچ بالکل کسی تیز دھار آلے کا کام کر سکتی تھی' وہی چونچ تائی اماں کی ٹھوڑی پر لگا کر گھورنے لگی۔

"میرے بیٹے کے کرتوت۔" تائی اماں نے شہادت کی انگلی اپنی طرف کی اور ورطہ حیرت میں پڑ گئیں۔

"جی!" اس نے جی کو کھینچا۔

"اور اب یہ جب تک یہاں ہے' ماہ دولت کی نگرانی میں میرے کمرے میں رہے گی۔" اپنے زعم میں اس نے تاریخ کا انوکھا معرکہ سرانجام دیا اور سب بڑوں کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھا اور ایسا کرتے ہوئے احمقوں کی سردار لگ رہی تھی۔

"بس! بہت ہو گیا۔ اب اس سے آگے تم ایک لفظ نہیں بولو گی۔" علاؤالدین نے غضب ناک آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو گیا؟" سکینہ بیگم نے اپنی چھاتی پیٹ لی۔

کاکا جانی دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر ایک جانب کرسی پر ڈھے سے گئے مگر زبان سے ایک حرف غلط نہ کہہ پائے۔

"اے لڑکی! کب سے جانتی ہو اسے؟" اب کے تایا جان طیش کے عالم میں آگے بڑھے۔

"لڑکی؟" اس نے اپنے چہار اطراف نظریں گھمائیں۔ تایا جان نے تو اسے ہمیشہ مانو یا مائرہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ یہ لڑکی کون ہے آخر' وہ کھڑے کھڑے سوچ میں ڈوب گئی۔

"اب احمقوں کی طرح بغلیں کیوں جھانک رہی ہو؟ میں تم سے مخاطب ہوں۔ جواب دو' کہاں ملی ہو اس سے اور کب سے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو بتاؤ۔"

"میں؟" اس نے ناسمجھی سے ان کی جانب دیکھا۔

"اب پتھر کی بت کیوں بن گئی ہو۔ بتاؤ کب سے جانتی ہو تم افق ارسلان کو۔" علاؤالدین نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"افق ارسلان۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ "میں جانتی ہوں اسے۔" وہ خود سے گویا ہوئی۔ علاؤالدین نے اس کا بازو دبوچ کر جھٹکا دیتے ہوئے استفسار کیا۔

"جلدی بولو۔ کب سے جانتی ہو؟"

"تب سے جانتی ہوں۔ جب سے قراقرم کا تاج محل پڑھا ہے۔" اس نے دبنگ آواز میں کہا۔ مگر اندر اندر ہی حیران ہوئی کہ وہ یہاں کہاں سے آگیا۔

"قراقرم کا تاج محل" علاؤالدین نے اس کی بات جیسے دہرائی۔

"ہاں قراقرم کا تاج محل!" مائرہ نے معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا یہ کھسک گئی ہے۔ پاگل ہوگئی ہے۔" اس نے پاگل پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "یا پھر نشہ کرنے لگی ہے۔" اس نے باقاعدہ منہ قریب لاکر سونگھنے کی سعی بھی کرڈالی۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

"اس میں پاگل پنے کی کیا بات ہے۔" اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تاج محل آگرہ میں ہے بی بی! قراقرم پر نہیں اور تم نہ تو قراقرم گئی ہو نہ ہی تاج محل۔ صحیح سے جواب دو۔ کہاں ملی ہو اس سے ورنہ۔" اس نے ایک دفعہ پھر بازو دبوچا۔

"تم بلاوجہ غصہ کرکے اصل بات سے سب کا دھیان ہٹانے کی کوشش کررہے ہو۔"

اس نے حتمی انداز اپناتے ہوئے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا فیصلہ سنایا اور مڑکر غموں کی گٹھڑی کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی، مگر یہ کیا۔۔۔ جس قدر وہ اسے اٹھانے کی سعی کررہی تھی، مقابل اسی قدر پیچھے کو زور آزمائی کرتی۔ اس نے اس کی پردہ کشائی کرنے میں ہی عافیت جانی اور پھر اگلے ہی پل ایک زوردار چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

"یہ کون ہے؟" جسے وہ غموں کی پوٹلی اور مظلوم عورت سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک ہٹا کٹا تنومند مرد تھا۔ جو رسیوں میں جکڑا تھا۔ اور اس کے منہ پر اسکاچ ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ وہ یک لخت پیچھے ہٹی۔ بھاگ کر تائی اماں کی اوٹ میں جا چھپی۔

"یہ آپ کا افق ارسلان۔ جس سے آپ قراقرم کے تاج محل میں ملی تھیں۔" علاؤالدین نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔

"میں تو اسے نہیں جانتی۔ بالکل بھی نہیں قسم سے۔ اور وہ تو نمرہ احمد کے ناول "قراقرم کا تاج محل" کا ہیرو ہے "افق ارسلان" یقین جانیں میں اسے نہیں جانتی میں تو سمجھی تھی کہ یہ کوئی مظلوم عورت ہے، جسے آپ نہ جانے کہاں لے جانے والے ہیں۔" اس نے کسی قدر سہمے ہوئے انداز میں اپنی بات پوری کی۔

"کیا۔ یا۔ یا۔" یک زبان سب چیخ اٹھے۔ اور جب اسے اپنی حماقت کا اندازہ ہوا تو وہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھی۔

☼ ☼ ☼

علاؤالدین کے محکمے نے اسے ایک مجرم کی کسٹڈی دی تھی جو کہ تین دفعہ مفرور ہوچکا تھا اور تینوں دفعہ بھاگنے میں اس کے عملے میں سے ہی کچھ افراد نے مدد فراہم کی تھی۔ اس لیے وہ ان میں سے کسی پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا تاکہ بہتر طور پر اس سے تفتیش کرسکے اور وہ فرار بھی نہ ہوسکے۔ اس کے لیے اس نے بہت جدوجہد سے اجازت حاصل کی تھی اور یہی سب بتانے کے لیے بڑے ابا یعنی تایا جان نے سب کو بلوایا تھا تاکہ سب آگاہ ہوجائیں اور سب آ بھی گئے تھے اور اس کی آمد تب ہوئی، جب علاؤالدین مجرم

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

ہمسفر

فرحت اشتیاق

قیمت ۔۔۔ -/400 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

افق ارسلان کی تمام تر معلومات فراہم کرچکا تھا اور مجرم کو ایکسی منتقل کرنے والا تھا۔ وہ مجرم کئی طرح کے ڈاکوں، چوریوں، قتل و غارت گری اور اسٹریٹ کرائم میں ملوث تھا۔

یہ سب معلومات اسے بعد میں عائزہ کی زبانی پتا چلی تھیں۔ خود وہ تو جی بھر کر نادم تھی سب سے اور علاؤ الدین سے بھی کہ جس کے غصے سے نظام الدین ولا کے درو بام کانپتے تھے۔ اس کے سامنے یوں تن کر کھڑے ہونے کے بارے میں وہ عام حالات میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اور اس دن۔ اس نے جھر جھری لی تھی۔

☆ ☆ ☆

مائرہ کے والد صاحب دو بھائی ہیں۔ دونوں ٹیکسٹائل کا مشترکہ کاروبار کرتے ہیں۔ خلیل احمد اور جبران احمد۔ نظام الدین ولا میں اکٹھے رہتے ہیں۔ دونوں کی نصف بہتر بھی آپس میں تایا زاد، چچا زاد ہیں۔ خلیل احمد بڑے ہیں۔ ان کی بیوی کا نام ذکیہ ہے۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹی **علیشا** شادی شدہ ہے اور علاؤ الدین اور محی الدین۔

جبران احمد کی بیوی کا نام سکینہ ہے اور ان کی دو ہی بیٹیاں ہیں مائرہ اور عائزہ۔ دونوں تین سال کے فرق کے باوجود ایک ہی کلاس بی بی اے آنرز کے فائنل ایر میں ہیں۔ محی الدین بھی ان ہی کی یونیورسٹی سے ایم بی اے کررہا ہے اور اس کا بھی یہ آخری سمسٹر ہے۔

مائرہ، عائزہ سے ہی نہیں سارے گھر سے چھوٹی ہے اور سب اسے پیار سے مانو بلاتے ہیں اور ان دونوں کے کارناموں سے گھر کے درو دیوار گونجتے ہی رہتے ہیں مگر یہ واقعہ مائرہ کی زندگی کا المناک ترین واقعہ تھا جس کے لیے وہ علاؤ الدین سمیت سب سے شرمندہ تھی۔

☆ ☆ ☆

اس دن کے واقعے کے بعد وہ خود ساختہ شرمندگی میں گھری تھی اور گھر کے بڑوں سے کترا رہی تھی یہاں تک کہ کھانا بھی کمرے میں ہی کھاتی تھی مگر کب تک وہ ایسا کرسکتی تھی۔ ایک نہ ایک دن تو اسے سب کا سامنا کرنا ہی ہوگا۔ مگر پہلے کوئی ایسا ہو جو اس کی پوزیشن بڑوں کے سامنے صاف کردے۔ اس سوچ کا آنا تھا کہ اس نے عائزہ کے کمرے کا رخ کیا کہ مصیبت میں تو گدھے کو بھی باپ بنالیتے ہیں یہ تو پھر میری بہن ہے۔ بنا دستک دیے وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ عائزہ کاؤچ پہ بیٹھی بے فکری سے ٹی۔ وی دیکھ رہی تھی۔ اور نیل پالش لگارہی تھی۔

"عائزہ! تم میری بہن ہو اور مصیبت میں اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں اور ویسے بھی تم مجھ سے بڑی ہو تو اس ناتے تمہیں میری مدد کرنا ہی ہوگی۔" اس نے جہاں بھر کی **مسکینیت** اپنے چہرے پر طاری کرتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا۔

"کیسی مدد۔" عائزہ نے دو لفظی جملہ ادا کیا اور پھر اسی کام میں غرق ہوگئی۔ مائرہ نے ناگواری سے اس کی مصروفیات اور اس کی غیر سنجیدگی کو دیکھا اور پھر سے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

"جانتی تو ہو تم علاؤ الدین کے مجرم والی بات۔ میں حقیقتاً" نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے۔ میں تو بس اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ اب ہوگئی حماقت تو کیا کروں۔ میں شرمندہ ہوں۔" اس نے اپنا موقف واضح کرنے کی کوشش کی۔

"تو میں کیا کرسکتی ہوں۔ جاکر سب سے معافی مانگ لو۔ بات ختم۔" اس نے بے توجہی سے چینل بدلتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ پر میں چاہتی ہوں کہ تم میری پوزیشن پہلے سب کے سامنے کلیئر کردو۔ آخر تم میری بڑی بہن ہو۔" اس نے اپنا مدعا اس کے سامنے رکھا اور پھر سے بہن ہونے کی دہائی دی۔

"مجھے کیا ملے گا ایسا کرنے سے اور یہ کیا تم نے بار بار بڑی بہن بڑی بہن کی رٹ لگا رکھی ہے۔ عائزہ جبران احمد نام ہے میرا۔ اسی نام سے بلایا کرو مجھے۔" اس نے تمام معاملے سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تو کیا بہن ہونے کے ناتے تم میرے لیے اتنا بھی

نہیں کر سکتیں۔" اس نے روہانسی صورت بناتے ہوئے کہا اور اس کے گھٹنوں میں آبیٹھی۔

"کر تو رہی ہوں ڈیر سسٹر! تمہارے لیے مما سے کہا ہے میں نے کہ جیسی تمہاری چھچھوری اور فضول حرکات ہیں، تمہیں مزید تعلیم حاصل کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور وہ رشتے کروانے والی سے بات بھی کر چکی ہوں، دیکھو اب تمہارے نصیب میں کیا لکھا ہے۔" اس نے بلاوجہ پیار بگھارتے ہوئے اپنے آج کی تاریخ میں کیے جانے والے مکروہ کارنامے بھی اس کے گوش گزار کیے۔

"تو یہ کیا ہے تم نے میرے لیے 'ایک بہن ہونے کے ناتے۔" مائرہ نے غصے سے لال ہوتے چہرے کے ساتھ پوچھا۔

"اوں ہوں۔ مما تو مان کے ہی نہیں دے رہی تھیں، پھر میں نے آغا جان کو سب معلومات فراہم کیں۔ تب ان ہی کے حکم پر ہو رہا ہے یہ سب۔" اس نے انتہائی انہماک سے نیل پینٹ کرتے ہوئے مزید معلومات فراہم کیں اور اختتام پر اسے دیکھ کر کھسی ہنسی ہنسی۔ مائرہ مارے ضبط کے بے حال ہو رہی تھی۔

"ویسے تمہیں علاؤ الدین کی شخصیت میں کہاں جھول نظر آیا۔ اچھا خاصا شریف بندہ ہے۔ میں نے اسے کہا بھی کہ تم ناسمجھ ہو احمق ہو مگر اس نے تو انتہا کر دی۔ کاکا جانی سے کہہ دیا ہے کہ اب تمہارا یونی جانا بند۔" اس نے نیل پالش بند کرتے ہوئے ایک ادا سے کہا۔ "ویسے تم تو پہلے سے ہی نہیں جا رہی ہو۔ یونی تو۔ تو۔ وری سیڈ!" اس نے اسے مزید تاؤ دلاتے ہوئے کہا۔ ابھی تک مائرہ اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھی تھی۔ یک دم کھڑی ہوئی۔

"بس یا کچھ اور کہنا باقی ہے ابھی۔" اس نے حتمی پوچھا۔ عائزہ نے سر کی جنبش سے نفی میں جواب دیا۔ مائرہ گھٹنوں کے بل جھکی۔

"محترمہ عائزہ جبران احمد! اب کچھ دنوں تک کسی کا کیا، آپ اپنا بھی فائدہ یا نقصان کرنے کے قابل بھی نہیں رہیں گی۔ کیونکہ اب سے آپ مکمل بیڈ ریسٹ

ماہنامہ کرن

نومبر 2015 کا شمارہ شائع ہو گیا

- اداکار "زاہد افتخار احمد" سے شاہین رشید کی ملاقات
- اداکارہ "منشا پاشا" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "مظہر علی قریشی"
- اس ماہ "شفق راجپوت" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "رابنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول
- "میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ کے مکمل ناول کی آخری قسط
- "دامن دل" عنبرین ولی کا مکمل ناول
- "شاید" فائزہ افتخار کا دلکش ناولٹ
- "تم ہی میرا حوالہ" مریم ماہ منیر کا ناولٹ
- "زندگی مسکرانے لگی" ام ایمان کا ناولٹ
- سردیہ عزیز آفریدی، سمیرا غزل، آسیہ عارف، عائشہ جمیل شازیہ ستار نایاب اور عابدہ احمد کے افسانے اور مستقل سلسلے

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

"یوگا کے ذریعے صحت مند اور اسمارٹ بنیے"

کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے

پر جارہی ہیں اور یونی میں نہیں تو آپ بھی نہیں جاسکیں گی۔" عائزہ نا سمجھی سے اس کے تیور دیکھ رہی تھی جو کہ انتہائی سنگین تھے اس نے پہلے اس کی تازہ تازہ لگائے گئے نیل پینٹ کو مسلا پھر ایک جھٹکے سے پوری قوت لگا کر اس کا کاؤچ الٹ دیا اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ مگر شومئی قسمت جیسے ہی دروازہ کھولا۔ آنے والے سے بری طرح سے ٹکرا گئی۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔ اندھی ہو گیا۔ ہاں یہ تمہارا اصطبل ہے جہاں دوڑیں لگاتی پھر رہی ہو۔"

تڑ۔ تڑ۔ تڑ اس کے حواسوں پر بجلی گری۔ اس کے بالکل سامنے علاؤالدین کھڑا گرج رہا تھا۔

"اب منہ پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو۔ ہٹو یہاں سے راستہ دو مجھے۔ فارغ نہیں ہوں میں تمہاری طرح سو طرح کے کام ہوتے ہیں مجھے۔" اس نے اسے دھکیلتے ہوئے اپنی جگہ بنانی چاہی۔

"نہ۔ نہ نہیں۔" عائزہ یک دم جیسے ہوش میں آئی اور دہلیز پر مزید پھیل کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ اندر نہیں جاسکتے۔" اس نے شدومد سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ!" علاؤالدین نے بھڑکتے ہوئے کہا۔

"بدتمیزی کہیں یا جو چاہے کہیں مگر آپ اس وقت اندر نہیں جاسکتے۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"وجہ جان سکتا ہوں۔" علاؤالدین نے انتہائی سرد لہجے میں پوچھا۔

وہ بت بنی کھڑی رہی پیچھے سے آوو بکا کی صدا بلند ہونے لگی۔ اب تک مائزہ کو کھد بد لگی تھی کہ اتنی دیر سے عائزہ کی آواز کیوں نہیں آرہی۔ کہیں کوئی سیریس چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ اس آواز پر اس نے بے اختیار سکھ کا سانس بھرا تھا۔

"یہ آواز عائزہ کی ہے؟ کیا ہوا ہے اسے۔ ہٹو پیچھے دیکھنے دو مجھے۔" علاؤالدین نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اور اسے پھر سے ہٹانے کی کوشش کی، جو پہلے سے بھی زیادہ جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں نے کہا نا تم اندر نہیں جاسکتے۔ تمہیں عائزہ سے جو بھی کام ہے مجھے بتادو میں اسے بتادوں گی۔"

اسے اصل ڈر ہی اس بات کا تھا کہ پہلی غلطی پہ تو شاید وہ کچھ نہ کہتا لیکن اب اگر وہ اس جائے وقوعہ پر پائی گئی اور عائزہ صاحبہ نے حلفاً" اس کے خلاف بیان داغ دیا تو ڈی ایس پی صاحب کی ہتھکڑیوں سے چھٹکارا ناممکن تھا۔ عقب سے آوو بکا میں شدت آئی۔

"اب اگر تم یہاں سے نہ ہٹیں۔ تو میں بیچ میں تمہاری لاش گرادوں گا۔" اس نے اس پر نظریں گاڑتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ ایک تیز خوف کی لہر مائزہ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی اور اس نے وہاں سے ہٹنے میں ہی عافیت جانی اور اپنے کمرے میں خود ساختہ قید کاٹنے چل دی۔

☆ ☆ ☆

عائزہ کی ٹانگ میں فریکچر آتے آتے بچا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ میں ران کا گوشت پھٹ چکا تھا اور ڈاکٹر نے اسے مکمل بیڈ ریسٹ کا کہا تھا۔ اور اب وہ بیڈ پر پڑے پڑے مائزہ کو کوسنے دے رہی تھی۔ مائزہ اپنے پے در پے کارناموں سے سب کی نظروں میں اچھی خاصی مشکوک ہو چکی تھی۔ تمام گھر والے اپنی اپنی آواز، لہجے اور الفاظ میں اسے جنگلی، پاگل جیسے القابات سے نواز چکے تھے۔ اور وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔ علاؤالدین کے ساتھ ساتھ وہ عائزہ کو بھی اپنا دشمن بنا چکی تھی۔ اب تو بس اللہ کی ذات پر ہی بھروسا رہ گیا تھا کہ ہر مسلمان کی طرح وہ بھی سخت مشکل کے وقت جائے نماز بچھا کر زاروقطار رو کر دعائیں اور منتیں مانگنے لگی۔

☆ ☆ ☆

محی الدین گزشتہ دو ہفتہ سے اپنے دوستوں کے ساتھ ناردرن ایریاز گھومنے گیا تھا۔ جب واپس لوٹا تو ہر طرف سناٹا راج کر رہا تھا۔ اس نے چہار اطراف کا جائزہ لیا۔

لاؤنج کے عقبی طرف ——— چاندنیاں بچھی تھیں اور کچھ عورتیں جیسی سپارے پڑھ رہی تھیں۔ اگر بتیوں کی بھینی بھینی خوشبو وہاں تک آرہی

تھی۔ گھر کی کوئی عورت اسے وہاں دکھائی نہ دی۔ سکینہ بیگم اکثر و بیشتر ایسی محفلیں اور قرآن خوانی کرواتی ہی رہتیں لیکن آج کچھ غیر محسوس سا لگا مگر کیا؟ وہ وہیں کھڑا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا کہ نذیراں تیزی سے اس کی طرف آئی۔

"سلام صاحب جی!" اس نے پیشہ ورانہ آداب جھاڑے اور ڈرائیور سے اس کا سامان لینے لگی۔

"نذیراں سب گھر والے کہاں ہیں؟" اس نے متفکر لہجے میں پوچھا اور عائزہ' مائرہ کیا اب تک یونی سے نہیں لوٹیں۔"

"سب گھر پر ہیں اور مانو بی بی تو آج کل یونیورسٹی نہیں جارہیں اور عائزہ بی بی تو حق۔ ہا۔" اس نے لمبا سا ہوکا بھرا اور ساتھ ہی سر پر ہاتھ مارا جیسے کچھ بھولا ہوا یاد آیا ہو اور سامان وہیں ڈھیر کر کے سیڑھیوں کی سمت چل دی۔ اس نے بھی حیران پریشان اس کی تائید کی۔ سیڑھیاں ختم ہوتے ہی ایک لمبی راہداری تھی اور دونوں اطراف کمرے تھے۔ دائیں طرف سب سے آخر میں مائرہ کا کمرہ تھا۔ اور بائیں طرف سیڑھیوں کے بالکل پاس کا کا جانی کے کمرے کے ساتھ والا عائزہ کا تھا' جو اس وقت شور و غوغا کا منبع تھا۔ یعنی سب گھر والے یہیں موجود تھے۔ ان کے گھر والے نہ تو قدامت پسند تھے نہ ہی پست ذہن' اسی لیے وہ سب ایک دوسرے کے کمرے میں آسانی سے آجاسکتے تھے۔ محی الدین ابھی عائزہ کے کمرے میں جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ مائرہ کے کمرے میں چھناکے سے کچھ ٹوٹا یعنی مائرہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ وہ وہیں چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن جواب ندارد۔ دو تین دفعہ کھٹکھٹانے پر بھی جواب نہ آیا تو کچھ خیال آنے پر اس نے آواز لگائی۔

"مانو! دروازہ کھولو۔ میں محی الدین ہوں۔ تم سے کچھ بات کرنا تھی۔" کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد وہ جانے کے لیے مڑا کہ پٹ سے دروازہ وا ہوا اور اندر سے مائرہ کا رویا اور سوجا ہوا چہرہ برآمد ہوا۔

"کیا ہوا تم ایسے اور یہ عائزہ کے کمرے میں۔؟"

اس نے پُرسوچ لہجے میں دو سوال ایک ساتھ داغے اور بات ادھوری چھوڑ کر اس کا ستا چہرہ دیکھنے لگا۔ محی الدین اور عائزہ کی کبھی نہیں بنی تھی جبکہ مائرہ اور محی الدین اچھے دوست تھے۔ مائرہ ذرا سی نرمی پاتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دروازے سے ہٹ کر بیڈ کے کراؤن سائیڈ پر ٹک گئی۔ محی الدین پریشان سا کمرے میں داخل ہوا۔

"الٰہی خیر! مانو! بتاؤ تو سہی آخر ہوا کیا ہے؟" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا وہ مزید شدومد سے رونے لگی۔

"اوہ۔ اچھا! اناللہ وانا علیہ راجعون۔" اس نے اس کے کندھے پر تسلی کا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور بیڈ کی پائنتی بیٹھ گیا۔ "بہت برا ہوا مجھے کسی نے اطلاع ہی نہیں کی۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں پرسا دیا۔

"ایں۔ کون مر گیا؟" مائرہ کے دماغ میں کوندا سا لپکا۔ آخر میں اس قدر لاتعلق رہی کہ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی اس سوچ کے آتے ہی اس کے رونے میں مزید روانی آئی۔

"صبر کرو۔ اب صبر ہی کیا جاسکتا ہے اور کیا کیا جاسکتا ہے بھلا۔" اس نے دلاسا دیتے ہوئے مختصراً کہا۔

"مانا کہ میری اور اس کی کوئی بہت اچھی دوستی نہیں تھی پر ہم دشمن بھی تو نہ تھے۔" اس نے رک کر آہ بھری۔ کمرے میں مائرہ کی سسکی نمودار ہوئی۔

"بس جانے والی اپنے ساتھ مزاج ہی ایسا لائی تھی کہ اس کی تمام تر خوبیاں اس کے سامنے ہیچ لگتیں۔" کچھ دیر توقف کیا۔

"ہوا کیسے آخر!" اس نے پُردرد آواز میں کہا۔

"کیا پتا۔ میں تو خود۔" اس نے رونے کا سلسلہ پھر سے شروع کیا۔

"اس قدر غیریت۔۔۔ مجھے تم لوگوں سے یہ امید نہیں تھی۔" اس نے شکوہ سے پُر لہجے میں کہا اور آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔

"تمہیں یاد ہے مرنے والی بچپن میں کس قدر فتنی تھی۔ علاؤالدین کے ساتھ مل کر شرارت خود کرتی اور

کمال مہارت سے ملبہ ہم دونوں معصوموں پر تھوپ دیتی۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن اب تو ہم بڑے ہو چکے تھے اور اب تو آہ۔ تم نے میرا انتظار بھی نہیں کیا۔" اس نے سسکی بھری۔

"کیا اب تو۔ اب تو لگا رکھی ہے۔ کس کی بات کر رہے ہو تم۔ کون مرا ہے؟" اس نے جارحانہ انداز میں نشست برخاست کرتے ہوئے کہا۔

"عائزہ کی اور کس کی مانو۔" اس نے پرشفقت لہجے میں کہا۔

"اسے کیا ہوتا تھا۔ فتنی آج بھی ویسی ہے اور یہی تو دکھ ہے کہ وہ ویسی کی ویسی ہی ہے۔ مجال ہے جو کہیں سے پتا چلے کہ وہ میری بہن ہے۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"تو پھر تم یہ ماتم کس خوشی میں کر رہی تھیں اور نیچے چاندنیاں کیوں بچھی ہیں پھر۔" اس نے گھورتے ہوئے کہا اور اس نے متانت سے اور مکمل طور پر خود کو بری الذمہ ثابت کرتے ہوئے اسے سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ جواب میں محی الدین کے حلق سے قہقہہ برآمد ہوا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آخر کار مائرہ کی شنوائی ہو ہی گئی اور اس کی دعائیں رنگ لائیں۔ محی الدین اس کے لیے فرشتہ ثابت ہوا تھا اور ایک چھوٹی سی سزا کے ساتھ سب کا معافی نامہ منسوب ہو گیا تھا۔ آخر محی الدین نے کون سی جادو کی چھڑی گھمائی تھی تو اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ دونوں بھائیوں اور جٹھانی' دیورانی میں بھلے سے کتنا ہی بھائی چارہ' محبت اور یگانگت کے جذبات ہوں بچوں میں ہمیشہ سے ٹھنتی آئی تھی۔ یعنی ان کے گھر میں دو کیمپ تھے۔ ایک میں علاؤ الدین اور عائزہ تھے جو انتہائی غصیل' جنگجو اور مفاد پرست تھے۔ معصوم تو دوسرے کیمپ کے لوگ بھی نہیں تھے یعنی مائرہ اور محی الدین لیکن ان دونوں میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بس مائرہ کو اپنے غصے پر کنٹرول نہ تھا اور وہ غصے میں کچھ بھی کر سکتی تھی۔ علاؤ الدین اور عائزہ اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے تو مائرہ' محی الدین چھوٹے ہونے کا۔ علاؤ الدین اور عائزہ عمروں کی پردہ داری کے لیے بھائی یا آپی کا صیغہ استعمال کرنے پر تیخ پا ہوتے تو دوسری طرف اخلاقیات کی کمی کے باعث یہ صیغہ استعمال بھی نہ کیا جاتا۔ محی الدین کی غیر حاضری کے باعث مائرہ مخالف کیمپ کے نرغے میں تھی تو محی الدین نے صرف اتنا کیا کہ اسے گھر کے چیئرمین یعنی دادا حضور اور سب کے آغا جان کے پاس لے گیا۔

اب آپ کہیں گے کہ یہ دادا حضور کہاں سے آئے' تو جی یہی تو ہیں جن کے نام پر ان سب بھائیوں کے نام رکھے گئے۔ جناب سردار نظام الدین صاحب جو کہ آرمی کے ریٹائرڈ بریگیڈیئر تھے اور اصولوں کے سخت پابند تھے۔ اور ان سب کی بے ہنگم زندگیوں سے تنگ آ کر انیکسی میں رہائش پذیر تھے کیوں کہ سب کے بیچ رہنے سے ان کا بی پی آئے روز شوٹ کر جاتا۔ مہینے کے کچھ دن وہ وہاں موجود ہوتے' زیادہ تر وہ اپنی زمینوں پر ہوتے۔ مائرہ اور محی الدین صبح خیز بالکل بھی نہیں تھے' اسی لیے وہ انیکسی سے اتنے ہی دور رہتے ہیں جتنا چور سپاہی سے کیوں کہ آغا جان چھوٹتے ہی مارننگ واک پر لیکچر دے دیتے اور پھر جب تک آغا جان کا چکر مہینوں نہیں لگتا انہیں صبح خیزی کے مظاہرے کرنے پڑتے مگر مخالف کیمپ اس کام میں طاق تھا۔ انہوں نے تمام معاملہ انتہائی بردباری سے سنا اور مائرہ کو بری الذمہ قرار دیا مگر عائزہ کو نقصان تو پہنچا ہی تھا سو سزا تو ضروری تھی۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم میرے سچ مچ بہترین دوست ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں تمہارا یہ احسان کیسے اتاروں گی۔" اس نے انتہائی مطمئن لہجے میں کہا۔ "تم نے میری کتنی بڑی مشکل آسان کی ہے۔" وہ دونوں آغا جان کی عدالت میں حاضری کے بعد لان میں کھڑے تھے اور مائرہ محی الدین کی زیر بار تھی۔

"لیکن سزا تو پھر بھی مل گئی تمہیں۔" اس نے نکتہ اٹھایا۔

"ارے چھوڑو۔ وہ قیدی والا لطیفہ یاد ہے نا' جس میں قیدی سزائے موت پر کہتا ہے کہ میں تو اتنی صبح جاگتا ہی نہیں تو پھانسی کیسے دو گے۔" اس نے بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

"تم نے احسان اتارنے کی بات کی تھی۔" وہ اپنے مطلب کی بات پر آیا۔

"ہاں' میری سمجھ میں نہیں آرہا میں تمہارا احسان کیسے اتاروں؟" اس نے پھر سے احسان مند ہوتے ہوئے کہا۔

"چپ رہ کر بس۔" اس نے چپ پر خاصا زور دیتے ہوئے کہا۔

"مطلب۔" اس نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ محی الدین حفظ ماتقدم کے طور پر کھسک کر کافی دور جا کھڑا ہوا۔

"مانو!" اس نے لجاجت سے کہا۔ "تمہیں یاد ہے تم نے کاکا جانی سے لیپ ٹاپ کے پیسے لیے تھے اور وہ تم نے مجھے دیے تھے کہ میں تمہیں لادوں۔" اس نے اس کا حافظہ آزمایا۔

"ہاں دیے تو تھے' تو تم لے آئے ہو کیا؟" اس نے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

"وہ دراصل... دوستوں کے ساتھ... ٹرپ پر۔" وہ رکا اور تھوک نگل کر اپنا حلق تر کیا۔

"اب تم اپنا لیپ ٹاپ بھول جاؤ۔" کہتے ساتھ ہی اس نے گیٹ کی طرف دوڑ لگادی اور مائرہ جو پوری توجہ سے بات سن رہی تھی' کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح صادق کا وقت جب تاروں نے ٹمٹمانا ابھی بند ہی کیا تھا۔ چڑیوں نے چہچہانا شروع ہی کیا تھا اور اکا دکا لوگوں نے آنا شروع کیا تھا۔ یونیورسٹی گراؤنڈ کے اطراف جاگنگ ٹریک بنائے ہوئے ایک مضبوط کاٹھی کا نوجوان مکمل ہشاش بشاش جاگنگ کررہا ہے۔ چہرے پر فتح کے تاثرات۔ صبیح چہرہ' تیکھے نین نقش' بھرے بھرے ہونٹ چھ فٹ سے نکلتا قد اور ہاتھ میں اسٹاپ واچ' ٹریک سوٹ پہنے اور ساتھ میں ایک ہانپتا کانپتا سا وجود جو مشکل سے اپنے آپ کو جاگنگ ٹریک پر گھسیٹ رہا تھا اور جس کے چہرے پر صبح صادق کی خوشگواریت کے بھی دور دور تک اثرات نہیں۔ بلکہ کوفت' بے زاریت اور نقاہت کھنڈی ہوئی ہے۔ قد پانچ فٹ چار انچ' سرخ و سفید رنگت' گھنے سیاہ بال جنہیں بمشکل کیچر میں جکڑا گیا ہے۔ خود کو گھسیٹتے ہوئے مرد کی پیروی کررہی ہے۔ عام سے سرخ سفید امتزاج کے شلوار قمیص میں بھی غضب ڈھارہی ہے۔

"بس۔ بہت ہوگیا آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ باقی کل کریں گے۔" مائرہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اور گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے کہا اور پھولا ہوا سانس برابر کرنے لگی۔

"اونہہ۔" علاؤ الدین نے ہنکارا بھرا۔ "پانچ سو چکر پورے کرنے ہیں۔ ابھی تو بس ڈیڑھ سو ہوئے ہیں۔" علاؤ الدین نے اسٹاپ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسے انسان ہو تمہیں رحم نہیں آتا۔" مائرہ نے جھنجلا کر کہا۔

"آغا جان نے ہی میری ڈیوٹی لگائی تھی کہ پورا ایک ہفتہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اپنی پوری نگرانی میں تم سے پورے پانچ سو چکر پورے کرواؤں گا۔ اس لیے تمہیں جو بھی کہنا ہے آغا جان سے کہو۔" علاؤ الدین نے قطعیت سے بات ختم کی۔ "اور اب چلو اتنا ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔ پورے آٹھ بجے ڈیوٹی پر جانا ہے۔"

"ایک ہفتہ!" مائرہ نے دہائی دی۔ "ایک ہفتے میں تو میری روح بھی گھس جائے گی۔ ویسے آغا جان نے پارک میں کہا تھا' یونیورسٹی گراؤنڈ میں نہیں' یہاں پر تو بائیک پر بھی پانچ سو چکر لگانا آسان نہیں ہے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"پارک میں نہیں' میرے ساتھ کہا تھا' اپنی تصحیح کرلو اور میں روز یہیں پورے پانچ سو چکر لگاتا ہوں۔ اسی لیے تو فٹ ہوں۔ ابھی تک۔" اس نے اپنی

مضبوط کاٹھی کی طرف اشارہ کیا اور چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائی۔

"ابھی تک واقعی کمال بات ہے۔" اس نے بھی تاک کر اس کی عمر کو نشانہ بنایا جو کہ اتنی بھی زیادہ نہ تھی، لیکن علاؤ الدین کو خود زیادہ لگتی تھی۔ وجہ تھی اس کے دوست، جو کم عمری میں شادی کروا کر اب تین تین چار چار بچوں کے باپ تھے اور وہ ابھی تک کنوارہ تھا۔ علاؤ الدین کی مسکراہٹ سمٹی اور اس نے وارننگ دیتے انداز میں کہا۔

"اب چلو ورنہ میں آغا جان سے شکایت کردوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ پانچ سو کو ہزار کرتے ہوئے دیر نہیں لگائیں گے۔" اور وہ پھر سے خود کو کھینچنے لگی۔ جانتی تھی کہ یہ دھمکی کارگر بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

"کھڑوس، مکار، عیار، دہکتا الاؤ۔۔۔ پتا نہیں سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔" اس نے دل ہی دل میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ جاگنگ ٹریک پر بھاگ رہے تھے۔ مائرہ جو کہ بالکل بھی صبح خیز نہیں تھی، اس خوش گمانی میں تھی کہ کوئی نہیں آئے گا اسے اٹھانے۔ مزے سے خواب و خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی مگر وہ علاؤ الدین ہی کیا، جو اسے زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے۔ ایسے ایسے کارگر حربے آزمائے کہ محض پانچ منٹ کے مختصر عرصہ میں وہ گاڑی میں تھی، لیکن ابھی خوش فہمی باقی تھی کہ قریبی پارک تک ہی جانا ہوگا اور کچھ چکر لگا کر واپسی، مگر اتنے زیادہ چکر اور وہ بھی یونیورسٹی ٹریک پر۔۔۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ اگلے ایک گھنٹے تک اس نے پاؤں میں موچ آنے، گرنے، پھسلنے، پیٹ میں درد، چکر آنا غرض ہر طرح کا بہانہ کرلیا، مگر مقابل نے اس کی ایک نہ سنی اور پانچ سو چکر کروا کر ہی دم لیا، پھر تو یہ روز کا ہی معمول بن گیا۔ مائرہ نے دنیا بھر کے ڈھونگ رچا لیے مگر علاؤ الدین نامی جہنمی داروغہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

چوتھے دن وہ خود ہی جاگ گئی اور علاؤ الدین کے کمرے پر دستک دے کر کہا۔ "چلیں" چہرے پر بشاشت اور سراپے فخر سے تنا ہوا جیسے کوئی بہت بڑا محاذ سر کیا ہو۔ علاؤ الدین نے آدھی سوئی آدھی جاگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کہاں چلیں؟" اس نے استفسار کیا۔

"جاگنگ پر۔" اس نے فخر سے اکڑتے ہوئے کہا۔ آخر وہ آج اس سے پہلے جو اٹھ گئی تھی۔ علاؤ الدین نے اپنی پوری آنکھیں کھولیں اور سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔ فلیٹ شوز، ٹریک سوٹ اور اونچی پونی ٹیل۔ یعنی محترمہ آج پوری تیاری سے آئی تھیں۔

"اچھا!" اس نے اچھا کو کھینچا۔ "جاگنگ پہ اس وقت؟" اس نے گرجتے ہوئے کہا۔

"اس وقت کیا مطلب، روز بھی تو اسی وقت جاتے ہیں۔" اس نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

"میری بات مانو! تم اپنے دماغ کا علاج کرواؤ اور آنکھوں کا بھی۔" اس نے اکتاہٹ سے بھرپور لہجے میں کہا اور پلٹ کر کمرے سے الارم لے آیا اور اسے تھمایا۔ "آنکھیں کھول کر ٹائم دیکھ لو اور چار بجے سے پہلے مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔ آئی بات سمجھ۔" اس نے بات ختم کرتے ہوئے چبا کر کہا۔

"رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ جاگنگ ارلی مارننگ کرتے ہیں۔"

کہہ کر اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کرلیا۔

اور پھر وہ اپنے کمرے میں جا کر جو سوئی تو چار بجے بھی اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھی پھر علاؤ الدین نے اپنے تمام وہ حربے استعمال کیے، جو کسی مجرم پر کیے جاتے ہیں تب جا کر وہ اٹھی اور روز کی طرح اسے ہزار نازیبا القابات سے نوازا مگر دل میں۔

☼ ☼ ☼

آخری دن وہ بہت خوشی خوشی جاگی۔ آج رہائی کا دن جو تھا، ورنہ ان چھ دنوں میں تو اس نے علاؤ الدین کے زبردست معاشقے سے لے کر اس کے تبادلے یا پھر کسی بھی انہونی تک کی دعا مانگ لی تھی تاکہ اس کی توجہ ہٹ سکے۔ آج جاگنگ ٹریک پر بھی وہ خوش خوش

جاگنگ کر رہی تھی کہ انہونی ہو گئی۔

ٹھاہ ٹھاہ۔ اچانک دو گولیاں ایک ساتھ چلیں اور علاؤالدین کے سامنے ہفت افلاک گھوم گئے۔ مائرہ خون میں لت پت زمین بوس ہو رہی تھی۔ علاؤالدین نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا دیا اور دوسرے ہاتھ سے میٹریارڈ پر اپنے گارڈ سے گولی چلانے والے کا تعاقب کرنے کو کہا۔

اسے بہت دنوں سے دھمکی آمیز کالز موصول ہو رہی تھیں۔ کڑوی ہے مگر سچائی ہے۔ قائد اور اقبال کے وطن میں سچائی اور دیانت داری سے کام کرنا جان کو جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس نے جلدی سے ایمبولینس کال کی اور اسے بازوؤں میں اٹھا کر بھاگا۔

وہ کیسا ہی دلیر یا جاندار افسر کیوں نہ ہو اپنے اتنے قریبی رشتے کو اس حال میں دیکھنا بہت ہمت کی بات ہے۔ خون بہت زیادہ بہہ رہا تھا۔ وہ مسلسل اسے ہوش میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر مائرہ بار بار غنودگی میں جا رہی تھی۔ بہت مشکل سے علاؤالدین اسے بیرونی گیٹ تک لایا کہ بھیڑ لگنا شروع ہو چکی تھی۔ گیٹ پر ایمبولینس آ چکی تھی۔ اسے گاڑی میں ڈال کر وہ گھر اطلاع دینے لگا۔ گھر میں تو جیسے یہ خبر سنتے ہی قیامت آ گئی۔

☆ ☆ ☆

چار گھنٹے تک ایمرجنسی میں رہنے کے بعد اب وہ خطرے سے باہر تھی۔ ایک گولی بائیں بازو کو چھو کر گزری تھی اور دوسری بائیں کندھے کے آرپار ہو گئی تھی۔ اب اسے پرائیویٹ وارڈ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ تاحال اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ سکینہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا تو ذکیہ بیگم انہیں سنبھالتے ہوئے خود بھی نڈھال سی تھیں۔ عائزہ کی ٹانگ اب تقریباً" ٹھیک ہو چکی تھی۔ وہ بھی رو رو کر مائرہ کے لیے دعائیں مانگنے میں مشغول تھی۔

علاؤالدین کا ایک پاؤں اسپتال میں تو دوسرا تھانے میں تھا۔ گارڈز نے بروقت پیچھا کر کے گولی چلانے والوں کو پکڑ لیا تھا۔ دونوں موٹر سائیکل سوار تھے۔ انہوں نے نشانہ تو علاؤالدین کا باندھا تھا مگر چوک جانے سے مائرہ کو جا لگا۔

تقریباً" دو ہفتے انتہائی نگہداشت میں رہنے کے بعد مائرہ ڈسچارج ہو کر گھر لوٹی تو سب گھر والوں کے ساتھ آغا جان نے بھی اس کا استقبال بھرپور طریقے سے کیا۔ سب کچھ بھلائے اور اپنے زخم کو پس پشت ڈالے عائزہ بھی اس کی خدمت میں پیش پیش تھی۔ ڈاکٹرز نے اسے مکمل بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تھا اور ان کے مطابق زخم بھرنے میں دو تین ماہ درکار تھے۔

اس کا کمرہ مختلف طرح کے بوکے اور کارڈز سے گلستان بنا ہوا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کافی چپ چپ رہنے لگی تھی۔ چہرے پر تکلیف کے اثرات نمایاں تھے۔ چند دنوں کے مختصر عرصہ میں وہ کملا کر رہ گئی تھی۔

عائزہ سوپ لیے اس کے کمرے میں آئی۔ پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بیڈ پر اس کی نشست صحیح کرتے ہوئے اسے سوپ پلانے کے لیے اس کے قریب بیٹھ گئی اور خاموشی سے سوپ پلانے لگی۔

"عائزہ!" اس نے سوپ پیتے ہوئے عائزہ کو مخاطب کیا' جو سوپ پلاتے ہوئے بھی جانے کیا پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھی۔ اس کے پکارنے پر متوجہ ہوئی۔

"ہاں بولو مانو! کیا بات ہے' کچھ چاہیے کیا؟" انتہائی شیریں لب و لہجے میں دریافت کیا اور اس کے گالوں پر آنے والے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔

"تمہاری ٹانگ کا زخم اب کیسا ہے؟ میں نے تو جھوٹے منہ بھی نہ پوچھا کبھی؟" اس نے سر جھکا کر پُر ندامت لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اب تو زخم تقریباً" ٹھیک ہو ہی چکا ہے اور مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ ایسی فضول باتیں مت سوچو تم۔" اس نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

"نہیں کہنے دو مجھے۔ میں بہت بری ہوں' میں نے کبھی تمہیں بڑی بہنوں والی عزت نہیں دی اور تم۔۔۔ تم نے تو اسپتال سے لے کر اب تک کسی چھوٹے بچے کی طرح میری خبر گیری کی ہے۔ تمہارے اس رویے کو دیکھ کر مجھے اپنے گزشتہ رویے پر ملامت ہونے لگی ہے۔" اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"میں نے بھی تو تمہیں کبھی چھوٹی بہنوں والا پیار نہیں دیا۔ گزشتہ رویہ تو میرا بھی تمہارے ساتھ کبھی اچھا نہیں رہا۔ پتا ہے مجھے دو ہفتے پہلے تک یہ احساس بالکل بھی نہیں تھا کہ میری پیاری سی بہن میرے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے۔" اس نے سوپ کا پیالا سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے مائرہ کے چہرے کو چھوا۔

"پتا ہے' جب تم ایمرجنسی میں تھیں تو میں تمہیں بتا نہیں سکتی' میں نے کیسے رو رو کر تمہارے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ اگر اس وقت کوئی مجھ سے کہتا کہ اپنی جان کے بدلے میں تمہاری جان بچالوں تو میں اس کے لیے بھی تیار ہو جاتی۔" اس نے آنسوؤں سے تربتر چہرے میں انکشاف کیا۔ مائرہ گنگ سی اسے دیکھے جارہی تھی۔ پہلی دفعہ دونوں میں مثالی بہنوں کا پیار دکھائی دے رہا تھا۔

"اب تم زیادہ فضول باتیں کر کے مت سوچو اور جلد سے جلد ٹھیک ہو کر میرے ساتھ یونیورسٹی چلو۔ قسم سے تمہارے بغیر جانا بالکل اچھا نہیں لگتا۔" اس نے آنسو صاف کر کے لہجے کو بشاش بناتے ہوئے کہا اور پھر سے سوپ پلانے لگی۔ مائرہ چپ چاپ سوپ پینے لگی۔ کچھ توقف کے بعد وہ پھر سے گویا ہوئی۔

"اب کیا ہے؟" اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے میری تمام غلطیاں معاف کردی ہیں کیا؟" اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور عائزہ کو وہ اس وقت حد سے زیادہ معصوم لگی اور اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"ہاں! مانو بالکل معاف کردیا ہے میں نے تمہیں۔۔۔ دو ایک باتیں قابل گرفت تھیں مگر وہ بھی تمہیں معاف کیا چلو۔ کیا یاد کرو گی۔" اس نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"مائرہ! جب میں پنشمنٹ پوری کررہی تھی نا۔" اس نے کچھ دیر رک کر اپنا گلا تر کیا۔ "میں نے عائزہ۔۔۔ میں نے۔" اس نے اٹکتے ہوئے اس کے تاثرات کا جائزہ لیا جو ہنوز مسکرا رہی تھی۔

"میں نے تمہاری تمام نیٹ فرینڈز اور فیس بک فرینڈز سے کہا کہ تم۔۔۔ تم اس دار فانی سے کوچ کرچکی ہو۔" اس نے کسی قدر اٹکتے ہوئے مگر آخر میں روانی میں اپنی بات مکمل کی۔ محویت سے سنتی ہوئی عائزہ کی مسکراہٹ مدھم ہوئی اور آنکھیں یک دم پھیل کر سکڑیں۔

"ہوں!" اس نے ہنکارا بھرا۔ "اسی لیے وہ کافی دنوں سے لوگ ان نہیں ہو رہیں۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"اور میں نے تمہاری ساری کاسمیٹکس میں ایلفی بھی ڈال دی تھی۔" اس نے جھکے سر سے اعتراف کیا۔

"کیا۔۔۔؟" عائزہ نے فلک شگاف آواز میں کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھی۔ اس کی گود میں دھرا سوپ کا پیالا ایک چھناکے سے ٹوٹا کمرے کا ماحول یک دم متغیر ہوا۔

"تم۔۔۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی؟" اس نے تمام محبت و یگانگت کے جذبوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے ہمدردی کی جائے۔" اس نے اس پر جھکتے ہوئے کہا اور ایک زوردار جھٹکا اس کے بینڈیج والے بازو کو دیا۔ مائرہ درد سے بلبلا اٹھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر عائزہ نے کہا۔

"اب حساب برابر ہوا۔"

☼ ☼ ☼

اس کا زخم تقریباً بھر چکا تھا اور بیڈ پر لیٹے لیٹے وہ

بری طرح چڑچڑی ہو رہی تھی اور شدید قسم کی اکتاہٹ کا شکار تھی۔ اس دن کے بعد عائزہ نے کم ہی اس کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ کبھی بھولے سے آجاتی تو بس خیر خیریت پوچھ کر چلتی بنتی۔

محی الدین نے اس کا لیپ ٹاپ ایک تحفے کے طور پر واپس کردیا تھا اور روز اس کی خبر گیری بھی کرتا تھا۔ علاؤ الدین نے اس پر صرف اتنی مہربانی کی تھی کہ پولیس اور ایف آئی آر کے جھمیلوں سے دور رکھا تھا اور اس سے زیادہ وہ پتھر دل انسان کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ مائرہ کی ذاتی سوچ تھی۔ دن بہت بوریت بھرے گزر رہے تھے کہ آغا جان نے جیسے گھر کے درودیوار میں ایک نئی روح پھونک دی۔ وہ فیصلہ کسی کے لیے خوشی کا باعث بنا تو کسی کے لیے ذہنی ٹینشن کا۔

"ان کا فیصلہ تھا کہ علاؤ الدین کی شادی عائزہ سے کردی جائے۔"

اس فیصلے کو تمام بڑوں نے من وعن تسلیم کیا۔ اگر کسی کو اختلاف تھا تو عائزہ اور علاؤ الدین کو۔ انہوں نے بری طرح سے اس فیصلے کو مسترد کردیا مگر آغا جان کے سامنے نہیں، اپنے والدین کے سامنے اور والدین نے اپنی تمام تر صلاحیتیں انہیں اس فیصلے پر راضی کرنے میں لگادیں۔ سارے گھر کے جھمیلوں سے الگ مائرہ کی منجمد زندگی میں برقی رودوڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

مائرہ آہستہ آہستہ اپنے کمرے سے نکلنے لگی تھی مگر اس کا کندھا اور بازو مکمل طور پر بینڈیج کی قید سے آزاد نہ ہوسکا تھا۔ یونی سے بھی اس کی چھٹی خاصی طویل ہوچکی تھی، یہاں تک کہ فائنل سر پر آگئے تھے اور اس کی پڑھائی کا اچھا خاصا حرج ہوچکا تھا مگر اسے یقین تھا وہ کور کرلے گی۔

دن بدل رہے تھے۔ سردیوں کے خنکی بھرے دنوں سے نکل کر گرمیوں کے کھلے اور لمبے ترین دنوں میں ڈھل رہے تھے۔

ایسے ہی ایک دن عائزہ آن وارد ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں نوٹ پیڈ اور بال پوائنٹ تھا۔

"زہے نصیب! آج اس غریب بہن کی یاد کیسے آگئی؟" اس نے لہجے میں طنز کی آمیزش کرتے ہوئے کہا۔

"ایک کام ہے تم سے۔" گردن ہمیشہ کی طرح تنی ہوئی تھی۔ خوب صورت نین نقش پر سختی کا غلبہ تھا۔ نہایت عالمانہ انداز میں اس نے مدعا بیان کیا۔

"مجھ سے... حیرت ہے۔ مجھ سے کیا کام پڑ گیا تمہیں؟" اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

"مناہل کو تو تم جانتی ہی ہونا۔" اس نے یاددہانی کرواتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ بونگی جسے فیس بک، ٹوئیٹر اور انٹرنیٹ کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں ہے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ ڈرگز بھی لیتی ہے۔" اس نے ذہن میں اس کی شخصیت کو یاد کرتے ہوئے مکمل نقشہ پیش کیا۔ عائزہ کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔ یکلخت اپنے آپ کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

"ہاں وہی۔ اسے کسی سے دھواں دار عشق ہوگیا ہے۔ وہ بھی اس سے کرتا ہے مگر ابھی وہ ایک دوسرے سے کہہ نہیں پائے۔" اس نے سرسری انداز میں اپنایا۔

"اس سمندری گھوڑی سے کس کو دھواں دار عشق ہوسکتا ہے۔ اس جنید میراثی کو جو بلاوجہ دانت دکھاتا پھرتا ہے یا پھر رانا رضوان جو مشہور زمانہ فلرٹ ہے یا پھر۔" اس نے سوچ کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے مزید کہا۔

"ارشد مسیح سے جو توے کو بھی شرمندہ کرتا ہے۔" وہ دور کی کوڑی لائی کیوں کہ صرف یہ تینوں ہستیاں ہی ایسی تھیں جن سے مناہل صاحبہ ذرا سا اخلاق بگھارتی نظر آتی تھیں، ورنہ تو ساری یونی میں اس کی اکلوتی دوست عائزہ ہی تھی۔

"آں۔ نہیں وہ تو اس کے رشتہ داروں میں سے ہی ہے کوئی۔ مجھے تو ابھی تک اس نے نام بھی نہیں

بتایا۔" اس نے گہری سوچ سے ابھرتے ہوئے کہا۔
"تو میں کیا کر سکتی ہوں؟ مجھے کیا اس سے کہ مناہل بیگم کس میں انٹرسٹڈ ہیں۔" اس نے ہمیشہ کی طرح ایسی باتوں پر کندھے اچکائے۔
"ضرورت ہے تبھی نہیں۔" عائزہ کی آنکھیں روشن ہوئیں۔ "اصل میں، میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسے ایک دھانسو سا لو لیٹر لکھ کر دوں گی مگر۔" اس نے رک کر اپنا دایاں ہاتھ لہرایا جو پٹیوں کی قید میں تھا۔ "اب میں کیا کروں؟" اس نے متفکر لہجے میں کہا۔
"مجھے تمہاری فیور چاہیے۔" اور مائرہ کے ذہن میں وہ تمام واقعات گھوم گئے جن میں اس نے عائزہ کی فیور لینی چاہی مگر عائزہ میڈم نے کبھی ہامی بھر کر نہ دی تھی۔
خیر اب وقت بہت بدل چکا تھا اور اب تو عائزہ کی شادی بھی ہونے جا رہی تھی۔ یک دم روایتی بہنوں کی محبت غالب آئی۔
"کیا فیور دے سکتی ہوں میں تمہیں۔" اس نے معصومیت سے کہا۔
"ویری نائس! میری پیاری بہن! بس تم لکھ دو نا اور ویسے بھی تم لکھو گی تو وہ شان دار ہو گا ہی۔" اس نے مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ جواب میں مائرہ نے اپنے بینڈیج والے بازو کو دیکھا۔
"بایاں ہے وہ۔" عائزہ نے جھٹ سے سمجھتے ہوئے کہا۔
"ہاں! لاؤ دو۔" اس نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ عائزہ بولتی گئی اور مائرہ لکھتی گئی یہاں تک سارا خط لکھ لیا گیا۔
"تمہاری اور صرف تمہاری۔"
اس نے مزید لکھنا چاہا مگر عائزہ نے خط اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور بال پوائنٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔
"تم رہنے دو۔ یہ وہ خود ہی لکھ لے گی۔"
"ویسے اس نے یہ خط خود کیوں نہیں لکھا۔ تم سے کیوں کہا جبکہ اس نے تو تمہیں اس کا نام بھی نہیں بتایا۔ اور تم تیار بھی ہو گئیں، حالانکہ بغیر کسی مقصد کے تو تم مجھ سے بات تک نہیں کرتیں۔" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے وہ تمام سوالات دہرائے جواب تک اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے۔
"وہ اس لیے کہ۔" عائزہ نے نوٹ پیڈ سے صفحہ پھاڑتے ہوئے کہا اور تیزی سے ابتدائیہ اور اختتامیہ کو پر کیا اور موڑ کر لفافے میں ڈالا۔ اسے بند کیا اور نذیراں کو آوازیں دینے لگی۔
مائرہ حیرت میں ڈوبی اس کے مزید بولنے کے انتظار کے ساتھ ساتھ اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی رہی نذیراں چراغ کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔ اس نے اسے لیٹر پوسٹ کرنے کے لیے تھمایا۔ لفافے پر ایڈریس پہلے سے درج تھا۔
"وہ اس لیے جانو!" اس نے سلسلہ کلام پھر سے جوڑا۔ "یہ لو لیٹر مناہل کی طرف سے نہیں تمہاری طرف سے ہے۔" اس نے انتہائی سفاکی سے سچ اگلا۔
"مطلب!" مائرہ نے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھا۔
"مطلب یہ ہے کہ تم سب گھر والوں سے کہہ رہی ہو کہ علاؤالدین سے تمہیں دھواں دار عشق ہو گیا ہے۔ تم اسی سے شادی کرو گی ورنہ تم کچھ بھی کر سکتی ہو۔ کسی بھی حد تک جا سکتی ہو۔" عائزہ نے شاطرانہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔
"اس کی وجہ؟" مائرہ نے گھور کر پوچھا۔
"کیوں کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ جو لو لیٹر تم نے مجھے لکھ کر دیا ہے یہ واپس اسی گھر میں آئے گا اور اس صورت میں کسی کے بھی ہاتھ لگ سکتا ہے۔ پھر مجھے مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور تم خود ہی علاؤالدین کے ساتھ مشہور ہو جاؤ گی بصورت دیگر میں اس خط کو کسی کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گی۔ جب تم علاؤالدین سے وابستگی ظاہر کرو گی تو سب اسے تمہاری بچکانہ حرکت سمجھیں گے، لیکن کچھ دیر میری شادی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ ان ہی دنوں میں ہم اس کا کوئی اور حل تلاش کر لیں گے یعنی میں یا علاؤالدین

اپنی پسند سے گھر والوں کو آگاہ کردیں گے تو تمہاری بھی جان چھوٹے گی اور میری بھی۔ کچھ بھی ہو جائے۔ میں یہ شادی تو نہیں کروں گی۔" اس نے اپنا انتہائی مکروہ پلان اس کی سماعت میں انڈیلتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اللہ سمجھے تمہیں۔ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے۔ تم تو پھر میری سگی بہن ہو ذرا شرم نہیں آتی تمہیں یہ گھٹیا پلانز بناتے ہوئے۔" اس نے بہن کی حرکت پر کف افسوس ملتے کہا۔

"ضرور آتی' اگر مما اور کاکا جانی مجھے یہ نہ کہتے کہ میں خود جاکر آغا جان کو انکار کروں اور تم ہی بتاؤ میں کس منہ سے جاتی ان کے پاس۔" اس نے کھڑکی سے لان کا نظارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسی منہ سے' جس سے میرے پاس آئی ہو۔" اس نے پھر سے شرم دلاتے لہجے میں کہا۔

"جو بھی ہے' تمہیں یہ کرنا ہی ہوگا اور کوئی آپشن نہیں ہے۔ پھر اس سب سے نکلنے میں خود تمہاری مدد کروں گی۔ وعدہ بس ایک دفعہ گھر والوں کی توجہ ہٹ جائے ذرا۔ ورنہ تمہارے ساتھ جو ہوگا اس کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" آخر میں اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاہ۔ ہاہ۔ ہاہ۔" مائرہ بے ہنگم سے قہقہے لگانے لگی اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہونے لگی۔

"کہیں صدمے سے پاگل تو نہیں ہوگئیں۔ ایسے کیوں ہنس رہی ہو۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے کسی قدر فکر مندی سے کہا۔ مائرہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"وہ اس لیے عائزہ میڈم! آپ کے اس فضول پلان میں کہیں بھی پختگی نہیں ہے اور یہ بہت جلد آپ پر ہی الٹا پڑنے والا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے بات مکمل کی۔

"وہ کیسے؟" عائزہ نے مزید سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیوں کہ جس لو لیٹر کو تم بنیاد بنا کر یہ دھمکیاں مجھے دے رہی ہو' وہ نے تمہاری ہی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا ہے کیوں کہ لیٹر لکھنے کا وعدہ تم نے کیا تھا اور تم بہتر طور پر جانتی ہو کہ تمہاری رائٹنگ کاپی کرنا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اور رہی علاؤالدین کی بات تو گھر کے تمام بڑوں کے سامنے میں نے اس کی وہ وہ پول پٹیاں کھولی ہیں کہ بے چارے علاؤالدین کو خود بھی نہیں پتا ہوں گی۔" اس نے داد طلب نظروں سے عائزہ کو دیکھا جو جلبلاتے ہوئے اسے سن رہی تھی۔

"اپنے ہفتہ 'پنشمنٹ میں' میں نے یہی تو کارگزاریاں انجام دی تھیں۔ پر اللہ جھوٹ نہ بلوائے اللہ جانے کس پتھر کے زمانے کا بندہ ہے۔ کوئی گرل فرینڈ نہیں' کوئی پرانا معاشقہ بھی نہیں' نہ کوئی انٹرسٹیٹ فرینڈ اور نہ ہی اس کے کمرے میں کوئی قابل اعتراض مواد تھا جس کی بنیاد بنا کر میں کوئی شوشا چھوڑ سکتی جس سے کم از کم میری تو جان چھوٹتی اس جنمی داروغہ سے۔" عائزہ نے کلس کر رخ بدلا اور لان کا سبزہ دیکھتے ہوئے اپنے منصوبے کی ایک بار پھر جانچ کرنے لگی۔

"پھر مجبوراً" مجھے خود سے گھڑ کے تمہارے اور علاؤالدین کے معاشقے کے جھوٹے فسانے آغا جان کو سنانے پڑے۔ ایسے ایسے فسانے سنائے ہیں کہ ایک دو میں تو مجھے خود بے تحاشا شرم آگئی۔ اب تمہارے علاوہ اس گھر میں اور کون تھا جس سے میں اسے منسوب کرتی مگر مجال ہے جو انہوں نے کوئی ہنگامہ کھڑا کیا ہو۔" اس نے اپنی تمام تر کارستانیاں سناتے ہوئے آخر میں افسوس ظاہر کیا۔

"اچھا! تو یہ تم تھیں جس نے میرے اور علاؤالدین کے جھوٹے عشق کے قصے بنا کر یہ نیا شوشا چھوڑا ہے۔" عائزہ نے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

"میں بھی کہوں مما' پاپا بار بار خاندان کی عزت کی دہائیاں کیوں دے رہے ہیں اور کیوں اتنے زور و شور سے میرے اور اس کے رشتے کی بات کی جارہی ہے۔" اس نے حتمی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا مگر مائرہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھی۔

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں ایک اور اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ دادا کے دوست کرنل وحید اپنی تمام فیملی کے ساتھ آئے اور مائرہ کے لیے رشتہ ڈال گئے اور مائرہ ہکابکا سب کی شکلیں دیکھتی رہ گئی۔

کرنل وحید کی فیملی پہلی دفعہ مائرہ کی عیادت کے لیے ہی آئی تھی ان کے بیٹے میجر سرمد کو بھی اس نے پہلی دفعہ تب ہی دیکھا تھا۔ اچھا خاصا ہینڈسم بندہ تھا' مگر اسے آرمی والے پسند نہیں تھے۔ وجہ اس کے خاندان کے بیشتر مرد ملٹری میں تھے اور نظم وضبط کے انتہائی سخت تھے۔ اور مائرہ کو اسی بات سے کوفت ہوئی' مگر اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار۔ کچھ دنوں بعد سب گھر والے کرنل وحید کے گھر مدعو تھے اور اس دعوت میں ہی فیصلہ کیا جانا تھا کہ پروپوزل قبول کرلیا جائے یا مسترد۔

مائرہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ہلکی پھلکی بازو کی ایکسر سائز کررہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" اس نے وہیں سے پوچھا۔

"میں ہوں علاؤ الدین!" اس نے اپنی مخصوص کڑک دار آواز میں کہا۔

"آجائیں۔ دروازہ کھلا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اور ایکسر سائز کرکے صوفے پر ڈھے سی گئی۔

"تم جانتی ہو آج کل تمہارا پروپوزل آیا ہوا ہے؟" علاؤ الدین نے استفسار کیا۔ مائرہ ابھی تک اپنی سانسیں بحال کررہی تھی۔

"ہاں مجھے بھی عائزہ کی زبانی پتا چلا تھا' مگر ابھی تک باقاعدہ کسی نے پوچھا نہیں مجھ سے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔ مجال ہے کہ پوچھ لے کیسی ہو اب؟ یا کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی اب؟ پر کیوں جی وہ علاؤ الدین ہی کیا جو عام انسانوں کا وتیرہ اپنائے' کھڑوس۔

اس نے دل ہی دل میں اسے القابات سے نوازتے ہوئے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"اگر کوئی پوچھ لے تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

مائرہ کو اس کے لہجے پر اچنبھا سا ہوا اور اس نے پہلی دفعہ اس کا جائزہ لیا۔ بکھرے بال' آنکھوں میں موجود لال ڈورے اور ستا ہوا چہرہ۔ مائرہ کو لگا وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے۔

"مائرہ!" اس نے دوبارہ اسے پکارا۔ مائرہ کو لگا اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کی ہے۔ وہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آخر اسے کیا ہورہا تھا۔ سمجھنا مشکل ہورہا تھا۔

"بتاؤ' کیا جواب دوگی اگر تم سے پوچھا جائے تو؟" علاؤ الدین نے پھر سے سوال دہرایا' مگر مائرہ سن کب رہی تھی۔ وہ تو اپنی بے ترتیب دھڑکن کو قابو کررہی تھی۔ ہر ساعت کے ساتھ بے ربط ہوتی دھڑکن سے اس کی پیشانی پر بھی پسینہ نمودار ہوا۔ اتنا نروس تو وہ کبھی نہیں ہوئی پھر آج کیا ہوا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سرگوشی کی۔

"کہاں گم ہو؟ میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے؟" علاؤ الدین نے واپس جون میں لوٹتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا۔ مائرہ بری طرح ڈر گئی۔

"تم ٹھیک تو ہو۔" علاؤ الدین فکر مندی سے کہتا ہوا آگے بڑھا۔

"یہاں بیٹھو۔" اس نے بازو سے تھامتے ہوئے اسے احتیاط سے صوفے پر بٹھایا اور جگ سے پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔

"الٰہی خیر!" اتنی نرمی اور شفقت کے مظاہرے۔ کہیں میں مرہی نہ جاؤں۔ اس نے یک دم دل پر ہاتھ رکھا۔

"بتاؤ' کیا کہوگی۔" اس نے پھر سے کریدنا چاہا۔

"میں۔۔۔ میں وہ۔" اس نے بے ربط سے الفاظ کہے۔ اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

"مانو!" اس نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھامتے ہوئے کہا۔ "تم انکار کردینا۔ کوئی بھی تم سے پوچھے تم صاف کہہ دینا تمہیں وہ پسند نہیں ہے۔ کچھ بھی کہہ دینا' مگر ہاں مت کہنا۔" اس نے ملتجی لہجے میں گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔ یک دم اس کی تمام حسیات بے دار ہوئیں اور دماغ تیزی سے دوڑنے لگا۔ عائزہ کی آمد اور

مطالبہ ذہن کی تختی پر یک دم اجاگر ہوا اور وہ منٹوں میں منطقی نتائج تک پہنچ گئی۔

"اچھا! تو اب یہ تم لوگوں کی نئی چال ہے۔ اب سمجھی۔" اس نے باآواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

"میں تم لوگوں کے مذموم ارادوں کو شرمندۂ تعبیر ہونے نہیں دوں گی۔" اس نے برہمی سے کہا اور کچھ دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیسی چال 'کون سی چال' لگتا ہے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں' کوئی بھی تمہارے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہا۔" علاؤالدین نے پست لہجے میں صفائی دی اور بڑھ کر سمجھانا چاہا۔

"خبردار جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو' وہیں کھڑے رہو تم لوگ اس قدر گر جاؤ گے میں نے سوچا نہیں تھا اور وہ تمہاری جوڑی دار کہاں ہے۔ جب خود کچھ نہیں بن پایا تو اس نے تمہیں بھیج دیا۔" اس نے درشتی سے کہا۔

"کس نے یہ خناس بھرا ہے تمہارے دماغ میں۔" اس نے دبی آواز میں چباتے ہوئے کہا۔ "کہیں تم میجر سرمد میں سچ مچ میں تو انٹرسٹڈ نہیں ہو۔" اس نے خشمگیں نگاہوں سے کہا۔ "کب سے چل رہا ہے یہ سب۔ کتنی چالاکی سے تم نے بالا ہی بالا اسے رشتہ لانے کے لیے کہا اور ہم سمجھے کہ آغا جان کے توسط سے رشتہ آ رہا ہے۔" اس نے بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے خود ہی نتیجہ اخذ کیا۔

"کیا اول فول بکے جا رہے ہو۔ میں نہیں جانتی کسی میجر سرمد کو۔ ویسے بھی مجھے ملٹری مین پسند نہیں ہیں لیکن پھر بھی میں انکار تو ہرگز نہیں کروں گی۔" اس نے واپس اپنے مؤقف پر ڈٹتے ہوئے کہا۔ "میں سب جانتی ہوں تم دونوں میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہو تاکہ ہمیشہ کی طرح آغا جان کی نظروں میں پارسا بن سکو مگر میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

"تو کہیں اور انٹرسٹڈ ہو یعنی یونی میں یا پھر کہیں اور۔" علاؤالدین نے اس کی باتوں کا ذرا اثر نہ لیتے ہوئے تفتیشی انداز اپنایا۔ مائرہ نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس غیر متوقع سوال کا مطلب نہیں سمجھ پائی' کچھ دیر دیکھتے رہنے کے بعد اس نے نہ میں گردن ہلائی۔

"نہیں' کسی میں نہیں ہوں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"مجھ میں کوئی خامی نظر آتی ہے تمہیں یا پھر میں تمہیں ذرا بھی اچھا نہیں لگتا؟" اس نے مزید پوچھا۔

"نہیں' تم میں تو کوئی بھی خامی نہیں ہے۔ مگر اس سب کا اس سے کیا تعلق۔" اس نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"تو مس مائرہ جبران احمد! کان کھول کر سن لو۔" اس نے سختی سے اس کا بازو دبوچتے ہوئے کہا۔ "تم اس رشتے سے انکار کرو یا اقرار۔ تمہاری شادی صرف اور صرف علاؤالدین سے ہی ہو گی۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ رہی بات اس رشتے کی تو گھر والوں کے سامنے جب اس کے مقابلے میں علاؤالدین کا رشتہ ہو گا تو وہ خود ہی اس رشتے کا انکار کہلوا دیں گے اور میرے رشتے سے اگر تم نے انکار کی کوشش کی تو جان سے مار دوں گا تمہیں' سمجھیں تم؟" اس نے اسے صوفے پر پٹختے ہوئے کہا۔ "اگر مزید کوئی چالاکی دکھائی تو اٹھا کر لے جاؤں گا۔" مائرہ بہت دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی اور سوچتی رہی کیا یہ اظہار محبت تھا؟ اور علاؤالدین جا چکا تھا۔

اگلے ہی دن میجر سرمد کے رشتے سے معذرت کر لی گئی ہر گزرتے پل کے ساتھ مائرہ کی حالت غیر ہو رہی تھی اب کیا ہو گا؟ یہ سوال اس کے سر پر تلوار کی طرح لٹکا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ علاؤالدین نے جو کہا تھا وہ اتنی جلدی کر بھی گزرے گا۔

"لیکن وہ مجھ سے ہی شادی کیوں کرنا چاہتا ہے؟" اس نے الجھ کر خود سے سوال کیا۔ "کہیں سچ میں تو اسے مجھ سے پیار۔" اس نے جھرجھری لیتے ہوئے اس کے گزشتہ رویے کے بارے میں سوچا۔ وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ ذکیہ بیگم چلی آئیں اس نے اپنے

خیالوں سے چونک کر دیکھا۔

"تائی اماں! آپ آئیں۔" اس نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"اب کیسی ہے میری بچی!" انہوں نے پُرشفقت لب و لہجے میں کہا اور بیڈ پر اس کے پاس پائنتی کی طرف بیٹھ گئیں۔ سائرہ بھی وہیں ٹک گئی۔

"جی بالکل ٹھیک۔ زخم تو اب بھر چکا ہے۔ ایکسر سائز سے بازو بھی آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہے۔" اس نے نرمی سے تمام تفصیلات فراہم کیں۔

ذکیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کی بات سنی۔ "میرے بچے کو اللہ رب العزت جلد سے جلد شفاء کاملہ عطا کرے۔" انہوں نے دعا دیتے ہوئے اسے بازوؤں میں سمیٹا اور اس کے دراز اور گھنے بالوں میں جو کھلے ہوئے تھے۔ شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"تمہارے فائنل ایگزامز کب تک ہیں؟" انہوں نے سرسری پوچھا مگر مائرہ کے دل میں کھدبد شروع ہوگئی۔

"تائی اماں! ابھی کنفرم نہیں ہے۔ آج کل یونی بھی نہیں جا رہی۔" اس نے سہولت سے جواب دیا۔

"مائرہ! تم جانتی ہی ہو تمہاری ماں اور میں سگی بہنیں نہیں ہیں مگر ہم دونوں میں محبت سگی بہنوں سے زیادہ ہے۔ تمہارے کاکا جانی اور تایا جان بھی مثالی بھائی ہیں۔ اس گھر کے در و دیوار نے بچوں کی حماقتوں شرارتوں اور جھگڑوں کے علاوہ کسی سنگین صورت حال کا سامنا نہیں کیا اور وجہ ہم سب کی معاملہ فہمی رہی ہے۔ اب ہم تم بچوں سے بھی یہی امید کرتے ہیں کہ تم لوگ بھی یہی وتیرہ اپناؤ اور میں نہیں چاہتی کہ چند نازیبا واقعات سے گھر کی فضا کشیدہ ہو۔" انہوں نے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ انگلیاں برابر اس کے بالوں میں چل رہی تھیں۔

"تائی اماں!" اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا کچھ ایسا ہوا ہے جس سے گھر کا ماحول کشیدہ ہو سکتا ہے؟" اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"ہوا تو کچھ نہیں مگر آنے والے دنوں میں بہت کچھ ایسا ہو سکتا ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور اس کی وجہ تم ہو مائرہ!" انہوں نے اسے آگاہ کیا۔

"میں۔۔" مائرہ نے حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم۔ رات علاؤ الدین نے مجھے تمہارے بارے میں مطلع کیا کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ اس نے تب کہا جب میں نے عائزہ کے لیے اس کا جواب مانگا۔" انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مائرہ! بلاشبہ تم مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ علاؤ الدین کا ایک طرفہ فیصلہ ہو۔ مگر اس کے باوجود میں آغا جان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی۔ اور میں جانتی ہوں کہ اگر سکینہ تک یہ بات پہنچی تو وہ تم پر ہاں کے لیے دباؤ ڈالے گی۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں تم سے کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔" انہوں نے رک کر اسے جانچا "تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے مقابلے میں عائزہ کو فوقیت دے رہی ہوں میری تو اولین پسند تم تھیں مگر اس سب کے بعد میں یہ چاہتی ہوں کہ تم انکار کر دو۔" انہوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں بات ختم کی اور چل دیں۔

مائرہ متذبذب سی بیٹھی رہ گئی۔

✿ ✿ ✿

سکینہ بیگم کے پوچھنے پر مائرہ نے جھٹ سے انکار کر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ کس قدر ذہنی اور دلی کرب سے گزری تھی۔ یہ وہ ہی جانتی تھی کہ علاؤ الدین کے نام پر اب دل کسی اور طرح سے دھڑکنے لگا تھا۔ مگر وہ تائی اماں کا مان نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ سکینہ بیگم نے اسے لتاڑنا شروع کر دیا تھا کہ پہلے بڑی نے نافرمانی کی اور اب چھوٹی ضد پر اڑ گئی تھی۔ انہیں تو اس بات سے ڈھارس ہوئی تھی کہ انہیں آغا جان کو انکار نہیں کرنا پڑے گا۔ اور عائزہ کی جگہ مائرہ اپنے گھر کی ہو جائے گی۔

انہوں نے خود ہی اسے سوچنے کا وقت فراہم کیا۔ وہ چائے بنانے کچن میں گئی تھی۔

ویسے تو گھر میں کل وقتی ملازم موجود تھے مگر چائے وہ اپنے ہاتھ کی ہی پسند کرتی تھی۔ اس نے چائے کا پانی چڑھایا اور خود میگزین لینے لاؤنج تک گئی۔ ابھی وہ میگزین تک پہنچ نہ پائی تھی کہ علاؤ الدین کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کی بھی نظر اس پر پڑی۔ خطرناک تیوروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس سے دوگنی تیزی سے مائرہ اپنے کمرے کی طرف لپکی۔ تقریباً" بھاگتے ہوئے اس نے سیڑھیاں پھلانگیں اور کمرے تک پہنچ کر دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔ اور دروازے کے ساتھ لگ کر سانس بحال کرنے لگی۔ چند ثانیے کے بعد دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔

"دروازہ کھولو مائرہ! تمہیں سنائی نہیں دے رہا کیا۔" علاؤ الدین دبی آواز میں غرایا۔

کچھ دیر بعد دونوں طرف مکمل خاموشی چھا گئی۔ مائرہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس دن کے بعد علاؤ الدین سے اس کا سامنا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ وہ جن اوقات میں گھر پایا جاتا' وہ کمرے سے نکلنے سے گریز کرتی تھی۔

اس دن بھی مائرہ اس بات کی اچھی طرح تسلی کر کے کہ علاؤ الدین گھر پر موجود نہیں ہے' باہر لان میں تازہ ہوا کھانے نکلی تھی کہ محی الدین چلا آیا۔ اس نے عجیب سا حلیہ بنا رکھا تھا۔ مائرہ کو اچنبھا سا ہوا۔

"کیسی ہو مائرہ!" اس نے دریافت کیا۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" اس سے رہا نہ گیا تو اس نے کہہ دیا۔ بکھرے بال' بڑھی ہوئی شیو اور پریشان صورت وہ بالکل مجنوں لگ رہا تھا۔

"مائرہ! تم میری واحد بہترین دوست ہو نا۔" اس نے یقین دہانی کی۔ "ایسی دوست جس سے میں اپنی ہر طرح کی پریشانی شیئر کر سکتا ہوں اور ہر طرح کی فیور مانگ سکتا ہوں۔" اس نے تمہید باندھی۔

"کیوں نہیں۔ تم بلا جھجک مجھے اپنی ہر پریشانی بتا سکتے ہو۔" اس نے اس کی ہمت بندھائی۔

"مائرہ! تم بھائی سے شادی کر لو۔" اس نے جلدی سے اپنی بات آگے رکھی۔

"کیا؟" مائرہ نے تقریباً" چیختے ہوئے کہا۔

"مائرہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں عائزہ سے محبت کرنے لگا ہوں اور اسی سے شادی کروں گا۔" محی الدین نے جھکے سر اور جھجکتے لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو خونخوار نظروں سے اسے گھور رہی تھی ناک کے نتھنے پھولے ہوئے تھے اور چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"شاید تم غصے میں ہو۔" اس نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیوں آخر ہوا کیا ہے؟" اس نے معصومیت کی حدیں توڑتے ہوئے کہا اور مائرہ کے جواب دینے سے پہلے ہی بھاگ گیا۔ اس نے درست کیا ورنہ مائرہ یقیناً" اس کا سر پھاڑنے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن وہ پھر سے تلملا اٹھی۔ وجہ تھی علاؤ الدین کا انکار۔ وجہ بنتی بھی تھی کہ کہاں تو وہ مرنے مارنے کی باتیں کر رہا تھا اور کہاں اس نے انکار کر دیا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ خود بھی اس رشتے سے انکار کر چکی ہے لیکن یہ سوچ اسے تاؤ دلا رہی تھی کہ علاؤ الدین کے لیے سب کھیل تھا یا پھر واقعی ان دونوں کی سوچی سمجھی سازش۔ لیکن ۔۔۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ اس نے مخدوش حالت میں سوچا اسے ان سوالوں کے لیے جوابدہ ہونا ہی ہوگا۔ وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں اتر کر علاؤ کے کمرے کی طرف جانے لگی کہ اچانک پیچھے سے کاکا جانی نے پکارا' جو لاؤنج کے سٹنگ ایریا میں تایا جان کے ساتھ براجمان تھے۔ بے تحاشا غصے کے سبب اس کا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔

"مائرہ بیٹا! ادھر آؤ تو ہمارے پاس ہمیں تم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ اچھا ہوا تم خود ہی آ گئیں ورنہ میں نذیراں کو بھیجنے والا تھا تمہیں بلانے کے لیے۔" انہوں نے لاڈ سے اپنے پاس بلاتے ہوئے بات مکمل کی "اس

وقت تقریباً" سب ہی گھر والے گھر پر موجود تھے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ اس نے علاؤ الدین کے کمرے میں جانا موخر کر کے ان کی بات سننے کو ترجیح دی۔

"جی کاکا جانی کہیے۔ کیا کام تھا آپ کو مجھ سے۔" اس نے لہجے کو حتی المقدور نارمل بناتے ہوئے ادب سے کہا۔

"آؤ تو بھئی۔" انہوں نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس جگہ دی اور خلیل صاحب سے مخاطب ہوئے۔

"خلیل! یہ میری بے حد پیاری بچی ہے۔ اور مجھے جان سے پیاری ہے۔" انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا' جو پھولے پھولے منہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ذہن تو کہیں اور اٹکا تھا۔

"بیٹا! بات دراصل اتنی سی ہے کہ ــــ" خلیل صاحب نے فوراً" اصل بات پر آتے ہوئے کہا۔

"ہم سب کی مشترکہ خواہش تھی کہ علاؤ الدین اور عائرہ کی شادی ہو جائے مگر ہزار کوششوں کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ مانا۔" انہوں نے رک کر اسے دیکھا جو ہمہ تن گوش انہیں سن رہی تھی۔ جبران صاحب نے بات آگے بڑھائی۔

"اب ہم بھائیوں نے مل کر سوچا ہے کہ تم اور علاؤ۔" بات ابھی ان کے منہ میں تھی کہ یکدم مائرہ اٹھی اور با آواز بلند کہا۔

"بس! بہت ہو گیا۔" اور بے اختیار آجانے والے آنسوؤں پر قابو پایا۔

"آخر سمجھ کیا رکھا ہے آپ سب نے مجھے۔ جو آتا ہے اپنی بات مکمل کر کے چل پڑتا ہے۔ میں بھی آپ ہی کی طرح انسان ہوں۔ میرے بھی جذبات ہیں' عزت ہے۔" اس نے غصے سے تقریباً" چیختے ہوئے کہا۔ اس کی آواز اس قدر بلند تھی کہ سب ہی اپنے اپنے کمروں سے لاؤنج کی طرف بھاگے آئے۔

"مائرہ! بچے کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو؟" خلیل صاحب نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ ہوا کیا ہے۔ آپ سب لوگ بتائیں کیا چاہتے آپ لوگ؟" اس نے چیختے ہوئے کہا اور بے دردی سے اپنی آنکھیں مسلیں' جہاں آنسوؤں کا سیل رواں جاری تھا کہ اسی وقت اس کی نظر علاؤ الدین پر پڑی جو اپنے کمرے کے دروازے پر متذبذب سا کھڑا تھا۔ وہ تیر کی تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور جھپٹتے ہوئے پوچھا۔

"سمجھتے کیا ہو تم خود کو؟" اس نے اس گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ علاؤ الدین نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔

"تم ڈی ایس پی ہو گے تو تھانے میں ہو گے' یہاں گھر پر نہیں۔ تمہیں کیا لگا' تم جو چاہو گے جیسا چاہو گے کرو گے اور تمہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ یہاں تو سب تمہاری رعایا ہیں نا جن کی زندگیوں سے جب تم چاہو گے کھیل جاؤ گے۔" غصے میں جو اس کے منہ میں آیا بولتی گئی۔ سب دم بخود اسے ملاحظہ کر رہے تھے۔ کچھ سمجھ چکے تھے اور کچھ اس کے اس رویہ کی وجہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کیا کہا تھا تم نے ہاں۔" اس نے اسے پھر سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "تمہاری شادی صرف مجھ سے ہوگی' نہیں تو تم مر جاؤ گے یا مار دو گے اور اگر میں نے انکار کی کوشش کی تو مجھے اٹھا کر لے جاؤ گے۔" اس نے غصے میں اس کے الفاظ دہرائے۔ "کر دیا میں نے انکار۔ کیا کر لیا تم نے ہاں۔" اس نے جواب طلبی کرتے ہوئے سب کے سامنے اس کا بھانڈا پھوڑا۔

"تو کیا تم چاہ رہی ہو کہ میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں؟" علاؤ الدین نے اس کے غصے کی چنداں پروا نہ کرتے ہوئے کمینی ہنسی کے ساتھ اسے مزید تیخ پا کیا۔

"اوہ شاید تم میرے انکار سے اپ سیٹ ہو پر تم ہی بتاؤ اور میں کیا کرتا۔ تم نے تو بات چیت کے تمام راستے مسدود کر رکھے تھے پھر مجبوراً" مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا اور دیکھو! تم میرے سامنے ہو۔" اس نے دبی آواز میں عذر

بتایا اور شوخی سے دیکھنے لگا۔"
"جانتی ہوں میں تم کتنے بڑے فراڈ اور پلانر ہو لیکن میں تمہاری کسی چالاکی میں نہیں آنے والی۔" اس نے گڑبڑاتے ہوئے بلند آواز میں تنبیہہ کی۔
"اور اب تم کان کھول کر سن لو! تمہاری شادی صرف میرے ساتھ ہوگی اور اگر تم نے انکار کرنے کی کوشش کی تو یا میں خود مر جاؤں گی یا مار دوں گی۔" اس نے سب کو فراموش کر کے اس کے الفاظ اسی کو لوٹائے۔ علاؤ الدین نے ایک ادا سے سر کو خم دیا اور کہا۔
"جو حکم مادام!" اور سب لوگ سرگوشیوں اور بلند آواز میں باتیں کرنے لگے تو مائرہ کی سوئی ہوئی حسیں بیدار ہوئیں اور اس پر شرم کا شدید حملہ ہوا اور جب اسے احساس ہوا کہ کیا کہہ گئی ہے۔ اس نے فرار کے لیے مڑنا چاہا۔ علاؤ الدین نے اس کی کلائی پکڑ لی لیکن اس طرح سے کہ سب کی نظروں سے اوجھل رہی۔ پھر سب بڑوں سے مخاطب ہوا۔
"سن لیا آپ لوگوں نے۔ یہ لڑکی کس قدر فدا ہے مجھ پر۔ اب تو اس پر رحم کھائیں اور سونپ دیں میرا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں۔" اس نے اس کی حالت کا مزا لیتے ہوئے ساری بات کا ملبہ اس پر ڈالا۔
"دیکھ بھی لیا کہ کیسے تم نے ہماری معصوم بچی کو ستایا ہے۔" ذکیہ بیگم نے پیار سے اس کے کان مروڑتے ہوئے کہا۔ "اور بھلا بتاؤ! مجھے بھی چالاکی سے اپنے پلان میں شامل کر لیا بد تمیز!"
سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مائرہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ علاؤ الدین نے کان چھڑاتے ہوئے دونوں کانوں کی لوؤں کو چھوا اور مصنوعی خفگی سے کہا۔
"معصوم اور یہ توبہ توبہ!" اور شرارت کے اسے دیکھا۔
"لیکن ہم سب یہ تو نہیں کہہ رہے تھے۔" جبران صاحب ابھی تک وہیں تھے۔ "ہم تو کہہ رہے تھے کہ ہم نیا کاروبار شروع کر رہے ہیں جسے تم دونوں مل کر سنبھالو گے۔" جبران صاحب نے سادگی سے اپنی ادھوری بات مکمل کی۔ مائرہ پر گھڑوں پانی پڑا۔ بات کیا تھی اور وہ کیا سمجھی۔ علاؤ الدین نے دوبارہ اپنے کان کھجائے
خلیل صاحب اور جبران صاحب ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھ کر ہنس پڑے۔
"مبارک ہو جبران بھئی آخر کو ہم سمدھی بن ہی گئے۔" انہوں نے فرط محبت سے بھائی سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا اور مائرہ کا مارے حیا کے آنکھیں اٹھانا مشکل ہوا۔
"میری پیاری بیٹی۔" ذکیہ بیگم نے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹا۔ علاؤ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑا۔
"کوئی مٹھائی تو منگواؤ۔" ذکیہ بیگم نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔
"مجبوراً" چھوڑنا پڑا ہے اب اس پر کوئی نیا تماشا نہ کھڑا کر دینا۔ ویسے بھی تمہیں آج کل تماشے لگانے کا بہت شوق ہو چلا ہے۔" اس نے مائرہ کے کان میں سرگوشی کی۔
"تم!" مائرہ نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہنا چاہا مگر باقی کا جملہ بھول گئی کیونکہ وہاں کا تو موسم ہی بدلا ہوا تھا۔ سخت چٹیل میدانوں کی جگہ سبزہ زاروں نے لے لی تھی۔ آنکھوں میں شوخی اور لبوں پر مسکراہٹ لیے وہ تو کوئی اور ہی علاؤ الدین لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آن کی آن میں منظر بدلا اور سب نے کھلے دل سے اس نئے رشتے کو قبول کیا۔ مائرہ کو علاؤ الدین کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ ذکیہ بیگم نے ہاتھ سے اپنی خاندانی انگوٹھی اتاری اور علاؤ الدین کو تھمائی کہ پہنا دے تو جبران صاحب نے بھی اپنی انگوٹھی اتار کر مائرہ کے حوالے کی اور آغا جان کی موجودگی میں ان کی منگنی کی رسم ادا ہوئی سب نے مٹھائی سے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کروایا۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
"اب لگے ہاتھوں میری بھی رسم ادا کر دیں۔" محی الدین نے دہائی دی اور بے شرمی کے سارے ریکارڈ

توڑ ڈالے۔

سب نے جواب طلب نظروں سے عائزہ کو دیکھا جو خلاف معمول شرم سے سرخ ہوتا چہرہ لیے بوکھلائی کھڑی تھی۔

"اب کوئی اعتراض ہے عائزہ صاحبہ آپ کو۔" کاکا جانی نے خوش مزاجی سے پوچھا۔

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے انتہائی سعادت مندی سے کہا۔

"دلیکن میرے پاس تو ایک ہی انگوٹھی تھی۔" ذکیہ بیگم نے اپنی پریشانی سب کے گوش گزار کی۔

"میں لایا ہوں۔" محی الدین نے جیب سے انگوٹھی برآمد کی اور خود ہی بڑھ کر عائزہ کی انگلی میں ڈال دی۔ سب کے قہقہوں میں آغا جان کے قہقہے بھی شامل تھے۔

شادی ان سب کے فائنلز کے بعد طے کی گئی منگنی سے شادی تک کہ تمام امور خوش اسلوبی سے انجام پائے۔

علیشا اپنے بچوں سمیت آگئی تھی۔

شادی کے ہنگامے عروج پر تھے عائزہ اور مائرہ سب کچھ بھلائے ایک ساتھ پارلر کے چکروں میں تھیں اور آئے روز فیس پیک لگا کر بیٹھ جاتیں۔ حیرت انگیز طور پر دونوں میں مثالی بہنوں کا پیار دیکھنے میں آیا۔

شادی سے دو روز قبل مائرہ ایسا ہی کوئی فیس پیک لگائے اور آنکھوں پر کھیرے کی قاشیں رکھے بیٹھی تھی دونوں ٹانگیں سامنے صوفے پر رکھی تھیں سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ وہ اس وقت ٹی وی لاؤنج میں تھی دونوں کی رخصتی ایک ہی دن تھی۔ وہ اپنی آنے والی زندگی کی پلاننگ کر رہی تھی کہ اچانک اس سے کوئی چیز آکر ٹکرائی۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔ کاغذ کا جہاز تھا۔ جہاز کے پیچھے علیشا کی بیٹی آبگینے تھی۔

اس نے اپنی آنکھوں سے کھیرے کی قاشیں ہٹائیں اور اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے چٹاچٹ چوم لیا۔

"یہ کس نے بنا کر دیا پرنسز کو۔" اس نے پیار سے مزید سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"علاؤ ماموں نے۔" اس نے انتہائی سرشاری سے کہا۔

"پتا ہے آنی! ماموں کے پاس ڈھیر سارے جہاز ہیں۔" اس نے ننھے ننھے بازوؤں کو پھیلاتے ہوئے توتلی زبان میں کہا۔

اسی اثنا میں اس کے عضوئے شامہ نے کچھ جلنے کا پیغام دیا۔ اس نے تلاش میں نظریں گھمائیں کہ کیا جل رہا ہے۔ لان کی طرف گلاس وال سے علاؤ الدین کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ اور اس کے سامنے دھواں اور آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے وہ پاس پڑے کارٹن سے کچھ نکال نکال کر آگ میں پھینک رہا تھا۔ اس نے تفصیل سے جائزہ لیا کہ اس کی نظر آبگینے کے جہاز پر پڑی جو گود میں بیٹھی آبگینے نے اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ اس کے ایک پر پہ "نگہت عبداللہ" کا نام واضح لکھا نظر آرہا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا صفحہ کسی ڈائجسٹ کا لگ رہا تھا۔

"یہ۔ یہ دکھاؤ ذرا مجھے۔" اس نے آبگینے کو گود میں اتارتے ہوئے کاغذ اس کے ہاتھ سے چھینا اور جلدی اس جہاز کو کھول کر سیدھا کیا۔ اس اچانک افتاد سے آبگینے نے شور و غوغہ کا طوفان بپا کر دیا مگر پروا کسے تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے ڈائجسٹ ناول اور میگزینز کے ذخیرے کو جسے اس نے انتہائی دقتوں سے حاصل کیا تھا۔ علاؤ الدین کی لائبریری میں منتقل کر دے گی اور اب اس کے سامنے اس کے ہاتھ میں موجود صفحے پر "میرے خواب لوٹا دو" لکھا نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہفت افلاک گھوم گئے۔ جب جھماکے سے اگلی سوچ اس کے ذہن میں نمودار ہوئی تو وہ تمام شرم و حیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بلند آواز میں چیخیں مارتی لان کی سمت لپکی جہاں علاؤ الدین اپنی تمام فتنہ سامانیوں سمیت موجود تھا۔ اب تک دونوں دلہنوں کا دولہاؤں سے باقاعدہ پردہ تھا۔

لان کا منظر ہولناک تھا۔ وہ ستم گر' قراقرم کا تاج محل' دل دیا دہلیز' شہردل کے دروازے جیسی تحریروں کو نذر آتش کر رہا تھا اور وہ ان ہی رسالوں کی مظلوم و مغموم ہیروئن بنی آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ اور سامنے بھڑ بھڑ بھڑ اس کے دلعزیز ڈائجسٹ جل رہے تھے۔ غم و غصے اسے سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔

وہ گنگ سی دیکھے گئی۔ اپنے کمرے کے ٹیرس سے محی الدین بھی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا مگر اس کی نظروں کا محور عائزہ تھی۔ جو علاؤ الدین سے کچھ فاصلے پر بیٹھی بہت مستعدی کے ساتھ ان تمام پوسٹرز کو آگ میں جھونک رہی تھی' جو کل تک اس کے کمرے کی زینت تھے۔

علاؤ الدین پھر سے حرکت میں آیا اور مزید ڈائجسٹوں کو حوالۂ آگ کرنا چاہا۔ اسی وقت مائرہ کے ساکت وجود میں حرکت آئی اور پھر سے جناتی قوت اس میں حلول کر گئی جیسے اس سے بیشتر ایسے وقتوں میں ہوجاتی تھی۔ اس نے ہاتھوں سے ڈائجسٹ نوچ کر باقی کارٹن اپنے قبضے میں کیا۔ اچھا خاصا نقصان ہوچکا تھا اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے باقی ماندہ ڈائجسٹوں کو دیکھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی۔ کیوں کیا تم نے یہ؟" اس نے شہادت کی انگلی اس پر تانتے ہوئے غم و غصے میں ڈوبی آواز میں پوچھا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے اس پر جھپٹتے ہوئے کہا۔ علاؤ نے بروقت بچاؤ کرتے ہوئے اس کا وار روکا اور مزید کسی کارروائی سے روکنے کے لیے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کا بازو مروڑ کر اس کی پشت اپنی طرف کی اور کچھ فاصلہ رکھتے ہوئے مضبوطی سے جکڑ لیا کہ اب وہ نہ تو مزید مزاحمت کر پارہی تھی اور نہ ہی اس کی گرفت سے آزاد ہو رہی تھی۔

"ایسی بھی کیا بے قراری یار! دو دن بعد ہماری شادی ہے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔" اس نے دبی آواز میں معنی خیزی سے کہا۔

"دیکھ لے جسے دیکھنا ہے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ تم جاہل انسان! جن کتابوں کو تم جلا رہے ہو' پہلے اسے پڑھ کر تو دیکھ لیتے کہ اس میں لکھا کیا ہے' کیسی کیسی انمول تحریریں تھیں۔" اس نے جزبز ہوتے ہوئے کہا مگر آواز کافی بلند تھی۔

"آغا جان! آپ یہیں پر ہیں۔ آپ کے سامنے اس نے بے ہودہ حرکت کی ہے اور آپ نے روکا بھی نہیں۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"آغا جان کے حکم پر ہی ہم نے یہ سب کیا ہے۔" عائزہ کی انتہائی مؤدب اور عاجزی انکساری میں ڈوبی آواز

شائع ہوگئے ہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو	راحت جبیں	قیمت:	250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	قیمت:	600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں	لبنیٰ جدون	قیمت:	250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

برآمد ہوئی۔

"تم بھی یہیں ہو پھر تو یہ سب ہونا ہی تھا۔ تم سے اور کچھ توقع بھی نہیں کی جا سکتی اس کے سوا۔" اس نے اسے لتاڑتے ہوئے کہا۔

"لڑکی! تم میں تمیز نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ ہم ہی نے ان بچوں سے کہا تھا کہ انہیں جلا دو تاکہ تمہیں ان کی اہمیت کا اندازہ ہو اور کہیں سے لگتا ہے کہ تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ اور تم سے میں نے کہا تھا کہ علاؤ الدین کے ساتھ صبح اٹھ کر واک پر جایا کرو روز کے چالیس پچاس چکر بھی تمہاری طبیعت پر گراں گزرتے ہیں کیا۔ بمشکل ایک ہفتہ ہی گئی ہو تم اور اب بارہ بارہ بجے تک پڑی اینٹھتی رہتی ہو۔"

آغا جان کا مارننگ واک پر لیکچر شروع ہو چکا تھا اور یہ سب سنتے ہوئے کب علاؤ نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا اسے پتا ہی نہ چلا۔ اس کی تمام تر توجہ تو پچاس چکروں پر اٹکی تھی۔ اس نے کھوجتی نظروں سے علاؤ الدین کو دیکھا جو نظریں چرانے کے لیے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

"اب تو تم تندرست ہو۔ اب کیوں نہیں ڈال لیتی صبح خیزی کی عادت۔" اس کے بعد وہ علاؤ الدین اور عائزہ کی تعریفوں میں رطب اللسان ہوئے۔ مائرہ کے پاس ماسوائے سننے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

اتنے میں محی الدین بھی وہیں چلا آیا۔ آتے ساتھ ہی اپنے ہاتھوں میں موجود کارٹن کو بھڑکتے الاؤ میں انڈیلا۔ وہ بھی پیچھے رہنے والوں میں سے نہ تھا۔ میدان عمل میں کودا۔

"بہت شوق ہے نا تم لوگوں کو دوسروں کی چیزیں برباد کرنے کا اس نے عائزہ کا نام لینے سے احتراز برتا مگر ان پوسٹرز کے ساتھ کاسمیٹکس' رنگ برنگے پرس اور طرح طرح کے جوتے بھی اسی آگ کی نذر ہو چکے ہیں۔" اس نے تپتے چہرے کے ساتھ مطلع کیا اور صدمے سے عائزہ بے ہوش ہو کر زمین بوس ہوئی۔

"آپ میں سے علاؤ الدین کون ہیں؟" شادی کا گھر ہونے کے باعث گیٹ کھلا تھا اور گیٹ مین ندارد۔ اسی لیے نووارد سیدھا ان کے پاس چلا آیا اور اب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

محی الدین اور مائرہ کی چونکہ اس کی جانب پشت تھی۔ اس لیے سب سے پہلے وہی متوجہ ہوئے اور نووارد کی فلک شگاف چیخ سارے میں بلند ہوئی۔ وجہ مائرہ تھی جس کے چہرے پر لگا فیس پیک دھوئیں اور آنسوؤں سے خوفناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ مائرہ کو احساس ہوا کہ اب تک وہ فیس پیک لگائے ہوئے ہے تو وہ رہائشی حصے کی طرف دوڑی۔

آنے والا پوسٹ مین تھا' جو علاؤ الدین کے نام کی رجسٹری لایا تھا۔ جس میں اس کے ٹرانسفر آرڈرز تھے جو کسی دور افتادہ علاقے میں ہوا تھا۔ آرڈرز ملتے ہی علاؤ الدین نے اسے رکوانے کی سرتوڑ کوشش شروع کر دی تھی کیونکہ دو دن بعد اس کی شادی تھی اور ولیمے کے روز اسے وہاں کا چارج سنبھالنا تھا۔ رجسٹری اس تک تاخیر سے پہنچی تھی۔

مائرہ کو کمینی سی خوشی محسوس ہوئی۔ اور اس کے جلتے بھنتے دل پر پھوار سی پڑی۔ قطع نظر اس کے کہ اس کی شادی اسی سے ہونے والی ہے۔ وہ دل ہی دل میں اس کی پریشانی پر خوش ہوتی رہی یہاں تک کہ اس کی رخصتی کا وقت آن پہنچا۔ جب آغا جان نے بتایا کہ وہ عائزہ کے ساتھ رخصت ہو کر اس دور افتادہ علاقے میں جا رہی ہے ولیمے کے بعد البتہ عائزہ اسی گھر میں لوٹ آئے گی۔ مائرہ وہیں رہے گی علاؤ الدین کے ساتھ۔ ان لوگوں کا ولیمہ بھی وہیں ارینج ہو چکا ہے۔ یہ سن کر وہ دھاڑیں مار مار کر روئی کیونکہ اب تک وہ سمجھ رہی تھی کہ کاکا جانی اپنی لاڈلی کو خود سے الگ نہیں کرنا چاہیں گے اور علاؤ الدین تنہا ہی وہاں جائے گا۔ مگر اب بازی مکمل طور پر پلٹ چکی تھی۔

اور اب گھر کے بڑے انگشت بدنداں تھے کہ اب ہوگا کیا؟ آپ بھی سوچیے!

For More Visit
Paksociety.com

ایک آرزو

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں، عزلت میں دن گزاروں
دُنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گُل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا، سبزے کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دُلہن کو
سُرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا میری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سُو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں، وہ میری ہم نوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیرو حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ میری دُعا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

علامہ اقبال

کس کے کہے پہ شہر کو مقتل بنا دیا گیا
گلشن کو کاٹ چھانٹ کے جنگل بنا دیا گیا

اس کے خلاف ڈھونڈ کے لائی گئیں شہادتیں
جو باشعور تھا اُسے پاگل بنا دیا گیا

زخموں کو دے کے بانکپن اوڑھا گیا وجود پر
دل کے دھوئیں کو آنکھ کا کاجل بنا دیا گیا

کچھ تلخیوں کے داغ کو گھونگھٹ کی اوٹ دی گئی
باقی بساطِ درد کو آنچل بنا دیا گیا

چبھنے لگی نگاہ میں دشتِ سفر کی دھوپ تو
دستِ دعا کو اس گھڑی بادل بنا دیا گیا

انسان ہی تو تھا جسے عظمت ملی نصیب سے
جن و ملک سے بھی اسے افضل بنا دیا گیا

پاؤں نہیں جما سکے کوشش کے باوجود بھی
اہلِ سفر کا راستہ دلدل بنا دیا گیا

شمیم فاطمہ

آ گیا خواب میں پری زادہ
اور سنہری پری ہوئی لڑکی

دیکھتی ہی نہیں تھی اپنی طرف
آئینے سے ڈری ہوئی لڑکی

میرے چھونے سے ہو گئی زندہ
تھی جو پہلے مری ہوئی لڑکی

تخلیے میں دیا جلاتے ہوئے
کاسنی سے ہری ہوئی لڑکی

صبح کے باغ میں ملی اک دن
زندگی سے بھری ہوئی لڑکی

جانتی ہے کہ عشق کیا شے ہے
اک محبت کری ہوئی لڑکی

سیدہ کامی شاہ

آئینہ

ساحلِ سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے ڈیٹ مارتے ہوئے لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ سے پوچھا "جانو تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"ہائیں سچ! کیا تم میرے لیے چاند لا سکتے ہو۔" لڑکی نے پرجوش ہو کر کہا۔

"ایک منٹ رکو ذرا۔" یہ کہہ کر لڑکا غائب ہو گیا اور کافی دیر انتظار کے بعد جب لڑکا واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو اس نے لڑکی کے ہاتھوں میں پکڑا دی۔ لڑکی نے دیکھا تو آئینہ تھا، جس میں اپنے عکس پر نظر پڑی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خوش ہو کر لڑکے کو مخاطب کیا۔ "کیا تم مجھے چاند سمجھتے ہو۔"

"نہیں میں تو تمہیں یہ کہہ رہا ہوں کہ چاند مانگتی ہو۔ کبھی شکل دیکھی ہے اپنی۔" لڑکے نے رکھائی سے "ہونہہ" کہہ کر جواب دیا۔

فائزہ محمد زبیر خان، ناظم آباد 2 کراچی

قابلِ دید!

برنارڈ شا کے ڈرامے کے منیجر نے برنارڈ شا کو درجہ اول کے چھ عدد اعزازی پاس دیتے ہوئے کہا۔

"یہ پاس آپ شہر کے معززین کو اپنی طرف سے دیں، انہیں ضرور مدعو کریں تاکہ ہمارے ڈرامے کی نمائش کامیاب ہو جائے۔"

ان ہی دنوں برنارڈ شا کے گھر میں کچھ تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ چنانچہ برنارڈ شا نے منیجر کے جانے کے بعد ٹھیکے دار کو بلا کر کہا۔

"یہ ڈرامے کے پاس ہیں۔ آج شام اپنے عزیزوں کے ساتھ جا کر اسے دیکھ لینا۔"

دوسرے دن ٹھیکے دار نے برنارڈ شا کو تعمیراتی کام کا بل دیا تو اس میں تین گھنٹے کا اوور ٹائم بھی درج تھا۔

کام کے کاغذ!

ایک افسانہ نگار نے اپنے ان پڑھ نوکر کو کاغذ جلاتے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو کر کہا۔ "ارے کہیں میرے کام کے کاغذ تو نہیں جلا دیے؟"

نوکر نے جواب دیا!

"حضور میں اب اتنا بھی احمق نہیں، صرف لکھے ہوئے جلائے ہیں۔ سادے کاغذ ویسے ہی چھوڑ دیے ہیں۔"

بہری!

ایک عورت نے اپنے شوہر پر بارہ گولیاں چلائیں۔ مقدمے کے دوران جج نے پوچھا۔

"ملزمہ نے اتنی زیادہ گولیاں اپنے شوہر کے جسم میں کیوں اتاریں آخر؟"

"دراصل۔ میری موکلہ اونچا سنتی ہیں۔" ملزمہ کے وکیل نے دفاع کرتے ہوئے کہا۔

اچھی بات!

دو چیزیں زندگی میں پورے حق سے لینی چاہئیں۔

1 - سبزی کے ساتھ دھنیا
2 سموسوں کے ساتھ چٹنی

سچی دوستی!

باپ۔ "رات کو کہاں تھے؟"

بیٹا۔ ”دیر ہو گئی تھی۔ دوست کے گھر ہی رک گیا تھا۔“ باپ نے اسی وقت فون اٹھایا اور دس دوستوں کو کال کی۔

چھ دوستوں نے کہا۔ ”ہاں انکل رات وہ میرے پاس ہی سویا تھا۔“

تین نے کہا۔ ”انکل! وہ سو رہا ہے آپ کہیں تو اٹھادوں؟“

ایک نے تو حد کردی۔ کہنے لگا۔ ”جی ابو۔ بولیں۔“

”بے وقوفی کی انتہا“

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا ”میرا نوکر اتنا بے وقوف ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ تم دیکھو میں ابھی ثابت کرتا ہوں۔ پھر نوکر کو بلا کر کہا۔

”یہ لو سو روپے اور نئی سوزوکی کار لے آؤ۔“ نوکر چلا گیا۔

دوسرا مالک بولا۔ ”یہ تو کچھ نہیں ہے۔ میرا نوکر تمہارے نوکر سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔ ابھی دیکھو۔ اس نے نوکر کو بلایا اور کہا۔ دیکھ کر آؤ میں گھر پر ہوں کہ نہیں۔“

دونوں نوکر باہر ملے۔ پہلے نے کہا میرا مالک اتنا بے وقوف ہے کہ اس نے مجھے سو روپے دے کر کہا کہ نئی سوزوکی لے آؤ حالانکہ آج اتوار ہے آج سارے شوروم بند ہیں۔

دوسرا نوکر بولا۔ ”میرا مالک زیادہ بے وقوف ہے۔ اس نے مجھے گھر بھیج کر یہ معلوم کروایا ہے کہ جاکر دیکھوں کہ وہ گھر پر ہے کہ نہیں جبکہ یہ بات وہ ٹیلی فون پر بھی معلوم کر سکتا ہے۔

مدیحہ نورین مہک۔۔۔ برنالی

سمجھداری

پٹھان نے سرکاری زمین پر غیر قانونی دیوار بنائی۔ کسی نے کہا۔ ”کچھ ایسا کرو کہ دیوار پرائی لگے۔ ورنہ کارروائی ہو سکتی ہے۔“

پٹھان نے دیوار پر لکھ دیا۔ ”ہم قائد اعظم کو پشاور آنے پر خوش آمدید کہتے ہیں۔“

حرا قریشی۔۔۔ بلال کالونی ملتان

مشکوک

پولیس: آپ کے اردگرد اگر کوئی مشکوک شخص رہتا ہے تو پولیس کو فوری اطلاع کریں۔

پٹھان: میرا پڑوسی وقت پر دفتر جاتا ہے، کام ایمانداری سے کرتا ہے۔ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں، رشوت نہیں لیتا۔ جھوٹ نہیں بولتا اور ٹریفک کے اصولوں کی پابندی کرتا ہے اس کو چیک کریں۔ وہ مجھے پاکستانی نہیں لگتا۔

ثمینہ اکرم۔۔۔ کراچی

نتیجہ

ایک بار ایک شوہر سے اس کی بیوی نے پوچھا کہ اگر میں چار پانچ دن کے لیے نظر نہ آؤں تو آپ کو کیسا لگے گا؟ شوہر نے یکدم خوشی سے کہا اچھا لگے گا۔“ پھر تو

پیر کو بھی بیوی نظر نہ آئی۔

منگل کو بھی نظر نہ آئی۔

بدھ کو بھی نظر نہ آئی۔

جمعرات کو بھی بیوی نظر نہ آئی۔

اور آخر کار جمعہ کو جب آنکھوں کی سوجن کم ہوئی تو پھر تھوڑی تھوڑی نظر آنے لگی۔

سردار جی

ایک سردار سے کسی نے پوچھا۔ ”عقل بڑی یا بھینس۔“

سردار جی نے پگڑی اتار کر ذرا سا سر کھجایا۔

اور بولے۔ ”پہلے تاریخ پیدائش تو بتاؤ۔“

عائشہ شیرازی۔ بھاولنگر

عاشق

آپ کا کتا بالکل شیر جیسا لگتا ہے۔ کیا کھلاتے ہیں آپ اس کو۔

بھائی یہ کمینہ شیر ہی ہے۔ جب سے عشق محبت

کے چکر میں گرفتار ہوا ہے۔ اس کی صورت کتے جیسی ہو گئی ہے۔

فاطمہ شیرازی بھاولنگر

عادت

ایک دعوت میں ایک ٹی وی اناؤنسر کو آخر میں مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کی ذمے داری سونپی گئی تو اس نے یوں خطاب کیا۔

"خواتین و حضرات! کھانا خانساماں اور نوکروں کے تعاون سے پیش کیا گیا۔ مین اسپانسر تھے اہل خانہ خورشید صاحب! ان کے ساتھ دیگر اشتراک میں شامل تھیں ان کی بیگم صاحب اور صاحب زادیاں۔ اب ضیافت کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے۔ امید ہے اگلے ماہ پھر اسی وقت 'اسی جگہ ملاقات ہوگی۔ تب تک کے لیے خدا حافظ۔"

بے قصور

"جناب والا! اگر میرا موکل چاروں ہاتھ پیروں کے بل سڑک پر چل رہا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ نشے میں تھا۔" وکیل صفائی نے کہا۔

"جی ہاں جناب! میں تسلیم کرتا ہوں۔" پولیس والا بولا۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ صاحب نہ صرف چاروں ہاتھ پیروں پر چل رہے تھے بلکہ سڑک کو لپیٹنے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔"

انٹرویو

میاں بیوی کے بہت جھگڑے رہتے تھے۔ ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کے سلسلے میں مشورے لینے کے لیے دونوں ایک مشیر ازدواجیات کے پاس پہنچے۔ دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ بیوی اور مشیر کے درمیان مندرجہ ذیل مکالمہ ہوا۔

مشیر! "کیا آپ اپنے شوہر کے کام میں دلچسپی لیتی ہیں؟"

بیوی! "جی ہاں۔ میں تو روزانہ ان سے کہتی رہتی ہوں کہ باس سے اپنی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کریں۔"

مشیر! "آپ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنا پسند کرتے ہیں؟"

بیوی! "باتیں تو ہم دونوں ہی کرتے ہیں۔ اور بہت کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ سنتا دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔"

مشیر! "آپ اخراجات کے سلسلے میں محتاط ہیں یا نہیں؟"

بیوی! "ہم دونوں کو فضول خرچی سخت ناپسند ہے۔ مجھے اپنے شوہر کی فضول خرچی اور انہیں میری فضول خرچی۔"

اس سادگی پہ۔۔!

ہائی وے پر نہایت تیز رفتاری سے جاتے ہوئے ایک صاحب کی گاڑی کو ٹریفک سارجنٹ نے کافی دیر تک تعاقب کرنے کے بعد روکا تو وہ صاحب انجان اور معصوم بنتے ہوئے بولے۔ "مجھے کس لیے روکا گیا ہے؟ اس سے پہلے تو کبھی مجھے اس طرح نہیں روکا گیا۔"

"جی ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" سارجنٹ نے دانت پیس کر کہا۔ "اس سے پہلے جس نے بھی آپ کو روکا ہوگا گاڑی کے پچھلے ٹائروں پر گولی چلا کر ہی روکا ہوگا۔"

سعدیہ یاسین۔ کراچی

لاجواب

فریدہ نے نسیمہ سے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کیا سوچ کر باری صاحب سے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ تو تمہارے مقابلے میں بہت بڑی عمر کے ہیں۔ ان کے منہ میں دانت تک نہیں اور وہ گنجے بھی ہیں۔"

"یہ تو کوئی عیب نہیں ہے۔" نسیمہ نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ تو پیدائش کے وقت بھی ایسے ہی تھے۔"

شازیہ مریم۔ لاہور

شگفتہ جاہ

یادگار لمحے
حسن خیال، حسن تحریر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"نہیں (تم عذاب سے نہیں بچ سکتے) حتیٰ کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر (اسے ظلم سے روک دو اور) اسے حق قبول کرنے پر مجبور کر دو۔"

(ابن ماجہ)

مہمان کی عظمت،

ایک دن امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ رضی نے فرمایا۔
"اس لیے رو رہا ہوں کہ سات دن سے کوئی مہمان میرے گھر نہیں آیا ہے۔"

چار خوبصورت باتیں،

☆ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں وہ کبھی اچھے دوست نہیں بن سکتے۔
(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)
☆ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر اعتماد نہ کرو۔
(حضرت عمر رضی اللہ عنہ)
☆ محبت سب سے کرو مگر اعتبار چند لوگوں پر۔
(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)
☆ اچھے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا وہ یاد رہ جاتے ہیں۔
(حضرت علی رضی اللہ عنہ)

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

سکون قلب،

آج کا انسان سکون کی خاطر آسمانوں کے دروازے کھولنے چلا گیا لیکن اس سے دل کا دروازہ نہیں کھلتا۔ جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ اچھا زمانہ یا تو گزر گیا ہے یا کبھی آیا ہی نہیں وہ کیسے سکون حاصل کر سکتا ہے۔ جس انسان کی اپنے ماحول اور اپنے آپ سے صلح ہو وہ پُرسکون رہے گا۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت سے سکون ملتا ہے لیکن دولت اور مال نے کبھی کسی کو سکون نہیں دیا۔ بادشاہ نے بادشاہی چھوڑ کر درویشی تو قبول کی ہے لیکن کسی درویش نے درویشی چھوڑ کر بادشاہی قبول نہیں کی۔ نفرت، کینہ، بغض، حسد اور لالچ وغیرہ سکون قلب کے دشمن ہیں۔ سکون والا انسان دوسروں کی زندگی اور خوشی کا احترام کرتا ہے۔

(واصف علی واصف)

کائنات اصغر۔ ڈہرکی

چھوٹی سی بات،

• دیوار میں چنی ہوئی ہر اینٹ دیوار ہے۔ اگر صرف ایک اینٹ بھی نکل جائے تو دیوار، دیوار نہیں کہلائے گی، کھنڈر کہلائے گی۔
• مچھلی کا مزہ ہی کانٹوں سے ہے۔ کانٹے نہ ہوتے تو مچھلی اور شکر قندی میں کیا فرق باقی رہتا۔
• ہم بعض لوگوں کو چاہنے کے باوجود نظر انداز نہیں کر سکتے اور بعض لوگوں کو ہم چاہتے ہوئے بھی عزت نہیں دے سکتے۔

(مستنصر حسین تارڑ)

فوزیہ تمریٹ۔ گجرات

خوش رہنے کے اصول،

مشہور مفکر جی ڈی کان نے لکھا ہے۔ جس طرح گھاس یا پھول کی زندگی ہوتی ہے، ایسی ہی زندگی آپ بھی گزاریں۔ گھاس کا تنکا یا پھول کی پتی اس

بات کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ اس سے بڑی گھاس یا خوبصورت پھول اور بھی موجود ہیں۔ وہ اپنے آپ سے مطمئن رہتے ہیں۔

سونیا گوندل۔ جہلم

حضرت علیؓ نے فرمایا،

صبح کی نیند انسان کے ارادوں کو کمزور کرتی ہے۔ منزلوں کو حاصل کرنے والے کبھی دیر تک سویا نہیں کرتے۔

مدیحہ نورین مہک۔ برنالی

دو چیزیں،

اگر زندگی میں خوش رہنا چاہتے ہو تو دو چیزیں بھول جاؤ۔ ایک وہ جو برا سلوک کسی نے تمہارے ساتھ کیا اور وہ اچھا عمل جو تم نے کسی کے ساتھ کیا۔

ثمرہ، اقراء۔ کراچی

اللہ کا شکر،

جب انسان اللہ کی شکر گزاری سے نکلتا ہے تو تب وہ کہیں کا نہیں رہتا۔

(اشفاق احمد)

نوال افضل گھمن۔ لاہور

نیک نیتی،

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"جو آدمی اپنے دینی بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہ کرے گا وہ نیک کام پر بھی اس کا شکر ادا نہ کرے گا۔ اور چاہیے کہ پس پشت اس کی مدد اور اعانت کرے اور طعن و تشنیع کرنے والے کو اس کا جواب دے اور اسے اپنی طرح تصور کرے اور یہ بڑا ظلم ہے کہ کوئی اس کے دوست کو برا کہے اور یہ چپ بیٹھا رہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ اس کے دوست کی پٹائی ہو رہی ہو اور وہ بیٹھا دیکھتا رہے اور اس کی کچھ مدد نہ کرے۔ حالانکہ بات کا زخم بڑا شدید ہوتا ہے۔

صبا سلیم۔ کراچی

لوگوں سے میل جول رکھنا،

بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا دانا آدمی تھا۔ جس نے حکمت اور دانائی کی باتوں میں تین سو ساٹھ کتابیں لکھی تھیں۔ آخر کار اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میرا اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں بہت بڑا درجہ ہے۔

اس زمانے کے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

"اس سے کہہ دو کہ تو نے روئے زمین پر اپنی شہرت کروا دی ہے۔ میں تیری کسی بات کو بھی قبول نہیں کرتا۔"

تو اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس خیال سے توبہ کی اور ایک کونے میں جا بیٹھا اور کہا اب اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہو گیا۔

پھر وحی آئی: "میں اس سے خوش نہیں ہوں۔"

تو وہ خلوت خانے سے باہر آیا اور بازاروں میں جانا اور لوگوں سے میل جول کرنا شروع کیا اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

"اب میں تجھ سے خوش ہوں اور تو نے مجھے پا لیا ہے۔"

عذرا ناصر۔ کراچی

شکر،

شکر الٰہی کے اظہار کا ایک انداز۔

"جو ملا وہ بہترین۔

جو نہیں ملا اس میں بہتری۔"

آسیہ نظام الدین میمن۔ حیدر آباد

اخلاق،

محمد بن موسیٰ الخوارزمی جو حساب اور الجبرا کے بانی تھے، انہوں نے انسان کے بارے میں انوکھا حساب کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کے پاس اخلاق ہے تو اسے ایک نمبر دو۔ اگر خوبصورتی بھی ہو تو اس کے ساتھ صفر لگا دو۔ یہ ہو گئے دس۔ اگر دولت بھی ہو تو ایک اور صفر لگا دو۔ یہ بن گئے سو۔ اگر حسب و نسب

بھی ہو تو ایک اور صفر لگا دو یہ ہو گئے ایک ہزار (1000) اب اگر اس میں سے اخلاق کا ایک ہٹا دو تو بس وہ بندہ "000" رہ جائے گا۔"

انعم، رائمن۔ عبدالحکیم

زندگی کیا ہے؟

حضرت معروف سے کسی نے سوال کیا۔

"حضرت! زندگی کیا ہے؟"

آپ نے جواب دیا۔ "ایک دریا۔"

پوچھنے والے نے دریافت کیا۔ "اور آخرت؟"

جواب دیا۔ "ساحل۔"

اور پھر سوال کیا۔ "تقویٰ؟"

جواب ملا۔ "کشتی۔"

ٹوٹی ہوئی پینٹنگ

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک نامور آرٹسٹ اپنی ایک شاہکار پینٹنگ بنانے میں مصروف تھا۔ وہ پینٹنگ اس کا ایک نہایت ہی خوبصورت شاہکار تھی۔ اور اس کو وہ ملک کی شہزادی کو شادی کا تحفہ بنا کر پیش کرنا چاہتا تھا۔

وہ مصور اپنے شاہکار کو لے کر ہوٹل کی بالکونی میں آگیا۔

وہ اسے بغور دیکھنے کے لیے چند قدم پیچھے ہٹا۔ پیچھے جاتے ہوئے وہ پیچھے کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس لمبی عمارت کے بالکل کنارے تک پہنچ گیا۔ اب وہ ایک قدم بھی اگر پیچھے کی جانب بڑھاتا تو نیچے گر کر مر جاتا۔

ایک آدمی دور سے اس مصور کی حرکات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے آرٹسٹ کو آواز دینا چاہی لیکن اچانک ہی اسے خیال آیا کہ کہیں اس کی آواز آرٹسٹ کو چونکا نہ دے اور یوں وہ ایک قدم اور پیچھے ہو کر نیچے ہی نہ گر جائے۔ یہی سوچ کر وہ شخص آواز دینے سے رک گیا۔

اس نے برش اٹھایا اور پینٹنگ پر پھیرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ پینٹنگ مکمل طور پر تباہ ہو گئی۔ جب ونسٹلے نے یہ دیکھا ایک پاگل آدمی اس کی خوبصورت تخلیق کے ساتھ کیا کر رہا ہے اس کی محنت ملیامیٹ ہو رہی ہے تو وہ اس آدمی کی جانب اس کو مارنے کے لیے بھاگا۔ لیکن وہاں چند اور لوگوں نے اس کو روک لیا اور اس مصور کو وہ مقام دکھایا جدھر وہ کھڑا تھا۔ اور موت اس سے محض ایک قدم کے فاصلے پر تھی۔ اگر وہ ایک بھی قدم پیچھے ہٹتا تو نہ وہ خود رہتا نہ اس کا فن پارہ۔

ہم سب کی زندگی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ ہم سب بھی اپنی زندگی کے لیے خواب دیکھتے ہیں، کوشش کرتے ہیں لیکن جب ہمارے خواب بکھر جاتے ہیں تو خود کو ایک دم خالی محسوس کرتے ہیں اور ہم بہت شکوہ شکایت کرتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ ہماری وہ پینٹنگ صرف اس وقت توڑتا ہے جب وہ ہمیں کسی خطرے میں دیکھتا ہے۔ وہ ہمیں محفوظ رکھنا چاہتا ہے لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے۔ اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بندوں کے لیے وہی منتخب کرتا ہے جو ان کے لیے مناسب اور بہتر ہوتا ہے۔

موتی

☆ کسی نے پوچھا کوئی اپنا چھوڑ جائے تو کیا کرو گے بہت ہی خوبصورت جواب ملا۔
"اپنا کبھی چھوڑ کے نہیں جاتا اور جو جائے وہ اپنا نہیں ہوتا۔"

☆ جب پیار ان سے نہ ملے، جن سے آپ محبت کرتے ہوں، تو پھر محبت ان کو ضرور دینا جو آپ سے پیار کرتے ہوں۔

☆ فقط اللہ ہی ہے جو ایک سجدے سے راضی ہو جاتا ہے ورنہ یہ انسان تو جان لے کر بھی راضی نہیں ہوتے۔

طلعت اقبال۔ لطیف آباد

Downloaded From
Paksociety.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

میں کسی کام کا نہیں ورنہ
وہ کسی کام سے آ ہی جاتا

سعدیہ نازلی دعا ______ کسووال

عنوانِ محبت پہ ہم بس اتنا ہی لکھ پائے
بہت کمزور رشتے تھے بہت مضبوط لوگوں سے

ثمرہ جاوید ______ بسم اللہ پور

در و دیوار کس کے منتظر
حریمِ جسم و جاں تک روشنی ہے
وہ گزرے ہیں ابھی اس راہ گزر سے
مکاں سے لامکاں تک روشنی ہے

ملائکہ کوثر ______ بسم اللہ پور

مضافات کی اک گلی میں جب گھر
کچی منڈیروں کے سائے کے اوپر
دیکھ رہا ہے مدھم سا چاند
خاموش آنگن میں، ہر فکر ہے ماند

صائمہ جیمی ______ کراچی

امیدیں توڑ کے کتنا سکون ملتا ہے
توقعات کے غم میں عذاب کتنے ہیں

سمیرا انتظار ______ کوٹ چھٹہ

عجب رنگ ہیں میری دیوانگی کے
جب بھی دیکھتی ہوں تو نیا لگتا ہے

ساجدہ شبنم ______ لاہور

میری دوراندیشی نے اک فائدہ تو دیا تجھ کو
تیرے بولنے سے پہلے بدل دیا تجھ کو

روزینہ نعیم ______ گوجرانوالہ

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ناہید راشد ______ کراچی

اس ہجر کا بیاں ہم سے نہ ہو سکے گا
تم لوٹ آئے ہو یہی کافی ہے

ثناء عبدالقیوم ______ بنگہ جیمہ

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

سیدہ نیبت زہرا ______ کہروڑ پکا

تم مجھ سے بچھڑ کے میری خواہش میں رہنا
جب دھوپ کو سہنا ہے تو بارش میں نہ رہنا
سچائی کے رستے میں نہیں سائباں کوئی
چلنا ہے تو پھر چھاؤں کی خواہش میں نہ رہنا

ثریا شاہ ______ کہروڑ پکا

منحصر اہلِ ستم پر ہی نہیں ہے محسنؔ
لوگ اپنوں کی عنایت سے بھی مر جاتے ہیں

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ______ کراچی

تجھ بن کہہ نہیں سکتا ایسے میں فرض کرتا ہوں
چلو میں فرض کرتا ہوں، مجھے تم سے محبت ہے

عذرا سرفراز ______ فیصل آباد

اس کی وہ جانے اسے پاسِ وفا تھا کہ نہ تھا
تم فرازؔ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

تنزیلہ باقی ______ کھاریاں

ہجومِ غم میری فطرت بدل نہیں سکتا
میں کیا کروں مجھے عادت ہے مسکرانے کی

واصفہ اکرم ______ کشمیر

کنارہ کر کے رشتوں سے وفائیں ہار کے محسنؔ
محبت کی حقیقت کو جواب سمجھے تو کیا سمجھے

امت الصبور

امرؤ القیس کی سعادت مند بیٹی

مسجد نبوی میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس عظیم افراد کی مجلس لگی ہوئی ہے' جس میں حضرت علی بن ابی طالبؓ ان کے دونوں صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ' صحابہ کرامؓ کی جماعت' اسلام کے سپوت اور فرزندان اسلام تشریف فرما ہیں۔

شام میں لشکر اسلام کی فتوحات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اس دوران ایک پردیسی اس مجلس میں وارد ہوا جو چہرے مہرے اور ظاہری علامات سے سردار دکھائی دے رہا تھا' وہ مجلس میں راستہ بناتا ہوا حضرت عمرؓ کے سامنے آکھڑا ہوا' سلام عرض کیا۔

حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''آپ کون ہیں؟ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟''

اس پردیسی شخص نے بڑے ادب و احترام سے عرض کیا۔

''میں ایک عیسائی ہوں' مجھے **امرؤ القیس بن الکلبی** کے نام سے پکارا جاتا ہے۔''

حضرت عمرؓ پہچان گئے اور آپ نے اہل مجلس سے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ قبیلہ بنوکلب کے سردار ہیں۔

''پھر حضرت عمرؓ نے امرؤ القیس کی طرف توجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''کیا ارادے ہیں' کیسے آنا ہوا؟''

اس نے کہا۔ ''امیر المومنین! میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں!''

حضرت عمرؓ نے اس کے سامنے اسلام کی تعلیمات کی ایک جھلک پیش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت کے دروازے کھول دیے' اس نے اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل کرلیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ امرؤ القیس کلبی جیسے ایک قیمتی انسان نے ان کے ذریعے اسلام قبول کیا۔ یہ اعزاز انہیں سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

سیدنا عمر بن خطابؓ نے امرؤ القیس میں خیر کی علامتیں بھانپ لی تھیں' اپنی فہم و فراست سے ان کی خوبیوں کا اندازہ لگالیا تھا۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں' جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے ایک نیزہ منگوایا' اس پر ایک جھنڈا باندھا اور ان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا کہ

''میں نے آپ کو شام میں رہائش پذیر قبیلہ بنو قضاعہ میں سے مسلمانوں کا امیر مقرر کردیا ہے۔''

حضرت امرؤ القیس وہاں سے پلٹے' مسجد کے دروازے سے نکلے' اسلام کی نورانی چمک ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان دکھائی دے رہی تھی۔

عوف بن خارجہ مری اس دن مجلس میں موجود تھا' وہ یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا' کہنے لگا کہ۔

''اللہ کی قسم! میں نے یہ پہلی دفعہ دیکھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ایک رکعت نماز ادا بھی نہیں کرتا کہ اسے مسلمانوں کی جماعت کا امیر مقرر کردیا جاتا ہے' واہ سبحان اللہ!

یہ شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقرر کردہ امیر تھا' ابھی اسلام کی سربلندی و سرفرازی کی خاطر کوئی کارنامہ سرانجام نہ دیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی فہم و فراست اور دور اندیشی کی بنا پر اسے مسلمانوں کی ایک جماعت کا امیر بنا دیا۔ آپ کی اس سلسلے میں قیافہ شناسی غلط ثابت نہ ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں صاحبزادوں کے ہمراہ اس شخص سے ملے 'اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"چچا جان میں علی بن ابی طالبؓ ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی ہوں اور ان کا داماد بھی' یہ میرے دونوں بیٹے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت امروٴالقیس یہ اعلا نسبت سنتے ہوئے بہت خوش ہوئے' ملاقات کو اپنے لیے سعادت سمجھا' وہ کہنے لگے۔

"آپ سے ملاقات میری خوش قسمتی ہے۔"

پھر تفصیلی باتیں ہونے لگیں اور اسی ملاقات میں انہوں نے اپنی ایک بیٹی سلمیٰ کا نکاح حضرت حسنؓ سے کردیا اور دوسری بیٹی رباب کا نکاح حضرت حسینؓ سے کردیا۔

انہوں نے سوچا کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر عزت والا گھر مجھے اور کہاں سے ملے گا۔ کیوں نہ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ گھرانے سے اپنی نسبت جوڑلی جائے۔

جس دن سے حضرت رباب بنت امروٴالقیس کی شادی حضرت حسینؓ سے طے پائی' اسی دن سے رباب کی شہرت' عزت اور احترام کو چار چاند لگ گئے۔ پہلے وہ صرف ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی تھیں۔ اب وہ دنیا و آخرت کے سردار گھرانے کی ایک فرد بن گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے سے رشتہ جوڑ کو عزتوں کے آسمان کو چھولیا۔ دنیا میں انہوں نے قریش خاندان میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

حضرت امروٴالقیس کی بیٹی حضرت رباب خواتین میں ایک بلند مقام پر فائز ہیں' یہ ان جلیل القدر تابعیات میں سے ہیں' جنہوں نے علم' تقویٰ اور اخلاص کے اعتبار سے اپنے دور میں گہرے اثرات چھوڑے۔

حضرت رباب ایک بڑی ہی ذہین و فطین خاتون تھیں' ان کی زبان سے نہایت عمدہ اشعار کی خوشبو اور ادب کی نہایت ہی خوشگوار لہر منظر عام پر جھلکتی دکھائی دیتی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں ظاہری حسن و جمال سے بھی خوب نواز رکھا تھا۔ بہت سی خوبیاں ان میں جمع ہوچکی تھیں' جن کی بنا پر وہ اپنے سرتاج حضرت حسین بن علیؓ کی نظروں میں پسندیدہ تھیں۔

حضرت حسینؓ اور حضرت رباب کی شادی کے ثمرات حضرت عبداللہ بن حسینؓ اور حضرت آمنہ بنت حسینؓ کی صورت میں سامنے آئے۔ حضرت آمنہ 'سکینہ کے نام سے ——— میں مشہور و معروف ہوئیں۔

اس خوش قسمت اولاد کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان محبت کے جذبات میں مزید اضافہ ہوا۔ حضرت حسینؓ اپنی زوجہ محترمہ حضرت رباب کی دلی طور پر بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ حضرت حسینؓ حضرت رباب کو یوں ہی اہمیت نہیں دیتے تھے' بلکہ وہ ان خواتین میں

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
Herbal
سوہنی شیمپو
SOHNI SHAMPOO

اس کے استعمال سے چند دنوں میں خشکی ختم
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
قیمت -/90 روپے
رجسٹری سے منگوانے پر اور منی آرڈر سے منگوانے والے
دو بوتلیں -/250 روپے تین بوتلیں -/350 روپے
اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ ایم اے جناح روڈ کراچی۔
دستی خریدنے کے لیے:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32216361

سے تھیں جو اپنے خاوند کی قدرو منزلت کو پہچانتی ہیں' حسن تربیت اور خاندان نبوت میں رہن سہن سے ان کی خوبیوں میں مزید نکھار پیدا ہو گیا تھا۔

سرزمین عراق میں بپا ہونے والے معرکہ کربلا میں حضرت رباب بنت امرؤ القیس اپنے خاوند حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھیں' بنو ہاشم کی اور بہت سی خواتین بھی ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت زینب بنت علی، ان کی دونوں بیٹیاں حضرت سکینہ اور حضرت فاطمہ اور ان کے علاوہ بہت سی معزز خواتین ان کے ساتھ شریک سفر تھیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"اے بہن! اے ام کلثوم! اے زینب! اے سکینہ! اے فاطمہ! اے رباب! جب میں شہید ہو جاؤں تو تم میں کوئی بھی اپنے گریبان چاک نہ کرنا اور نہ ہی اپنا چہرہ پیٹنا اور نہ ہی اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات کہنا۔"

سب خواتین نے شدت غم سے اپنے سر جھکا لیے' پھر حضرت رباب کو اپنی بیٹی سکینہ کے بارے میں وصیت کی۔ سرزمین کربلا میں محرم 61ھ کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیے گئے۔ کربلا میں دردناک تیز آندھی کے اختتام پذیر ہونے کے بعد حضرت رباب اہل بیت کی جلیل القدر خواتین کے ہمراہ غم و آلام کو دامن میں لیے واپس مدینہ منورہ آگئیں۔

اہل جنت کے جوانوں کے سردار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا منور چہرہ حضرت رباب کی آنکھوں سے کبھی اوجھل ہی نہ ہوتا تھا۔ خیالات میں ہمیشہ ان ہی کی تصویر چھائی رہتی۔ رباب بنت امرؤ القیس مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئیں۔ جب عدت ختم ہوئی تو معززین قریش کی جانب سے پیغام موصول ہوئے کیونکہ جو خوبیاں ان میں پائی جاتی تھیں، وہ کم ہی کسی خاتون میں ایک ساتھ دیکھنے میں آتی ہیں لیکن اس عظیم المرتبت خاتون کو عقد میں لانا ان کی قسمت میں کہاں۔

حضرت رباب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھا رکھا تھا اور اپنے طور پر یہ عہد کر رکھا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد وہ کسی سے بھی شادی نہیں کریں گی۔

انہوں نے نکاح کی خواہش کا اظہار کرنے والوں کو نہایت خوب صورت انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا جس سے ان کی ذہانت ادب و احترام اور دین داری جھلکتی ہے۔

فرمایا۔

"اللہ کی قسم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا سسر نہیں بناؤں گی۔"

اس طرح انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو اپنا شوہر بنانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا سسر بنانے سے صاف انکار کر دیا۔

ان کا شعر ہے۔

ترجمہ۔ اللہ کی قسم میں تیرے رشتہ کے سوا کسی سے رشتہ نہیں چاہتی' یہاں تک کہ مجھے ریت اور مٹی کے درمیان غائب کر دیا جائے۔

اسی لیے ہشام بن سائب کلبی کہتے ہیں حضرت رباب اس وقت خواتین میں بہتر اور افضل تھیں۔

ابن کثیر نے لکھا ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رباب کی وفات 62ھ میں ہوئی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت رباب پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔ (آمین)

(بہ شکریہ روزنامہ امت)

واصفہ سہیل

(بھئی ہم اس پر کچھ نہیں کہیں گے' یہ خالصتاً" بھٹو خاندان کا مسئلہ ہے۔) مصطفیٰ قریشی نے کہا کہ انہیں لگتا ہے کہ عمران خان "سچے" اور "کھرے" آدمی ہیں۔(اب تو واقعی بنتا ہے کہ عمران خان کسی کو بھیجیں' مصطفیٰ قریشی کے پاس۔ بھئی دعوتِ شمولیت کے لیے۔)

شناخت

پاکستان میں کسی کی کوئی فلم ہٹ ہو جائے اور غلطی سے اسے پڑوسیوں کی طرف سے کوئی آفر آجائے تو وہ خود کو ہواؤں میں نہیں بلکہ آسمانوں پر اڑتا محسوس کرنے لگتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو زمین پر رینگنے والے۔؟(چاہے پڑوسیوں کے کسی تھکے ہوئے تھرڈ کلاس پروڈیوسر کی طرف سے ہی آفر آئی ہو۔) لیکن

شمولیت

لیجیے جناب! ہمارے اداکار بھی کسی سیاست دان (بھئی پاکستانی سیاست دان نا۔) سے کم باتیں نہیں کرتے' اب یہی دیکھ لیں' مصطفیٰ قریشی صاحب (جو پیپلز پارٹی کلچرل ونگ کے سابق صدر رہ چکے ہیں۔) نے چڑھتے سورج' اوہ سوری۔ تحریک انصاف میں شمولیت کے لیے ایک انوکھی سی شرط رکھ دی ہے۔ بھئی یہ کہ عمران خان صاحب خود ان کے گھر آکر انہیں پارٹی میں شمولیت کی دعوت دیں۔ (واہ بھئی' کیا اچھا طریقہ ہے پیغام پہنچانے کا۔ واہ جی واہ۔) وہ خود تو نہیں آئیں گے۔ (آنے کون دے گا؟) انہوں نے کہا' میں نے نہ صرف عمران خان کے پروگرام (کون۔ سا؟ بھئی پروگرام۔) کی تعریف کی' بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ میں نے ان میں بھٹو کی روح دیکھی ہے۔

Downloaded From Paksociety.com

صحیح معنوں میں جو فن کار ہوتے ہیں وہ ایسی حرکتیں نہیں کرتے۔ اب فرحان طاہر (بھئی نعیم طاہر کے بیٹے) کو ہی دیکھ لیں۔ فرحان ان دنوں امریکی فلموں اور ٹی وی سیریز میں کام کر رہے ہیں۔ ''آئرن مین'' میں کام کر کے انہیں بین الاقوامی شہرت ملی۔ پھر انہیں سپر ہیرو سیریز میں ایلی میک میل کے مقابل مرکزی کردار کے لیے لیا گیا۔ فرحان طاہر اس سال امریکن ٹی وی کے چار بڑے پروجیکٹ کر چکے ہیں اور سب میں نمایاں رہے ہیں۔ وہ بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی ایک شناخت بنا چکے ہیں 'مگر وہ صرف کام کیے جا رہے ہیں۔ پاکستانی اداکاروں کی طرح سوشل میڈیا پر صرف باتیں نہیں بنا رہے۔

ڈھٹائی

پچھلے دنوں انڈین آئیڈیل جونیئر میں ایک ننھی گلوکارہ نے عزیر جیسوال کے مشہور گیت ''تیرے بن'' کو بہت خوب صورتی سے گایا۔ تو پروگرام کے جج موسیقار امل ملک نے اس گانے کی کمپوزیشن کا کریڈٹ خود لے لیا۔ پروگرام کی دوسری جج سوناکشی سہنا نے بھی امل کی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ یہ

زیادتی دیکھ کر عزیر جیسوال تو کچھ نہ بولے 'مگر ان کے بھائی عمیر جیسوال نے امل ملک' سوناکشی سہنا اور بھارتی چینلز کے خوب لتے لیے۔ یہ گیت عزیر جیسوال کے نام سے تین سال قبل پاکستان میں نہ صرف سپرہٹ ہو چکا ہے بلکہ ایک بھارتی فلم ''ایک پہیلی لیلا'' میں بھی شامل کیا جا چکا ہے۔ بھارتی فلم انڈسٹری پاکستان میں سپرہٹ ہونے والے کسی بھی گانے کو بڑی ڈھٹائی اور مہارت سے اپنے کریڈٹ پر لینے کی عادی ہو چکی ہے۔

سوچ

دو تین ٹی وی اداکاروں کی بنائی ہوئی فلمیں کیا کامیاب ہوئیں' ہر اداکار خود کو فلم میکر سمجھنے لگا ہے۔ اب دیکھیں نا اعجاز اسلم اداکاری کے ساتھ اپنا پروڈکشن ہاؤس چلا رہے تھے تو انہوں نے سوچا کہ بھائی ہم کیوں پیچھے رہیں کسی سے' تو انہوں نے بھی ذاتی فلم بنانے کا ارادہ کر لیا اور وہ اب اپنے زیر تکمیل ڈراموں کی شوٹنگز کے بعد ذاتی فلم بنانے کی تیاری کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ جس کی کاغذی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اعجاز اسلم کہتے ہیں کہ ٹی وی فن کاروں کو فلم انڈسٹری میں قدم جمانے کے لیے خاصی محنت کرنا

ہو گی۔ (یہ بات اپنے آپ کو سمجھائیں تو بہتر ہے۔) اور ان کے فلمی دنیا میں قدم رکھنے سے یہاں اسٹار سسٹم کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ (اعجاز! ابھی کاغذی کارروائیاں ہیں' تو یہ سوچ ہے اگر تو فلم بن گئی تو۔۔۔؟ اس سوچ کی وجہ سے کہیں یہ کاغذی کارروائی ہی نہ رہ جائے اور آپ۔۔۔؟)

خواہش

کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ' ہر فیلڈ میں نام کمالیں۔ (بھلے سے اپنی اصل فیلڈ میں ان کا نام ہو نہ ہو ملے) اب حمیرا ارشد کو ہی دیکھ لیں اچھا بھلا (بھئی محاورتاً" کہا ہے ناں۔۔۔) گانے گاتی تھیں پتا نہیں کس نے انہیں یہ مشورہ دے دیا کہ انہیں نعتیں بھی پڑھنی چاہئیں ــــــــ (بھئی یہ کام نعت خواں کر تو رہے ہیں) اور وہ بھی ایسی فرماں بردار کہ "فوراً" مان گئیں۔ (میاں کی ایسی فرماں برداری دکھائیں تو؟) خیر رمضان میں انہوں نے ایک حمد اور دو نعتوں کی ویڈیو ریلیز کر دی۔ (تو اصل مقصد کسی نہ کسی بہانے ویڈیو بنانا تھا؟) اس بارے میں حمیرا ارشد کا کہنا ہے کہ "بہت عرصے سے ان کی خواہش تھی کہ وہ حمد اور نعت ریکارڈ کرائیں اب جاکے ان کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ ان کی ڈیزائنر ساویرا کا کہنا ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ حمیرا کو ذرا مختلف لباس پہناؤں (فیشن شو تھا کیا جو۔۔۔؟) اس لیے حجاب کو اس انداز سے پہنایا گیا کہ وہ اچھا لگے۔ (جی اور اس مقصد کے لیے حمیرا کا اتنا میک اپ کیا گیا کہ حجاب۔۔۔؟)

کچھ اِدھر اُدھر سے

☆ ڈاکٹر عاصم حسین کی گرفتاری کے "فوراً" بعد کا ایک مکالمہ زیر گردش ہے۔ موصوف نے تفتیش کاروں سے فرمایا کہ۔۔۔ "ان پر سختی کے کچھ خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ کراچی اندھیروں میں مستقل ڈوب سکتا ہے۔"

(محمد طاہر۔۔۔ ماجرا)

☆ پاکستان کے الیکٹرونک میڈیا پر ان دنوں حلقہ ارباب ذوق (خوشامد پسند) کا قبضہ اور پرنٹ میڈیا پر کسی حد تک غلبہ ہے۔ حلقہ ارباب ذوق (خوشامد پسند) نے یہ فضا بنا رکھی ہے' عوام' سیاست دانوں سے نفرت کرتے ہیں' اتنی زیادہ کہ وہ ملک میں صدارتی نظام یا اسی طرح کے کسی نظام کی دہائی دے رہے ہیں بلکہ ایک حلقہ کے ایک معزز رکن نے تو یہ مطالبہ بھی کر دیا ہے کہ مشرف راج کو بحال کر دیا جائے۔

(عبداللہ طارق سہیل۔۔۔ وغیرہ وغیرہ)

☆ این اے 122 کا الیکشن کالعدم قرار دینے کے جو اسباب بیان کیے گئے تھے ہمیں یقین ہے کہ وہ اسباب اب بھی موجود ہوں گے۔ بہت سے بیلٹ پیپر پر اب بھی مہر نہیں لگ سکی ہوگی۔ کاؤنٹر فائل پر دستخط نہیں ہوں گے۔ کہیں انگوٹھے کا نشان غلط ہو گا اور کہیں لگا بھی نہیں ہو گا' کیونکہ یہ ساری باتیں دھاندلی کے زمرے میں نہیں آتیں' بلکہ یہ بدانتظامی ہے' نالائقی ہے۔ الیکشن کمیشن کی نالائقی اور نااہلی کی سزا ایاز صادق کو دینا غلط تھا اور دوبارہ ایاز صادق کی جیت سے ایک بار پھر یہ ثابت ہو گیا۔

(روزنامہ جسارت)

☆ اب سوال یہ ہے کہ کیا ڈاکٹر عاصم' سرفراز مرچنٹ اور انیس ایڈووکیٹ تینوں ایک ہی لڑی کے موتی ہیں؟ اور یہ لڑی بھتہ خوری' ٹارگٹ کلنگ اور اغوا برائے تاوان کی وارداتیں ہیں' یہ فیصلہ سردست ممکن نہیں۔ کراچی اور لندن میں بیک وقت تفتیش چل رہی ہے۔ اس تفتیش کا نتیجہ کہانی کو پوری طرح کھول دے گا۔

(جاوید چوہدری۔۔۔ زیرو پوائنٹ)

چائنیز کھانے گھر پر بنائیں

خالدہ جیلانی

چلی گارلک ایگ نوڈلز

ضروری اشیاء :

ایگ نوڈلز	ایک پیکٹ (ابال لیں)
ٹماٹو پیسٹ	1/2 کپ
چلی گارلک ساس	1/2 کپ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
شملہ مرچ	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
چیڈر چیز	1/2 کپ
ہری پیاز کے پتے (باریک کٹے ہوئے)	دو کھانے کے چمچے
تیل یا مکھن	تین کھانے کے چمچے

ترکیب :

پین میں تیل یا مکھن گرم کریں اس میں نوڈلز فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں ٹماٹو پیسٹ، چلی گارلک ساس، چینی، نمک ڈال کر ہلکا سا تل لیں، یہاں تک کہ تمام اجزا اچھی طرح سے مل جائیں۔ اس میں شملہ مرچ ملا کر پانچ منٹ مزید اس کو تل لیں۔

ڈش میں نکال لیں، اوپر سے چیڈر چیز کش کیا ہوا اور ہری پیاز کے پتے ڈالیں، کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔ چیڈر چیز کے بغیر بھی یہ ڈش بنائی جا سکتی ہے۔

وائٹ چکن اسپگھٹی

ضروری اشیاء :

چکن (بون لیس)	1/2 کلو
یخنی	ایک کپ
اسپگھٹی (ابال لیں)	ایک پیکٹ
مشروم (سلائس کاٹ لیں)	ایک ٹن
کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
کریم	ایک پیکٹ
شملہ مرچ (چوپ کرلیں)	ایک عدد
مکھن	100 گرام
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد (درمیانی)
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

مکھن گرم کریں، پیاز اور لہسن ڈال کر نرم کریں، اس کے بعد چکن ڈال کر فرائی کریں، کچھ دیر بعد مشروم ڈال کر فرائی کریں۔ اس میں یخنی، کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر دم دیں، جب یخنی خشک ہو جائے تو کریم ڈالیں اور اچھی طرح مکس کر کے اس میں لیموں کا رس ڈال دیں۔ دو منٹ ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ڈش میں بوائل اسپگھٹی ڈالیں، اس پر وائٹ چکن ڈالیں اور اوپر سے شملہ مرچ سے سجا کر سرو کریں۔ کریم کی جگہ بالائی بھی ڈالی جا سکتی ہے۔

چکن نوڈلز دیسی اسٹائل

ضروری اشیاء :

نوڈلز (ابال کر چھان لیں)	ایک پیکٹ
مرغی کا گوشت (بون لیس)	1/2 کلو
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	1/4 چائے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر	چائے کا چمچہ
ادرک لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
دہی	1/4 کپ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
تل (توے پر بھون لیں)	1/4 کپ

پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ساس پین میں تیل گرم کرکے پیاز کو ساتے کرنے کے بعد اس میں گوشت ڈال کر تل لیں۔ کٹی لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، گرم مسالا پاؤڈر، ادرک، لہسن پیسٹ، دہی اور نمک ڈال کر فرائی کریں۔ پانچ منٹ تک ڈھک کر پکائیں، جب پانی خشک ہوجائے تھوڑے پانی میں کارن فلور گھول کر ڈال دیں۔

سرونگ پلیٹ میں بوائل نوڈلز پھیلا کر اوپر سے چکن اور تل ڈال دیں اور گرم گرم پیش کریں۔

ڈرائی بیف چلیز

ضروری اشیاء :

گائے کا گوشت (انڈر کٹ لیں)	آدھا کلو
ہری مرچ	پندرہ عدد
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
کالی مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
میدہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے چھلے ہوئے (باریک کچل لیں)	آٹھ عدد
تیل	چار کھانے کے چمچے

ترکیب :

گوشت کے فریز کیے ہوئے ٹکڑے نکال کر تیز چھری کے ساتھ باریک پارچے کاٹ لیں، پھر ان پارچوں میں نمک، چینی کالی اور سفید مرچ، سویا ساس، سرکہ، لہسن، کارن فلور اور میدہ ڈال کر اچھی طرح ملا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ جب کھانا نکالنا ہو تو ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں پھر مسالا لگے پارچے ڈال کر تیز آنچ پر ہلکا سا تل لیں، جب پانی خشک ہونے لگے تو آنچ ہلکی کردیں۔ دوسرے فرائنگ پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر ہری مرچوں کو تل کر چاول یا روٹی کے ساتھ تناول فرمائیں۔

چکن منچورین

ضروری اشیاء :

چکن بغیر ہڈی کی	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد
ٹماٹو ساس	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

سب سے پہلے چکن کو چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں پھر اس میں سرکہ، سویا ساس، نمک، چینی اور ایک کھانے کا چمچہ کارن فلور ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں ـــــ چولہے پر ایک کڑاہی رکھیں، تیل ڈال کر گرم کریں، لہسن ادرک ڈال کر ہلکا سا بھون کر پسی ہوئی پیاز ڈال دیں، ہلکی گلابی ہوجائے تو ٹماٹو ساس، سفید مرچ ملا کر ساس بنالیں۔ ایک الگ فرائنگ پین میں چکن کو ہلکا سا تل کر ساس میں ڈال دیں۔ تھوڑا سا بھون کر کارن فلور پانی میں گھول کر ڈالیں، ساتھ ہی میدہ ڈال کر جلدی جلدی چمچہ چلائیں۔ جب ساس گاڑھی ہوجائے تو منچورین چکن تیار ہے۔

ادارہ

بالوں کو خوب صورت اور طاقتور بنائیں!

بالوں کے بارے میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کے بال کس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ چکنے بال عموماً" تیل میں ڈوبے اور سر سے چپکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بال مٹی، میل اور گرد کو جلدی جذب کر لیتے ہیں۔ چکنے بالوں کے لیے زیادہ صفائی کی ضرورت ہوتی ہے بیکری کی اشیا کھانا چھوڑ دیں۔ انگور اور سیب چھلکوں سمیت کھائیں۔ اس سے بالوں پر اچھا اثر پڑے گا۔ آپ ایسی خوراک لیں جس میں وٹامن بی کمپلیکس اور آیوڈین زیادہ ہو۔

بالوں کو دھونے کے بعد ایک چمچہ سرکہ ایک گلاس پانی میں ملا کر سر میں لگائیں پھر پانی سے اچھی طرح سر دھولیں۔ کافی حد تک چکنائی ختم ہو جائے گی۔ چکنائی دور کرنے والے شیمپو استعمال کریں۔

خشک بال : بالوں کو خشکی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ مکمل غذا لی جائے متوازن غذا سے بہت جلد بال ٹھیک ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ تیل سر کے بالوں کی بہت بڑی ضرورت اور خوراک ہے۔ زیتون، ناریل یا خالص سرسوں کے تیل کی مالش کرنے سے بھی خشک بالوں سے نجات مل جاتی ہے۔

خشک بال بہت روکھے اور رنگت کے اعتبار سے اڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کو سیٹ کر کے کوئی شکل دینا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہفتے میں دو بار رات کو سوتے وقت تیل کی مالش کریں۔

انگلیوں سے آہستہ آہستہ بالوں کی جڑوں میں تیل پہنچائیں۔ صبح اٹھ کر کسی اچھے شیمپو سے سر دھولیں۔ ہفتے میں ایک بار دہی میں لیموں ملا کر بالوں پر لگائیں اور ایک گھنٹہ بعد دھولیں۔

نارمل بال : صحت مند بالوں کی پہچان یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی کھردراپن نہ ہو خشکی اور سوکھاپن نہ ہو۔ بالوں کو اگر ٹھیک طرح سے خوراک نہ ملے تو بالوں کی قدرتی چمک اور رنگت ماند پڑ جاتی ہے۔ تیل کا باقاعدگی سے استعمال کریں۔ اس سے بالوں کو مضبوطی، چمک و دمک اور قوت ملتی ہے۔ وقتاً" فوقتاً" سر میں تیل ڈالنا چاہیے۔ سرسوں یا ناریل کا تیل ایسے بالوں کے لیے مفید ہے۔

گنجاپن دور کرنے کے لیے ایک مفید اور کار آمد نسخہ یہ ہے کہ کشمش عمدہ ایک حصہ اور ایلوویرا نصف حصہ لے کر خوب اچھی طرح پیس لیں اور جہاں بال نہیں ہیں وہاں لیپ کریں اگر مرض شدت سے ہو تو معائنہ ضرور کروائیں تاکہ اس کا بروقت علاج ممکن ہو اور بالوں کو تیزی سے گرنے سے بھی روکا جا سکے۔ بالوں کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے تھوڑا سا شیمپو ہتھیلی میں لیں اس میں پانی ملائیں اور پھر اس مرکب کو سر پر اچھی طرح ملیں تاکہ بالوں کی جڑ تک پہنچیں اب سر کو اچھی طرح دھولیں۔

وٹامن بی کی کمی بھی بالوں کے لیے مضر ہے۔ تھوڑی سی محنت اور توجہ آپ کے بالوں کی خوب صورتی اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

خشکی دور کرنے کے حوالے سے بعض ماہرین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ خواتین سر پر انڈے اور دہی کا محلول بنا کر لگائیں اور آدھے گھنٹے کے بعد سر کو اچھی طرح دھولیں۔ یہ عمل دو ماہ تک جاری رکھنے سے خشکی کا خاتمہ ممکن ہے۔ بالوں کی چمک بڑھانے کے لیے انڈے اور دہی میں تیل بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بال گھنے اور لچک دار ہو جاتے ہیں۔

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	روبی انعم
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا